

598

علم لدنی کا شاہکار

598

# عزیزہ معارف

مشہور عربی کتاب ابو یوسف کا سیس اردو ترجمہ

اس کتاب میں حضرت علامہ احمد بن مبارکؒ بلجاسی نے غوثِ زمان حضرت سید عبد العزیز و باغ مغربی کے مختصر سوانح حیات، عقائد، کرامات، بعض آیات قرآنی، احادیث نبویؐ کی مفید تشریحات اور علم و عرفان کی نادر باتیں جمع کی ہیں

حصہ اول



ترجمہ از

ڈاکٹر پیر محمد حسن ایم۔ اے۔ پنی ایچ۔ ڈی  
پرنسپل گورنمنٹ ہائر سکول (راولپنڈی)

## علمی کتاب خانہ - اردو بازار - لاہور

ہدیہ حصہ اول ۵/۸ روپے - حصہ دوم ۴/۸ روپے - جلد یکم - ۱۲ روپے

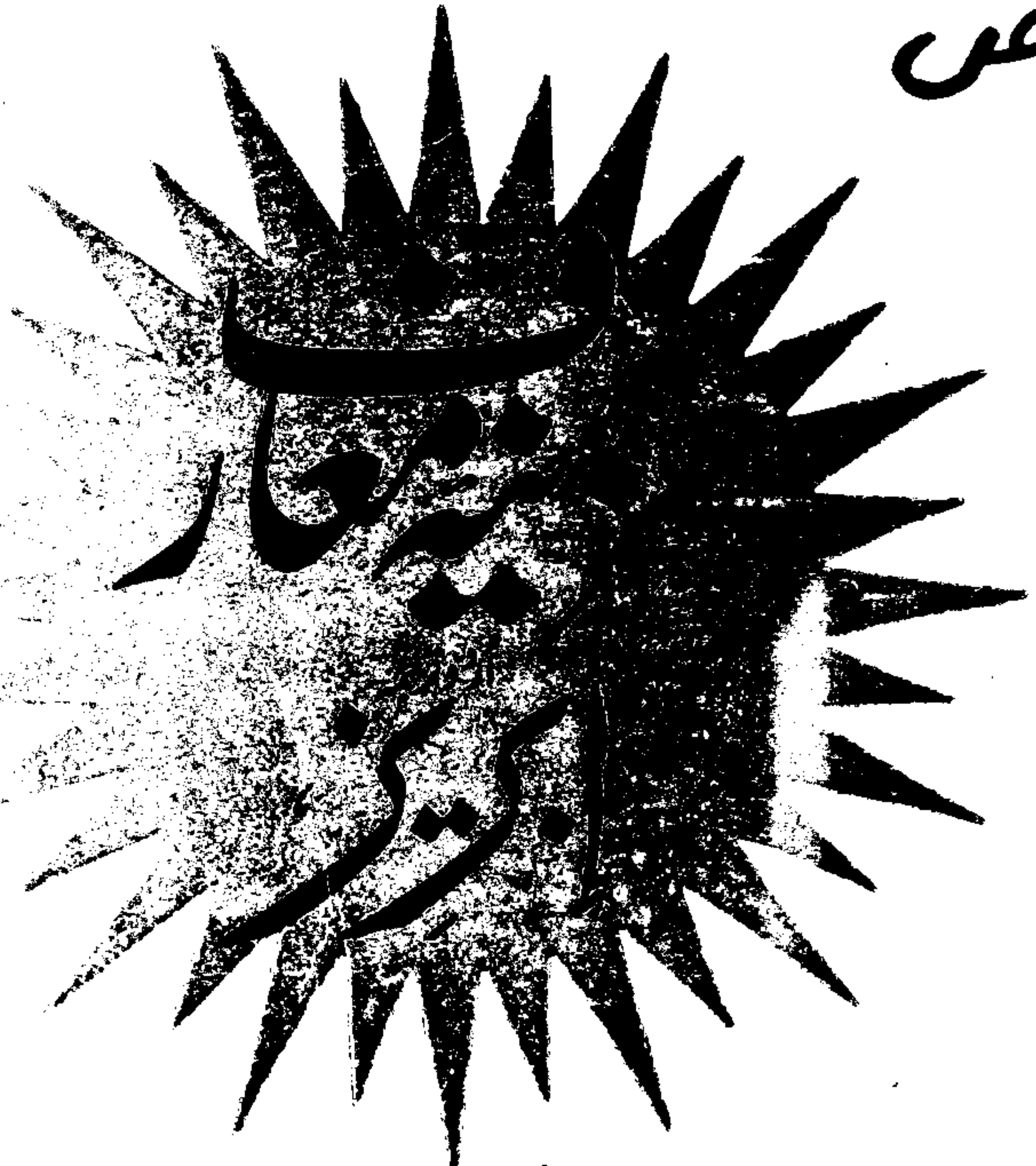
نقوش پریس لاہور





معرفة اور علم لدنی کی لاجواب کتاب

حصہ



مع خواہی و پیش فقط از ترجمہ

جس میں حضرت علامہ محمد بن رکن جمالی غوث زمانہ حضرت عبدالعزیز دہلوی کے تصورات زندگی متعدد آیات قرآنی احادیث نبوی کی منیظہ تشریح و علم فاران کی دیرینہ کی پیش

مترجمہ

تفہیم ۵۱

پیر محمد کن ایسا اپنی ایچ ڈی پریل گورنمنٹ ہائیکلڈری سکول اولہ پٹی

علمی کتاب خانہ

53278



# فہرست مضامین

حصہ اول

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸	کشف کی ایک اور مثال	۱	خطبہ
۸	قیام اللیل میں فشتالی کی حالت	۱	نسب نامہ حضرت عبدالعزیز و باغ
۹	کشف کی مثال	۲	جبریل کا آنحضرت سے حقیقت ایمان کے تعلق سوال کرنا
۹	آداب شرع کا پاس	۳	جامع کتاب کی حضرت و باغ سے پہلی ملاقات
۹	فشتالی کا صبر و تحمل	۳	ابتداء تالیف کتاب
۹	ہمسایوں سے برتاؤ	۴	العربی الفشتالی کا مبارک بن علی کی بیعت کرنا
۹	کشف و کرامت کی ایک اور مثال	۴	عبدالعزیز و باغ کا فارحہ سے نکاح
۹	ایک واقعہ	۵	العربی الفشتالی کے کشف کی ایک مثال
۹	کشف کی مثال	۵	العربی کی مسعود و باغ سے محبت
۱۰	فشتالی کا شاہد عادل ہونا	۵	عبدالعزیز و باغ کی ولایت کی پیشین گوئی
۱۰	فصل ثانی	۶	العربی کی وفات
۱۰	عبدالعزیز و باغ کی حضرت سے ملاقات	۶	عبدالعزیز کی ولادت
۱۱	عمر بن محمد سواری کی وفات	۶	الفشتالی کا مرتبہ
۱۲	حضرت عبدالعزیز و باغ کا شرح صدر	۶	فشتالی کے کشف کی ایک اور مثال
۱۳	عبداللہ تاوی سے ملاقات	۷	کشف کی تیسری مثال
۱۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت	۷	فشتالی کا اپنے احوال کو چھپانا
۱۳	عبداللہ برناوی کا و باغ کے سامنے عورت کی صورت میں آنا۔	۷	عمر بن الفارنس کے ایک شعر کا الفشتالی پر اثر
۱۴		۸	انحفا عمل کی ایک اور شہادت



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹	ساقویں کرامت	۱۳	عبداللہ بن نادی کی وفات
۳۰	آٹھویں کرامت		سالیحین خزانہ ایک دوسرے سے کتنا دور ہی
۳۲	نویں کرامت	۱۴	کیوں نہ دیتے ہوں ان کے درمیان بعد نہیں ہوتا
۳۳	دسویں کرامت	۱۵	دباؤ نہ دے، نادی کے دوسرے ورثہ میں لے
	اللہ کی معرفت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ	۱۵	قطبہ زمان منصور بن احمد کے ملاقات
۳۴	وسلم کی معرفت ضروری ہے۔	۱۶	منصور بن احمد کی وفات
	وہ کرامت و کشوف جو محمد بن احمد زبیری		سید عبداللہ بن نادی منصور بن احمد سے بڑے
۳۴	سے پیش آئیں۔	۱۶	تھے۔
۳۵	حضرت کا ایک کشف	۱۶	محمد لہراج سے ملاقات۔
۳۵	دوسرا کشف	۱۶	کتھان ستر کی تائید
۳۵	تیسرا کشف	۱۶	کتھان ستر کے بارے میں پہلی حکایت
۳۶	چوتھا کشف	۱۷	دوسری حکایت
۳۶	پانچواں کشف	۱۸	تیسری حکایت
۳۶	چھٹا کشف	۱۸	چوتھی حکایت
۳۶	ساتواں کشف	۲۰	پانچویں حکایت
۳۶	آٹھواں کشف	۲۰	تیسری کشف - شیخ کی بعض کرامات کا بیان
۳۶	نواں کشف	۲۳	کرامت اول، سلامت عقیدہ
۳۶	کرامت	۲۴	احادیث و وفات کے متعلق سوال
۳۸	دسواں کشف		جنت کی نعمتوں کی حقیقت و نیا و لسنہ معارف
۳۹	کرامت اور گیارہواں کشف	۲۴	نہیں کر سکتے۔
۳۹	بارہواں کشف	۲۴	احادیث و وفات کے متعلق مولف کی تشریح
۳۹	تیرہواں کشف	۲۶	دوسری کرامت
۳۹	کرامت	۲۶	تیسری کرامت
۴۰	بودھواں کشف	۲۸	چوتھی کرامت
۴۰	پندرہواں کشف	۲۹	پانچویں کرامت
۴۰	ایک اور کرامت	۲۹	چھٹی کرامت



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۲	چوٹھی کرامت	۴۱	فقیر علی بن عبداللہ الصباغی کی بیان کردہ کرامات
۵۲	پانچویں کرامت	۴۱	پہلی کرامت
۵۲	چھٹی کرامت	۴۱	دوسری کرامت
۵۲	ساتویں کرامت	۴۲	تیسری کرامت
۵۲	آٹھویں کرامت	۴۳	چوٹھی کرامت
۵۲	نویں کرامت	۴۴	پانچویں کرامت
۵۲	دسویں کرامت	۴۵	چھٹی کرامت
۵۲	گیارہویں کرامت	۴۵	ساتواں کشف
۵۲	بارہویں کرامت	۴۶	آٹھواں کشف و کرامت
۵۵	تیرہویں کرامت	۴۶	نواں کشف
۵۶	چودھویں کرامت		حضرت کی ان کرامات کا ذکر جو الفقیر
۵۶	پندرہویں کرامت	۴۶	عبداللہ بن علی تازی نے بیان کیں۔
۵۶	سولہویں کرامت	۴۶	پہلی کرامت
۵۶	سترہویں کرامت	۴۶	دوسری کرامت
۵۶	اٹھارہویں کرامت	۴۸	تیسری کرامت
۵۶	انیسویں کرامت	۴۸	چوٹھی کرامت
۵۹	بیسویں کرامت	۴۸	پانچویں کرامت
۶۰	احادیث کے متعلق استفسار	۴۸	چھٹی کرامت
۶۰	انیسویں اور سب سے بڑی کرامت	۴۸	ساتویں کرامت
۶۰	أَمْرًا أَنْ أَحْكَمَ بِالْقَوْلِ هِيَ	۴۹	آٹھویں کرامت
۶۰	كُنْتُ لَنَا لَا أَعْرِفُ	۴۹	نویں کرامت
۶۰	أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْعَقْلَ		اور رضی سید العزلی الزیادی کی تحریر کردہ
۶۱	رَأَيْتُ وَأَعِنْدَ الْفُقَرَاءِ بِيَدًا	۴۹	کرامات۔
۶۱	أَحَبُّ الْعَرَبِ لِيَثَلَتْ	۴۹	پہلی کرامت
۶۱	عَلَّمَ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ	۵۰	دوسری کرامت
۶۱	أَنَا فَصَحُّ مَنْ نَطَقَ بِالنَّصَائِدِ	۵۰	تیسری کرامت



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۵	سات حروف کیا ہیں؟	۶۲	کلام نبی چھپا نہیں رہتا
۷۵	۱. حرف نبوت	۶۲	اولیاء کلام نبی کو کیسے پہچانتے ہیں
۷۵	۲. حرف رسالت	۶۲	دوسری پہچان
۷۵	۳. حرف آدمیت		اولیاء خواہ اُمّی ہی کیوں نہ ہوں قرآن اور
۷۵	۴. حرف روح	۶۲	حدیث میں امتیاز کر سکتے ہیں۔
۷۵	۵. حرف علم	۶۳	قرآن اور حدیث قدسی میں فرق
۷۵	۶. حرف قبض	۶۳	حدیث قدسی کی قسمیں
۷۶	۷. حرف بسط		حدیث قدسی کلام خداوندی نہیں بلکہ کلام
۷۷	شیخ کی تقریر پر اعتراض	۶۵	نبیؐ ہے۔
۷۸	شیخ ذم کی طرف سے اعتراض کا جواب	۶۵	ذم نبیؐ کی تشریح
۷۹	حدیث کی مزید تشریح	۶۶	دوسری تشریح
۷۹	اجزاء آدمیت اور اس کا پہلا جزو	۶۶	ذم نبیؐ کی تین حالتیں
۷۹	دوسرا جزو	۶۶	تیسری تشریح
۸۰	تیسرا جزو		کلام پاک کی بیعت اور بددہشاہی فرمان
۸۰	چوتھا جزو۔ حسن باطنی کا کمال	۶۷	کا سا ہے۔
۸۰	پانچواں جزو۔ نہ ہونا۔	۶۷	کلام اللہ کی پہچان
۸۰	چھٹا جزو۔ انسانی جسم سے شیطانی حصہ نکال دینا	۶۷	پہلی پہچان: طاقت بشری سے خارج ہونا
۸۰	ساتواں جزو کمال عقل	۶۸	دوسری پہچان: اس میں دہدہ پایا جاتا ہے
	۲۔ قبض	۶۸	تیسری پہچان
۸۱	۱۔ حاشہ	۶۹	چوتھی پہچان
۸۰	۲۔ انصاف	۷۰	پہلا باب
۸۱	۳۔ اللہ سے نفرت		وہ احادیث میں کا مطلب ہم سنو شیخ کے
۸۱	۴۔ حق بات کہنے سے باز رہنا۔	۷۰	دریافت کیا
۸۱	۵۔ قبیل احکام	۷۰	پہلی حدیث
۸۱	۶۔ میل زلی الخیس	۷۰	اس حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب
۸۱	۷۔ کمال گرفت	۷۰	دوسری حدیث۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ اَنْزَلَ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَخْبَرْت



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۰	۵۔ رُوح	۸۲	۳۔ بسط
۹۰	۱۔ ذوق الانوار	۸۲	۱۔ فرح کامل
۹۱	ذوق رُوح اور ذوق شہم میں فرق	۸۲	۲۔ سکون خیر فی الذات
۹۱	رُوح خمڑی اور دیگر ارواح میں فرق	۸۲	۳۔ فتح حواس ظاہرہ
۹۲	۲۔ ظہارت		فتح حواس ظاہرہ اور کمال حواس ظاہرہ میں
۹۲	آنحضرتؐ کی روح مسببہ بڑی روح ہے	۸۲	فرق
	خون کی صفائی پادراتوں سے حاصل ہوتی	۸۲	۴۔ فتح حواس باطنہ
۹۲	ہے۔	۸۲	۵۔ مقام رفعت
۹۳	۳۔ تمیز	۸۳	۶۔ حسن ستماوز
۹۳	رُوح خمڑی سے کوئی چیز خوب نہیں	۸۲	۷۔ زم خوردی و تواضع
۹۴	علم اولیٰ المراد علم ذاتی میں کیا فرق ہے		ادبیت، قبض اور بسط کے اجزاء، انبیاء وغیر
۹۵	۴۔ بصیرت		انبیاء دونوں میں پائے جاتے ہیں لیکن انبیاء میں
۹۵	۵۔ مہم غفلت	۸۲	بدرجہ اکل ہوتے ہیں۔
۹۶	۱۔ لا اله الا انت و لکنی افسوس لا منت	۸۲	ذات نبی اور غیر نبی سے قبض میں فرق
۹۶	۶۔ قوت سر بیان	۸۲	شیاطین کا قبض
۹۶	یحییٰ علیہ السلام کا قبضہ	۸۵	عائتہ المؤمنین کا قبض
۹۶	اولیاء اللہ میں بھی ترات پائی جاتی ہے	۸۵	۳۔ نبوت
۹۸	واقعہ صغرات	۸۵	۱۔ حق گوئی
۹۸	۷۔ مولدات اجرام کا عدم اساس	۸۶	حکایت
۹۹	۸۔ علم	۸۶	دوسری حکایت
۹۹	۱۔ معلولات سے باز اٹھانا	۸۶	۲۔ صبر
۱۰۰	۲۔ نتائج ذکر	۸۶	۳۔ رحمت
	۳۔ زبانوں، حیوانوں اور بہادرات کی	۸۸	۴۔ معرفت الہی
۱۰۱	آواز کی معرفت	۸۸	۵۔ خوب تاہم
۱۰۲	۴۔ نام سے واقفیت	۸۹	۶۔ بغض باطل
	۵۔ ان علوم کی معرفت، جن کا تعلق انسانوں	۸۹	۷۔ عفو

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶	عمر بن عبدالعزیز کی قراءت مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ	۱۰۳	اور جنہوں سے ہے۔
۲۶	ذکورہ بالا قراءتوں کے علاوہ اور قراءتیں		۶۔ ان علوم کی معرفت جن کا تعلق کونین کے
۲۳	ایٹاک کی مختلف قراءتیں	۱۰۴	احوال کے ساتھ ہے۔
۲۳	اسواری کی قراءت اِيَّاكَ	۱۰۴	۷۔ جہات کا ایک جہت میں محصور ہونا۔
۲۳	بعض اہل مکہ کی قراءت اُنْعَبُدُ	۱۰۵	۸۔ رسالت
۲۴	ایٹاک اُنْعَبُدُ کی قراءت	۱۰۵	۱۔ روح کا جسم میں برضا اور رغبت قیام
۲۵	قراءت اُنْعَبُدُ و	۱۰۶	۲۔ علیم کا بل
۲۶	یحییٰ بن ثناب کی قراءت نَسْتَعِينُ	۱۰۶	۳۔ صدق
۲۶	حضرت عمر کی قراءت غَيْرِ الْمَغْضُوبِ	۱۰۶	۴۔ سکینہ و وقار
۲۶	ابو ایوب سخنی کی قراءت وَلَا الضَّالِّينَ	۱۰۸	۵۔ مشاہدہ کا بلہ
۲۶	مقام نبوی	۱۰۸	۶۔ زندگی میں موت
۲۸	شرح حال روح	۱۰۸	۷۔ جنتیوں کی سرزندگی بسر کرنا
۲۸	معارف اولیاء کی شرح		قرآن مجید میں بحن کے بارے میں ابو بکرؓ
	شرح حدیث أَنْزَلَ الْقُرْآنَ عَلٰی سَبْعَةِ	۱۱۶	باتلائی کی رائے۔
۲۸	آخریہ		نزول وحی کے بعد آنحضرتؐ معجزہ کے طور پر
	آیضاً قراءت اور حضرت کے بیان میں فرق	۱۲۲	لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے۔
۲۹	کہیں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ قرآن کی تفسیر انہی	۱۲۲	قرآن کا رسم الخط تو قیفی ہے۔
۲۹	سات باطنی سطوح سے ہو سکتی ہے اور بس	۱۲۲	إِنِّي فِي الْقُرْآنِ لَمُحْتَسِبٌ
	حروف محفوظہ کے اسرار کا علم سوائے اصحاب	۱۲۸	حرکات ثلثہ اور جزم کے انوار
۵۰	شعبہ کے کسی کو نہیں ہو سکتا۔	۱۲۹	رفع کی سات قسمیں ہیں
۵۰	قرآن مجید کا رسم الخط تو قیفی ہے۔ اصطلاحی نہیں	۱۲۹	جزم کے اقسام
۵۱	دو اعتراضات کی جواب	۱۲۹	زبر کے اقسام
۵۲	کلام شیخ احمد امدادیث میں تطبیق	۱۲۹	زیر کے اقسام
۵۸	اختلاف قراءت سات قسم کا ہے	۱۳۷	سورہ فاتحہ کی مختلف قراءتوں کے معانی
۶۰	تیسری حدیث الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ الخ	۱۴۱	حضرت علیؓ کی قراءت مَلَايِكِ يَوْمِ الدِّينِ
۶۵	ابو ایوب کی وہ شرح جو امام غزالی نے کی ہے	۱۴۱	ابو یوسف کی قراءت مَلَايِكِ يَوْمِ الدِّينِ



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۷۹	قتیبہ بن سعید وغیرہ کی رائے اور اس کا جواب	۱۷۶	مارزی کی تشریح
۱۷۹	امام طحاوی وغیرہ کی رائے	۱۷۶	ابوسعید سفاقی کی تشریح
۱۸۰	ایک اور قول	۱۷۶	اس پر اعتراض
۱۸۰	ایک اور قول	۱۷۶	تیسرے اعتراض کا جواب
۱۸۰	ابن العربی کی رائے	۱۷۶	جواب الجواب
۱۸۰	حضرت سید عبدالعزیز و بانغ کی بیان کردہ تشریح	۱۷۶	چوتھے اعتراض کا جواب
۱۸۳	پہراہ ثلثہ سے کون مراد ہیں؟	۱۷۶	دوسرے اعتراض کا جواب
۱۸۶	خواب کیا ہے اور کیسے نظر آتی ہے؟	۱۷۸	ابن حجر کے بیان پر اعتراض
۱۸۶	ارزی کی رائے	۱۷۸	ابوجعفر طبری کا بیان
۱۸۶	فلاسقہ کی رائے	۱۷۸	ابن بطلال کا بیان
۱۸۶	معتزلہ کی رائے	۱۷۸	ایک اور بیان
۱۸۶	ابن عربی کی رائے	۱۷۹	امام ابو محمد ابن ابی جمرا کا بیان
۱۸۶	صالح معتزلی کی رائے	۱۷۹	رحمانی و شیطانی خوابیں
۱۸۶	خواب کے متعلق اہل سنت کی رائے	۱۸۰	سچی اور جھوٹی خوابیں
۱۸۷	ایک اور رائے	۱۸۱	ضرور ساں اور غیر ضرور ساں خوابیں
۱۸۷	ایک اور قول	۱۸۱	جب خواب نقصان دہ نہیں تو پھر تعوذ کا
۱۸۸	اس حدیث کے متعلق ذہبی کی رائے	۱۸۲	کیوں حکم دیا گیا۔
۱۸۸	ایک اور رائے	۱۸۳	بائیں طرف تھوکنے کا کیوں حکم دیا گیا
۱۸۹	خواب کی دو قسمیں ہیں۔ خواطر اور اوراکات	۱۸۳	وائیں جانب سے کیا مراد ہے؟
۱۸۹	پہلی قسم - اوراکات	۱۸۳	تین ہارتھکار نے میں حکمت
۱۹۰	علوم غلطی کے دس درجے ہیں	۱۸۳	پریشان خواب دیکھنے کے بعد اذہن پرستے کا حکم
۱۹۰	پہلا درجہ	۱۸۳	آنحضرت کی موجودگی میں ابو بکرؓ کی وی جہول تعبیر
۱۹۰	دوسرا درجہ	۱۸۳	کے متعلق سوال۔
۱۹۱	تیسرا درجہ	۱۸۴	حدیث کے الفاظ کی روایت میں اختلاف
۱۹۱	چوتھا درجہ	۱۸۴	ابوبکرؓ کی غلطی کے بارے میں علماء کا اختلاف
۱۹۲	پانچواں درجہ	۱۸۴	قاضی عیاض کی رائے

صفحہ	مضمون	شمارہ	مضمون
	تعبیر رُثِیَا لِمَا وَابِی عِلْمٌ هُوَ - جو کسب سے حاصل نہیں ہو سکتا۔	۱۹۳	چٹا درجہ
۲۰۴		۱۹۳	ساتوں درجہ
۲۰۵	حدیث الإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ رَبَّكَ الْخَلْقَ تَشْرِیْخًا	۱۹۴	آنکھوں درجہ
۲۰۵	سوال درجہ	۱۹۴	نواں درجہ
۲۰۶	سوال درجہ	۱۹۵	دسواں درجہ
	قرآن کی آیت کو جلا دینے کی حدیث کے متعلق سوال	۱۹۵	درجات طہارت
۲۰۷	جواب	۱۹۵	طہارت کا پانچواں درجہ
۲۰۸	جنت اور دوزخ کی بحث والی حدیث کے متعلق سوال	۱۹۶	دوسرا درجہ
۲۰۹	جنت اور دوزخ کی بحث والی حدیث کے متعلق سوال	۱۹۶	تیسرا درجہ
	بہر نیل کا کچھ مدت تک وحی نہ لے کر آنے والی حدیث کے متعلق سوال	۱۹۶	چوتھا درجہ
۲۱۰	حدیث میں اللہ کا مؤمنین کے سامنے آنا	۱۹۷	پانچواں درجہ
۲۱۱	حدیث إِنَّ قَلْبَ الصَّبْرِ بَيْنَ الْخَلْقِ كَالْحَبْلِ بَيْنَ الْيَدَيْنِ	۱۹۷	چھٹا درجہ
	سوال	۱۹۷	ساتواں درجہ
۲۱۳	جواب	۱۹۷	آنکھوں درجہ
۲۱۳	حدیث - تَبْرَأُ سُوْدُ نِيَامِ اللّٰهِ كَادَايَا نَامَةً	۱۹۸	نواں درجہ
	سوال	۱۹۸	دسواں درجہ
۲۱۴	حدیث يُوَاتِي بِالْمَوْتِ فِي سُوءِ تَكْبِيْهِ الْخَلْقَ	۱۹۹	سوال
	سوال	۱۹۹	جواب - انبیاء کی خواہشیں وہ قسم کی ہیں۔ سوال اور وحی
۲۱۵	حدیث يُوَاتِي بِالْمَوْتِ فِي سُوءِ تَكْبِيْهِ الْخَلْقَ	۱۹۹	مصلح وہ مرتبہ ہوئی۔ اس مرتبہ روحانی اور دوسری مرتبہ جسمانی
۲۱۵	حدیث يُوَاتِي بِالْمَوْتِ فِي سُوءِ تَكْبِيْهِ الْخَلْقَ	۱۹۹	نواب وحی
۲۱۶	حدیث يُوَاتِي بِالْمَوْتِ فِي سُوءِ تَكْبِيْهِ الْخَلْقَ	۱۹۹	سوال
۲۱۶	حدیث يُوَاتِي بِالْمَوْتِ فِي سُوءِ تَكْبِيْهِ الْخَلْقَ	۱۹۹	جواب
	سوال	۲۰۰	جناب سید الوجود عبد السلام کو جواب دینا
۲۱۶	حدیث يُوَاتِي بِالْمَوْتِ فِي سُوءِ تَكْبِيْهِ الْخَلْقَ	۲۰۰	سوال
	سوال	۲۰۰	جواب
۲۱۹	حدیث يُوَاتِي بِالْمَوْتِ فِي سُوءِ تَكْبِيْهِ الْخَلْقَ	۲۰۲	جناب سید الوجود عبد السلام کو جواب دینا
	سوال	۲۰۲	جواب کی دوسری رسم
	حدیث يُوَاتِي بِالْمَوْتِ فِي سُوءِ تَكْبِيْهِ الْخَلْقَ	۲۰۳	سوال
	جبرئیل کا ایک سائل کی صورت میں آنا	۲۰۳	سوال



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۴۰	۲۔ اَتَجْعَلُ فِيهَا الْاِيْتَا		حدیث مَامِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَقَدْ اَعْطِيَ مَا مِثْلُهُ
۲۴۱	۳۔ اَتَّبِعُوا اَحْسَنَ مَا اُنزِلَ اِلَيْكُمْ	۲۲۲	اَمِنْ عَلَيَّ الْبَشَرَا
	قرآن مجید کی متعدد آیات میں سُبْحَ كُوْبَسْرٍ	۲۲۳	مشاہدہ نبی کریم
۲۴۲	مقدم کیوں لایا گیا ہے ؟	۲۲۵	حدیث الاَشْعَرِيَّيْنِ
۲۴۲	الْاِيْتَا وَالَّذِيْنَ اِذَا قَعَلُوْا فَاَحْسَنَتْ	۲۲۸	تابیر نخل کا قصہ
۲۴۵	الْاِيْتَا وَالزَّمَمَةُ كَلِمَةُ التَّقْوَى	۲۳۰	حدیث اِذَا اَذِنَ بِالصَّلَاةِ اَدْبُوْا الشَّيْطَانَ وَلَمَّا خَرَّطَ
۲۴۵	وَاِنَّ اَهْلَكَ عَادٌ لِاَوْلَى	۲۳۰	حدیث اَمِيَّتٍ عِنْدَ رَبِّيْ يُصَفِّيْنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ
۲۴۸	حضرت و باغ غوث وقت تھے	۲۳۱	ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
۲۴۸	وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ اِذَا يَخْلَعَانِ فِي الْحَرْثِ الْاِيْتَا	۲۳۲	ولادت نبوی کس ماہ میں ہوئی
۲۵۱	حکایت	۲۳۲	آنحضرت کا یوم ولادت
۲۵۲	يَوْمَ يَكْشَفُ عَنْ سَابِقِ	۲۳۳	آنحضرت کا سال ولادت
۲۵۲	مَشِيْنَا۔ يَا۔ مَشِيْنَا	۲۳۳	آنحضرت کی مدت حمل
۲۵۲	انجیل کے معنی	۲۳۳	آنحضرت کے بغل کے بال
۲۵۲	توراة کے معنی	۲۳۳	کیا آنحضرت کے اہم و لمے ہوئے تھے ؟
۲۵۲	مَشَقَمٌ	۲۳۴	آنحضرت کی حیا
۲۵۲	الْمَفْعَمَاتَا	۲۳۴	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی
۲۵۲	ایک اور قصہ اور احمی حیننا و اظنی طیننا کی تشریح		آنحضرت کے بال۔ سفید بال بھنگاب اور
۲۵۳	سُریانی اِوَاخ کی زبان ہے	۲۳۴	چونہ کا استعمال
۲۵۳	سُریانی کے سوا تمام زبانوں میں اظناب پایا جاتا ہے	۲۳۴	شوق صدر
۲۵۵	سُریانی زبان تمام زبانوں میں ساری ہے		کیا آنحضرت کی انگشت شہادت درمیانی
۲۵۶	حضرت آدم کی زبان سُریانی تھی	۲۳۶	انگشت سے بڑی تھی ؟
۲۵۷	اہل دیوان کی زبان سُریانی ہے۔	۲۳۶	جزائیل کا آنحضرت کو تین بار بھیجنا
	کیا سوال قبر سُریانی زبان میں ہو گا یا کسی اور	۲۳۷	حدیث اَرَأَيْتُمْ كَيْفَ تَكْمُ هَذِهِ
۲۵۷	زبان میں ؟	۲۳۹	وَوَسْرَابَاب
۲۵۸	سوال و جواب کے الفاظ	۲۳۹	قرآنی آیات
۲۵۸	صَرَافَهُو	۲۳۹	۱۔ فَلَمَّا اتَاهَا صَاحِبًا الْاِيْتَا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۸۱	۱۵ مسئلہ نغرائق	۲۵۹	مراد از یہ ہو
۲۸۱	ابن حجر کا بیان	۲۶۰	کلمات قرآنیہ کے متعلق سوال
۲۸۳	حضرت دباغ کا جواب	۲۶۰	أَنْعَادًا
۲۸۵	وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا آتَا	۲۶۱	الْقُرْآنَ يُؤْمِنُ
۲۸۶	پہلی تفسیر	۲۶۱	هَكَذَا نَكَ
۲۸۶	دوسری تفسیر	۲۶۱	شخص
۲۸۶	تیسری تفسیر	۲۶۲	عَدَات
۲۸۶	۱۶ قصہ ہاروت و ماروت	۲۶۲	مَرْهُونَ
۲۸۶	۱۷- وَإِذْ نَادَىٰ مِنْ الْجِبَالِ فَذُوقُوا الْعَذَابَ		کون سا حرف محفوظ ہے عربی میں لکھا
۲۸۸	سوال	۲۶۳	ہو گیا ہے؟
۲۸۸	جواب	۲۶۳	کھا گیا
۲۹۲	زلزلہ اور اس کا سبب	۲۶۵	آیت
۲۹۲	سبب کا سبب	۲۶۶	ہو
۲۹۵	۱۷- يُوسُفُ عَلَيْكَ شَوَاطِيرُ مِنْ تَارٍ الْآيَةَ-	۲۶۸	تاری
۲۹۵	۱۸- يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ	۲۶۸	ہو
۲۹۶	۱۹- رَبِّ أَيْنَمَا أَنْظَرُ إِلَيْكَ	۲۶۸	ہو
۲۹۸	۲۰- يَخْتَرُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ	۲۶۹	ہو
۲۹۹	۲۱- وَإِذْ قَالَتِ الْفُلَانَةُ يَا هَرِيمُ الْآيَةَ	۲۷۰	ایک دفعہ
۳۰۱	اہل فتح کو کون باتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔	۲۷۰	ایک اعتراض
۳۰۲	دوسرے مقام کے مشاہدات	۲۷۱	جواب
۳۰۲	۲۲- وَذَاتِ الرُّبَيَّةِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاجِبًا الْآيَةَ	۲۷۱	سوال
۳۰۵	۲۳- وَآيُوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ	۲۷۲	جواب
۳۰۶	۲۴- وَ مِنْ أَعْرَاصِ عَوْذِ ذِكْرِي	۲۷۳	دوسرا سوال
۳۰۸	۲۵- وَ هَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ نَأَىٰ بِرُوحَاتِ	۲۷۴	جواب
۳۰۹	۲۶- وَ كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا-	۲۷۶	شہابی زبان میں حروف تہجی کے معانی
۳۱۰	۲۷- وَإِذْ ضَرَبْتَ مَطَايَا الْأَرْضِ الْآيَةَ	۲۸۰	آیت وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ آمَنُوا



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲۵	۳۵۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ آيَاتٍ	۳۱۰	۲۸۔ فِي الْقَتْمِ السَّائِمَةِ شَاكُوَةٌ
۳۲۶	۳۶۔ وَمَا صَلَّحْنَا بِكُمْ بِجَنَّتُونَ	۳۱۲	۲۹۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْنَا اللَّيْلُ
۳۲۷	۳۷۔ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا	۳۱۴	۳۰۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ
۳۲۸	۳۸۔ وَاللَّيْلُ	۳۱۵	۳۱۔ وَنُحْمٍ مِّنْ عَاهِدِ اللَّهِ الْآيَةَ
۳۲۹	۳۹۔ وَإِنَّمَا إِذَا هَوَىٰ	۳۱۶	۳۲۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي آدَمَ
۳۳۰	۴۰۔ عَالِمِ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ الْآيَةَ	۳۱۹	۳۳۔ وَتَخَشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ الْآيَةَ
۳۳۱	۴۱۔ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ	۳۲۱	۳۴۔ عَمَّا لَلَّهِ عِنْدَكَ
۳۳۲	۴۲۔	۳۲۲	۳۵۔

## حصہ دوم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۳۳	۴۳۔	۳۳۳	تیسرا باب
۳۳۴	۴۴۔	۳۳۴	فاسق کون ہے؟
۳۳۵	۴۵۔	۳۳۸	محرورین
۳۳۶	۴۶۔	۳۳۸	اپنے اعمال پر غرور نہیں ہونا چاہیے
۳۳۷	۴۷۔	۳۳۸	حکایت
۳۳۸	۴۸۔	۳۳۹	لوگ جنت میں اللہ کی رحمت سے جاگیر
۳۳۹	۴۹۔	۳۳۹	کے نہ کہ اعمال کی وجہ سے
۳۴۰	۵۰۔	۳۴۲	کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے
۳۴۱	۵۱۔	۳۴۲	حدود پڑھنے سے فائدہ پہنچتا ہے۔
۳۴۲	۵۲۔	۳۴۶	لوگ بزرگوں کی قسمیں یا بزرگوں کا نام لے کر
۳۴۳	۵۳۔	۳۴۶	کیوں فریاد کرتے ہیں۔ اللہ کا نام کیوں نہیں لیتے
۳۴۴	۵۴۔	۳۴۶	اللہ سے متقطع کرنے والے اسباب
۳۴۵	۵۵۔	۳۵۰	صواب میں کیا خصال پائی جاتی تھیں؟

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۸۵	دیوان میں جن و ملائکہ کے حاضر ہونے کا سبب	۳۶۶	حکایت
۳۸۵	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی دیوان میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔	۳۶۶	حکایت
۳۸۶	دیوان کا وقت	۳۶۶	وئی کو کسی کے عقیبی ہونے کا علم کیسے ہوتا ہے
۳۸۶	ساعتِ قبولیت پانے کا طریقہ	۳۶۶	وئی کا بل انسان کو ایک لحظہ میں واصل ہوا بنا سکتا ہے۔
۳۸۶	امتِ محمدیہ سے پہلے اصحابِ دیوان ملائکہ تھے	۳۶۹	مومنین کی محبت گناہِ مٹانے میں توبہ سے بھی زیادہ موثر ہے
۳۸۶	ہر شہر میں اولیاء کی مدد کے لئے فرشتوں کی ایک جماعت ہوتی ہے۔	۳۶۹	گناہ گارہ مومن سے محبت کی جائے تو محبتِ نبی اللہ اور بعض نبی اللہ نماں ہے۔
۳۸۸	کیا انبیاء علیہم السلام بھی دیوان میں شرکت فرماتے ہیں	۳۶۹	بعض مہمیت سے ہونا چاہیے نہ کہ مومن سے
۳۸۸	حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ میں کون افضل ہے۔	۳۶۹	لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرنے کی غرض سے
۳۸۸	حضرت عائشہ کی افضلیت	۳۶۹	گناہ مباح پنہنایا اور اک کھانا وغیرہ بڑی بات ہے
۳۸۹	لیلۃ القدر کی اصل	۳۶۹	مول عمر میں حکمت
۳۸۹	ساعتِ جمعہ کی قبولیت کا سبب	۳۶۹	حکایت
۳۹۱	مشرق و مغرب کے اعتبار سے اس ساعت کو کس طرح پایا جائے	۳۶۹	ایک عابد کا واقعہ جس نے اپنے اعمال پر اعتماد کیا
۳۹۲	ساعتِ جمعہ اور شہد قدر کے منتقل ہونے کا سبب	۳۶۹	اہل دیوان مرنے کے بعد اپنے آپ کو خود غسل دیتے ہیں۔
۳۹۲	احادیث سے حضرت کے بیان کی تائید	۳۶۹	ایک واقعہ
۳۹۵	اہل دیوان میں سے ہر کوئی لوح محفوظ کو نہیں دیکھ سکتا۔	۳۶۹	چوتھا باب
۳۹۶	دیوان میں سے غوث کی غیر حاضری	۳۶۹	دیوان صالحین
۳۹۶	غوث کی موجودگی میں کسی کو مخالفت کی جرأت نہیں ہو سکتی	۳۶۹	گذشتگان میں سے بعض کاملین بھی دیوان میں حاضر ہوتے ہیں۔
۳۹۸	ایک واقعہ	۳۶۹	امراتِ اولیاء سے زندوں کے امور کے بارے میں مشورہ نہیں کیا جاتا
		۳۶۹	مردوں کے لئے دعاءِ مغفرت کرتے وقت فوت شدہ اولیاء میں سے کسی کا وسیلہ لانا بہتر ہے



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۱۲	دوسرا سوال :- بیداری میں دیدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیسرا سوال :- پیر کی موجودگی اور عدم موجودگی	۳۹۸	مجازیب کا دیوان میں کوئی دخل نہیں۔ ان کا دخل تباہی کی علامت ہے۔
۲۱۶	کی وجہ سے مرید کی تربیت میں کمی و زیادتی کیوں ہوتی ہے؟	۳۹۸	خروج و مجال کے وقت تصرف مجذوبوں کے ہاتھ میں ہوگا۔
۲۱۶	چوتھا سوال :- کیا طریق شکر افضل ہے۔ یا طریق مجاہدہ؟	۴۰۰	سالک اور مجذوب میں فرق
۲۱۹	پانچواں سوال :- انسان کے لئے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ یہ معلوم کر سکے کہ آیا وہ مرید بننے کے قابل ہے یا نہیں؟	۴۰۱	ایک عادت ادا ان کے بیٹے کا قصہ
۲۲۰	ایک عورت کا قصہ	۴۰۱	سالک چند باتوں میں مجذوب سے پرہیز کرتا ہے۔
۲۲۱	ایک متاع کا واقعہ	۴۰۲	اولیاء اللہ کے لئے اشیاء کا مستخر ہونا اور ان کا حیرت انگیز امور کا کرنا۔
۲۲۲	چھٹا سوال :- ابلیس اور سہل تشریح کا مباحثہ	۴۰۲	امت محمدیہ کے اولیاء کی فضیلت
۲۲۳	ساتواں سوال :-	۴۰۳	اہل تصرف کفار کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتے
۲۲۴	آٹھواں سوال :- مجھے ہر چیز میں خدا نظر آتا ہے۔	۴۰۳	ایک واقعہ
۲۲۶	نواں سوال :- استحضار صورت آنحضرت	۴۰۳	کافروں سے جنگ کرنے میں اہل تصرف باطن کو استعمال نہیں کر سکتے۔
۲۲۸	ایک عیسائی کی محبت کا واقعہ	۴۰۴	ایک عیسائی بچی کا واقعہ
۲۲۸	جب تک مرید کو شیخ سے محبت نہ ہو محض شیخ کی محبت سے مرید کو فائدہ نہیں ہوتا۔	۴۰۴	اگر ولی اپنے جسم کے سوا کسی اور جسم میں قتل ہو تو تکلیف کسے ہوگی۔
۲۳۰	شیخ کی ولایت اور ہر کی خاطر محبت کیوں فائدہ مند نہیں ہوتی؟	۴۰۶	صاحب تصرف ولی جس کسی کی جیب میں سے چاہے بدوں اس کے کہ اسے پتہ چلے ہاتھ ڈال کر پیسے نکال سکتا ہے۔
۲۳۰	محبت شریک نہیں چاہتی۔	۴۰۸	مال لینے میں ولی اور چہد میں فرق
۲۳۱	کیا محبت کی کوئی علامت ہو سکتی ہے؟	۴۱۰	پانچواں باب
۲۳۱	شیخ سے سچی محبت کی علامت	۴۱۰	پیر پکڑنے اور مرید بننے کے بارے میں
۲۳۳	حضرت محمد بن عبدالکریم کا پانی پر چلنا	۴۱۰	پہلا سوال :- کیا تربیت منقطع ہو گئی ہے۔
۲۳۴	شیخ عبدالعلی کا قصہ	۴۱۰	خیر القوم میں پیری مریدی کیوں نہ تھی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۰۲	اسماء حسنیٰ	۲۳۵	ایک مرید کا امتحان
۵۰۲	ایک اعتراض اور اس کا جواب	۲۳۶	ایک اور سچے مرید کا واقعہ
۵۰۵	روح کا احاطہ نہیں ہو سکتا	۲۳۱	ایک مجذوب کا قصہ
۵۰۵	روح کا سمجھنا مشکل امر ہے		اولیاء اللہ کے سوانح نگاروں نے بہت
۵۰۵	انسان حق سبحانہ کی معرفت کی طاقت نہیں رکھتا	۲۳۱	نقصان پہنچایا ہے
۵۰۵	ذکر عبادت سے زیادہ بھاری ہے۔	۲۳۳	ولی معصوم نہیں ہوتا
۵۰۶	قریب	۲۳۵	مولانا کتاب کا ایک فقیہ کے ساتھ مناظرہ
۵۰۶	المتعالیٰ		عنا رب فتح ولی حق بات کو جانتا ہے اور
۵۰۶	اسماء حسنیٰ کے دروہ کے لئے کسی عارت سے	۲۳۶	وہ مذاہب اربعہ کے کسی کا مفید نہیں ہوتا
۵۰۶	تلقین لینا ضروری ہے	۲۳۶	ولی سے ظاہر کی مخالفت کے اسباب
۵۰۶	الْأَيْدِي مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ	۲۳۶	تائید سخیل کا واقعہ
۵۰۶	کا درد فقر اور عیبت کے لئے مفید ہے۔	۲۴۱	ولی سے بیعت کا مقصد
۵۰۸	حسد و کب سے شروع ہوا۔		<b>چھٹا باب</b>
۵۱۱	ساتواں باب	۲۴۲	شیخ تربیت کا بیان - قصیدہ رانیہ
۵۱۱	اولیاء اللہ کے مشعل کلام کی تشریح	۲۴۳	شیخ کی باتوں پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے
۵۱۱	اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مَنْ مِنْهُ انْشَقَّتِ الْأَشْرَارُ	۲۴۶	ایک اور مرید کا واقعہ
۵۱۲	دوسری تشریح	۲۴۹	حضرت ثابت کا واقعہ
۵۱۲	تیسری تشریح	۲۴۶	الوالحسن ہندی کی حالت
۵۱۲	نور محمدی کی آفرینش	۲۹۲	ناظم قصیدہ کے حالات
۵۱۸	نیابت القدر کی اصل	۲۹۶	حضرت عبدالعزیز دہلوی کے مشائخ
۵۱۹	وَقَبِيصًا أَدْرَقَتِ الْحَقَائِقَ	۲۹۸	منصور بن احمد
۵۱۹	وتغزلت علوم آدم	۲۹۸	محمد سراج
۵۲۱	عالم ملکوت و جبروت	۲۹۸	احمد بن عبداللہ مصری
۵۲۱	عالم الملک کی ایک اور تعریف	۲۹۸	علی بن عیسیٰ مغربی
۵۲۲	اللَّهُمَّ الْحَقُّ بِنَسْبِهِ وَحَقُّنِي بِحَسَبِهِ	۲۹۸	محمد بن علی، محمد مغربی، عبداللہ جراز
۵۲۲	لیس من الکرم ان لا یحسن الا	۵۰۱	اسم اعظم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	آٹھواں باب	۵۲۲	لَمَنْ أَحْسَنُ إِلَيْكَ
۵۵۰	حضرت آدم کی پیدائش	۵۲۲	ابن فارض کے شعر کی تشریح
۵۵۲	اکبر و اعظم کا اختلاف حدیث نہیں ہے	۵۲۱	امام غزالی کے ایک قول پر بحث
۵۵۵	ذات آدم ذات ملائکہ سے افضل ہے۔	۵۲۹	جبرائیل آنحضرت سے زیادہ عالم نہ تھے
	نواں باب	۵۲۹	تکبیرات عیدین
۵۵۸	فتح ظلمانی اور فتح نورانی - فتح نورانی کی	۵۳۱	خضنا بحوداً وقت الانبیاء بسوا حلہا
	قیسیں	۵۳۱	لیس فی الامکان ابدع مما کان
۵۵۸	حکماء و منجمین کو یہ علم کہاں سے حاصل ہوا	۵۳۵	فصل
۵۶۱	ابراہیم خواص بعدیہودی کا قبضہ	۵۳۷	پہلا گروہ - معتزلیں
۵۶۲	فلسفہ اور نجوم کی اصل	۵۳۸	دوسرا گروہ
۵۶۳	ولی آئندہ آنے والے واقعات کے متعلق بت	۵۳۹	شعرانی کا بیان
	کم بات کرتے ہیں۔	۵۴۱	امام ابوالبقاء کا جواب
۵۶۵	حوادث دنیا کیوں باطل ہیں	۵۴۱	زرکشی کا جواب
۵۶۵	فتح اول میں اہل حق اور اہل باطل میں	۵۴۲	احمد زروق کا جواب
	فرق -	۵۴۳	بدمان الدین کا جواب
۵۶۶	بعض اوقات چھوٹے ولی کو بڑے ولی سے	۵۴۳	ابوالمواہب تونسلی کا جواب
	زیادہ دکھا شرف ہوتا ہے	۵۴۴	شیخ الاسلام زکریا کا جواب
۵۶۶	نہیں نہیں دیکھتے	۵۴۵	سیوطی کا جواب
۵۶۸	مشاہدہ نبوی کی علامت	۵۴۵	شرف الدین بن تلمسانی کا بیان
۵۶۹	مشاہدہ الیٰ حاصل ہونے کی علامت	۵۴۵	ابن ہمام کا بیان
۵۷۰	کیا دلی کے لئے ترک نماز ممکن ہے؟	۵۴۶	سید سمودی کا جواب
۵۷۲	بذوب مناسبت تصرف نہیں ہوتا	۵۴۶	تیسرا گروہ
۵۸۱	صلوۃ العارفتیں	۵۴۶	پہلی عبادت
	دسواں باب	۵۴۶	دوسری عبادت
۵۸۲	برزخ اور اس میں روحوں کے اترنے کی	۵۴۷	تیسری عبادت
	کیفیت۔		



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۰۳	ورود شریف کے پڑھنے سے جنت میں دست پیدا ہوتی ہے۔		اصحابِ فتح کبیر کو قیامت کا علم ہوتا ہے۔
۶۰۲	کیا ہر درود پڑھنے والے کا درود مقبول ہوتا ہے؟	۵۹۵	گیارہواں باب
۶۰۶	اہل جنت کا لباس	۵۹۶	جنت، اس کی ترتیب اور تعداد
۶۱۰	جہنم کا بیان	۵۹۹	جنتِ عالیہ
۶۱۲	حکایت	۶۰۰	جنتوں کی تعداد
۶۱۲	حکایت	۶۰۰	جنتوں کی ترتیب
..	..	۶۰۲	جنتوں کی کیفیت و وضع
..	..	۶۰۳	توبہ کا دروازہ
..	..	۶۰۳	توبہ کے دروازے بند ہونے سے کیا مراد ہے؟

# پیش لفظ

مجھ سے پہلے ابریز کا ترجمہ مولوی عاشق الہی صاحب میرٹھی کر چکے ہیں اور درحقیقت انہوں نے بہت اچھا ترجمہ کیا ہے۔ عیوب سے پاک ذات باری تعالیٰ ہے اس لئے مجھے کسی کے عیوب کا تذکرہ کرنا منظور نہیں ہے۔ میں نے مولوی عاشق الہی صاحب کے ترجمہ سے بہت مدد لی ہے۔ اس لئے میرے ترجمہ کی اگر تعریف ہوگی تو اسے انہی کی تعریف سمجھا جانا چاہئے پھر الفضل للمتقدم کے اعتبار سے بھی وہ مجھ پر فوقیت رکھتے ہیں۔

میں نے اس ترجمہ میں تقلید نہیں کی بلکہ مستقل طور پر ترجمہ کیا ہے اور چھوٹے چھوٹے عنوانات قائم کر دئے ہیں۔ پھر الگ الگ پیرے بنا کر قرآن کی سہولت کے لئے کتاب کو جدید طرز میں پیش کیا ہے۔ جن علماء، صحابہ اور دیگر بزرگوں کا کتاب میں ذکر آیا ہے ان کے متعلق مختصر حواشی دے دئے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو ان کے متعلق کسی قدر معلومات حاصل ہو جائیں۔

مولوی عاشق الہی صاحب نے حضرت عبدالعزیز دباغ کے بیان سے دو جگہ اختلاف کیا ہے۔ مگر میرے خیال میں حق حضرت دباغ کے ساتھ ہے۔ مولوی صاحب اپنے عقیدہ کے مطابق بات کر رہے ہیں اور حضرت دباغ اپنے عقیدہ اور مرتبہ کے مطابق۔ نیز انہوں نے چند مقامات کا ترجمہ نہیں کیا مگر میں نے تمام کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔

آخر میں یہ سراسر ناانصافی ہوگی اگر میں اپنے محترم دوست میجر عبدالعزیز صاحب کے ایم۔ سی۔ او۔ سی ہیلتھ سینٹر۔ راولپنڈی کا شکریہ نہ ادا کروں۔ انہوں نے اپنے قیمتی کتب خانے سے مجھے فتح الباری، تذکرۃ الفقہ، اصحاب، اخبار الاحیاء، لسان المیزان، کشف الظنون، کتاب الانساب اور فہرست ابن اللہیم وغیرہ عاریتاً دیں جن کی مدد سے میں حواشی لکھنے کے قابل بنا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی مدد کے بغیر میں اپنے کام کو کامیابی سے نہ کر سکتا تھا۔

محمد حسن

## عرض حال

از ناشر

اللہ کے ولیوں نے طریق حق کے متلاشیوں کی رہنمائی کے لئے متعدد کتابیں لکھی ہیں جن سے اب تک خلق خدا روحانی فیوض و برکات حاصل کرتی رہی ہے۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جو ابریز کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب میں حضرت علامہ احمد بن مبارک سجلماسی (شہر فاس، الجزائر، افریقہ) نے اپنے مرشد کامل، غوثِ زمان حضرت سید عبدالعزیز دباغ مغربی، جو اُمّی محض تھے، کے مختصر حالات زندگی اور کرامات لکھنے کے بعد آپ کی بیان کردہ بعض احادیث نبوی اور آیات قرآنی جن کو وہ خود مقبّر عالم دین ہونے کے باوجود سمجھنے سے قاصر

رہے تھے) کی تشریحات اور باطنی علوم اور احوال سے متعلق بے شمار استفسارات کے عمدہ اور صحیح جوابات درج کئے ہیں۔ اس میں چونکہ نادر و نایاب مسائل کا ایک گراں قدر مجموعہ موجود ہے، جو طالبانِ حق کے لئے روحانی تسکین کا موجب ہے۔ اس لئے اس کتاب کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ بعض امور ایسے بھی بیان کئے گئے ہیں جو مرید کے استفسار پر براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے بتائے گئے۔

پچیس تیس سال پہلے اس کتاب کا اردو ترجمہ "تبریزی" کے نام سے، مولینا عاشق الہی میرٹھی نے دہلی سے شائع کرایا تھا، جس کے کچھ نسخے منگوا کر اپنے دوستوں کو دیئے تھے۔ کتاب چونکہ نایاب ہو گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے احقر کو توفیق بخشی کہ باوجود مالی بے بضاعتی کے اسے دوبارہ طبع کرنے کا عزم کروں۔ مولینا عاشق الہی صاحب مرحوم کا ترجمہ بہت عمدہ ہے مگر زبان ذرا پہلانی ہے۔ اس میں عبارت مسلسل چلی جاتی ہے، کس کوئی سُرخمی نہیں آتی اور بعض ہدیت پسند طابع اسے پسند نہیں کرتیں۔ نیز ایک باب بھی چھوڑ دیا گیا ہے اس لئے مجھے اس کتاب کا دوبارہ ترجمہ کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جناب ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب سے ایک دفعہ اتفاقاً تذکرہ ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک صاحب سے ملاقات کروں گا۔ اگر وہ مان گئے تو تمہارا کام بن جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے چند روز بعد جناب ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب ایم اے، پی ایچ، ڈی، پبلسل گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول راولپنڈی سے تعارف کرایا۔ میں نے کتاب کا ان سے تذکرہ کیا اور ساتھ ہی یہ گزارش بھی کی کہ ترجمہ کا کام معاوضہ کے تصور سے بے نیاز ہو کر کیا جائے چنانچہ انہوں نے بڑے شوق اور محنت سے اس کام کو اتمام تک پہنچایا۔ ایک بڑا کارنامہ جو سرانجام دیا ہے وہ یہ ہے کہ کتاب کے شروع میں اپنی طرف سے ایک مبسوط و باہمہ نگاہ ہے جس میں بزرگانِ سلف کی کتابوں سے اقتباسات درج کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ صوفیائے کرام کا مسلک کتاب و سنت کے عین مطابق رہا ہے۔ نیز جن لوگوں نے ان مقدس ہستیوں پر الزامات عائد کئے ہیں انہوں نے جلد بازی سے کام لیا ہے اور اصل معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی وغیرہ وغیرہ۔ نیز تمام کتاب میں عنوانات قائم کر دیئے ہیں اور مختلف بزرگوں کا جہاں کہیں ذکر آ گیا ہے، حواشی میں ان کا مختصر تعارف کرا دیا ہے۔ اس کا بنیاد میں ان کے ذاتی دوست میجر عبدالعزیز صاحب (راولپنڈی) کا بھی حصہ ہے، جنہوں نے اپنی گراں بہا لائبریری میں سے وہ تمام کتابیں انہیں بتیائیں جن کی انہیں ضرورت پڑتی رہی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو جزائے خیر دے۔ آمین

احقر العباد  
سروار محمد



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### دیسباچہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ آلِهِ ۖ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ أَنْبِيَائِهِ ۖ لَا سِيَّامًا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ وَآلِهِ وَاتَّبَاعِهِ، وَالرَّحْمَةُ وَالْمَغْفِرَةُ عَلَىٰ أَوْلِيَائِهِ

دنیا میں حق و باطل، ظلمت و نور، سچ اور جھوٹ میں قدیم سے جنگ چلی آتی ہے۔ اطل کی ہمیشہ ہی کوشش رہی کہ حق یا تو بالکل ہی مٹ جائے یا کم از کم چھپا رہے واللہ مَتَمُّ نُورِهِ ۖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ یہی حال اللہ والوں کا رہا کہ باطل پرست ہر زمانہ میں ان کے مخالف رہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو اِنَّهٗ لَكَبِيْرٌ كَمَا اَنْذَرْتُمْ عَلَيْنَا لَوْلَا الَّذِيْ جَاءَنَا بِالْبُرْهَانِ لَكُنَّا مِنَ الْخٰسِرِيْنَ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ، شاعر، کاہن اور مجنون تک کہا گیا۔

رَقِيْلَ اِنَّ الْاِلٰهَ ذُوْ وِلْدٍ رَقِيْلَ اِنَّ الرَّسُوْلَ قَدْ كَهَنَّا

دکھا گیا کہ اللہ کی اولاد ہے اور رسول اللہ کا مہی ہیں (مگر اللہ والے ان باتوں سے متاثر ہو کر اپنا اصلی مقصد ترک نہیں کر دیتے۔ ان کا مقصد لوگوں کو راہ حق دکھانا ہوتا ہے۔ اور اس فرض کی ادائیگی میں وہ کسی قسم کی ملامت یا طعن و تشنیع کی پرواہ نہیں کرتے۔ انبیاء علیہم الصلوٰت و التسلیٰت کی اتباع میں اولیاء کرام بھی اسی راہ پر گامزن رہے۔ لوگوں نے ان پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کیں۔ مگر آواز سگان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قافلہ بدستور چلتا رہا۔ منے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ ان نذروں پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اور انہیں ہدف سہام ملام بناتے ہیں وہ یہ کام اصلاح کی آڑ لے کر کرتے ہیں۔

فَاِذْ قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۗ اِلَّا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۗ

(جب انہیں کہا جاتا ہے کہ دنیا میں فساد بپامت کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں یاد رکھو! یہی لوگ مفسدہ پرواز ہیں لیکن نہیں سمجھتے۔) لوگ اولیاء اللہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں اور اولیاء اللہ خندہ پیشانی سے اسے برداشت کرتے ہیں اور بکرم اَللّٰهُمَّ اِهْدِ قَوْمِيْ قَا نَطَمًا لَا يَعْلَمُوْنَ - (خدا یا! میری قوم کو ہدایت کرنا کیونکہ انہیں معلوم نہیں کہ میں کون ہوں) یہ ان کے لئے دعا خیر ہی کرتے ہیں۔

سب سے زیادہ اور سخت جرح محی الدین ابن العربی معروف یہ شیخ اکبر ہوئی۔ انہیں مشرک تک قرار دیا گیا اور یار لوگ توحید کے پرچار کی آڑ لیتے اپنے ایمان بھی کھو بیٹھے۔ ابن عربی پر رد و قدح کی سب سے بڑی وجہ ان کی عبارات کا نہ سمجھنا ہے اور ان لوگوں نے اپنی کج فہمی کو بنیاد قرار دیتے ہوئے ایک عمارت کھڑی کر ڈالی اور ابن العربی

کو اس کج فہمی کی بنا پر کافر اور کیا کچھ کہہ ڈالا

نشست اول چوں نہد معمار کج تاثیر یامی رود دیوار کج

حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے بزرگوں نے کتابیں لکھیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام قاضی القضاة محمد الدین محمد بن یعقوب متوفی ۱۱۰۰ھ - ۱۱۲۰ھ مصنف قاموس اور حافظ ابن حجر کے استاد جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ - ۹۵۰ھ اور امام عبد الوہاب شعرائی متوفی ۹۷۲ھ - ۱۰۶۹ھ نے اس سلسلہ میں تصانیف کیں۔ موجودہ دور میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی متوفی ۱۳۷۲ھ - ۱۴۲۳ھ نے بھی ابن عربی کی بریت میں ایک کتاب لکھی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جعلی اور بناوٹی صوفی حقیقی اولیاء اللہ اور صوفیاء کے بھیس میں لوگوں کے سامنے آکر ان کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالتے اور طرح طرح کی چالوں سے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں جس سے حقیقی صوفی اور اہل طریقت بدنام ہو جاتے ہیں اور لوگ ان سے بھی بدظن ہو جاتے ہیں۔ انہی صوفی نمادوں کے متعلق مولانا روم فرماتے ہیں :-

حرف درویشاں بدزوبیدہ بے

ننگ زرد ز درون او یزید

سبر کہ داند مرد را چوں با یزید

تا گماں آید کہ ہست او خود کے

روز محشر حشر گردو با یزید

یہ صوفی نمادوں، صوفیوں کے، لفاظی یاد کر لیتے ہیں تاکہ لوگوں کو ان کے متعلق بھی صوفی ہونے کا گمان ہو۔ یہ لوگ اپنی تقریروں میں حضرت بائزید بسطامی پر بھی نکتہ چینی کرتے ہیں حالانکہ ان کا باطن اس قدر سیاہ ہوتا ہے کہ اسے دیکھ کر یزید کو بھی شرم آجائے۔ لہذا جو شخص ایسے آدمی کو بائزید بسطامی رحمۃ اللہ جیسا سمجھے گا۔ اس کا حشر یزید کے ساتھ ہوگا۔ نیز فرماتے ہیں

لے بسا ابلیس آدم رومی، ست پس بہر دستے ناید دادوست

ز دست سے شیطان انسانی شکل میں پھر رہے ہیں لہذا تمہیں ہر کسی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دینا چاہیے

در حقیقت اس قسم کے لوگوں نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے اور انہی غلط کار اور صوفی نمادوں کو

دیکھ کر بعض لوگوں نے تمام صوفیاء پر بلا امتیاز بدعتی اور مشرک ہونے کا فتویٰ لگانا شروع کر دیا ہے۔

قرین اولی سے کہ آج تک جتنے بھی حقیقی صوفی اولیاء اللہ گذرے ہیں۔ سب کے سب خالص توحید اور

اتباع سنت پر کار بند رہے ہیں اور انہوں نے مہربانی اس سے انحراف نہیں کیا اور انہوں نے اسی کی تلقین میں

عمریں گزار دیں۔ اگر ان تمام اقوال کو جمع کیا جائے جن میں ان بزرگوں نے توحید اور اتباع سنت پر زور دیا ہے تو ایک مستقل

کتاب ہو جائے۔ میں یہاں چیدہ پییدہ بزرگوں کے چند اقوال پیش کرتا ہوں تاکہ تمہیں کرام کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ کس

حد تک توحید پر قائم اور سنت نبوی کے متبع رہے ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ظالموں نے ان بزرگوں پر کس

قدر غلط اور بے جا الزامات لگا رکھے ہیں۔

(۱) مشنوی مشنوی دفتر اول صفحہ ۴۹ -

ابو سلیمان عبدالرحمن بن احمد بن عطیہ العنسی متوفی ۲۱۵ھ، احمد بن ابی الحواری کے استاد تھے۔ احمد بن ابی الحواری کا تمام خاندان زاہدوں کا خاندان تھا۔

اور ان کی وفات ۲۳۲ھ میں ہوئی ابو سلیمان فرماتے ہیں: - رَبِّمَا يَقَعُ فِي قَلْبِي النَّكْتَةُ مِنْ نَكْتِ الْقَوْمِ أَيَّامًا فَلَا أَقْبَلُ مِنْهَا إِلَّا بِشَاهِدَيْنِ عَدْلَيْنِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے دل پر صوفیاء کے لکات معرفت وارد ہوتے ہیں اور کئی دنوں تک رہتے ہیں۔ مگر جب تک کتاب و سنت کے دو گواہ اس کی تائید نہیں کرتے میں انہیں قبول نہیں کرتا۔

صوفیاء پر اعتراض کرنے والے انصاف سے کام لیتے ہوئے ذرا غور کریں اور بتائیں کہ کوئی متبع سنت اس سے بڑھ کر اتباع سنت کا دعویٰ کر سکتا ہے؟

ابو عبداللہ الحارث بن اسد المہاسبی علوم ظاہر اور باطن دونوں کے حامل تھے۔ اور انہوں نے بہت سی تصانیف بھی کی ہیں۔ ان کی وفات امام احمد بن حنبل کی وفات کے دو سال بعد

۲۲۳ھ میں بغداد میں ہوئی فرماتے ہیں

مَنْ صَحَّحَ بَاطِنَهُ يَا نَمْرًا أَقْبَتَهُ وَإِلْخْلَاصَ زَيْنِ اللَّهِ كَظَاهِرِهِ يَا لِحَا هَدَاةٍ وَإِتِّبَاعِ السُّنَّةِ هُ  
جس نے مراقبہ اور اخلاص کے ذریعہ سے اپنا باطن درست کر لیا۔ اللہ اس کے ظاہر کو مجاہدہ اور اتباع سنت کے مزین کر دیتا ہے۔

ابو محمد سہل بن محمد تشریحی امیر صوفیاء میں سے ہوئے ہیں۔ پرہیزگاری میں یکتائی روزگار اور صاحب کرامات تھے۔ شیطان سے ان کا مناظرہ متور ہے۔ ذوالنون مصری

سے ان کی ملاقات مکہ میں ہوئی۔ جب کہ یہ وہاں حج کے لئے آئے ہوئے تھے انہوں نے ۲۸۳ھ میں وفات پائی فرماتے ہیں  
أَصُولُنَا سَبْعَةٌ أَشْيَاءٌ: - التَّمَسُّكُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَالِإِقْتِدَاءُ بِسُنَّتِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَأَكْلُ الْحَلَالِ وَكَفُّ الْأَذَى وَاجْتِنَابُ الْمَعَاصِي وَالتَّوْبَةُ وَأَدَاءُ الْحَقِّ

ہمارے سات اصول ہیں۔ قرآن پڑھنا، بندہ ہونا، سنت نبوی کی اقتداء، اکل حلال، کسی کو دکھ نہ دینا، گناہوں سے پرہیز، توبہ اور ادا حق۔

سید الطائفہ حضرت ابو القاسم جنید بن محمد بغدادی متوفی ۲۹۶ھ مشہور و معروف اولیاء کبار میں سے ہوئے ہیں۔ شیخ شبلی رحمہ اللہ متوفی ۳۳۵ھ نے انہی سے تربیت

حاصل کی۔ فرماتے ہیں:-

۱۶ اور نعمات الانس و ۱۴۱ - نعمات الانس میں یہ قول یوں دیا ہے، رَبِّمَا يَكُنُّ الْحَقِيقَةُ قَلْبِي إِذْ تَبْعَانِ  
يَوْمًا فَلَا لَذَّةَ لِحَاثٍ تَذُخُّ قَلْبِي إِلَّا بِشَاهِدَيْنِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

۱۶ - نعمات الانس و ۱۴۱ - نعمات الانس میں یہ قول یوں دیا ہے، رَبِّمَا يَكُنُّ الْحَقِيقَةُ قَلْبِي إِذْ تَبْعَانِ



(الف) الطَّرِيقُ كُلُّهَا مَسْدٌ وَدَاةٌ عَلَى الْخَلْقِ إِلَّا مِنَ اتَّقَى أَتْرَ التَّهْوِيلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قلم پر چلنے والوں کے سوا تمام لوگوں کے لئے قرب الہی کے راستے بند ہیں۔  
 (ب) مَنْ لَمْ يَحْفَظِ الْقُرْآنَ وَلَمْ يَكْتُبِ الْحَدِيثَ لَا يُقْتَدَى بِهِ فِي هَذَا الْأَمْرِ لَأَنَّ  
 عَلِمْنَا هَذَا مُتَقَيِّدًا بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ لَهُ

جس شخص نے نہ قرآن مجید یاد کیا ہو اور نہ حدیث لکھی ہو۔ طریقت میں اس شخص کی پیروی نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے کہ ہمارے اس علمِ طریقت میں کتاب و سنت کی قید پائی جاتی ہے۔

(ج) عَلِمْنَا هَذَا مُتَقَيِّدًا بِحَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ

ہمارا علمِ طریقت حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مضبوط ہوتا ہے۔

(د) مَذْهَبٌ هَذَا مُتَقَيِّدٌ بِأَصُولِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ - ہمارا مذہب اصولِ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے مقید ہے

۵۔ ابو حمزہ بغدادی کا قول | ابو حمزہ بغدادی عیسیٰ بن ابان کی اولاد میں سے تھے۔ قرآن مجید کی

قرآن توں اور فقہ کے عالم تھے۔ ابوبکر کثانی متوفی ۳۲ھ اور خیر نساج متوفی ۲۲ھ وغیرہ نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن سے امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسائل حل کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ان کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی۔ ان کی وفات کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن اپنی مجلس میں تقریر فرما رہے تھے کہ یکایک ان کی حالت بدل گئی اور وہیں منبر پر سے گر پڑے۔ آئندہ جمعہ تک یہی حالت رہی۔ اور انتقال کر گئے۔ فرماتے ہیں:-

مَنْ عَلِمَ طَرِيقَ الْحَقِّ سَمِعَ عَلَيْهِ سَلْوَكُهُ وَلَا دَلِيلَ عَلَى الطَّرِيقِ إِلَى اللَّهِ إِلَّا مُتَابَعَةُ  
 الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَحْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ وَأَقْوَالِهِ لَهُ

جس نے حقِ تعالیٰ کا راستہ معلوم کر لیا اس کے لئے اس پر چلنا بھی آسان ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال، افعال اور اقوال میں تابعداری کئے بغیر اس راہ کی طرف کوئی رہنمائی بھی نہیں ہو سکتی۔

۶۔ ابن عطاء آدمی کا قول | ابو العباس احمد بن محمد بن سہل بن عطاءؒ الاذومی سو فیہا کے کبار مشائخ میں سے

تھے۔ انہوں نے تصوف کے رنگ میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ جب القاہرہ باللہ کے وزیر نے منصور علاج کو قتل کیا تو ان سے پوچھا کہ تم منصور علاج کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب بدل کر کہا۔ خود تمہارے پاس لوگوں کا مال پڑا ہے۔ اسے واپس کیوں نہیں کرتے؟ وزیر نے کہا: کہ تم بات ٹال رہے ہو اور حکم دیا کہ ایک ایک کر کے ان کے تمام دولت نکال دیئے جائیں۔ اسی سے اکی وفات ہوئی۔ یہ واقعہ ذوالقعدہ ۳۲ھ کا ہے فرماتے ہیں:-  
 مَنْ أَلْزَمَ نَفْسَهُ آتَابَ الشَّرَائِعَةِ نَوَّرَ اللَّهُ قَلْبَهُ بِنُورِ الْمَعْرِفَةِ وَلَا مَقَامَ أَشْرَفَ

(۱) رسالہ تفسیر: ۲۰ (۲) رسالہ تفسیر: ۲۷ (۳) نعمات الانس، ۱۴۱-۱۴۲ انعمات میں القاہرہ باللہ کا نام دیا ہے حالانکہ القاہرہ باللہ کا عند خلافت ۳۲ھ تا ۳۳ھ ہے اور ابن عطاء کا قتل القاہرہ کے باب المقدر باللہ کے عہد میں ہوا ہے۔ مقتدر کا عہد خلافت ۳۳ھ تا ۳۴ھ ہے۔  
 (۴) رسالہ تفسیر: ۲۵۱

مِنْ مَقَامٍ مُتَابَعَةٍ الْحَبِيبِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَوْامِرِهِ وَأَفْعَالِهِ وَاخْلَاقِهِ

جس نے اپنے نفس پر آداب شریعت کا لحاظ رکھنا لازم قرار دیا اللہ اس کے دل کو نور معرفت سے منور فرمائیں گے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر، افعال اور اخلاق کی تابعداری سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں ہو سکتا۔

۷۔ **عبداللہ بن منازل کا قول** | ابو محمد عبداللہ بن منازل یکتائی روزگار، ملا متیہ کے شیخ اور عالم تھے۔ انہوں نے کثرت سے احادیث لکھیں۔ کی وفات ۳۲۹ھ یا ۳۳۰ھ میں نیشاپور میں ہوئی۔

فرماتے ہیں:۔ لَمْ يُضَيِّعْ أَحَدٌ فَرِيضَةً مِنَ الْفَرَائِضِ إِلَّا ابْتَلَاهُ اللَّهُ تَعَالَى بِتَضْيِيعِ السُّنَنِ وَلَمْ يُبَلِّ أَحَدٌ بِتَضْيِيعِ السُّنَنِ إِلَّا أَوْشَكَ أَنْ يُبْتَلَى بِالْبِدْعِ

جس کسی نے ایک فرض بھی ترک کیا وہ سنتوں کے ترک کرنے میں مبتلا ہوگا۔ اور جو سنتوں کے ترک کرنے میں مبتلا ہوا وہ عنقریب بدعتوں کے ارتکاب میں مبتلا ہوگا۔

۸۔ **ابو بکر طہستانی کا قول** | ابو بکر طہستانی کو صوفیاء کے پانچویں طبقہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ علم و حال کے اعتبار سے بیگانہ روزگار تھے۔ شیخ شبلی متوفی ۳۳۷ھ اور ابراہیم دباغ کے شاگرد تھے۔ ان کی

وفات ۳۴۲ھ کے بعد ہوئی۔ فرماتے ہیں:۔

(الف) مَنْ اتَّبَعَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَهَاجَرَ إِلَى اللَّهِ بِقَلْبِهِ وَاتَّبَعَ آثَارَ الصَّحَابَةِ كَمَا تَسْبِقُهُمُ الصَّحَابَةُ إِلَّا يَكُونُ نِيْمًا أَوْ أَسْرًا لِلرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جس نے کتاب و سنت کی پیروی کی اور اللہ کی طرف ہجرت کی اور صحابہ کے نقش قدم پر چلا تو صحابہ اس سے ہرگز اس لئے افضل ہونگے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔

(ب) الظَّاهِرُ وَالصَّاحِحُ وَالْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ قَائِمٌ بَيْنَ أَظْهُرِنَا وَفَضْلُ الصَّحَابَةِ مَعْلُومٌ لِسَبْقِهِمْ إِلَى الْهَجْرَةِ وَلِصَّحْبَتِهِمْ فَمَنْ صَحِبَ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَتَغَرَّبَ عَنْ نَفْسِهِ وَالْخَلْقِ وَهَاجَرَ بِقَلْبِهِ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمُصِيبُ

ہمارا طریقہ واضح ہے۔ اور کتاب و سنت ہمارے درمیان قائم ہے اور ہجرت اور صحبت نبوی کی وجہ سے صحابہ کا افضل ہونا بھی معلوم ہے لہذا ہم میں سے جو شخص کتاب و سنت کا ساتھ دے اور اپنے نفس اور مخلوق سے دور ہو جائے اور اللہ کی طرف ہجرت کرے تو وہ سچا ہے اور صحیح راہ پر ہے۔

۹۔ **ابو القاسم قشیری کا قول** | ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری۔ رسالہ قشیریہ اور تفسیر طائفت الاشارات کے مصنف ہیں۔ انہوں نے ان دو کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی تصانیف کی ہیں

یہ ابو علی دقاق متوفی ۳۲۰ھ کے مرید اور ابو علی فارمدی کے استاد تھے۔ سید علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الغزنوی

۱۱۔ علامہ تیسرے صوفیاء کا ایک فرقہ ہے جو اخلاق کا نمبر ہوتے ہیں اور ان لوگوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کے اعمال نوروں پر ظاہر ہوں اور وہ اپنی برائیوں کو نہیں چھپاتے (حوارف المعارف ج ۱۱، ص ۳۵۹) رسالہ قشیریہ، ص ۱۲۰ (۲) اوائلی انوار، ص ۱۰۴ (۲) رسالہ قشیریہ، ص ۳۱۰۔

متوفی ۲۶۵ھ ۶۲۰ھ جو سید علی ہجویری اور داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں، ان کے ہم عصر تھے۔ بنو عثمان آنے سے پہلے داتا صاحب کی ان سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔ داتا صاحب فرماتے کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ طریقہ فکر میں آپ کی ابتدا کس طرح ہوئی ہو اب دیا کہ مجھے ایک بار گھر کی کھڑکی کے لئے ایک پتھر درکار تھا جس پتھر کو اٹھانا گوہر بن جاتا۔ لہذا میں اسے بھینک دیتا۔ سید علی ہجویری فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے نزدیک گوہر اور پتھر برابر تھے بلکہ ان کے نزدیک گوہر پتھر سے کم تھا۔ اس لئے کہ انہیں پتھر کی ضرورت تھی گوہر کی ضرورت نہ تھی! قشیری کی وفات ۲۶۵ھ میں ہوئی۔ فرماتے ہیں۔

إِعْلَمُوا أَرْحَمَكُمْ اللَّهُ أَنْ تَشْيُوخَ هَذِهِ الطَّائِفَةَ بَنُوا قَوَاعِدَ أَمْرِهِمْ عَلَى أُصُولٍ صَحِيحَةٍ فِي التَّوْحِيدِ صَانِعًا بِهَا عَقَائِدَهُمْ عَنِ الْبِدْعِ وَذَالُوا بِمَا وَجَدُوا عَلَيْهِ السَّلَفَ وَأَهْلَ السُّنَّةِ مِنْ تَوْحِيدٍ لَيْسَ فِيهِ تَمَثُّلٌ وَلَا تَعْطِيلٌ وَعَرَفُوا مَا هُوَ حَقُّ الْقَدِيمِ ۝

یاد رکھو خدا تم پر رحم کرے کہ اس جماعت کے جس قدر شیوخ گذرے ہیں انہوں نے تصوف کی بنیاد توحید کے صحیح اصولوں پر رکھی ہے اور انہوں نے اپنے عقائد کو بدعتوں سے بچائے رکھا ہے اور انہی امور کی پیروی کی ہے جن پر انہوں نے سلف صالحین اور اہل سنت کو پایا ہے۔ یعنی ایسی توحید جس میں نہ (ذکر و مثالی کی) تمثیل اور نہ (فرقہ منگولہ کی) تعطیل پائی جاتی ہے۔ اور انہوں نے خدائی مہ نزل و لایزال کے حق کو پہچانا ہے۔

پھر کبار صوفیاء کے حالات لکھ چکنے کے بعد امام قشیری فرماتے ہیں :-

هَذَا هُوَ ذِكْرُ جَمَاعَةٍ مِنْ شَيْوِخِ هَذِهِ الطَّائِفَةِ كَانَتِ الْعَرَضُ مِنْ ذِكْرِهِمْ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ التَّنْبِيْهُ عَلَى أَنَّهُمْ مُجْتَمِعُونَ عَلَى تَعْظِيمِ الشَّرِيعَةِ مُتَّصِفُونَ بِسُلُوكِ طَرِيقِ الرِّيَاضَةِ مُتَقِيمُونَ عَلَى مَتَابَعَةِ السُّنَّةِ ۝

صوفیاء کے شیوخ کی ایک جماعت کا ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ ان کا ذکر کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ تمام کے تمام صوفیاء اس بات پر متفق ہیں کہ شریعت کی تعظیم کی جائے۔ یہ لوگ طرح طرح کی ریاضتیں کرتے ہیں اور اتباع سنت پر کار بند رہتے ہیں۔

شیخ بقاء بن بطو متوفی ۵۵۲ھ یہ شیخ عبدالقادر جیلانی ج متوفی ۵۶۱ھ کے ہم عصر تھے۔ ان کے متعلق شیخ عبدالقادر جیلانی فرمایا کرتے تھے:

۱۰۔ شیخ بقاء بن بطو کا قول

”اکثر مشایخ کو اللہ تعالیٰ نے ناپ تول کر معرفت عطا کی ہے مگر انہیں بغیر اندازے کے ہی عطا کر دی گئی ہے“

انہوں نے سید عبدالقادر جیلانی ج کے طریقہ کے متعلق یوں رائے ظاہر کی ہے :-

كَانَ طَرِيقُ الشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ جَيْلَانِيٍّ..... وَمُؤَافَقَةُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

فِي كُلِّ نَفْسٍ وَخَطْمَةٍ ۝

(۱) لغوات الانس ۲۸۸، ۲۸۹، رسالہ تشریح ۳۱، (۳) رسالہ تشریح ۳۳۷، ۳۳۸، قلائد الجواہر: ۱۵، راجع الاوزار ۱۱۱، شیخ بقاء بن بطو کے مزید حالات

کے لئے ملاحظہ ہو۔ راجع الاوزار: ۱۲۶، ۱۱۱، لغوات الانس: ۲۶۵، اور قلائد الجواہر: ۱۵۔



شیخ عبدالقادر جیلانی کا طریقہ ہر دم اہل سنت کی موافقت کرنا تھا۔

۱۔ ابن حجر کی رائے | شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری کے کسی نے سوال کیا کہ یہ سماع جسے بعض فقہاء نے وقت و آلات کے ساتھ اختیار کر رکھا ہے کیا شیخ عبدالقادر بھی اس سماع میں حاضر ہوا

تھے یا کسی کو حاضر ہونے کا حکم دیتے تھے یا اس کے جواز یا حرمت کا حکم دیتے تھے یا نہیں؟

جواب :- علامہ ابن حجر نے جواب دیا، شیخ عبدالقادر کے متعلق جو صحیح اطلاع ہمیں ملی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک نیر، زاہد اور عابد تھے، وعظ فرماتے تو نہ ہد اور توبہ کی ترغیب دیتے اور گناہ پر سزا ملنے کا خوف دلاتے۔ چنانچہ لا تعداد سونے ان کے ہاتھوں پر توبہ کی۔ جنسی کرامات ان کی مشہور ہیں اتنی زمانہ میں اور نہ ان کے بعد ہم نے کسی سے سہر ہوتی ہوئی نہیں سلیں۔

۱۔ امام نووی کی رائے | شیخ الاسلام محی الدین نووی شارح صحیح مسلم اپنی کتاب لستان العارفین میں لکھتے ہیں "معتبر روایات سے جس قدر کرامات ہم تک شیخ عبدالقادر کے متعلق پہنچی ہیں اس

کے کسی اور کے متعلق نہیں پہنچیں۔ یہ بغداد میں اپنے زمانہ کے شافعیہ اور حنبلیہ کے رئیس تھے اور علم کے اعتبار سے ہی انہیں رئیس مانا جاتا تھا۔ متعدد اکابر نے ان کی صحبت سے فیضان حاصل کیا اور عراق کے بڑے بڑے شیوخ و اہل سنت سے نسبت ہے۔ ان کے لا تعداد مرید تھے اور تمام مشائخ اور علماء کا ان کی تعظیم و تکریم کرنے پر اتفاق ہے۔ ہر بہت اور ہر ملک سے لوگ ان کی زیارت کے لئے اور مراد میں لے کر آتے۔ ہر طرف سے اہل سلوک کچھ چلے آتے تھے ابھی صفات، شریف اخلاق کامل ادب اور فروت والے تھے، نہایت متواضع، خندہ پیشانی، وافر علم اور عقل کے مالک تھے۔ کلام شرع اور احکام شرع کی شدت سے پیروی کرتے۔ اہل علم کی تعظیم کرتے۔ دیندار اور متبع سنت کی مدد کرتے۔ اہل بدعت اور اہل ہوا کو ہٹا جانتے۔ مختصر یہ کہ ان کے زمانہ میں ان جیسا کوئی شخص نہ تھا۔

۱۲۔ سید عبدالقادر کے بیٹے سید موسیٰ (۵۳۶ھ تا ۶۱۸ھ) بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں نکل گیا اور کئی دنوں تک

بچے پانی نہ ملا۔ اور مجھے سخت پیاس لگی۔ اس پر بادل آئے ان سے کچھ نمی ہوئی اور مجھے قدرے تسکین ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے ایک نور دیکھا جس سے تمام آفاق روشن ہو گیا اور اس میں سے ایک صورت نمودار ہوئی جس نے مجھے پکار کر کہا: اے عبدالقادر میں تمہارا رب ہوں۔ میں نے تمہارے لئے تمام محرمات جائز کر دیئے ہیں۔ میں نے فوراً اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھا اور کہا: اے ملعون دور جو جا۔ بس پھر کیا تھا تمام نور ظلمت میں بدل گیا اور وہ صورت دعووں میں گئی۔ اس نے پھر مجھے مخاطب کر کے کہا: اے عبدالقادر اپنے علم اور منزلت کی وجہ سے مجھ سے بچ گئے۔ میں نے اس طرح شکر و صغیاء کو گراہ کیا ہے۔ میں نے جواب میں کہا: یہ اللہ کا فضل اور احسان ہے۔ اس کے بعد کسی نے حضرت سے دریافت کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ شیطان ہے، تو آپ نے فرمایا: اس کا یہ کہنا کہ میں نے تمام محرمات تمہارے

لئے حلال کر دیئے ہیں، میرے لئے اس کے شیطان ہونے کا کافی ثبوت تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بڑی باتوں کا حکم نہیں کرتے۔  
 ۴۔ سہروردی کا قول | اولاد میں سے تھے۔ اسی لئے انہیں "البکری" کہا جاتا ہے۔ انہوں نے راہ طریقت اپنے

بچپن میں ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی متوفی ۵۶۳ھ سے حاصل کیا اور سید عبدالقادر جیلانی اور دیگر مشائخ کی صحبت پائی۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے عوارف المعارف، رشفۃ النصارح، اعلام الہدیٰ۔ اور عقیدۃ ارباب التقیٰ زیادہ مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے انہیں لکھا کہ "اگر میں عمل کرنا چھوڑ دیتا ہوں تو باطل کی طرف لگ جاتا ہوں اور اگر عمل کرتا ہوں تو مجھ میں غرور پیدا ہو جاتا ہے" آپ نے جواب میں لکھا "عمل کئے جاؤ اور غرور سے اللہ سے معافی مانگو"۔

شیخ سعد الدین حموی متوفی ۵۶۵ھ سے کسی نے پوچھا کہ محی الدین ابن عربی کو تو نے کیسا پایا؟ جواب دیا: وہ ایک ایسا موجد ہے جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔ پھر پوچھا شیخ شہاب الدین سہروردی کو کیسا پایا تو جواب دیا:۔  
 تُوذِمْنَا بِعَتْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَبِينِ السُّهْمِ وَرُدِّيَتْ شَيْبِي آخِرًا  
 سہروردی کی پیشانی میں اطاعت الرسول کا نور کچھ اور ہی دکھائی دیتا ہے۔  
 سہروردی کی ولادت ۵۳۹ھ میں اور وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی۔

سہروردی عوارف المعارف کے خطبہ میں فرماتے ہیں:۔

ثُمَّ إِنَّ إِيثَارِي لَهْدِي هُوَ كَلَامِ الْقَوْمِ وَ مَحَبَّتِي لَهُمْ عَلِمًا بِشَرَفِ حَالِهِمْ وَ صِحَّةِ طَرِيقَتِهِمُ الْمُنِيَّةِ  
 عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَنِ الْمَحَقَّقِ بَيْنَهُمَا مِنَ اللَّهِ الْكَرِيمِ الْفَضْلُ وَالْمِنَّةُ حَدٌّ لِمَا أَذْبَعَتْ عَنْ هَذِهِ الْعِصَابَةِ  
 بِهَذِهِ الصَّبَابَةِ وَأُولَئِكَ أَبْوَابًا فِي الْحَقَائِقِ وَالْآقَابِ مُعْرِبَةً عَنْ وَجْهِ الصَّوَابِ فِيمَا اعْتَمَدُوا  
 مَشْعَرَةً بِشَهَادَةِ صَرِيحِ الْعِلْمِ لَهُمْ فِيمَا اعْتَقَدُوا وَ هَيْتُ كَثْرَةِ الْمُتَشَبِّهُونَ وَ اخْتَلَفَتْ أَحْوَالُهُمْ  
 وَ تَسَارَعَتْ بِنِيَّتِهِمُ الْمَتَسَارِعُونَ وَ فَسَدَتْ أَعْمَالُهُمْ وَ سَبَقَ إِلَى قَلْبٍ مَنْ لَا يَعْرِفُ أَسْوَلَ سَلْفِهِمْ  
 سُوءَ ظَنٍّ وَ كَاذِلًا يَسْلَمُ مِنْ وَقِيْعَتِهِمْ فِيهِمْ وَ طَعِنَ ظُلَامِنُهُمْ أَنْ حَاصِلُهُمْ رَاجِعٌ إِلَى مَجْرَدِ  
 سَرَسِيمٍ وَ تَخَصُّصُهُمْ عَائِدٌ إِلَى مُطْلَقِ اسْمِهِ

پھر چونکہ مجھے ان کے حال کی بزرگی کا علم تھا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ ان کا طریقہ صحیح ہے اور اس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے اور انہیں دو کی بدولت اللہ کی طرف سے فضل اور احسان ہوتا ہے اس لئے میں ان کے طریقہ کو پسند کرتا اور ان سے محبت کرتا تھا اور اسی بات نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس مختصر سی کتاب کے ذریعہ سے ان لوگوں کی حمایت کروں اور حقائق و آداب کے متعلق چند ابواب تالیف کروں تاکہ جن امور میں لوگوں نے بے اعتدالی کی ہے

(۱) قلائد الجواہر: ۲۰-۲۱ (۲) لغات الانس: ۲۲۰ (۳) عوارف المعارف: ۱۲، ۱۳، ۱۴ (۴) اصل کتاب میں اُکٹب کی بجائے

"اذھب" چھپا ہے و غلط ہے میں نے اس کی تصحیح کر دی ہے۔

ان میں انہیں صبح ماہ کا پتہ چل جائے اور انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ان کے جو عقائد ہیں ان کے متعلق ان کے پاس صریح علم کی شہادت موجود ہے۔ اس لئے کہ کثرت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جنہوں نے صوفیاء کا سا طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ مگر درحقیقت ان کے حالات صوفیاء سے مختلف ہیں اور کچھ لوگ صوفیاء کے لباس میں لوگوں کے سامنے آ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ بد اعمال ہیں جس کی وجہ سے ان لوگوں کے دلوں میں جو صوفیاء کے اسلاف کے اصولوں سے ناواقف ہیں۔ بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ صوفیاء کو برا کہنے لگ جاتے ہیں اور وہ یہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ تصوف محض ایک رسم ہے اور صوفی محض نام جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

۱۵۔ ابن العربی | حنی الدین محمد بن علی ابن العزلی قرطبیہ میں ۷۰۰ھ رمضان ۵۶۰ھ جولائی ۱۱۶۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ۵۶۹ھ ۱۱۷۳ھ سے لے کر ۵۹۹ھ ۱۲۰۷ھ تک اشبیلیہ میں رہے

اور پھر مشرق کی طرف سیاحت کے لئے نکل گئے یہ مصر سے ہوتے ہوئے حجاز پہنچے اور وہاں ایک مدت تک قیام پذیر رہنے کے بعد، موصل اور ایشیائے کوچک کا سفر کیا اور بالآخر دمشق پہنچ کر سکونت اختیار کر لی اور وہیں ۶۳۸ھ ۱۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ ان کی پانچ تصانیف ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک مرید کی درخواست پر خود ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی دونوں تصانیف سے زائد تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ ان کی بیشتر تصانیف تصوف میں ہیں۔ اسی رسالہ کے خطبہ میں فرماتے ہیں کہ دیگر اشخاص کی طرح ان تصانیف سے میرا مقصد محض مؤلف بننا نہیں بلکہ بعض تصانیف کا سبب تو یہ ہوا کہ حق سبحانہ کی طرف سے مجھ پر معافی کا درود ہوتا تھا اور اگر ان کا اظہار نہ کرتا تو مجھے جل جانے کا اندیشہ تھا اور بعض تصانیف کے متعلق مجھے خواب یا مکاشفہ میں حکم دیا گیا۔

ابن العربی کے متعلق | امام عیض الدین عبداللہ بن اسعد یافعی متوفی بعد از ۵۰۰ھ مرآة الجنان۔ و عبرة الیقظان فی معرفتہ حوادث الزمان میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردی سے ابن العربی کی ملاقات ہوئی۔ دونوں کچھ دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر کسی قسم کی گفتگو کے بغیر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اس کے بعد کسی نے ابن عربی سے شہاب الدین سہروردی کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا:-

رَجُلٌ مَمْلُوءٌ مِنْ قَرْنِهِ إِلَى قَدَمِهَا مِنَ السَّنَةِ

یہ شخص سر سے پاؤں تک سنت سے لبریز ہے

اور جب سہروردی سے ابن العربی کے متعلق دریافت کیا گیا تو کہا حق بجز الحقائق۔ یہ شخص حقائق کا سمندر ہے۔ ابن العربی کی تصانیف میں سے زیادہ تر لے وے۔ ان کی دو تصانیف پر ہوئی۔ ایک فصوص الحکم پر اور دوسرے فتوحات لکھیے پر۔ فتوحات لکھیے بڑی ضخیم کتاب ہے۔ محمد پانچ سو ساٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے مقابلہ میں فصوص الحکم ایک مختصر سی کتاب ہے جو تائیس ابواب پر مشتمل ہے۔

مولانا عبدالرحمن جامی متوفی ۱۹۹۸ء ۱۲۹۲ھ ابن العزلی پر طعن کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

• واغظم اسباب طعن طاعنان دروے کتابہ فصوص الحکم است و بہانہ کہ منشاء طعن طاعنان یا تقلید و تعصب است یا عدم اطلاع بر اصطلاحات وے یا غرض معانی و حقائق کہ در مصنفات خود سرچ کر وہ است و اس قدر حقائق و معارف کہ مصنفات وے بہ تخصیص و فصوص و فتوحات اندراج یافتہ است در بیچ کتاب یافت نمی شود و از بیچ کس ازین طائفہ نہ مشدہ است و این فقیر از خدمت خواجہ برہان الدین ابوالنصر پارسا قدس سترہ جنہیں استماع فار و کہ می گذشتہ کہ و امامی فرمود فصوص جان است و فتوحات دل

ان پر طعن کرنے والوں کے لئے سب سے بڑا سبب کتاب فصوص الحکم ہے جس کی وجہ یا تو تقلید اور تعصب یا ان کی اصطلاحات سے ناواقفگی یا ان معانی اور حقائق کا دقیق ہونا جو انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کئے ہیں اور جس قدر حقائق و معارف انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کئے ہیں بالخصوص فصوص اور فتوحات میں اس قدر کہ اور کتاب میں پائے نہیں جاتے اور نہ ہی اس قدر کسی اور بزرگ سے ظاہر ہوئے ہیں نے خواجہ برہان الدین ابوالنصر پارسا قدس سترہ سے سنا ہے کہ ان کے والد نے فرمایا کہ فصوص جان ہے اور فتوحات دل

امام شعرانی ان پر طعن کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَمَا أَنْتُمْ مِّنْ أَنْتُمْ عَلَيْنَا إِلَّا لِدِقَّةِ كَلَامِنَا

امام شعرانی کی رائے

جنہوں نے ان کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے صرف ان کے کلام کے دقیق ہونے کی وجہ سے کیا۔

علاوہ صوفیاء نے ان کے کلام کی وقت کو بد نظر رکھتے ہوئے ان کی کتابوں کی شرح لکھی ہیں چنانچہ بوعلی بن حماد عبد کاشانی، جامی، اور آفتاب علی ہالی نے فصوص الحکم کی شرح لکھیں اور موجودہ دور میں مولانا اشرف علی تھانوی مد متوفی ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۲ء نے اردو میں فصوص الحکم کے بعض مشکل مقامات کو حل کیا ہے اور کتاب کا نام خصصت لکھی ہے۔ فصوص الحکم رکھا ہے اور جب بعض لوگوں نے اپنی کم مائیگی اور جہالت کی وجہ سے ابن عربی کے کلام کو نہ سمجھا اور ان پر نکتہ چینی شروع کر دی تو متعدد علماء نے ابن عربی کی طرفداری میں کتابیں لکھیں چنانچہ عبدالغنی نابلسی نے الرد المتین علی منتقعی الغایہ فی الدین لکھی، علامہ جلال الدین سیوطی نے تنبیہ الغیبی فی تائیدیہ ابن العربی لکھی اور عبدالوہاب شعرانی نے تنبیہ الغیبیہ علی قطبہ من بحر علوم الاولیاء لکھی۔ اس کے علاوہ سراج الدین مخزومی، حافظ ابن حجر کے استاد مجد الدین فیروز آبادی رحمہم صنف قاموس نے بھی ان کی تائید میں کتابیں لکھیں۔ موجودہ دور میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے ابن عربی کی طرفداری میں تنبیہ الطربانی من منظومہ ابن العربی لکھی ہے۔ مخالف صاحب نے کتاب کے خاتمہ پر ابن العربی کے متعلق اپنا عقیدہ اور ان کی مشکل عبارات کے متعلق اپنا مسلک بھی بیان کیا ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے جہاں کہیں ابن العربی پر تنقید کی ہے، یہ انہی کا حق ہے ہمارا حق نہیں۔ اسے



میں یہاں ابن عربی کی فتوحات مکیہ میں سے عبارتیں پیش کرتا ہوں جن میں انہوں نے شریعت اور کتاب و سنت کی پابندی پر زور دیا ہے۔

مولانا جامی فرماتے ہیں: وہم دسے آور وہ اسرت حکایت از حال خود:

### ۱۔ پہلی عبارت

وَلَقَدْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ، وَمَا جَاءَ بِهِ مُجْمَلًا وَمُفَصَّلًا مِمَّا وَصَلَ إِلَيْنَا مِنْ تَفْصِيلِهِ، وَمَا لَمْ يَصِلْ إِلَيْنَا أَوْ لَمْ يَتَّبِعْ عِنْدَ كَاتِبِنَا مَوْمِنُونَ بِكُلِّ مَا جَاءَ بِهِ فِي نَفْسِ الْآخِرِ لَهُ

ابن عربی اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور ان امور پر ایمان لائے ہیں جو ہمارے پاس مجمل یا مفصل طور پر پہنچے خواہ ان کی تفصیل ہم تک پہنچی ہے یا نہیں پہنچی یا ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہوتی۔ ہم ان تمام امور پر ایمان لائے ہیں جنہیں درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔

ابن عربی نے فتوحات مکیہ کے آخری باب (باب ۵۶) میں تقریباً دو سو سیٹھیں دی ہیں۔ یہ دسیٹھیں اگرچہ تمام کی تمام نہایت قابل قدر ہیں۔ مگر یہاں پر صرف ایک ہی جاتی ہے:

### ۲۔ دوسری عبارت

عَلَيْكَ بِالْإِقْتِدَاءِ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَحْوَالِهِ وَأَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ إِلَّا مَا نَصَرَ عَلَيْهَا أَنَا مُخْتَصٌّ بِهَا وَمِمَّا لَا يَجُوزُ لَنَا أَنْ نَفْعَلَهُ

تم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال، اقوال اور افعال میں اقتداء کرنی لازم ہے۔ سوائے ان امور کے جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح طور پر فرما دیا ہے کہ وہ آپ کی خصوصیات میں سے تھے اور جن کا کرنا ہمارے لئے جائز نہیں۔

ابن عربی باب ۱۶۲ فی معرفتہ مقام التصوف میں لکھتے ہیں:-

### ۳۔ تیسری عبارت

قَالَ أَهْلُ طَهْرِيْقِ اللَّهِ التَّصَوُّفَ خُلُقٌ قَمَنْ نَادَى عَلَيْكَ فِي الْخُلُقِ نَرَادَ عَلَيْكَ فِي التَّصَوُّفِ وَسُئِلْتُ عَائِشَةَ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: خُلُقُهُ الْقُرْآنُ - وَإِنَّ اللَّهَ أَثَنَى عَلَيَّ بِمَا أَعْطَاةً مِنْ ذَلِكَ فَقَالَ «وَأَنَّكَ لَعَلَّ خُلُقِ عَظِيمٍ» وَمِنْ شَرَطِ الْمَنْعُونَ بِالتَّصَوُّفِ أَنْ يَكُونَنَّ حَكِيمًا ذَا حِكْمَةٍ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَلَا حَظَّ لَهُ فِي هَذَا اللَّقَبِ فَإِنَّهُ حِكْمَةٌ كُلُّهُ فَإِنَّهُ أَخْلَاقٌ وَهِيَ تَحْتَاجُ إِلَى مَعْرِفَةٍ قَامَّةٍ وَعَقْلٍ رَاجِحٍ وَحُضُورٍ وَتَمَكُّنٍ قَوِيٍّ مِنْ نَفْسِهِ، حَتَّى لَا يَحْكُمَ عَلَيْهَا الْأَعْرَاضُ النَّفْسِيَّةُ وَلِيَجْعَلَ الْقُرْآنَ أَمَامَهُ صَاحِبَ هَذَا الْمَقَامِ -

۱۱۔ نفحات الانس ۴۹۔ فتوحات جو ظمی نسخہ مجھے دستیاب ہوا ہے وہ ناقص ہے اس لئے نفحات کا حوالہ دیا ہے۔

۱۲۔ فتوحات کی ظمی نسخہ ۴۹۔ ب۔ میں یہاں پر اس نسخہ کا تعارف کر دینا چاہتا ہوں۔ یہ ظمی نسخہ میرے مکہ دوست شیخ عبدالعزیز صاحب سے ایم۔ سی کی ملکیت میں ہے۔ محترم شیخ صاحب پاکستان میں عظیم القدر ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کی ذاتی لائبریری میں چالیس ہزار سے زائد کتابیں ہیں مجھ پر ان کی خاص عنایت ہے۔ جتنی چاہوں مثلاً اللہ کے لئے کتابیں لے آتا ہوں ان میں سے ایک فتوحات مکیہ کا نایاب نسخہ ہے۔ یہ نسخہ نہایت خوش خط (باقی صفحہ ۱۴ پر)

اہل طریقت کہتے ہیں کہ تصوف ہمہ تن خلق ہے جس کے اخلاق تم سے بہتر ہوں گے وہ تم سے بہتر صوفی ہو گا۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: قرآن آپ کا خلق تھا۔ نیز جو اخلاق اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و عطا کئے ہیں ان کی تعریفوں فرمائی ہے ” آپ کے اخلاق بہت بلند ہیں“ اور جو شخص تصوف کی صفت سے موصوف ہو اس کے لئے دانا ہونا بھی ضروری ہے اگر ایسا نہیں تو صوفی کا لقب اسے نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے کہ تصوف ہمہ تن حکمت ہے کیونکہ اس میں اخلاق پائے جاتے ہیں اور اخلاق کے لئے معرفت نامہ عقل راجح و حاضر اور اپنے نفس پر پورا قابو ہونا ضروری ہے، تاکہ خواہشات نفسانیہ اس پر قابو نہ پالیں۔ مقام تصوف والے انسان کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید کو اپنی نگاہ میں رکھے۔

باب ۴۱۹۔ فی معرفتہ حال قُطِبَ کَانَ مَنزِلًا مُتَجَبِّبًا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ اِعْلَمُوا أَنَّهُ مَا فِي الْقُرْآنِ حَكِيمٌ أَدَلُّ عَلَى أَنَّ الْإِنْسَانَ الْكَامِلَ فَخَلُقَ عَلَى الصُّورَةِ مِنْ هَذَا الذِّكْرِ لِذُخُولِ اللَّامِ فِي قَوْلِهِ ”وَلِلرَّسُولِ“ وَفِي آيَةِ تَعَالَى لِيُنذِرَ الَّذِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ بِالْإِجَابَةِ لِدَعْوَةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلِدَعْوَةِ الرَّسُولِ فَإِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مَا  
 (۱) اصل کتاب میں اسی طرح دیا ہے میرے خیال میں یہ لفظ ”مَنْ“ ہی ہے اور میں نے اسی طرح ترجمہ کیا ہے۔

### (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳)

اور بڑی قلیح کے عمدہ کا قلم لکھا ہوا ہے اس کا حاشیہ اور الہاب کی تمام سرخیاں سنبھری حروف میں لکھی ہوئی ہیں اور یہ نسخہ مشہور کا کچھ ہوا ہے کتاب کے خاتمہ پر کاتب نے یہ عبارت لکھی ہے جس میں اس نے اپنا نام بھی لکھ دیا ہے۔

تَوَابُ الْقَدَمِ أَقْلُ الْخَدَمِ يَوْسُفُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَقَا اللَّهُ عَنَهُ الزَّلَّاتِ وَأَنزَالَ عَنَهُ حُجُبَ الْفَلَاحِ  
 اللَّهُمَّ إِنَّا نَسَلُكَ أَنْ تُزِيلَ عَنَّا شَتَاةَ لِقَوَائِمِ وَتَجَلِّبَنَا إِلَيْكَ وَتُمِدَّنَا بِالسِّرِّ الْجَامِعِ الْمَانِعِ وَتَحَلَّنَا مَقَارِدَ  
 الْجَبَعِيِّتِ الْحَقِيقِيَّتِ وَتُمِدَّنَا بِفِيوضِ نُورِ حَاتِكَ الْغَيْبِيَّتِ الْحَقِيقِيَّتِ وَأَنْ تَجْعَلَنَا مِنْ خَاصَّةِ الْأَخْيَارِ وَصَفْوَةِ  
 الْعَبِيدِ يَا حَيُّ يَا عَلِيمُ يَا قَدِيرُ صَلَّى اللَّهُ عَلَى نَبِيِّ مُحَمَّدٍ وَإِلَيْهِ وَأَصْحَابِهِ الطَّاهِرِينَ وَكَانَ ذَلِكَ  
 الْإِتْمَامُ فِي سَابِعِ عَشْرَى (عشرین) ثَالِثِ تَاسِعِ تَامِنِ تَاسِعَةِ هِجْرِيَّةِ نَبَوِيَّةِ۔

یہ حاشیہ پر اسی شخص کے دست خطوں میں لکھا ہے، یعنی ۷ ربیع الاول ۸۴۹ھ۔ اس کے بعد کاتب نے خروحات مکہ اور ابن العربی کی تعریف عزلی میں کچھ اشعار دیئے ہیں جن سے بظاہر لوگوں معلوم ہوتا ہے کہ اشعار کاتب کے اپنے ہیں۔ مگر کاتب کی اغلاط کی وجہ سے اس میں شک پیدا ہوا جاتا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ نسخہ ناقص ہے۔ ابجد الی جمعہ کسی اور کا لکھا ہوا ہے۔ جس کا خط اس قدر غراب ہے کہ اس کے پڑھنے میں سخت دقت پیش آتی ہے۔ وہ میاں میں کچھ اوراق خالی پڑے ہیں۔ جن کی وجہ سے کتاب ناقص رہ گئی ہے۔ آخری صفحہ پر مدق کا نمبر ۴۴۹ دیا ہے۔ کتاب پر چند جگہوں پر مغلیہ سلاطین کی ہریں بھی ثبت ہیں۔ ایک نہر پر احمد شاہ بادشاہ لکھا ہے۔ اور ۱۶۱۱ھ دیا ہے۔ میں نے جو والے دیکھے ہیں وہ اسی نسخہ کے ہیں۔

يَدْعُونَا إِلَّا لِمَا يَجِبُنَا فَلْيَكُنْ مِنَّا الْإِجَابَةُ عَلَى كُلِّ حَالٍ إِذَا دَعَانَا فَإِنَّهُ مَا يَكُونُ فِي حَالِ الْإِمِينَةِ  
فَلَا بُدَّ أَنْ يُجِيبَهُ إِذَا دَعَانَا فَإِنَّهُ الَّذِي يَقْبَلُنَا فِي أَحْوَالِنَا وَإِنَّمَا فَصَّلَ هُنَا بَيْنَ دَعْوَةِ اللَّهِ وَ  
دَعْوَةِ الرَّسُولِ . لِيَتَحَقَّقَ مِنْ ذَلِكَ صُورَةٌ الْحَقِّ الَّتِي رَسُوهُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
عَلَيْهَا وَهُوَ الدَّاعِي فِي الْحَالَتَيْنِ إِيَّانَا فَإِذَا دَعَانَا بِالْقُرْآنِ كَانَتْ مُبْلَغًا وَتَرْجُمَانًا وَكَانَ الدَّعَاءُ  
دُعَاءَ اللَّهِ فَلْيَكُنْ إِجَابَتُنَا لِلَّهِ وَالْإِسْتِجَابَةُ لِلرَّسُولِ وَإِذَا دَعَانَا بِغَيْرِ الْقُرْآنِ كَانَتِ الدَّعَاءُ  
الرَّسُولِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَلْيَكُنْ إِجَابَتُنَا لِلرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَاخْرَاقَ  
فِي دُعَائَيْنِ فِي إِجَابَتِنَا وَإِنْ تَمَيَّزَ كُلُّ دُعَاءٍ بِتَمَيُّزِ الدَّاعِي الْإِ

یاورہ کہیں! خدا تمہاری بھی اور ہماری بھی مدد کرے کہ قرآن مجید میں اس آیت سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں کہ  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل کی صورت میں مخلوق ہوئے ہیں اس لئے کہ "الرسول" پر الف اور لام داخل  
ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں۔ دعوت الہی اور دعوت رسول  
کی اطاعت کا حکم دیا ہے اس لئے کہ خدا اور اس کا رسول ہمیں صرف انہی امور کی دعوت دیتے ہیں جو ہمیں زندگی بخشنے  
ہیں لہذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کسی امر کی طرف بلائیں تو ہمیں ہر حالت میں سبر تسلیم ختم کرنا ہوگا۔ اس  
لئے کہ ہر حالت میں دعوت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوگی۔ لہذا ہمیں ان کے بلائے کا جواب دینا  
ضروری ہے کیونکہ وہی ہمارے حالات کی اصلاح کرنے والے ہیں۔ یہاں پر دعوت خداوندی اور دعوت نبوی میں امتیاز  
اس لئے کیا ہے تاکہ وہ صحیح صورت میں پہنچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ کیونکہ ہر دو صورت میں داعی تو  
وہی ہیں۔ لہذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے الفاظ میں دعوت دیں تو اس صورت میں آپ مبلغ اور ترجمان ہوں  
گے۔ اور دعوت اللہ کی طرف سے ہوگی۔ لہذا ہمیں اللہ کی اطاعت کرنی چاہیے اور رسول کی بات پر کان لگانا چاہیے اور  
جب قرآن کے علاوہ کسی اور الفاظ میں بلائیں تو یہ دعوت رسول کی طرف سے ہوگی۔ لہذا ہمیں رسول کی بات بھی ماننی  
چاہیے۔ جہاں تک اجابت کا تعلق ہے ہمارے لئے دونوں دعوتوں میں کوئی فرق نہیں۔ حالانکہ داعی کے لحاظ سے  
دعوتوں میں فرق ہے۔

اس کے بعد ابن عربی نے حجیت مدیث اور اس کے واجب العمل ہونے پر بحث کی ہے۔ اہل ذوق تفصیل وہاں سے  
ملاحظہ فرمائیں۔

باب ۵۰ کی ابتداء میں ابن العربی لکھتے ہیں۔  
۵۔ پانچویں عبارت | فَهَذِي أَحَدَ عَيْنِي الْهَدْيِ اجْتَمَعَتْ وَمِلَّةُ الْمُصْطَفَى مِنَ النَّبِيِّ السَّلْبِ

حقیقی راستہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور تمام ملتوں سے زیادہ روشن ملت بھی انہی کی ملت ہے

"اصل کتاب میں اسی طرح دیا ہے مگر میں نے اسے "السماع" پڑھا ہے اور اسی طرح ترجمہ کیا ہے۔

اسی باب میں فرماتے ہیں:

## ۶- چھٹی عبارت

عَلَيْكَ بِمَلَاذِمَتِي مَا افْتَرَضَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي أَمَرَكَ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فَإِذَا أَكْمَلْتَ فَمَاءَ حَمَةِ الْبُضِكِ وَكَمَا لَهَا قَرَمٌ حَنِيبٌ عَلَيْكَ (أَنْ) تَتَفَرَّقَ مَا بَيْنَ الْفَرْضَيْنِ لِتَوَافُلِ الْخِيَرَاتِ كَأَنْتَ مَا كَانَتْ لَهُ

جو امر اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کئے ہیں۔ انہیں اسی طرح ادا کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب تم فرض کو پورا کر چکو تو دو فرضوں کے درمیان توافل کی طرف توجہ دو خواہ وہ کبھی قسم کے ہوں۔

نیز اسی باب میں فرماتے ہیں:

## ۷- ساتویں عبارت

وَعَلَيْكَ بِالصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ حَيْثُ يُبَادَى بِهَا مَعَ الْجَمَاعَةِ قَاتِ الْمَسَاجِدَ مَا اتَّخَذَتْ إِلَّا لِإِقَامَةِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ فِيهَا وَمَا يُبَادَى إِلَّا إِلَى الْإِتْيَانِ إِلَيْهَا فَإِنَّ ذَلِكَ سُنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُرَادُ بِذَلِكَ الْإِجْتِمَاعُ عَلَى إِقَامَةِ الدُّعَاءِ وَأَنَّ لَا تَتَفَرَّقَ فِيهِ لِذَا اخْتَلَفَ النَّاسُ فِي صَلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ إِذَا قَدَّرَ عَلَى الْجَمَاعَةِ هَلْ يُجْزِيهِمْ أَمْ لَا وَمَنْ تَرَكَ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا شَرِيكَ

جب اذان ہو تو فرض نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کیا کرو۔ اس لئے کہ مسجد میں فرض نمازوں کو ادا کرنے کے لئے ہی بنائی گئی ہیں اور اذان جو دی جاتی ہے تو صرف اس لئے کہ ہم نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے آئیں کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم دین کو قائم کرنے کے لئے اکٹھے ہوں تاکہ آپس میں تفرقہ نہ پڑے۔ اسی لئے علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص فرض نماز اکیلے ادا کرے حالانکہ وہ جماعت کے ساتھ ادا کرنے پر قادر ہے۔ آیا یہ نماز ہو جائے گی یا نہیں اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کیا وہ یقیناً گمراہ ہوا۔ ابن العربی کی کتابوں میں سے ہم بے شمار مثالیں پیش کر سکتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کے متبع تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے تھے۔ حق پسند اور منصف مزاج حضرات پر یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ ابن العربی پر کتاب و سنت کی مخالفت کا الزام بے بنیاد اور غرض افرا ہے۔ میں نے بمقابلہ دوسرے صوفیاء کے ان کے متعلق ذرا زیادہ وضاحت سے کام لیا ہے اس لئے کہ ظالمین نے انہیں بدنام کرنے کی بہت کوشش کی ہے جن بزرگوں کو حق بات معلوم کرنے کے لئے مزید وضاحت کی ضرورت ہو وہ مولانا اثرات علی تھالوی کی التنبیہ الطریقی کا مطالعہ کریں۔

شیخ ابو العباس احمد ملتئم مصر کے جلیل القدر مشائخ میں سے ہوئے ہیں۔ ان کے والد مالک ۱۶- شیخ احمد ملتئم کا قول مشرق میں باہ شاہ تھے۔ مگر انہوں نے سب کچھ چھوڑ کر طریق فقر اختیار کر لیا تھا۔ انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی ہے۔ شیخ عبدالغفار قوسی جن کی وفات تقریباً ۷۴۰ھ میں ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے ان کی عمر کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ اس وقت میری عمر تقریباً چار سو سال ہے۔ ان کی وفات ۷۴۰ھ کے قریب



ہوئی علماء ظاہر اکثر ان کے مخالف رہتے۔ لیکن ان کا اپنا قول ہے :-

لَمْ يَكُنْ الْأَقْطَابُ أَقْطَابًا وَأَلْدَتَادُ أَوْتَادًا وَلَا أَوْلِيَاءُ أَوْلِيَاءَ إِلَّا بِتَعْظِيمِهِمْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعْرِفَتِهِمْ بِهَا وَاجْتِلَاءِ لَهُمْ لِشَرِّ يَعْتَبِرُهَا وَقِيَامِهِمْ بِآدَابِهَا

ذکوئی قطب قطب بن سکا ہے، نہ اوتاد اوتاد اور نہ ولی ولی جب تک کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کی اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل نہیں ہوئی اور جب تک اس نے آپ کی شریعت کی تعظیم نہیں کی اور اس کے آداب بجا نہیں لائے۔

۱۷۔ شیخ عبدالقادر قوصی **أمر اتباع سنت** | شیخ عبدالقادر قوصی متوفی ۷۷۰ھ (تقریباً) کا اتباع سنت میں یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ اپنے بیٹے کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا

رہے تھے۔ کھانے میں کدو بھی تھا۔ فرمایا: بیٹا! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدو بہت پسند تھا بیٹے کی زبان سے نکل گیا کہ یہ تو ایک گندمی چیز ہے۔ ان سے یہ الفاظ برداشت نہ ہو سکے اس لئے کہ ان میں شان نبوی کے بارے تحقیق پائی جاتی تھی اور اسی وقت تلوار سے اپنے بیٹے کی گردن اڑادی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسند کو اپنے بیٹے کی جان سے بھی زیادہ عزیز جاننا۔

۱۸۔ ابراہیم وسوقی | سید ابراہیم بن ابی المجد قشقی وسوقی جلیل القدر صوفی اور صاحب کرامات بزرگ گذرے ہیں۔ انہیں فارسی، عربی، سریانی، زنگی اور تمام پرندوں اور وحشی جانوروں کی

بولیاں آتی تھیں۔ ان کی وفات تینتالیس سال کی عمر میں ۷۷۰ھ میں ہوئی فرماتے ہیں :- الشَّرِيعَةُ أَصْلُ وَ الْحَقِيقَةُ فَرْعٌ كَالشَّرِيعَةِ جَامِعَةٌ، لِكُلِّ مَشْرُوعٍ وَالْحَقِيقَةُ جَامِعَةٌ لِكُلِّ عِلْمٍ خَفِيِّ

شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فروع و فرعیات میں تمام مشروع باتیں آجاتی ہیں اور حقیقت میں تمام مخفی علوم حضرت وسوقیؒ جب کسی مرید سے عہد لیتے تو ان الفاظ میں لیتے:

يَا فُلَانُ أَطَّرِقُ الْبَيْتَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ وَأِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِتْيَانِ الزَّكَاةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَالْحَجِّ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ الْحَرَامِ وَإِتْبَاعِ جَمِيعِ الْأَمْرِ الْمَشْرُوعِ وَالْإِخْبَارِ الْمَضْبُوقِ وَالِإِسْتِغَالِ بِطَاعَةِ اللَّهِ قَوْلًا وَفِعْلًا وَاعْتِقَادًا وَلَا تَنْظُرْ يَا وَلَدِي إِلَى تَرْخَاوِفِ الدُّنْيَا وَمَطَايَاهَا وَمَلَا بِسِيهَا وَقَمَا شِيهَا وَرِيَا شِيهَا وَحُضُوقِ ظَهَا وَاتَّبِعْ نَبِيكَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي أَخْلَاقِهِ فَإِنَّ لَمْ تَسْتَطِعْ فَأَتْبِعْ خُلُقَ شَيْخِكَ فَإِنَّ نَزَلَتْ عَنْ ذَلِكَ هَلَكْتَ يَا وَلَدِي

ارے! عبادت کے طریقہ میں کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت پر چلنا، نماز پڑھتے رہنا، زکوٰۃ ادا کیا کرنا، روزے رکھا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور تمام شرعی اوامر اور احادیث مرضیہ کی تابعداری کرنا۔ قولا۔ فعل اور اعتقاداً

(۱) لوائح الانوار: ۱: ۱۳۶ (۲) لوائح الانوار: ۱: ۱۳۹۔ (۳) لوائح الانوار: ۱: ۱۴۲۔

(۴) لوائح الانوار: ۱: ۱۵۱

سرطرح سے اللہ کی اطاعت میں لگے رہنا۔ بیٹا! و نیا دی زخاروت، سوار یوں، لباس، زریب، وزینت اور حظوظ کی طرف نہ  
دھیان نہ کرنا۔ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کی پیروی کرنا اگر اتنا نہ کر سکو تو کم از کم اپنے پیر کے  
اخلاق کی ہی پیروی کر لینا اور اگر کہیں اس سے بھی نیچے گر گئے تو ہلاک ہو جاؤ گے

ذرا غور فرمائیں کہیں قدر واضح الفاظ میں کتاب و سنت کی پیروی کرنے کا عہد لیا جا رہا ہے۔ ان امور کی پابندی  
کے باوجود اگر کسی سے بقا ہر کوئی خلافت شریعت مر دکھائی دے تو اس کے متعلق فرماتے ہیں:

وَلَا يَقْدَحُ فِي صَاحِبِ الْخَيْرِ قَتْرٌ إِلَّا أَنْ يَخَالَفَ صِرَاحًا كَذِبًا وَالسُّنَّةَ إِخْتِيَارًا<sup>(۱۱)</sup>

صاحب خیر پر صرف اس وقت عیب جوئی کی جا سکتی ہے جب، وہ کتاب و سنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کرے۔

۱۹۔ شیخ ابوالحسن شافعی کا بیان | شیخ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن عبد الجبار شافعی افریقیہ میں شافعیہ کے  
رہنے والے اور حینی سادات میں سے تھے۔ یہ نابینا تھے انہی نے سلسلہ

شافعیہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ کبار اولیاء کی کثیر تعداد ان سے منسوب ہوئی۔ جب یہ بچ کے لئے مکہ کو جا رہے تھے تو راستہ  
میں ایک صحرا میں ۷۵ھ میں وفات پائی۔ تقی الدین ابن وقیف العید فرماتے ہیں کہ میں نے ابو الحسن شافعی سے بڑھ  
کر کسی کو عارف باللہ نہیں دیکھا۔ حزب البحر انہی کی طرف منسوب ہے۔ حضرت شافعی اکثر فرمایا کرتے تھے:-

إِذَا عَارَضَ كُنْفَكَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَاسْتَرَفْ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَذَرِ الْكُشْفَ

جب تمہارا کشف کتاب و سنت کے خلاف ہو تو کتاب و سنت پر پابند رہو اور کشف کو چھوڑ دو۔

پھر فرماتے ہیں:

مَا شَفَّ كَرَامَةً أَعْطَاهُ مِنْ كَرَامَةٍ وَلَا يَمَاتُ وَمَتَا بَعَثَ اللَّهُ قَوْمًا فَمَنْ أُعْطِيَهَا وَجَعَلَ يَشْتَاقُ  
إِلَى غَيْرِهَا فَهُوَ مُفْتَرٍ كَذَابٌ أَوْ ذُو حَصْرِ فِي الْبَادِيَا نَمْتَوَابٍ كَمَنْ أَكْرَمَ شَهْوَةَ الْمَلِكِ فَاشْتَاقَ  
إِلَى سِبَاسَةِ الدَّكَابِ<sup>(۱۲)</sup>

ایمان اور اتباع سنت سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں ہے دونوں باتیں حاصل ہو جائیں اور پھر وہ کسی اور چیز  
کا مشتاق ہو تو وہ شخص فتری اور کذاب ہے یا اسے اپنے علم میں سمجھ بات معلوم کرنے میں لٹپٹی گی۔ اس کی مثال ایسی  
ہے جیسے ایک شخص کو بادشاہ کے دربار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دروغہ بننا چاہیے۔

۲۰۔ علی بن شہاب کا قول | شیخ علی بن شہاب امام عبدالرحمن شاعرانی کے دادا تھے۔ نہایت متقی اور پرہیزگار  
تھے۔ انہوں نے ستاسی سال کی عمر میں ۸۹ھ میں وفات پائی۔ ایک مرتبہ شیخ عبدالرحمن

بن شیخ وہیب سلطوحی جو اس وقت کے امدیہ فرقہ کے رئیس تھے ان کے شہر میں آ رہے تھے تو علی بن شہاب نے انہیں  
کہلا بھیجا:

۱۱۔ اس سے فرمایا کہ پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کشف ہم پر ہوتا ہے (۱۲) واقع الانوار: ۱۱۵ (۳) جہاں رسول اللہ نے نعمات الایس میں ان کی

تاریخ وفات ۷۵ھ میں ہے (۱۳) واقع الانوار: ۱۱۵ (۱۵) واقع الانوار: ۱۱۵

يَا شَيْخَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِنَّ كُنْتَ تَطْلَعُ بِلَدِّ نَاخَا ظَلَعًا بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْأَقَانِتِ مَهْجُورًا ۱۱۹

اے شیخ عبدالرحمن اگر تو ہمارے شہر میں آنا چاہتا ہے تو کتاب و سنت کے ساتھ آنا ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی ہوگی۔

۲۱۔ محمد عنان کافرمان | شیخ محمد عنان اپنے زمانے کے بہت بڑے عابد اور زاہد تھے۔ ان کی کرامات مشہور ہیں۔ انہوں نے ایک سو سو برس کی عمر میں ۹۲۳ھ میں وفات پائی۔ ان کے پاس اگر کوئی راہِ طریقت کی تلاش میں آتا تو فرماتے:

”یہ لوگ راہِ حق سے مذاق کرتے ہیں“

اور کسی کو ذکر کی تلقین نہ کرتے۔ شیخ احمد نجدی قرآن مجید لے کر ان کے پاس آئے اور کہا ہمیں اس خدا کی قسم جس کا یہ کلام ہے کہ مجھے ضرور ذکر کی تلقین کریں۔ شیخ محمد عنان نے جب اللہ کی قسم کا لفظ سنا تو بیوقوف ہو کر گر پڑے پھر اٹھ کر فرمایا:

يَا وَلَدِي الطَّيِّبُ مَا هِيَ بِهَذَا إِنَّمَا هِيَ بِإِتِّبَاعِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ ۱۲۰

بیٹا! راہِ طریقت یہ نہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری ہی کا نام طریقت ہے۔

۲۲۔ ابو بکر خدیجی اور اتباعِ سنت | شیخ ابو بکر خدیجی کبار صوفیہ میں سے تھے اور امام عبدالوہاب شاعرانی کے پیر تھے انہوں نے مدینہ میں ۲۵۰ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئے۔ ایک مرتبہ انہوں نے شیخ محمد عدل کو دیکھا کہ وہ کسی بیمار عورت کا پیرٹ ٹول رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے بلند آواز سے کہا:

اے محمد! ہائے وین۔ اے عدل خدائی بزرگ تمہارے اوپر ہے۔

محمد عدل نے جواب دیا: میں نے کوئی بڑی نیت سے تو نہیں ٹولا۔

فرمایا: کیا تو معصوم ہے؟ ہم تو سنت کے ظاہری حکم کو جانتے ہیں۔

امام شاعرانی ابن داؤد کے متعلق لکھتے ہیں:

۲۳۔ ابن داؤد مشرک لاد کی اور اتباعِ سنت |

كَانَ سَيِّدِي مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدَ يُصْرَبُ فِيهِ الْمَثَلُ فِي إِتِّبَاعِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ..... وَوَلَدَهُ الشَّيْخُ شَهَابُ الدِّينِ كَانَ يُصْرَبُ فِيهِ الْمَثَلُ فِي إِتِّبَاعِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَمَا رَأَيْتُ فِي عَصْرِي هَذَا أَضْبَطَ مِنْهُ لِلسُّنَّةِ.

سیدی محمد بن داؤد اتباعِ کتاب و سنت میں ضربِ المثل تھے۔ اسی طرح ان کے بیٹے شیخ شہاب الدین بھی کتاب و سنت کی اتباع میں ضربِ المثل تھے۔ میں نے اپنے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کسی کو

(۱) لوائح الانوار: ۳: ۱۰۳ (۲) لوائح الانوار: ۲: ۱۰۹ (۳) لوائح الانوار: ۲: ۱۱۹

(۴) لوائح الانوار: ۲: ۱۱۴

سنت پر کار بند نہیں دیکھا۔

پھر آگے چل کر شہاب الدین کے متعلق لکھتے ہیں :-

كَانَ رَاضِيًا لِلَّهِ عَنْهُ مُلَازِمًا لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مَا رَأَتْ عَيْنِي بَعْدَ الشَّيْخِ مُحَمَّدِ بْنِ  
عِيَانٍ أَضْبَطَ لِلسُّنَّةِ مِنْهَا<sup>(۱)</sup>

یہ ہمیشہ کتاب و سنت پر کار بند رہتے۔ میں نے شیخ محمد بن عنان کے بعد ان سے زیادہ محافظ سنت نہیں دیکھا

اس کے بعد شعرانی لکھتے ہیں کہ چالیس سال تک . . . . . میں ان کی صحبت میں رہا مگر میں نے انہیں

کبھی بھی مسنون طریقہ سے منحرف ہوتا نہیں پایا۔ خود منزل الوسی فرماتے ہیں :

مَنْ آتَى أَدَّ حِفْظَ السُّنَّةِ فَلْيَعْمَلْ بِهَا فَإِنَّهَا تَتَّقِيكَ عِنْدَهُ وَلَا يَسَاهَا.

جو شخص سنت کی محافظت کرنا چاہے وہ اس پر عمل کرے کیونکہ اس طرح سنت محفوظ ہو جاتی ہے اور بھولتی نہیں۔

امام عبدالوہاب بن احمد بن علی شعرانی متوفی ۹۶۳ھ ۱۵۶۵ء بہت بڑے

۲۲۔ امام شعرانی کا قول

عالم اور سو فی ہونے میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ فرماتے ہیں :

(الف) وَأَعْلَمُ أَنَّ طَرِيقَ الْقَوْمِ عَلَى وَفْقِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَمَنْ كَانَهَا خَرَجَ عَنِ الْمِصَاطِ الْمُسْتَقِيمِ<sup>(۲)</sup>

یاد رکھو کہ سو فیاء کا طریقہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہے جس نے کتاب و سنت کے خلاف کیا وہ راہ مستقیم سے ہٹ گیا

ب) فَرَحِمَ اللَّهُ أَمْرًا رَأَى فِيهَا شَيْئًا يُخَالِفُ ظَاهِرَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَأَصْلَحْنَا وَلَكِنْ لِنَسْرُطِ  
أَنْ يَكُونَ عَلَى يَقِينٍ وَمَعْرِفَةٍ لَيْسَ فِيهِ شَكٌّ<sup>(۳)</sup>

خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے اس کتاب میں کتاب و سنت کے خلاف کوئی بات پائی اور اس نے اس کی اصلاح کر دی بشرطیکہ اسے اس قدر یقین اور معرفت حاصل ہو کہ اسے کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو کہ یہ امر کتاب و سنت کے خلاف ہے۔

(ج) قَيْدُنِي لِيَسْأَلَكَ طَرِيقَ الْعَارِفِينَ أَنْ يَتُوبَ مِنْ تَرْكِ السُّنَّةِ كَمَا يَتُوبُ مِنْ تَرْكِ الْوَاجِبِ.

عارفین کے طریقہ پر چلنے والے کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح وہ ترک واجب سے توہ کرتا ہے اسی طرح سنت کے ترک کرنے سے بھی توبہ کرے۔

(د) وَإِلَّا فَلَوْ أَيْنَا الصُّوفِيَّ يَتَرَكُهُ فِي الْهَوَاءِ لَا تَعْبَأُ بِهِ إِلَّا أَنْ إِمْتَنَلَّ آمْرًا لِلَّهِ تَعَالَى وَاجْتَنَبَ  
نَهْيَهُ فِي الْحَرَمَاتِ الْبَوَاسِرَةِ فِي السُّنَّةِ مُخَاطِبًا كُلَّ الْخَلْقِ الْمُكَلَّفِينَ لَا يَخْرُجُ عَنْ ذَلِكَ أَحَدٌ  
مِنْهُمْ وَمَنْ ادَّعَى أَنَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى حَالَةً أَسْقَطَتْ عَنْهُ التَّكْلِيفَ الشَّرْعِيَّةَ مِنْ  
غَيْرِ ظَهْرِ أَمَانَةٍ تَصَدَّقَ عَلَى دَعْوَاهُ فَهُوَ كَاذِبٌ<sup>(۴)</sup>

(۱) لوائح الانوار، ۲: ۱۶۹ (۲) الانوار القدسیہ: ۱: ۳۱-۳۲ (۳) الانوار القدسیہ: ۱: ۳۱، ۳۲ (۴) الانوار القدسیہ

۳۲: ۱۱ (۵) الانوار القدسیہ: ۱: ۳۸-



در نہ اگر ہم صوفی کو ہوا پر جو کڑی لگائے بیٹھے ہونے بھی کیوں نہ دیکھ لیں تب بھی اس کا کچھ اعتبار نہ کریں گے۔ البتہ اگر وہ محرمات کے ترک کرنے کا حکم کرتا ہو اور سنت نبوی میں جن محرمات سے منع کیا گیا ہے ان سے پرہیز کرتا ہو اور تمام مخلوق خدا کو محرمات کے ترک کرنے کا حکم کرتا ہو تب مان جائیں گے۔ اس لئے نہ کوئی شخص بھی احکام سے مستثنیٰ نہیں ہے اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ اور اس کے درمیان ایک حالت ہے جس کی وجہ سے تمام احکام شرعیہ اس سے ساقط ہو چکے ہیں اور اس کے پاس اس دعویٰ کی تصدیق میں کوئی ظاہری علامت بھی نہ پائی جاتی ہو تو وہ شخص کاذب ہے۔

(ھ) وَظَلَمُوا أَنْكَرَ آمَنًا لَبِيسَتْ. بِشَرِّ طِ فِي الْعَلَايَةِ. إِنَّمَا يَشْتَرَطُ إِمْتِنَانُ أَوْ إِمْرًا لِلَّهِ وَاجْتِنَابُ تَوَاهِيهِ فَيَكُونُ أَمْرُهُ مَضْبُوطًا عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَسَنَ كَانَتْ كَذِبًا فَانْقَضَتْ أَنْ شَاهِدًا بِوَلَايَتِهِ. دل کے لئے کرامت کا ظاہر ہونا شرط نہیں۔ اگر شرط ہے تو یہ کہ وہ احکام خداوندی کی تابعداری کرے اور نواہی سے پرہیز کرے تاکہ اس کی حالت کتاب و سنت سے مطابقت کی وجہ سے پختہ ہو۔ لہذا جس شخص کا یہ حال ہوگا تو اس کی ولایت پر قرآن گواہ ہے۔

مذکورہ بالا اقوال پر بے شمار اقوال کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر میں نے اتنے پر اکتفا کی ہے۔ ان سے تاریخین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ لوگ کس طرح خود بھی کتاب و سنت پر کار بند رہے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے رہے ان پر کتاب و سنت کی مخالفت کا الزام محض افتراء ہے جس سے ان کا دامن کلیتہً پاک ہے مگر اس کے باوجود بعض اہل ظاہر نے ان پر زبان طعن و راز کی اور ان پر ناموا الزامات لگائے۔ پنا سنجہ ذوالنون مصری (م ۶۲۳۵)، جنید بغدادی (م ۶۱۶)، سہل تستری (م ۶۱۶)، ابوالحسن شاذلی (م ۶۱۶)، ابن العزلی (م ۶۱۶)، اور سید احمد بن ابی الحسن الرفاعی (م ۶۱۶) پر قسم قسم کے الزامات تراش کر انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔ بعض طاعنین نے کتاب و سنت کی آڑ لے کر انہیں قتل تک کرانے کی کوشش کی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا تعلق محض علم ظاہر سے تھا اور علم باطن سے سراسر کوڑے تھے ان کا علم بھی اسی قسم کا تھا جس کے متعلق مولانا دوم فرماتے ہیں:

علم را بر دل زنی یار سے بود !  
عار یہ است و دانشتہ کائن است  
دست در دیوانگی باید زدن (۱)  
چوں بیاید مشتری خوش بفرودخت  
دائمًا بازار او بار و نوق است (۲)

علم را بر دل زنی یار سے بود  
علم تقلیدی و بال جان ماست  
زین خود جاہل ہی باید شدن  
علم تقلیدی بود بہر فروخت  
مشتری علم تحقیقی حق است

ہم خدا کے پاس ایسے علم سے پناہ لیتے ہیں جو بجائے فائدہ پہنچانے کے نہ مار " کا کام کرے۔ آمین :

اکابر علماء کو چونکہ یقینی طور پر معلوم تھا کہ صحیفاء متبع کتاب وسنت ہیں اور یہ کہ ان کے باطن نور سے معمور ہیں اس لئے وہ ان کی تعظیم کرتے اور ان کے ذکر کو باعثِ رحمت سمجھتے۔ ہم ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں :-

اکابر علماء کا صحیفاء اور  
اولیاء اللہ کی تعظیم کرنا

حضرت عبداللہ بن مبارک بڑے پایہ کے محدث، اور عالم تھے اور اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان کی وفات ۱۸۷ھ میں ہوئی۔ فرماتے ہیں:

ابن عبد اللہ بن مبارک کا قول

إِنَّ التَّحِيَّةَ تَنْزِيلٌ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِينَ

جب صالحین کا ذکر کیا جائے تو رحمت خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔

ابو ہاشم شام کے مشہور شیخ تھے یہ دراصل کوفہ کے رہنے والے اور حضرت سفیان ثوری متوفی ۱۸۷ھ کے ہم عصر تھے۔ ان کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہیں نیکلسن

۲۔ ابو ہاشم اور سفیان ثوری

نے لکھا ہے کہ ان کی وفات ۱۸۷ھ سے پہلے ہوئی۔ اگرچہ ابو ہاشم سے پہلے بھی بہت سے بزرگ گذر چکے تھے جو اپنے زہد و ورع میں معاملات طریق توکل اور طریق محبت کے اعتبار سے مشہور تھے۔ مگر سب سے پہلے بزرگ جنہیں صوفی کا لقب دیا گیا وہ ہی ابو ہاشم تھے۔ انہی نے صحیفاء کے لئے سب سے پہلی خانقاہ کجوائی۔ اس کے بنوانے کا سبب یہ ہوا کہ ایک عیسائی رئیس شکار کے لئے بھلا ہوا تھا۔ راستہ میں اس نے دو شخصوں کو نہایت محبت سے آپس میں ملتے اور ہم آغوش ہوتے دیکھا۔ اس کے بعد انہوں نے باہم مل کر کھانا کھلایا۔ عیسائی رئیس کو ان کا طرز معاشرت بہت پسند آیا۔ اس نے ان میں سے ایک کو بلا کر پوچھا کہ یہ دوسرا شخص کون ہے اس نے جواب دیا کہ میں نہ اسے جانتا ہوں اور نہ میرا کوئی اس سے تعلق ہے اور نہ ہی مجھے معلوم ہے کہ یہ کہاں کا رہنے والا ہے اس پر عیسائی رئیس نے دریافت کیا کہ پھر یہ آپس میں محبت کیسے ہے۔ درویش نے جواب دیا کہ یہ تو ہمارا طریقہ ہے۔ پھر رئیس نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی جگہ ہے جہاں تم مل کر بیٹھ سکو۔ جواب دیا نہیں۔ اس پر رئیس نے رملہ (فلسطین) میں پہلی خانقاہ بنوادی<sup>(۴)</sup>

حضرت سفیان ثوری جو مشہور محدث اور عالم ہوئے ہیں انہی ابو ہاشم کے متعلق فرماتے ہیں:

لَوْ لَا أَبُو هَاشِمٍ الصُّوفِيُّ مَا عَمَّرْتُ دَقَائِقَ التَّيْبَاءِ

اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریاء کی باریکیاں نہ جان سکتا۔

(ب) جب تک میں نے ابو ہاشم کو نہ دیکھا تھا مجھے معلوم نہ تھا کہ صوفی کسے کہتے ہیں!

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ اتباع سنت اور اجتناب بدعت میں ضرب المثل تھے۔ انہوں نے شش برس کی عمر میں ۱۸۷ھ میں وفات پائی۔ علم حدیث اور دیگر علوم میں ان کا مرتبہ کسی پر نفعی نہیں۔ انہیں جب کسی مسئلہ میں وقت پیش آتی تو ابو حمزہ بغدادی متوفی ۲۸۹ھ سے دریافت

۳۔ امام احمد بن حنبل  
اور ابو حمزہ بغدادی

(۴) تاریخ الاطوار، ۱ : ۵۱ (۲) اسے لٹیری ہسٹری آف دی عربز، ۲۲۹ (۳) لغات الانس اور اسے لٹیری ہسٹری آف دی عربز، ۲۲۹

۴۔ لغات الانس، ۲ : ۵۱، لغات الانس، ۳۱۱۔

کیا کرتے۔ اور جب ان کی مجلس میں صوفیاء کے اقوال کا ذکر ہوتا تب بھی انہی کی رائے دریافت کیا کرتے۔

شیخ قطب الدین بن امین بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ اپنے بیٹے کو صوفیاء کی مجلس میں جانے کی ترغیب دیا کرتے اور فرمایا کرتے کہ یہ لوگ اخلاق میں اس درجہ تک پہنچے ہوئے ہیں کہ ہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔

ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل امام شافعی رحمہ کے پاس بیٹھے تھے کہ شیبان راعی ادھر

۴۔ امام احمد اور شیبان راعی | آئے۔ امام احمد نے امام شافعی رحمہ سے کہا اے ابو عبد اللہ میں اسے اس کی جہالت پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ یہ کچھ علم سیکھنے کی طرف توجہ دے۔ امام شافعی رحمہ نے انہیں اس سے روکا مگر یہ باز آئے اور شیبان سے کہا:-

”ایک شخص رات اور دن میں ایک نماز پڑھتی بھول گیا ہے اور اسے یہ بھی یاد نہیں کہ اس نے کون سی نماز نہیں پڑھی اب اسے کیا کرنا چاہیے؟“

یہ سن کر حضرت شیبان پر خاص کیفیت طاری ہو گئی اور فرمایا: اے احمد آپ ایسے شخص کا ذکر کر رہے ہیں جن کا دل اللہ سے فاصل ہو چکا ہے لہذا اسے سزا دینی چاہیے تاکہ آئندہ اللہ سے غافل نہ ہو۔

یہ جواب سن کر احمد بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو امام شافعی رحمہ نے فرمایا: کیا میں نے تجھے اسے چھیرنے سے منع نہ کیا تھا؟

اس واقعہ کے لکھنے کے بعد امام قشیری فرماتے ہیں: یہ شیبان راعی کا حال ہے جو آتی محض تھے۔ بہب آئی صوفیوں کا یہ حال ہو تو پھر ان کے ائمہ کا کیا حال ہوگا۔

۵۔ ابو العباس بن سمرج اور جنید بغدادی | ابو العباس بن سمرج متوفی ۳۰۶ھ = ۹۱۷ء امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ انہیں امام شافعی رحمہ کے تمام شاگردوں پر اس کی تمام تر باتوں سے ہی افضل سمجھا جاتا ہے۔ جب یہ حضرت جنید بغدادی متوفی ۲۹۶ھ = ۹۰۹ء کے پاس آئے اور

ان کا کلام سنا تو کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کا اس کلام کے متعلق کیا خیال ہے۔ تو فرمایا:-

لَا آذِيهِ مَا يَقُولُ وَ لَكِنِّي آسَى لِهَذَا الْكَلَامِ صَوْنَةً لَيْسَتْ بِصَوْلَةٍ مُبْتَطِلَةٍ  
جو کچھ یہ فرما رہے ہیں میں اسے نہیں جانتا مگر اس کلام میں اس قدر وہ بہ پایا جاتا ہے کہ ایک بادل شخص کے کلام میں نہیں ہو سکتا۔

۶۔ عبد اللہ بن سعید اور جنید | عبد اللہ بن سعید بن کلاب ہر شخص کی باتوں پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے انہیں کہا کہ آپ ہر کسی کی بات پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہاں جنید

نامی ایک شخص ہے۔ فوراً اس کی باتیں بھی سنیں۔ پھر دیکھیں کیا آپ ان پر اعتراض کر سکتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ عبد اللہ بن سعید

(۱) واقع الانوار ۴: ۱ اور رسالہ قشیریہ: ۲۶ (۲) واقع الانوار ۱۱: ۲ (۳) رسالہ قشیریہ: ۱۹۸ (۴) واقع الانوار ۱۱: ۱ اور

رسالہ قشیریہ: ۱۹۸ -

کے حلقہ میں آئے اور ان سے توحید کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت جنیدؒ نے ایسا جواب دیا کہ عبداللہ حیران رہ گئے۔ اور کلام کو دوبارہ دہرانے کی درخواست کی۔ حضرت جنیدؒ نے بالکل مختلف الفاظ میں وہی بات دہرا دی۔ عبداللہ نے کہا یہ تو کچھ اور ہی بات ہے جسے میں یاد نہیں رکھ سکتا اور ایک بار پھر دہرانے کی درخواست کی۔ انہوں نے پھر ایک نئے طرز میں وہی بات دہرا دی۔ عبداللہ نے کہا: اس طرح تو یہ کلام مجھے یاد نہیں رہ سکتا۔ آپ مجھے یہ لکھا دیں۔ اور حضرت جنیدؒ کی فضیلت اور عقیدت کا معترف ہو گیا۔

۷۔ ابو عمران اور شیخ شبلی  
ابو عمران ایک تفسیر تھے۔ جامع منصور میں ان کا حلقہ درس اور شیخ ابو بکر دلفی کا

حلقہ درس ساتھ ساتھ تھا۔ ابو عمران درس دے رہے ہوتے اور جب شبلی پر کلام شروع کرتے تو ان کا حلقہ درہم برہم ہو جاتا اور لوگ اُٹھ کر شبلی کے پاس چلے جاتے۔ یہ دیکھ کر ابو عمران سخت برا فروختہ ہوتے ایک دن انہوں نے چاہا کہ شبلی کے مبلغ علم کا راز فاش کریں۔ اور ان کے ایک شاگرد نے شبلی کے سئلہ حقیق کے متعلق سوال کیا۔ شبلی نے تقریر کی جس میں انہوں نے علماء کے اقوال اور اختلافات کا ذکر کیا۔ ابو عمران تقریر سن کر شدید سے رہ گئے اور اُٹھ کر شبلی کے سر پر بوسہ دیا اور کہا: اے شبلی! اس مسئلہ میں مجھے آپ سے سزا ہے۔ اس لیے اقوال معلوم ہوئے ہیں جن کا مجھے پہلے علم نہ تھا۔ اور جتنے اقوال آپ نے بیان فرمائے ہیں ان سے مجھے سرفروغ میں اقوال آتے تھے۔

اسی باطنی اور حقیقی علوم کی وہ بہت سی چیزیں فرمایا کرتے تھے،  
فَمَا ظَنَنْتَ بِعِلْمِ عَالِمٍ الْعَلَسَاءِ فِيهَا تَدْمَتَا۔

ایسے علم کے متعلق تم بار بار کیا خیالیں ہے جس کے مقابلہ میں علماء کا علم تہمت کے برابر ہو۔

مولانا جلال الدین رومی متوفی ۷۶۰ھ میں علم ظاہر اور علم باطن کا مقابلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

علم ہائے اہل دل خفا نشان  
علم ہائے اہل تن اخصا نشان

اہل دل کو اپنا علم اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ان کا علم انہیں اُٹھائے ہوتا ہے برخلاف اس کے اہل تن کا علم ان کے لئے باہر ہوتا ہے۔

علم ہوں بد دل زندہ باری شود  
علم ہوں بر تن زند باری شود

علم اگر دل پر اثر کرے تو وہ زندہ ہوتا ہے۔ اور اگر تن پر اثر کرے تو باہر ہو جاتا ہے۔

گفت ایندو کیشہل افسانہ کا  
بار باشد علم کاں بنود نہ ہوا

یہ علم اللہ کی طرف سے نہ ہو کہ باہر ہوتا ہے اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بحیثیت افسانہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

علم کاں بنود نہ ہوں واسطہ  
آن پناہد ہجورنگ ماشطہ

(۱۲) رسالہ تفسیر: ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰ اور لوائح الافوار: ۱: ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱،



جو علم بلا واسطہ اللہ سے حاصل کیا ہو، نہ ہو وہ ماشطہ کے ظاہری ہنر و سنگھار کی طرح پائیدار نہیں ہوتا۔

لیکن اگر تو اس علم کو اچھی طرح سے اٹھائے تو تجھے اس بار کے عوض خوشی عطا کی جائے گی۔

بار بہ گیرند و بخشندت خوشی  
بار بہ گیرند و بخشندت خوشی  
بار بہ گیرند و بخشندت خوشی

پس مکش بہر ہوا آں بار علم  
پس مکش بہر ہوا آں بار علم  
پس مکش بہر ہوا آں بار علم

تا کہ بر ہوا علم آئی سوار  
تا کہ بر ہوا علم آئی سوار  
تا کہ بر ہوا علم آئی سوار

اے اللہ کو چھوڑ کر محض اسم اللہ پر قناعت کرنے والے اللہ کی معرفت کا پیالہ پئے بغیر تو اپنی خواہشات سے

راہی نہیں پاسکتا۔  
ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :

علم ہائے اہل جس شد پوز بند  
علم ہائے اہل جس شد پوز بند  
علم ہائے اہل جس شد پوز بند

جب تک اہل جس علم بلند باطن سے خوراک حاصل نہیں کرتے ان کا علم منہ تک محدود رہتا ہے (دل میں نہیں اترتا)  
قطرہ دل رائے گوہر قناد  
کاں بگرد و نہا دور یا مانداد

چند صورت آخر اے صورت پرست  
چند صورت آخر اے صورت پرست  
چند صورت آخر اے صورت پرست

اے صورت پرست تو کب تک صورت کے پیچھے لگا رہے گا۔ جو صورت سے آزاد نہیں ہوتا اس کی جان بے روح ہوتی ہے۔  
گر بصورت آدمی انسان بنے  
احمد و بوہل خود یکساں بدے

اگر محض صورت سے آدمی انسان کہلاتا تو پھر احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوہل یکساں ہوتے۔  
احمد و بوہل و بت خانہ رفت  
زیر شدن تا آں شدن فرقیست

احمد اور ابوہل دونوں بت خانہ میں جاتے ہیں (مگر غور کرو) ان کے وہاں جانے اور ابوہل کے جانے میں کس قدر فرق ہے۔  
ایں در آید سر نہند آں راستاں  
وال در آید سر نہند آں راستاں

نقش ہدیوار مثل آدمست  
نقش ہدیوار مثل آدمست  
نقش ہدیوار مثل آدمست

دیوار پر جو تصویر کھچی ہوتی ہے وہ ہو بہو آدمی کی طرح ہوتی ہے۔ ذرا غور کرو کیا اس میں کس چیز کی کمی ہے؟

جان کم است آن صورت بیتاب را  
رو بجا آں گوہر کم یاب را!

اس بے رونق صورت میں جان کی کمی ہے، لہذا تو اسی کمیاب گوہر کی تلاش کر۔

۸۔ امام نووی اور پیر مراکشی | امام محی الدین یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۳۱ھ ۱۲۳۳ء اپنے عصر کے بہت بڑے محدث اور امام تھے ان کے شیخ پیر مراکشی دمشق کے بیرونجات میں رہتے تھے۔

امام نووی کو جب کبھی کسی ایسے مسئلہ میں وقت پیش آتی جسے وہ اپنی تصنیف میں درج کرنا چاہتے تو پیر مراکشی کی طرف رجوع کرتے اور ان سے تحقیق کر لینے کے بعد ورج کرتے (۱)۔

۹۔ عز بن عبد السلام اور عوفیاء | عز الدین عبدالعزیز بن عبدالسلام الشافعی بڑے عالم اور صاحب تصانیف گذرے ہیں یہاں تک کہ انہیں سلطان العلماء کا خطاب دیا گیا۔ یہ پہلے

عوفیاء کے مخالف تھے مگر بعد میں جب انہوں نے ابوالحسن شافعی کی بیعت کر لی تو ان کی ضنیت اور کمال کے معترف ہو گئے تھے۔ خود بھی صاحب کرامات تھے۔ ان کی وفات ۶۶۲ھ میں ہوئی۔ فرماتے ہیں:

مَتَّيِدٌ لَكَ عَلَى صِحَّتِي مَدُّ نَهَبِ الْفُقَرَاءِ كَثْرَةُ كَمَا أَمَا تِهِمْ وَمَا سَأَلْنَا أَحَدًا مِنَ الْفُقَهَاءِ وَقَعَ  
عَلَى يَدَيْهِ كَرَّ أُمَّتِي إِلَّا أَنْ سَلَكَ مِنْهَا جَهَنَّمَ - وَمَنْ لَدَيْهِمْ مِنْ بَكْدَا مَا تِهِمْ حَرَّمَ بَرَكْتَهُمْ - وَقَدْ  
شَاهَدْنَا كُلًّا مِنْ أَهْلِ الْفُقَرَاءِ مِنْ عَيْبٍ وَخَوَلٍ فِي طَرَفِيهِمْ يَصِيرُ عَنِّي وَجْهًا كَابِتًا وَعَلَامَةً  
عَلَى الصَّرْدِ وَالْمَشْرِ لَا نَفْعَ لِي عَلَى ذِي بَصِيرَةٍ وَلَا يَنْفَعُ اللَّهُ بَعْلِيهَا أَحَدًا خِلَافَ أَهْلِ الْأَعْتِقَادِ فِيهِمْ - (۲)

فقراء کے طریقہ کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان سے کثرت سے کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ برخلاف اس کے ہم نے کسی ہتھیار سے کوئی کرامت ظاہر ہوتی نہیں دیکھی۔ البتہ اگر وہ بھی فقراء کے طریقہ پر چلے تو ظاہر ہو سکتی ہے جو لوگ فقراء کی کرامت کے منکر ہیں وہ ان کی برکت سے بھی محروم رہتے ہیں۔ ہم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جو ان کے طریقہ کو جانے بغیر ان پر اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ ان کے چہرے بے رونق ہوتے ہیں اور ان پر غضب خداوندی اور راندہ ہونے کی علامت پائی جاتی ہے جو اہل بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہوتی اور ایسے لوگوں کے علم سے کسی کو نفع بھی نہیں پہنچتا۔ برخلاف ان لوگوں کے جو فقراء کے معقولہ ہوتے ہیں (کہ ان کے علم سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے)۔

۱۰۔ ابن حجر اور محمد بن فرغ | شیخ الاسلام قاضی القضاة حافظ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن حجر استغلائی متوفی ۷۵۳ھ ۱۲۴۹ء اپنے زہد و تقویٰ اور علمی بجز کی وجہ سے مشہور تھے۔ محمد بن احمد

فرغانہ متوفی ۷۵۵ھ (تقریباً) بھی اسی زمانہ میں ایک صاحب کرامات ولی مگراؤمی تھے۔ محمد بن احمد فرغانہ کی اولاد کی سفارش کے لئے بصر گئے تو علامہ ابن حجر کا ان پر گزرا ہوا۔ ابن حجر نے انہیں دیکھ کر اپنے دل میں کہا: اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو اپنا ولی نہیں بناتے اور اگر بنائیں تو اسے علم بھی عطا کر دیتے ہیں۔ یہ خیال کر کے ابن حجر نے دل ہی دل میں ان

(۱) مشنوی صغریٰ دلائل اول : ۱۰۰، (۲) الاوار القندیہ : ۱۰، ۲۶ (۳) الاوار القندیہ : ۱۰، ۲۶ -

کی ولایت کا انکار کیا اس پر ابن فرغل نے کہا: "اے قاضی ذرا ٹھہراؤ" پھر پکڑ کر انہیں دھپڑ مارتے گئے اور کہتے گئے:

بَلْ اِتَّخَذَ نَفِيٍّ وَ عَلَمَتِي ۱۱

بلکہ مجھے اللہ نے اپنا ولی بنایا ہے اور علم بھی دیا ہے۔ ابن حجر نے یہ سب کچھ خاموشی سے برداشت کیا اور ایک کلمہ بھی منہ سے نہ نکلا۔

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اہل طریقت کا علم کس قدر واضح اور صحیح ہوتا ہے اس کی وہ یہ ہوتی ہے کہ یہ لوگ براہ راست سرچشمہ حقیقی سے علم حاصل کرتے ہیں اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہوتا کہ غلطی کا احتمال پیدا ہو۔ ان پر نکتہ چینی کا حق صرف انہی بزرگوں کو حاصل ہے جو بحر عرفان کے شناور ہوں۔ گندی نالیوں میں غوطہ کھانے والوں کو کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ ان پر حرف گیری کریں۔ چنانچہ جب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے علاج کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: یہ ایک بازو تھا جس نے لمبا دعویٰ کیا لہذا اس پر شریعت کی قینچی چلائی گئی۔ پھر ایک اور مرتبہ علاج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: حسین علاج پھسل گیا۔ اس کے عہد میں کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہ تھا۔ اگر میں اس زمانہ میں ہوتا تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتا۔ ۱۲

عبدالوہاب شعرانی کے پیر علی الخواص برسی اُمی تھے، نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا۔ اس کے باوجود جب قرآن مجید اور حدیث نبوی کے معانی پر گفتگو کرتے تو بڑے بڑے علماء بھی انگشت بندھاں رہ جاتے۔ عبدالوہاب شعرانی نے ان کے اقوال کو اپنی کتاب *الحق اھدی اللہ امر میں جمع کر دیا ہے۔ علی فرماتے ہیں:*

لَا يَسْتَمِي عِتْدًا نَاعًا لِمَا لَمْ يَكُنْ عَلِمًا غَيْرَ مُسْتَفَادٍ مِنْ نَقْلِ اَوْ صَدِّ بِانْ يَلُوْنَ حَضْرَتِ  
المَقَامِ وَاَمَّا غَيْبُهَا فَاِنَّمَا هُوَ حَاكٍ لِعِلْمِ غَايِبِهِ فَلَهُ اَجْرٌ مَنْ حَمَلَ الْعِلْمَ حَتَّى اَدَّاهُ اَجْرًا لِدَلَمِ  
وَاللَّهُ لَا يُضَيِّعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۱۳

ہمارے نزدیک وہی شخص عالم کہلا سکتا ہے جس نے علم نہ کسی نقل اور نہ مصدر سے حاصل کیا ہو۔ یعنی یہ کہ وہ حضری مرتبہ رکھتا ہو۔ دوسرے لوگ تو اوروں کے علم کی صرف حکایت کرنے والے ہوتے ہیں لہذا انہیں عالم کا اجر نہ ملے گا۔ بلکہ اس شخص کا اجر ملے گا جس نے علم اٹھایا اور دوسروں تک پہنچا دیا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

یہاں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ علماء کو خابین علم کا اجر تو ملے گا۔ مگر ان کا علم نہ حقیقی کہلا سکتا ہے اور نہ یہ اس قدر یقینی ہوتا ہے جس قدر کہ اہل باطن کا علم۔ علم ظاہر میں ذہنوں و زبانون واقع ہو سکتا ہے۔ مگر علم باطن میں اس قسم کے حوادث طاری نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ علم باطن میں عمل علم کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے برعکس علم ظاہر میں ضروری نہیں کہ علم و عمل میں مطابقت پائی جائے۔ چنانچہ ہم بالعموم دیکھتے ہیں کہ علماء ظاہر کے علم و عمل میں سمیت تغاوت پایا جاتا ہے۔ لیکن

۱۱ لوائح الانوار: ۲: ۹۵، ۱۲ (۲) تلامذہ الجواہر: ۱۷ (۳) لوائح الانوار: ۲: ۱۲۷۔

اگر علم باطن میں عملِ علم کے مطابق نہ ہو تو علم کے سلب ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے انہی حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے علیٰ خواص فرماتے ہیں:

لَا يَكْمُلُ الْفَقِيرُ فِي بَابِ الْإِتِّبَاعِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّىٰ يَصِيرَ مَشْهُودًا  
لَهُ فِي كُلِّ عَمَلٍ مَشْرُوعٍ وَيَسْتَأْذِنَهُ فِي جَمِيعِ أُمُورِهِ مِنْ أَكْلِ وَلَبْسٍ وَجَمَاعٍ وَدُخُولٍ وَخُرُوجٍ  
فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ شَارَكَ الصَّحَابَةَ فِي مَعْنَى الصَّحَابَةِ ۝

کوئی فقیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک ہر مشروع عمل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نگاہ میں نہ ہوں اور اپنے تمام امور میں مثلاً کھانا، لباس، جماع اور دخول و خروج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اذن حاصل نہ کرے۔ پس جس نے ایسا کر لیا تو وہ صحبتِ نبویؐ میں صحابہ کا شریک ہو گیا۔ جس صوفی کا یہ حال ہو کہ وہ بھی صحابہ کی طرح آسمانِ شریعت کا ستارہ بن چکا ہو۔ جس کی اقتداء عین ہدایت اور عین نجات ہو اس لئے کہ جب ہر فعل میں خواہ ادنیٰ ہو خواہ اعلیٰ اس کی نظر سنتِ نبویؐ پر ٹھہری اور وہاں سے اجازت حاصل کرنے کے بعد عمل کیا گیا تو وہاں غلطی کا احتمال کہاں رہا۔ لہذا ان بزرگوں کے ظاہری اقوال و الفاظ کو لے کر ان پر فتویٰ لگانا کہاں تک مناسب و روا ہے۔ افسوس ان بزرگوں پر آتا ہے جو علمِ بیان میں حقیقت و مجاز کی بحث کرتے ہوئے یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان یہ کہے کہ فلاں ستارہ کی وجہ سے ہارش ہوئی تو یہ مجاز ہو گا حقیقت نہ ہو گی اس لئے کہ کہنے والا مسلمان ہے مگر اگر کوئی عارف باللہ کوئی بات کہ دے حالانکہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ان کے طریقہ کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے تو یہی لوگ بغیر سوچے اور بغیر اس کے کہ ان کے معانی کو سمجھیں ان پر فتویٰ لگانے پر اتر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسی کتاب کے اندر اولیاء اللہ کے بعض اقوال پر بحث کی گئی ہے جن میں سے ایک قول یہ ہے:-

خُضْنَا بِحُجُومِ سَمَاءٍ وَقَفَّتِ الْأَنْبِيَاءُ عَلَىٰ سَوَاحِلِهَا

اگر ہم اس قول کے ظاہری الفاظ کو لیں تو معنی جو در حقیقت غلط معنی ہیں یوں ہوں گے۔ ہم ایسے سمندر میں کھسے کہ انبیاء ان کے سوا اعلیٰ پر ہی کھڑے رہے۔

ان ظاہری معانی میں کفر پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان معانی کے مطابق یہ لوگ (نعوذ باللہ) انبیاء سے بھی افضل ٹھہرتے ہیں حالانکہ بڑے سے بڑا اعلیٰ بھی انبیاء تو کجا کسی ادنیٰ ترین صحابی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا لہذا ہمیں اس قول کے معانی میں غور کرنا پڑے گا اور ایسے معانی نکالنے پڑیں گے کہ یہ قول شریعت کے منافی نہ ہو حضرت عبدالعزیز و باغ رحمۃ اللہ کی تشریح تو آپ اس کتاب میں دیکھ لیں، میں یہاں وہ اور بزرگوں کی تشریحیں پیش کرتا ہوں:

پہلی تشریح ابوالحسن شافعی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس قول میں بائزید بسطامی (م ۲۶۱) شافعی کی تشریح اس بات کی نکالتا ہے کہ وہ انبیاء کے درجہ تک پہنچنے سے قاصر ہیں اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام تو وحید کے سمندر میں کھس کر پار ٹھکل گئے اور دوسری جانب جا کر کھڑے ہو گئے اور پھر وہاں کھڑے ہو کر مخلوق کو وحید کے



سند میں داخل ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر میں بھی کامل ہوتا تو وہاں کھڑا ہوتا جہاں انبیاء کھڑے ہیں۔ ابن عطا کہتے ہیں کہ اس قول کی جو تشریح شیخ شافعی نے کی ہے وہی ابو زید بسطامی کے مقام و مرتبہ کے مناسب ہے اس لئے کہ با زید خود فرماتے ہیں کہ انبیاء کے مرتبہ کے مقابلہ میں اولیاء اللہ نے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ شہد سے بھری ہوئی ایک مشکیزہ ہو جس کے حقوڑے سے پھینٹے ادھر ادھر پڑ جائیں اب جو کچھ مشکیزہ کے اندر ہے وہ تو انبیاء کے علم اور مرتبہ کی مثال ہے اور پھینٹے مثال ہیں۔ اولیاء اللہ کے علم اور مرتبہ کی مزید برآں ابو زیدؒ سے انبیاء کی تعظیم اور ان کا کمال ادب ہی منقول ہے۔<sup>(۱)</sup>

دوسری تشریح علی ولدہ (۶۷۱ھ تا ۱۳۵۹ھ تا ۱۳۹۸ھ) کی ہے۔

### علی ولدہ کی تشریح

فرماتے ہیں کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بجز تکلیف کو عبور کر چکے ہیں اور اب سلامتی کے ساحل پر کھڑے ان لوگوں کو اپنے سایہ عاطفت میں لے رہے ہیں جو سلامتی سے وہاں پہنچ جائیں۔ انہیں یہی حکم ملا ہے اور اسی کے لئے انہیں بھیجا گیا ہے۔ کیونکہ کشتی تو اسی دن ٹوٹ گئی تھی جس دن حضرت آدم علیہ السلام نے درخت کا پھل کھا یا تھا۔<sup>(۲)</sup>

اولیاء اللہ کے اقوال میں جہاں کہیں کوئی بات ہمیں ظاہر شریعت کے مخالف نظر آئے اس کی اسی طرح تاویل کر کے اسے شریعت کے مطابق سمجھنا اور بنانا چاہیے اور انکار کرنے اور فتویٰ لگانے میں..... جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ ہمارا یہ رویہ ہر اس دلی کے قول سے ہونا چاہئے جو بختہ کار اور کامل ہو البتہ خام کار اور غیر کاملین کے اقوال میں اگر کوئی غیر مشروع بات نظر آئے تو اس قول کو ترک کر دینا چاہئے لیکن نہ انہیں بڑا کہنا چاہئے اور نہ فتویٰ لگانا چاہئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ افتاء کا باب کھولنے میں نہایت عجلت اور بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں اور ان میں سے بعض کے فتوے تو نہایت بیہودہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ عبدالوہاب شعرازیؒ لکھتے

### مہمل فتویٰ باز

ہیں کہ میری موجودگی میں ایک شخص نے ایک عالم سے پوچھا کہ جو لوگ رات بھر بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے رہتے ہیں۔ ان کے متعلق کیا حکم ہے۔ اس عالم نے بغیر سوچے سمجھے فوراً کہہ دیا کہ یہ حرام ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو آرام و راحت کا سبب بنایا ہے (جَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا) اور یہ لوگ اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں لہذا رات کے وقت بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا حرام ہے۔<sup>(۳)</sup>

اسی طرح ایک اور شخص نے ان لوگوں کے متعلق دریافت کیا جو جمعہ کی بات ذکر الہی کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے میں گزار دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں فقیر صاحب نے فرمایا کہ یہ بیہودہ لوگوں کا کام ہے اور بدعت ہے۔ آج کل صوفیاء پر اعتراض کرنے والوں کا بالعموم یہی حال ہے کہ بلا امتیاز اور بغیر سوچے سمجھے بدعت اور کفر کے فتوے

۱۱ لائق الانوار ۲۱: ۱۵ (۲) لائق الانوار ۲۱: ۲۷ اس تشریح کے مطابق مطلب یہ نکلا کہ میں بھی اسی سند میں کھتا ہوں نہ کہ اسے کامیابی سے پار نکل کر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ جاؤں (۳) الانوار القدسیہ ۱۱: ۱۱۲ (۴) الانوار القدسیہ ۱۱: ۱۱۲

لگاتے جاتے ہیں۔ اللہ انہیں ہدایت کرے۔

اللَّهُمَّ آيَاتَ الْحَقِّ حَقًّا وَمَهْدُنَا رَبِّكَ عَمَّا وَابِطًا وَبَابًا وَارْتَدُّنَا إِجْتِنَابًا

لا مَشَاخِطًا فِي الْأَصْطِلَاحِ كَمَا مَعْرُوفٌ عَامٌّ مَشْهُورٌ هُوَ۔ لہذا ہر شخص کو اپنی اصطلاح قائم کرنے کا حق حاصل ہے چنانچہ صوفیاء نے بھی اصطلاحات قائم کیں۔ اور مخالفین نے ان بزرگوں کی اصطلاحات سے ناواقف ہوتے ہوئے ان کے الفاظ میں اپنے معانی گھسیڑ دیئے اور ان بزرگوں پر الزام تراشی شروع کر دی۔ اسی لئے تو شیخ محی الدین ابن العربی فرماتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے مقام اور اصطلاح کو نہیں سمجھتے ان پر ہماری کتابوں کا مطالعہ کرنا حرام ہے<sup>(۱)</sup>

مولانا عبدالرحمن جامی متوفی ۱۰۹۸ھ ۱۶۸۷ء لغزات الانس میں شیخ سعد الدین حموی متوفی ۶۵۰ھ کے متعلق لکھتے ہیں۔

در مصنفات و سنی سخنان مرموز و کلمات مشکل و ارقام و اشکال و دوائر کہ نظر عقل و فکر از کشف و حل آن عاجز است بسیار است و سبحاناکہ زایدہ بصیرت نور کشف منفتح نشود اور اک آن متعذر است (۲)

ان کی تصانیف میں بہت سے رموز، مشکل کلمات، ارقام، اشکال اور دوائر آتے ہیں جنہیں عقل و فکر حل کرنے سے عاجز ہے اور جب تک دیدہ بصیرت نور کشف کے ساتھ روشن نہ ہوا ہو ان رموز کا سمجھنا مشکل ہے۔

قزوینی نے سراج العقول میں نقل کیا ہے کہ کسی نے امام الحرمین ابوالمعالی جوینی (م) سے غالی صوفیاء کے کلام کے متعلق جن میں بظاہر کفریہ کلمات پائے جاتے ہیں دریافت کیا تو فرمایا:

**امام الحرمین کا قول**

ہیں دریافت کیا تو فرمایا:

ان کا کلام سنیّت مشکل ہے جس کا سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہ لوگ تو وحید کے سمندر سے گھونٹ بھرتے ہیں (۳)

علامہ تقی الدین سبکی کے کسی نے غالی مبتدع پر حکم کفر لگانے کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا: جس شخص کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والوں کو کافر کہنے سے ڈرے گا اس لئے کہ وہ من کو کافر کہنا بہت خطرناک چیز ہے (۴)

**تقی الدین سبکی کا قول**

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

**شیخ عبدالحق کا قول**

لَا تَكْفِرُوا أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْأَقْبَلَةِ اہل قبلہ را یعنی انہما کہ نماز بجانب قبلہ

مسلمانان کنند و بہ کتاب و سنت تمسک نمایند و تلفظ بشرط و تین کنند کافر نباید گفت اگر از بعضی کلمات ایسا کفر لازم آید لیکن ما دام کہ التزام آن نکنند یا لزوم در غایت درجہ نظر نہ بود تکفیر نباید کرد تا ممکن است توجیہ و اصلاح حال مسلمانان با بد کرد و مبارزت بتکفیر و تغلیظ نباید کرد و در حدیث آئندہ است کہ ہر کہ دیگر نے را کافر گوید اگر وہ در نفس الامر کافر نہ بود قائل بالفعل کافر نہ بود حکم لعن چھیں آئندہ است اگر آگس مستحق لعنت نہ بود لعن او بقائل عاید کرد پس احتیاطاً در ترک لعن و تکفیر باشد واللہ اعلم (۵)

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر قرار نہیں دیتے۔ یعنی وہ لوگ جو مسلمانوں کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اور وہ کتاب و سنت پر کاربند ہیں اور کلمہ شہادت پڑھتے ہیں۔ اگر ان کے کسی کلمہ سے کفر لازم آئے تو انہیں کافر نہیں کہنا چاہئے

۱) الانوار القدسیہ: ج ۱: ۶۴، (۲) لغزات الانس ۳۸۳ (۳) لوائح الانوار ۱۱: ۱۱ (۴) لوائح الانوار ۱۱: ۱۱ (۵) تکمیل الایمان: ۲، مطبعہ مجتہبائی

اور جب تک وہ ان کفریہ کلمات پر مٹھرنہ رہیں یا جب تک ان کا ان کلمات پر ڈٹے رہنا بالکل ہی واضح نہ ہو انہیں کافر نہ کہنا چاہیے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے اس کی کوئی نہ کوئی وجہ نکالنی چاہیے اور مسلمانوں کے حال کی اصلاح کرنی چاہیے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص دوسرے کو کافر کہے گا اور وہ درحقیقت کافر نہ ہو تو کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ کسی پر لعنت کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر وہ شخص لعنت کا مستحق نہ ہو گا تو لعنت لعنت کا فائدہ نہ ہو گا۔ اسی میں ہے کہ نہ کسی کو لعنت کی جائے اور نہ کافر کہا جائے۔ واللہ اعلم۔

لہذا جو لوگ ان بزرگوں پر اتہام لگاتے اور ان کو بدعتی یا مشرک قرار دیتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ان پر فتویٰ لگانے سے پہلے ان کے کلمات کے معانی کی وضاحت کرالیں۔ اگر وہ کلمات کسی خام بزرگ کے ہیں تو انہیں یک قلم ترک کر دیں اور تاویل کی زحمت نہ اٹھائیں۔ مگر اگر کسی پختہ کار کے کلمات ہوں تو تاویل کی ضرورت پڑے گی۔ مگر پھر بھی یاد رہے کہ شریعت کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے۔ لہذا اگر کسی کو ان کے بعض کلمات سمجھ میں نہ آتے ہوں تو بہتر یہی ہے کہ وہ اس بارے میں خاموشی اختیار کرے۔

آخر میں ہم یہ بھی بیان کر دیں کہ جہاں ایک طرف اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی تعظیم و تکریم کرنا ضروری ہے۔ وہاں یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہم ان کی تعظیم میں حد سے تجاوز نہ کر جائیں۔

سے گزرنے پر اکتب نہ کنی زندیقی

اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں۔ چنانچہ لوگ عہدِ صحابہ سے لے کر آج تک اولیاء اللہ کی کرامات دیکھتے چلے آئے ہیں مگر ہمیں ان کی کرامات کی طرف توجہ دینے سے زیادہ ان کے اعمال اور ان کی زندگی کی طرف توجہ دینی چاہیے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی لئے حضرت عبدالعزیز و باغ نے خود اسی کتاب میں زیادہ لکھا ہے:

• اولیاء اللہ کے سوانح نگاروں نے بہت نقصان پہنچایا ہے

اس لئے کہ انہوں نے زیادہ تر ان کی کرامات کا ذکر کرنے پر زور دیا ہے اور ان کے اقوال و اعمال کا ذکر کیا ہے۔

مزید برآں ایک دلی کے متعلق ہمیں یہ بھی عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ ایک انسان ہے کوئی ولی معصوم نہیں ہوتا | فوق البشر شخصیت نہیں اور یہ کہ وزوہی نہیں کہ وہ ایک نبی کی طرح معصوم ہو گا۔ مگر ہر ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے گناہ سے بچائے رکھے۔ اور اگر اس سے کوئی لغزش وغیرہ بھی ہو جائے تو وہ فوراً سنبھل جائے۔ چنانچہ حضرت جنید سے کسی نے پوچھا کیا عارف گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ تو صرف اسی قدر فرمایا:

وَكَانَ آخِرًا اللَّهُ قَدْرًا مَقْدُوسًا - اللہ کا حکم مقدر ہو چکا ہے۔ اب میں اس بحث کو بخاری کی ایک حدیث

بد ختم کرتا ہوں جس میں حضرت ابو بکر یہ فرماتے ہیں: - حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَاتَلْتُ فَمَا أَحَدٌ هُمَا فَيْتَتْهُ ضَيْكُمُ وَآخِرُ خَلْقٍ قَطَعَ هَذَا الْبَلْعُومُ - میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کے عملوں کے خزانے حاصل کیے ان میں سے ایک کو تو میں نے تم میں ظاہر کر دیا ہے لیکن اگر وہ میرے کو تلاش کروں تو کھلا کھانا ہے۔

وَآخِرًا دَعْوَانَا أَنْ الْمَسْأَلَةَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

۱۴۵ اور خزینہ معارف: ۱۴۴۴ء مشکوٰۃ: ۱۳۷۲ء ص ۱۳۷۲ء علامہ ابو سعید غفرانی

# کتابت

میں نے اس کتاب کے حواشی اور ویباچہ لکھنے میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی ہے۔

- ۱- فتوحات مکئیہ :- تالی نسخہ مملوکہ میجر عبدالعزیز صاحب - میں نے اس کا ویباچہ میں ذکر بیان کر دیا ہے۔ اس نسخہ پر متعدد بادشاہوں کی مہر میں ہیں اور بڑا نایاب نسخہ ہے۔
- ۲- تکمیل الایمان (فارسی) از شیخ عبدالحق محدث ویلوی مطبوعہ مجتہائی دہلی ۱۳۲۰ھ۔
- ۳- قلائد الجواہر فی مناقب عبدالقادر :- از علامہ محمد بن یحییٰ التافذنی الجلبی متوفی ۹۶۳ھ طبع مصر
- ۴- لوائح الانوار فی طبقات الاخیار جو بالعموم طبقات کبریٰ کے نام سے مشہور ہے :- از امام عبدالوہاب شعرانی - مطبوعہ مصر۔
- ۵- الانوار القدسیہ فی بیان آداب العبودیہ از شعرانی - بر حاشیہ لوائح الانوار۔
- ۶- رسالہ قشیریہ :- از امام ابو القاسم عبدالکیم بن ہوازن - طبع مصر ۱۹۴۰ھ۔
- ۷- التنبیہ الطریقی فی تنزیہ ابن العزلی :- از مولانا اشرف علی کھانوی - مطبع اشرف المطابع کھانہ بھون۔
- ۸- انصاف الانس :- از مولانا عبدالرحمن جامی مطبع نول کشور۔
- ۹- A Literary History of The Arabs by Nicholson ۱۹۵۲ء
- ۱۰- عوارف المعارف :- از شہاب الدین سہروردی بر حاشیہ اجمیاء العلوم طبع مصر (طبع مصطفیٰ بابی ۱۳۳۹ھ)
- ۱۱- مثنوی معنوی :- از مولانا روم - طبع تہران از سال ۱۳۱۵ھ تا ۱۳۱۹ھ
- ۱۲- معالم التنزیل :- از ابو محمد الحسین الفراء البغوی متوفی ۵۱۶ھ (۱۳)
- ۱۳- فتح الباری :- از علامہ ابن حجر العسقلانی - طبع مصر - (۱۵) الشنا بتبعہ لعین حقوق المصطفیٰ :- از قاضی عیاض متوفی ۵۴۰ھ
- ۱۴- نسیم الریاض شرح الشفا :- از شہاب الدین خفاجی (۱۷) استیعاب :- از ابن عبدالبر
- ۱۸- الاصابہ :- از ابن حجر (۱۹) وفيات الاعیان :- از ابن خلکان (۲۰) کشف الظنون :- از حاجی خلیفہ -
- ۲۱- تہذیب التہذیب :- از ابن حجر (۲۲) در مختار :- از محمد علاؤ الدین الحصفلی مطبوعہ
- ۲۳- مشکوٰۃ المصابیح - طبع مجتہائی ۲۴- مؤطا امام مالک - طبع مصر
- ۲۵- تنویر الحوائک شرح مؤطا امام مالک :- از جلال الدین سیوطی
- ۲۶- شرح الصدور :- از جلال الدین سیوطی ۲۷- وفيات الاعیان :- از ابن خلکان
- ۲۸- تذکرۃ الحفاظ :- ذہبی -



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ اشکر ہے اُس خدا کا جس نے اپنے اولیاء کے لئے وسائل کے طریقے کھول دیے اور ان کے کریم ہاتھوں پر قسم قسم کے فضائل جاری کئے، لہذا جس کسی نے اُن کی اقتدا کی وہ غالب آیا اور اُس نے راہِ راست پائی اور جو اُن کے راستے سے منحرف ہوا وہ سرنگوں اور ہلاک ہوا۔ جس نے اُن کا دامن پکڑا وہ کامیاب ہوا اور پاکیا۔ جس نے اُن پر نقطہ جبینی کی وہ منقطع اور ہلاک ہوا۔

میں خدا کی حمد اس شخص کی طرح بیان کرتا ہوں جسے یقین ہے کہ خدا کے پاس جانے کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں اور اس شخص کی طرح خدا کا شکر یہ ادا کرتا ہوں جسے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی خدا ہی کے پاس ہے اور میں خدا سے اس طرح مدد چاہتا ہوں جس طرح کہ وہ شخص مدد چاہتا ہے جو اپنے معاملات میں سوائے اس کے کسی پر اعتماد نہیں کرتا اور میں سیدنا محمدؐ اور آپکی آل پر اس قدر درود و سلام بھیجتا ہوں جس قدر کہ اللہ کریم کی مخلوقات اور انعامات ہیں۔

أَمَّا بَعْدُ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان کیا، جس کے لئے میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور شکر یہ ادا کرتا ہوں کہ میں نے ولی کامل، غوثِ حافل، صوفی باہر اور عرفان کے درخشندہ ستارے، صاحب اشارات عالیہ، اور صاحب عبادات سلیبہ، صاحب حقائق قدسیہ والوارِ محمدیہ اور صاحب اسرارِ بانیہ وہم و عیشیہ، موجدِ معالمِ طریقت، بعد ازاں کہ اس کے آثار پوشیدہ ہو چکے تھے اور علوم و حقائق کے پیدا کرنے والے کو بعد ازاں کہ اس کے آثار پوشیدہ ہو چکے تھے اور علوم و حقائق کے پیدا کرنے والے کو بعد ازاں کہ اس کے آثار بچے چکے تھے پہچان لیا۔ یعنی شریف، وجیب، حسب و نسب والا جو جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی پاکیزہ نسبتوں کا مالک ہے وَالْوَالِدَاتُ الْكَرِيمَاتُ الْمَلَائِكَةُ وَالْمَلَائِكَةُ الْمَحْتَدِي الْعُلُومِ الْحَسَنِي قُطْبِ السَّالِكِينَ وَحَامِلِ لُؤَاءِ الْعَارِفِينَ۔

نسب نامہ حضرت شیخنا و سیدنا مولانا عبدالعزیز بن مسعود بن احمد بن محمد بن محمد بن احمد بن عبدالرحمن بن عبدالعزیز دباغ بن قاسم بن محمد بن احمد بن قاسم بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن عبدالرحیم بن عبدالعزیز بن ہارون بن قنون بن علوش بن مندیل بن علی بن عبدالرحمن بن عیسیٰ بن احمد بن محمد بن عیسیٰ بن ادریس بن ادریس بن عبداللہ کامل بن الحسن المثنی بن الحسن السبط بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین، خدا ہمیں ان کی برکتوں سے مستفیض کرے آمین!

چنانچہ میں نے ان کے اس قدر علوم و معارف اور شمائل و لطائف کا مشاہدہ کیا کہ میرے ہوش جاتے

رہے اور انہوں نے مجھے ہمہ تن مسحور و مقید کر لیا۔ میں نے ان کی زبان سے سید الوجود و علم الشہود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نذر و منزلت کے متعلق وہ کچھ سنا جو میں نے کبھی بھی نہ کسی انسان سے سنا تھا اور نہ ہی کسی کتاب میں دیکھا تھا۔ چنانچہ آپ اس کتاب کے دوران میں انشاء اللہ خود دیکھ لیں گے۔ اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ پہچانتا ہے وہ قیامت کے دن آپ سے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ اسی طرح میں نے ان سے اللہ تعالیٰ، اس کی بلند صفات اور عظیم اسماء کے متعلق وہ کچھ سنا جس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی کوئی اس کی طاقت رکھ سکتا ہے اور ان باتوں کا ادراک خدائے خلاق کی عنایت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح میں نے ان سے اللہ کے انبیاء اور رسولوں کی معرفت کے متعلق وہ کچھ سنا جس سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہر نبی کے ساتھ اس کے زمانہ میں ہوئے ہیں گویا کہ وہ ان کے معاصرین میں سے تھے۔ اس طرح میں نے ان کی زبان سے ملائکہ کرام، ان کی مختلف جنسوں اور ان کے تفاوت مراتب کے متعلق وہ وہ معرفت کی باتیں سنیں جن سے خیال پیدا ہوا کہ آیا بشر بھی اس قدر علم جان سکتے ہیں اور کیا وہ اس حد تک پہنچ سکتے ہیں!

اسی طرح میں نے ان سے کتب سماویہ اور گذشتہ انبیاء کی شریعتوں کے متعلق وہ معرفت کی باتیں سنیں جن سے سننے والا یہ قطعی فیصلہ کر لے کہ یہ شخص سید العارفین اور اپنے زمانہ کے ادیباء کا امام ہے۔ اسی طرح میں نے ان سے یوم آخرت، حشر و نشر، صراط اور میزان کے متعلق وہ معرفت کی باتیں سنیں جن سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مشاہدہ سے بات کر رہے ہیں اور تحقیق اور عرفان سے بات کر رہے ہیں۔ تب جا کر مجھے ان کی ولایتِ عقلی کا یقین ہو گیا اور میں ان کی ذات سے وابستہ ہو گیا اور میں نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ (شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہمیں اس طرف کی راہ دکھا دی اور اگر خدا راستہ نہ دکھاتا تو ہم یہاں پہنچ نہ سکتے تھے)۔ کیونکہ ہر مومن کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ گذشتہ امور کے متعلق معلومات حاصل کرے اور اسی سے اس کا سودا سود مند ہو سکتا ہے۔

جبرئیل کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھتے ہیں کہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا و مولانا محمد سے حقیقتِ ایمان کے متعلق سوال کرنا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقتِ ایمان کے متعلق سوال کیا تو آنحضرت نے فرمایا: حقیقتِ ایمان یہ ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے پیغمبروں، روزِ قیامت اور نذیر پر ایمان کہ بھلی ہو یا بُری، سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو ان امور میں سب سے زیادہ واقف ہوگا، وہی ان سب سے بہتر ایمان والا اور زیادہ کامل عرفان والا ہوگا۔ لہذا خدا تجھے توفیق دے،

عہ مشکوٰۃ کتاب الایمان ص ۱۱۱، صوفیہ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جبرئیل میاں پر بطور شکر کے آتے تھے تاکہ آدابِ شاگردی سکھائیں

یہی روشن راہ ہے۔

جامع کتاب کی حضرت وبلغ میری اور ان کی ملاقات رجب ۱۲۵ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد میں آپ کی صحبت سے پہلی ملاقات میں اور آپ کی محبت کے جھنڈے تلے رہا۔ ان سے ہمیشہ معارف سنتا لیکن میں نے کسی بات کو قلمبند نہ کیا۔ لیکن سب کچھ سنتا اور سمجھتا تھا اور میں اپنے دوستوں اور خاص ساتھیوں سے اس کا ذکر کرتا۔ جو کوئی سنتا، تعجب کرتا اور کہتا کہ ایسے بے مثل حقائق و معارف ہمارے کالوں میں کبھی نہیں پڑے۔ زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ حضرت مدوح اُمّی محض تھے اور کبھی ظاہری علم سے لگاؤ نہ ہوا تھا اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے بظاہر علم سے انتہا درجہ کا اعراض کیا ہو اور جو کوئی بھی کچھ باتیں سنا پاتا وہ ان کی لذت ایک یا دو دن تک محسوس کرتا اور بعض ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک محسوس کرتے رہتے۔ جب میں ان سے ملتا یا وہ مجھے ملنے آتے تو وہ مجھ سے دریافت کرتے کہ کیا تم نے ان معارف میں سے کچھ سنتا ہے؟ جس قدر ہو سکتا میں انہیں بیان کرتا اور ان کا تعجب اور محبت اور بڑھ جاتی۔ بخوبی طوالت میں ان حضرات کے نام نہیں گنوا تا جو مجھ سے ان کا کلام سنتے اور محظوظ ہوتے کیونکہ جو شخص ان لوگوں کے ناموں سے واقف ہوگا وہ ہمارے شیخ کی قدر و منزلت کو سمجھ جائے گا۔ اس لئے کہ یہ لوگ عوام میں اپنی دلالت کی وجہ سے مشہور ہیں اور لوگ ان کی امتداد و جہ کی تعظیم کرتے ہیں اور وہ اکثر صالحین اور اولیاء کی صحبت میں رہنے والے لوگ ہیں اور ان کے فیضان سے بہرہ ور ہو چکے ہیں۔ چنانچہ انہیں اسرار دلالت اور عارفوں کی علامات اور معارف کے اوصاف کا علم ہے اور وہ صوابی اور مہندی کے حالات سے واقف ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اکابر علماء و فقہاء میں سے ہیں۔ جب وہ مجھ سے ہمارے شیخ (عبدالعزیز دہلوی) کی باتیں سنتے تو مجھے کہتے کہ دیکھو، اس شخص کی محبت کا دامن نہ چھوڑنا۔ یہ تو اللہ ولی کامل اور عارف واصل ہے۔ مختصر یہ کہ جو کوئی بھی ان کا کلام سنتا، وہ ان کو فوراً قبول کر لیتا جیسا کہ تجھے کتاب سے معلوم ہو جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ بتمہ و کریم

ابتداء تالیف کتاب | جب رجب ۱۲۵ھ ہوا تو اللہ نے میرے دل میں خیال ڈالا کہ ان کے بعض فوائد در ۱۲۵ھ کو قلمبند کروں تاکہ ان کا فائدہ عام لوگوں کو پہنچا سکیں۔ اس لئے رجب، شعبان اور رمضان شوال اور ذی قعدہ میں کچھ سنا تھا جمع کیا اور یہ ۱۵ جُز کے قریب بن گئے۔ خیال ہوا کہ اگر میں ان باتوں کو بھی قلمبند کرتا جو میں نے گذشتہ چار سالوں میں سنیں تھیں تو یہ دو سو جُز سے بھی زیادہ ہو جاتا۔ علم کی آفت اس کے قلمبند نہ کرنے سے ہوتی ہے۔

یاد رکھیں میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کے بحر ذخار میں سے محض چند قطرے ہیں۔ لیکن جو علوم شیخ رضی اللہ عنہ کے سینہ میں تھے انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس کے بعد میں کتابوں کہ اس مبارک مجموعہ سے مقصود صرف ان بعض باتوں کا جمع کرنا ہے جو ہم نے ان سے سنی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم ایک مقدمہ میں اس شیخ کریم کے شمائل کا ذکر

کریں اور بتائیں کہ ان کی ابتدا کیسے ہوئی۔ ان کے لئے فتح باب علم کیسے ہوا کس نے انہیں ذکر کی تلقین کی؟ وہ ظاہری اور باطنی شیوخ میں سے کن کن سے ملے، وغیرہ۔ ان تمام باتوں کا ذکر تین فصلوں میں کیا جائیگا۔

## فصل اول

### ولادت سے پہلے کے حالات

العربی الفشتالی کا مبارک | میں نے انہیں یہ کہتے سنا کہ میرے آقا العربی الفشتالی اولیاء اللہ میں سے تھے۔  
بن علی کی بیعت کرنا | پہلے علم باطن محمد بن ناصر داور زرعہ وانے سے حاصل کیا۔ پھر مبارک بن علی سے۔ مبارک بن علی فشتالیوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ واقعہ یوں ہوا کہ عربی فشتالی نے حضرت مبارک بن علی کو فاس میں قزوین کی جامع مسجد میں دیکھا اور اپنی فراست سے ان میں خیر و صلاح کے آثار دیکھے تو کہا: اے میرے آقا مجھے بتائیں کہ ارباب بستر کو بستر کیسے حاصل ہوتا ہے؟ اس پر شیخ مبارک نے فرمایا: اچھا چھینکو، فشتالی نے کہا: چھینک تو اس وقت مجھے نہیں آرہی۔ فرمایا اسی طرح مجھے بھی خیال نہیں آ رہا کہ تمہیں بتاؤں کہ ارباب بستر کو بستر کیسے حاصل ہوتا ہے؟ (یعنی یہ میرے اختیار کی بات نہیں ہے۔)

عبدالعزیز دباغ کے والد مسعود دباغ | عبدالعزیز دباغ کہتے ہیں کہ العربی الفشتالی کی ایک بہن تھی جس کا العربی الفشتالی کی بھانجی فارحہ کیساتھ نکاح | کی ایک بیٹی تھی۔ ان کے بہنوئی کا نام عدلال القمارشی تھا جو بڑا مالدار آدمی تھا۔ عدلال القمارشی مر گیا اور ان کی بہن سے عدلال کے بعد مکناستہ الزیتون کے ایک شخص نے نشاہی کر لی۔ لیکن سچی العربی کے پاس ہی رہی۔ انہوں نے اس کی تربیت کی اور طبی محبت سے پالا اور اس پر خوب رویہ خرچ کیا اور العربی دلی ہونے کے علاوہ فقیہ اور قاری بھی تھے چنانچہ وہ علم کا درس دیتے۔ طالب علم اپنی تختیاں ان سے درست کرواتے اور ان سے علم تجوید سیکھتے۔ میرا باپ مسعود بھی ان کے شاگردوں میں سے تھا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ مجلس علم ختم ہونے پر العربی نے میرے والد کو بلا کر کہا کہ میں اپنی بھانجی کی شادی تم سے کرنا چاہتا ہوں۔ ان کی بہن کا نام راضیہ اور بھانجی کا نام فارحہ تھا۔ میرے والد نے جواب دیا اگر آپ دیتے ہیں تو مجھے قبول ہے۔ العربی نے کہا میں نے اپنی بھانجی کو تمہیں دے دیا۔ میرے باپ مسعود نے کہا میں نے قبول کیا۔ اس کے بعد العربی نے کہا کہ مہر اور جہیز سب میرے ذمہ ہے۔ تم کو کسی قسم کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر میرے باپ کو انتہائی خوشی ہوئی۔ اس سے پہلے بھی العربی ان سے بہت محبت کرتے تھے اور جب کبھی ان سے ملتے جو کچھ حاضر ہوتا دیتے۔ جب عقد نکاح ہو چکا تو العربی نے اپنی بھانجی کو تیار کر کے میرے والد کے ہاں بھیج دیا۔ اس کے بعد والد صاحب سے ملے اور کہا میری دکان پہ آیا کر دو۔



ان کی دکان محلہ سماط عدول میں تھی۔ میرے والد ہر روز عصر کے بعد ان کے پاس آتے اور العربی انہیں ہر روز دو موزونہ دیا کرتے۔

میں نے اپنے آقا محمد بن عبدالرحمن سے سنا کہ میں اپنی سختی دکھا رہا ہوتا کہ تمہارے (عبدالعزیز دباغ کے) والد مسعود دباغ آتے اور العربی الفشتالی جو کچھ بھی دکان سے حاصل کیا ہوتا، انہیں دے دیتے۔ زواغہ میں ان کی بھانجی کی بہت سی زرعی زمین تھی جو اسے اپنے والد عدال القمارشی سے وراثت میں ملی تھی۔ ایک دن العربی نے میرے والد مسعود سے کہا تمہاری بیوی بڑی نیک ہے۔ وہ تمہیں ان تمام اراضی کے بیع کرنے کے لئے اپنا وکیل بناتی ہے جو زواغہ میں ہیں۔ جہاں اور سب کو بیچ ڈالو۔ میرے والد میری والدہ کے پاس گئے۔ والدہ نے انہیں وکیل بنا دیا۔ میری والدہ کی ایک علاقہ بن تھی۔ ان کے پاس میرے والد گئے تاکہ وہ بھی انہیں ساری زمین فروخت کرنے پر وکیل بنا دے لیکن میری خالہ نے انکار کر دیا۔ میرے والد نے میری والدہ کا حصہ فروخت کر دیا اور میری خالہ اپنے حصہ کے محاصل تقریباً ۳۰ سال تک وصول کرتی رہیں۔ اس کے بعد ظالم و دویہ فرقہ آیا۔ انہوں نے زواغہ کی تمام اراضی غصب کر لیں جن میں میری خالہ کی زمین بھی تھی اس دن سے انہیں وہاں سے ایک جتہ بھی وصول نہ ہوا۔ اس سے لوگوں کو علم ہوا کہ یہ العربی کا کشف تھا۔

العربی کی مسعود دباغ سے محبت  
العربی میرے والد سے اُلفت سے پیش آتے رہے اور عجیب و غریب کھانے لاتے، یہاں تک کہ میں نے والدہ سے سنا، فرماتی تھیں ماموں صاحب کی وفات کے بعد ہم نے طنجیہ ہی نہیں کھایا (ایک قسم کا حلوا ہے) ماموں صاحب روزانہ اس کو ہمارے لئے تیار کرواتے، اپنی مسجد میں عشاء کی جماعت کرا چکنے کے بعد آتے اور دستک دیتے۔ ہم نکلتے۔ مجھے طنجیہ دیتے۔ سنے دم تک ان کا یہی معمول رہا۔

عبدالعزیز دباغ کی ولایت  
کی پیشین گوئی  
ماموں صاحب فرمایا کرتے تمہارے ایک لڑکا ہو گا جس کا نام عبدالعزیز ہو گا۔ ولایت میں بڑی شان والا ہو گا۔ دباغ کہتے ہیں کہ میں نے والدہ کو کہتے سنا کہ ان کے ماموں العربی الفشتالی نے انہیں بتایا کہ انہوں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ مجھ سے فرما رہے ہیں۔ تمہاری بھانجی کے ہاں ایک دنی بکیر پیدا ہو گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا باپ کون ہو گا؟ تو حضور نے فرمایا: مسعود دباغ۔ یہی وجہ تھی کہ عربی فشتالی نے میرے والد مسعود کا رشتہ کے لئے انتخاب کیا۔

عہ اے اُدج بھی کہتے ہیں۔ یہ چاندی کا ایک سکہ ہے جو مراکش میں اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں شریفوں نے رائج کیا۔ یہ سب چھوٹا چاندی کا سکہ تھا جو ۲ کلوس کے برابر تھا۔ 'انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'۔

العربی کی وفات | العربی کی تمنا تھی کہ عبد العزیز کی ولادت ان کی زندگی میں ہو۔ لیکن سن ۹۰ھ میں وبا  
سنہ ۹۰ھ آئی، اس میں وہ انتقال کر گئے۔ جب وفات کا وقت قریب آیا تو میرے والد مسعود

کو بلا بھیجا۔ پوچھا، تمہاری بیوی کہاں ہے؟ اسے بھی بلا بھیجو۔ جب دونوں آئے تو العربی نے کہا، یہ  
اللہ کی امانت تمہیں دیتا ہوں۔ جب عبد العزیز پیدا ہو تو یہ امانت اسے دے دینا، امانت میں عمل کا  
ایک ٹکڑا اور سیاہ رنگ کا بچوں کا جوٹا تھا۔

عبد العزیز کی ولادت | اس زمانہ میں ہی کچھ پہنچا جاتا تھا چنانچہ میری والدہ نے امانت لے لی اور اسے بڑی  
حفاظت سے رکھا لیکن اس حمل سے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ پھر کچھ عرصہ بعد دوسرے

حمل سے میں پیدا ہوا۔ جب میں بڑا ہوا اور رمضان کے روزے رکھے تو والد کو اللہ تعالیٰ نے امانت  
یاد دلا دی۔ وہ امانت لے آئیں اور فرمایا "بیٹا! العربی الفشتالی نے یہ امانت تمہیں دینے کی وصیت  
کی تھی۔ عبد العزیز کہتے ہیں کہ میں نے امانت لے لی۔ شاشیہ سر پر رکھ لی۔ جوتا پاؤں میں پہن لیا اس سے مجھے  
بہت سخت گرمی محسوس ہوئی، یہاں تک کہ میری آنکھوں میں آنسو آگئے جو کچھ العربی نے میرے متعلق کہا تھا، میں  
نے سمجھ لیا اور ان کا اشارہ معلوم کر لیا۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ یہ سننے کی بات ہے۔

الفشتالی کا مرتبہ (احمد بن مبارک) کتا ہے کہ میں نے یہ عبد العزیز کی زبانی العربی الفشتالی کے متعلق سنا  
تھا۔ میں نے ان کا زمانہ نہیں پایا کیونکہ میں تو اس وقت ابھی تقریباً پچھ ماہ کا بچہ تھا، لیکن میں نے لوگوں سے  
ان کی تعریف ہی سنی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ صاحبِ ورع، صاحبِ زہد اور قائمِ اللیل تھے۔ میں نے ثقہ  
لوگوں سے سنا کہ احمد بن عبد اللہ جو ایک دلی کبیر اور مشہور عارف ہوئے ہیں اور الخفیدہ کے معترف ہیں، وہ  
فشتالی کی بہت تعریف کیا کرتے اور کہا کرتے کہ وہ اکابرِ اولیاء میں سے تھے۔ مجھے خود احمد بن عبد اللہ کی ایمان  
واری کا علم ہے۔ لوگوں کا ان کی ولایت، کشف اور نور بصیرت پر اتفاق ہے۔

میں نے عبد القادر احمادوش سے سنا اور وہ شہر صفر کے رہنے والے تھے اور احمد بن عبد اللہ کے  
مریدوں میں سے تھے کہ العربی الفشتالی اکابرِ اولیاء میں سے تھے اور اگر ان کی وفات نہ ہو چکی ہوتی تو میں ان کے  
حالات قطعاً بتا سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں العربی کے شاگردوں میں سے تھا اور ہر وقت ان کی خدمت میں  
رہتا اور ہم انہیں دلی خیال ہی نہ کہا کرتے تھے اس لئے کہ وہ اپنے حالات چھپاتے تھے

فشتالی کے کشف کی ایک | احمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں سائیں میں تھا کہ العربی نے مجھے کہا، ایک بڑا حادثہ  
اور مثال | پیش آگیا ہے میں نے عرض کیا: وہ کیا ہے، فرمایا: محمد بن ناصر رحمۃ اللہ ابھی فوت

ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کی آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا: اس کی وفات میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ مجھے  
تعجب ہوا۔ پھر فرمایا یہ شخص جو سامنے سے آ رہا ہے اسے دیکھو۔ وہ محمد بن ناصر کی وفات کی خبر لا رہا ہے اور وہ  
شخص بہت دور دہندلا سا خیال دکھائی دے رہا تھا۔ پھر ہم اس شخص کی طرف چلتے گئے یہاں تک کہ ہم

اُسے آئے۔ ہم نے پوچھا کیا خبر ہے؟ اس نے کہا محمد بن ناصرفوت ہو گئے ہیں۔  
**کشف کی تیسری مثال** | احمد بن عبد اللہ فرماتے ہیں۔ ایک دن میں قزوین میں تھا کہ العربی سے ملاقات ہوئی۔ میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ مجھے دیکھ کر فرمایا "وہ عورت بڑی مبارک ہے! میں نے عرض کیا کونسی عورت؟ فرمایا: "جس سے تمہاری شادی ہوگی" میں نے عرض کیا "میرا تو ارادہ نہیں ہے" فرمایا "تیری اس سے شادی ہوگی" ابھی ایک ہفتہ ہی گذرا تھا کہ میرے دل میں شادی کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ میں نے شادی کر لی۔

(احمد بن المبارک راوی کتاب کہتا ہے) اسی قسم کی ایک حکایت میں نے احمد بن عبد اللہ سے سنی لیکن اس میں انہوں نے خبر دہندہ (یعنی فشتالی) کا نام نہیں دیا۔

احمد بن عبد اللہ کہتے ہیں العربی الفشتالی کے ساتھ اولیاء کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ میں نے کئی ایک کا ذکر کیا۔ فرمایا، میں تو تم سے اکابر کے متعلق بات کر رہا ہوں۔ میں تو یہاں سے باز غہ تک (حرفاً) سے ایک مرحلہ پر واقع ہے، کے تقریباً ۴۰۰ چھوٹے اولیاء کو جانتا ہوں۔

**فشتالی کا اپنے احوال** | احمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ الفشتالی اپنے حالات کو چھپا کر رکھتے تھے۔ ایک روز کو چھپانا اپنے چند شاگردوں سے کہنے لگے کیا تم سمجھتے ہو کہ کشف بھی کوئی چیز ہے؟ یہ تو محض چالاک اور سرعیت نہم ہے۔ اگر تمہیں شک ہو تو میری طرف دیکھو۔ تم مجھے اور میرے تمام حالات جانتے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں تو کوئی دلی نہیں ہوں۔ سب نے کہا جی ہاں، میں خوب معلوم ہے کہ آپ دلی نہیں ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک طالب علم کی طرف توجہ دہرائی اور کہا "کیا فلاں وقت تمہارا فلاں کام کرنے کا ارادہ نہیں ہے؟ طالب علم نے عرض کیا ہاں۔ فشتالی نے فرمایا۔ یہی تو ہے جو میں نے بتایا کہ کشف محض چالاک ہے سب کو یقین آگیا کہ ہاں ٹھیک ہے اور پھر فشتالی ان سے غافل ہو گئے۔

**عمر بن الفارض کے ایک** | احمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ایک دن قزوین کی مسجد میں گیا۔ وہاں العربی الفشتالی شعر کا الفشتالی پر اثر بھی سنے۔ ان کا رنگ بدلا ہوا اور زرد ہو رہا تھا۔ کہا "اس وقت میں تم سے یا کسی اور سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔ میں نے عرض کیا آخر کیا سبب ہے؟ فرمایا، میں نے عمر بن الفارض کے تاثیرہ قصیدہ کا شعر پڑھا ہے:

فَلَوْ خَطَرَتْ لِي فِي سَمَوَاتِ اِرْدَاةٍ  
 عَلَى خَاطِرِي سَكَمًا أَقْضَيْتُ بِرِدِّي

عمر بن الفارض : ابو حفص عمر بن علی المعروف بابن الفارض۔ فہرہ میں ۳۵۶ھ = ۱۱۸۰ء میں ان کی پیدائش ہوئی۔ فقہ لغت اور ادب میں بہارت حاصل کی۔ پھر طریقت کی راہ پر چلے اور مقامات مقدسہ کی زیارت کی۔ ۳۳۲ھ = ۱۲۳۴ء میں وفات پائی۔ یہ عربی زبان کے واحد صوتی شاعر ہیں۔

ترجمہ (اے خدا) اگر تیرے سوا کسی اور کا خیال بھول کر بھی میرے دل پر گزرے تو میں اپنے مرتد ہونے کا حکم لگا دوں۔“

دیکھا تو میرے دل میں کسی اور کا خیال آیا ہوا تھا، لہذا میں نے اپنے آپ کو مرتد سمجھ لیا۔ اب میں گیا گذرا ہو گیا۔ یہ کہتے ہی ان کا رنگ اُڑ گیا۔ میں نے کہا یہ تو غلبہٴ حال تھا جو ابن فارض پر طاری ہوا اور پھر بتا رہا۔ بس اتنا کہنا تھا کہ نشتالی کو سکون ہو گیا اور فرمایا: اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ تمہارے ان لفظوں سے میرا غم دُور ہو گیا۔

اخفاء حال کی | مولانا العربی القادری صوفیاء کے طریقہ پر چلتے تھے اور اولیاء اللہ کے کچھ انوار ان پر ظاہر ایک اور شہادت بھی ہوتے تھے۔ ان کی العربی الفشتالی سے جان پہچان تھی۔ وہ اسے ولی نہ سمجھتے بلکہ انہیں صرف عالم سمجھتے تھے۔ جب العربی الفشتالی کی قادری سے ملاقات ہوتی تو بہت خوش ہوتے اور ان کی بڑی آد بھگت کرتے۔ ایک دن فشتالی احمد بن عبد اللہ کے پاس بیٹھے علوم عالیہ اور معرفت کی باتیں کر رہے تھے کہ القادری آگئے۔ محمد درینج البظادنی کو کہنے لگے کیا فشتالی احمد بن عبدالعزیز سے اس سے پہلے بھی اس طرح کی معرفت کی باتیں کیا کرتے ہیں یا صرف آج ہی ایسی باتیں کر رہے ہیں؟ محمد درینج نے جواب دیا: وہ تو ہمیشہ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ سید عبدالقادر مشد کہتے ہیں اس دن القادری کو الفشتالی کی ولایت کا علم ہوا۔ جب فشتالی کو علم ہوا کہ القادری کو اس کا پتہ چل گیا ہے تو اس دن سے جب انہیں دیکھتے چھپ جاتے اور پہلی سی خوشی اور آد بھگت کرنا سب چھوڑ دیا، کیوں کہ وہ تو اپنے آپ کو چھپانا چاہتے تھے۔

کشف کی ایک | احمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ جب زیدان نے فاس کا محاصرہ کیا تو میں وہیں تھا۔ محاصرہ اور مثال | نے طول پکڑا اور فاس والوں کو بہت تکلیف کا سامنا ہوا۔ احمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ فشتالی یہی کہتے رہے ادیر ہو یا سویر۔ سلطان اسمعیل کے بغیر چارہ نہیں۔ باغیوں کو اس کا پتہ چلا تو کہنے لگے کہ فشتالی اپنے آپ کو اسمعیل سمجھتا ہے۔ اچھی چند دن ہی گذرے تھے کہ العربی کی سچائی ظاہر ہو گئی۔ باغیوں نے ہتھیار ڈال دئے اور امان کی درخواست کی اور صلح ہو گئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

قیام اللیل میں | فشتالی کے پڑوسی بیان کرتے ہیں کہ فشتالی رات کا اکثر حصہ نماز اور تلاوت میں گزارتے فشتالی کی حالت | رات کے سپہ حصہ میں تو ان کی قراءت کی آواز سنائی دیتی لیکن جب ان پر حالت اور واردات الہیہ کا نزول ہوتا تو سوائے حرکت، اضطراب اور زمین پر ریٹینے کے کچھ سنائی نہ دیتا۔

کشف کی مثال | احمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں فشتالی کے ساتھ سوق الخمیس میں تھا اور یہ سلطان رشید کے عہد کی بات ہے۔ سلطان رشید کے عروج کا زمانہ تھا۔ بڑے آرام کی زندگی گزرتی، نہ کہیں فتنہ تھا اور نہ فساد۔ فشتالی کے ساتھ سوق الخمیس میں جا رہا تھا کہ یکایک کہنے لگے ”مجھے تو رشید کے ماتم کی آواز آرہی



ہے حالانکہ رشید کی موت مراکش میں واقع ہوئی تھی۔ میں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ لیکن ابھی یہ بات کر ہی رہے تھے کہ رشید کی وفات کی خبر آپہنچی۔

**آدابِ شریعہ** | احمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ فشتالیؒ ظاہر شریعت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ ایک دن ان کے ساتھ **کا پاس** قزوین کی مسجد میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ مؤذن نے اذان دی۔ العربی مسجد سے نکل کر تھوڑی دیر غائب رہے اور پھر واپس آ گئے۔ میں نے کہا کیا بات تھی؟ تو آپ کسی کام کے لئے گئے تھے کہ کہہ سکیں کام تھا اور نہ ہی جماعت کا وقت ہے۔ لہذا آپ کیوں باہر تشریف لے گئے تھے۔ لیکن آپ خاموش رہے۔ میں نے اصرار کیا۔ کہنے لگے تو بڑا کرید کرید کر باتیں پوچھتا ہے۔ میں اس لئے نکلا تھا تا کہ خانہ خدا کی طرف میرا چہنڈ نماز کے لئے ہو جائے کیونکہ پہلے میں نے جو قدم اٹھائے تھے وہ تمہارے پاس بیٹھنے کے لئے اٹھائے تھے۔

**فشتالی کا صبر و تحمل** | احمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ فشتالیؒ بڑے اچھے اخلاق والے اور صبر و تحمل والے تھے اور عدول لوگوں میں سے تھے۔ ایک دن انہوں نے ایک شخص کے خلاف سچی گواہی دی تھی۔ اس شخص نے ناراض ہو کر فشتالی کو بہت سی گالیاں دیں۔ جب وہ گالیاں دے چکا تو صرف اتنا کہا: میری شہادت کی شرعی وجہ یوں ہے۔ گالی دینے والا ان کے عن خلق کو دیکھ کر بہت نادم ہوا اور توبہ کی۔

**ہمسایوں سے برتاؤ** | ممدوح کے پڑوسیوں کا بیان ہے کہ حضرت فشتالیؒ جب اپنے گھر کے لئے گوشت خریدا کرتے تو ہمسایوں کے لئے بھی ضرور خریدتے۔ فرماتے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تو گوشت کھاؤں اور میرے پڑوسی بغیر گوشت کے رہیں۔

**کشف و کرامت کی** | بہت سے ثقہ لوگوں کا بیان ہے کہ مسجد کا بڑا دروازہ کھلنے سے پہلے فشتالیؒ المنحفیہ کے **ایک اور مثال** زاویہ (خانقاہ) میں آئے تو جہاں اب مسجد کا بڑا دروازہ ہے، اس کی طرف نظر اٹھا کر فرمانے لگے: یہاں سے ایک دروازہ کھلے گا جس سے لوگ مسجد میں جایا کریں گے۔ یہ الفاظ بہت سے لوگوں نے سنے جن میں المہدی الفاسی شارح دلائل الخیرات بھی تھے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اسی جگہ پر دروازہ کھولا گیا۔ یہیں سے لوگ وضو کے محل کو جاتے ہیں۔

**ایک واقعہ** | محمد بن سودہ کہتے ہیں کہ ایک شخص فشتالیؒ کے گھر گیا۔ وہ اس وقت اپنے آپ کو پنکھا کر رہے تھے اور بے تکی باتیں کر رہے تھے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا: **فَضِّلَ التَّابُوتِيَهٗ مِنْ بَشَارِ اللّٰهِ** کی دین ہے، جسے چاہے، دے۔

**کشف کی مثال** | شامیؒ کا بیان ہے کہ وہ فشتالیؒ سے باتیں کر رہے تھے اور گزشتہ حکام مثلاً ابن سماع وغیرہ کی مذمت کرتے اور موجودہ حاکموں کی تعریف کر رہے تھے، اس پر فشتالیؒ نے آئندہ آنے والے حاکموں کے احوال بیان کرنے شروع کر دیے۔

فشتالی کا شاہد | متعدد لوگوں کا بیان ہے کہ فشتالی شاہدِ عادل تھے لیکن شہادت دینے سے اکثر پرہیز کرتے  
عادل ہونا | صرف انہیں امور میں شہادت دیتے جو روزِ روشن کی طرح ہوں۔ کوئی زیادہ اجرت دیتا تو  
رک کر دیتے۔ ایک شخص سے گواہی کا وعدہ کر لیتے تو دوسرے کو انکار کر دیتے۔

الفرض یہ کہ مدوح کے کشف و کرامات بہت زیادہ ہیں اور لوگوں میں مشہور ہیں۔ آپ کی جلالیت  
شان اور فخر و مہابات کے لئے تو صرف یہی رابطہ کافی ہے جو آپ کے اور غوث الزمان حضرت عبدالعزیز قدس  
سره کے درمیان قائم ہوا۔

## فصل ثانی

حضرت عبدالعزیز دباغ کا مدارج سلوک طے کرنا یہاں تک کہ آپ پر اسرار کا انکشاف ہو گیا  
اور ان عارفین کا بیان جن سے آپ کو ظاہری اور باطنی وراثت ملی۔  
حضرت عبدالعزیز دباغ کی | حضرت دباغ فرماتے تھے جب سے میں نے العربی الفشتالی کی امانت کو پہنا اور  
حضرت سے ملاقات | جو کچھ اس میں مجھے کہا گیا تھا میں سمجھ گیا تو اللہ نے میرے دل میں خالص عبودیت  
کا شوق ڈال دیا۔ لہذا میں لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کرتا رہتا۔ جس بزرگ کا ذکر سنتا اس کے پاس جا کر  
اسے اپنا پیر بنا لیتا۔ ان کے فرمانے کے مطابق اور ادب پڑھتا لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد جب ان کے پاس مزید  
ترقی نہ پاتا تو انہیں چھوڑ کر کسی اور کے پاس چلا جاتا۔ اسی طرح جب اس کے پاس بھی مزید معرفت نہ پاتا تو  
اسے بھی چھوڑ دیتا۔ اسی طرح میں ۱۱۰۹ھ سے لے کر ۱۱۲۱ھ تک حیران و پریشان پھرتا رہا۔ ہر جمعہ  
کی رات علی بن حرز ہم کے مزار پر لوگوں کے ساتھ مل کر قصیدہ بردہ ختم کیا کرتا۔ ایک جمعہ کی ات حسب دستور  
بردہ ختم کر کے روضہ سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ ایک شخص کو اس بیری کے درخت کے نیچے جو روضہ کے دروازہ کے  
پاس تھی، بیٹھا ہوا دیکھا۔ اس نے مجھ سے میرے ہی دل کی باتیں بتانی شروع کر دیں جس سے میں سمجھ گیا کہ یہ  
شخص اولیاء عارفین میں سے ہے۔ میں نے عرض کیا مجھے کوئی ورد عطا کریں اور ذکر کی تلقین کریں۔ اس  
نے بات مٹانی چاہی اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ میں اصرار کرتا جاتا اور آپ مٹاتے جاتے۔ ان کا مقصد  
میرے صحیح عزم کو معلوم کرنا تھا تاکہ میں ان سے جو بات سنوں اسے پھر ترک نہ کروں۔ میں اسی طرح چپٹا رہا یہاں

۵۰ حضرت سلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں علامہ بوسیری نے عربی میں ایک قصیدہ کہا ہے جسے قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے صوفیاء  
کے ہاں خاص طریقہ پر اس کا ورد کیا جاتا ہے اور اس کے ورد کرنے میں بہت سے فوائد مضمین ہیں۔ ناظم قصیدہ علامہ بوسیری  
کو اس قصیدہ کی بدولت فالج سے شفا ملی تھی۔ علامہ بوسیری ۶۰۹ھ = ۱۲۱۲ھ میں مصر میں پیدا ہوئے اور ۶۹۶ھ  
= ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی۔

تک کہ صبح ہوگئی اور خانقاہ میں گردسی دکھائی دی تو کہنے لگا جب تک تو اللہ کا عہد نہیں دے گا کہ ورد نہ چھوڑوں گا، ورد نہ دوں گا۔ چنانچہ میں نے اسے اللہ کا عہد دیا کہ آپ کے بتائے ہوئے ورد کو نہ چھوڑوں گا۔ اور میرا خیال تھا کہ وہ مجھے ان بزرگوں کی طرح کا کوئی ورد بتائیں گے جن کی پہلے بیعت کر چکا ہوں۔ لیکن انہوں نے فرمایا: ہر روز سات ہزار بار یہ ذکر کیا کرو۔ اَللّٰهُمَّ يَا رَبِّ بِنِجَاهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجتمع بيني وبين سيدينا محمد بن عبد الله في الدنيا قبل الآخرة - (يا اللہ سیدنا محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل مجھے دنیا میں انہیں ملا دے۔) پھر ہم اٹھے اور عمر بن محمد اھواری کے روضہ کے متوتی آگئے۔ اس شخص نے انہیں کہا: تمہیں اس سے نیک برتاؤ کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ عمر بن محمد کہنے لگے یہ تو ہمارا سردار ہے۔ عمر بن محمد نے مرتے وقت مجھ سے پوچھا: تمہیں معلوم ہے کہ بیری کے درخت کے نیچے کس نے تمہیں ذکر کی تلقین کی تھی۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا: خضر علیہ السلام تھے۔

عمر بن محمد ہواری کی | رباع فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے میرا سینہ کھول دیا تو جو کچھ عمر نے فرمایا تھا، مجھے سمجھ وقات ۱۲۵ھ میں آگیا۔ اب میں نے یہ ذکر شروع کر دیا۔ لیکن پہلے اس قدر بوجھل معلوم ہوا کہ رات ہو۔ تک بھی مکمل نہ ہوا۔ پھر کچھ کچھ ہلکا معلوم ہونے لگا اور مجھے اس سے انس ہونے لگا تو زوال تک مکمل کر دیا۔ پھر ہلکے ہونے میں ترقی ہوئی حتیٰ کہ اشراق کے وقت پورا ہونے لگا۔ پھر نقل میں اور کسی ہوئی حتیٰ کہ طلوع آفتاب تک پورا پڑھ لیا کرتا تھا۔ اس زمانہ میں حضرت عمر بن محمد ہواری کے پاس بیٹنا اٹھتا رہا اور وہ بھی میرے ساتھ خاص محبت فرماتے رہے حتیٰ کہ ۱۲۵ھ میں ان کی وفات ہوگئی۔ بوقت وفات میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ فرماتے لگے جانتے بھی ہو میرے پیر کون تھے؟ میں نے کہا مجھے تو معلوم نہیں۔ فرمایا: سید فشتالی قدس سرہ۔ اور یہ بات دنیا سے رخصت ہوتے وقت ہی بتائی۔ الحمد للہ کہ حضرت فشتالی کے تمام اسرار و کیفیات بواسطہ سید عمر مجھے حاصل ہوئے اور اس کا مشاہدہ مجھے شرح صدر کے بعد ہوا لہذا نہ سید عمر بھی حضرت فشتالی کے تمامی اسرار کے حامل نہ تھے بلکہ چند ہی کے حامل تھے۔ مگر مجھے حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کے تمامی اسرار عطا فرمائے بلکہ ان سے بھی زیادہ اور اتنے زیادہ کہ میں اپنے مولیٰ کریم کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

ایک دن فرمایا کہ حضرت فشتالی عارف باللہ اور اپنی زندگی میں دیوان الصالحین کے حاضر ہونے والوں میں سے تھے۔ میں نے عرض کیا اور بعد وفات؟ فرمایا نہیں اور ایسا ہی سیدنا منصورؒ کی بابت فرمایا کہ وہ اقطاب میں سے تھے اور صرف بحالت حیات اہل دیوان میں سے تھے۔ انتقال کے بعد اس مجلس میں حاضر نہیں ہوتے اور اس کا ایک خاص سبب بیان فرمایا جس کا ذکر انشاء اللہ کتاب میں آئے گا

عہ وہ مجلس جس میں اقطاب عالم و اغوات کا اجتماع ہوا کرتا ہے۔ کتاب کے آخر میں اس کا تفصیلی بیان آئے گا۔

حضرت عبدالعزیز دباغ کا شرح صدر | حضرت نے فرمایا کہ سید عمہ کی وفات کے تین دن بعد مجھے شرح صدر جمعرات ۸ رجب ۱۱۲۵ھ ہوا اور ہم نے حقیقت نفس سے اللہ کو پہچانا۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَ لَهُ الشُّكْرُ۔

بروز پنجشنبہ ۸ رجب ۱۱۲۵ھ کا واقعہ ہے کہ میں گھر سے نکلا تو حق تعالیٰ نے ایک صاحب خیر کے ہاتھ سے مجھے چار موزوں دلائے چنانچہ میں نے مچھلی خریدی اور اس کو لے کر گھر آیا۔ میری بیوی نے کہا: علی بن حرزیم کے پاس جاؤ اور مچھلی تلنے کے لئے تیل لے آؤ۔ چنانچہ میں گیا اور ابھی باب الفتح تک ہی پہنچا تھا کہ بدن میں رعشہ سا پیدا ہوا پھر زور کی کپکپی طاری ہوئی۔ اس کے بعد گوشت میں بکثرت چیونٹیاں سی چلتی ہوئی محسوس ہوئیں مگر میں اسی حالت میں چلتا گیا مگر حالت اور خراب ہوتی گئی حتیٰ کہ سید یحییٰ بن عمال کے مزار تک پہنچا اور یہ علی بن حرزیم کے راستہ ہی میں آتا ہے۔ حالت نے اور شدت پکڑی اور میرا سینہ سخت مضطرب ہونے لگا یہاں تک کہ دائرہ چنبر گردن سے ٹکراتی تھی۔ میں نے سمجھا کہ یقیناً موت کا وقت آگیا ہے۔ پھر میرے جسم سے دھوئیں کی طرح کی ایک چیز نکلی۔ پھر میرا جسم ہوتا ہوتا بہت ہی لمبا ہو گیا اور دنیا کی چیزیں منکشف ہو کر میری نظروں کے سامنے آنے لگیں۔ تمام شہر، قصبے اور دیہات اور جو کچھ بھی زمین پر ہے۔ میں نے سب کو دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ عیسائیت اپنے بچے کو گود میں لئے دودھ پلا رہی ہے۔ میں نے تمام سمندر دیکھے جو کچھ بھی سات زمینوں میں جانور اور مخلوقات ہے سب دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ گویا آسمان کے اوپر بیٹھا ہوں اور اس کے اندر کی تمام اشیاء کو دیکھ رہا ہوں۔ اچانک ہر طرف سے کوئلے والی بجلی کی طرح نور عظیم آتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ نور میرے اوپر سے جی نیچے سے بھی دانتے سے بھی، بائیں جانب سے بھی اور آگے سے بھی، پیچھے سے بھی سب طرف سے آیا اور اس سے مجھے سخت سردی لگی یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ مرنے لگا ہوں۔ میں جلدی سے چہرہ کے بل لیٹ گیا تاکہ اس نور کو نہ دیکھ سکوں لیکن پھر بھی یوں معلوم ہو رہا تھا کہ میرا تمام وجود آنکھیں بن گیا ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے، سرد دیکھ رہا ہے، پاؤں دیکھ رہے ہیں اور تمام اعضا دیکھ رہے ہیں۔ میں نے اپنے پہنے ہوئے کپڑوں پر نظر ڈالی۔ تو دیکھا کہ وہ اس نظر کو نہیں روک سکتے جو میری ذات میں سرایت کر چکی ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اوندھا لیٹنا اور کھڑا رہنا دونوں برابر ہیں۔ کچھ دیر تک یہی حالت رہی مگر پھر جاتی رہی اور میں اپنی پہلی حالت پر آگیا۔ اس وقت میں گھر واپس آیا اور علی بن حرزیم کے پاس نہ پہنچ سکا۔ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہوا اور میں رونے لگا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے پھر وہی حالت طاری ہوئی اور پھر جاتی رہی۔ اسی طرح کبھی یہ حالت ہو جاتی اور کبھی ہٹ جاتی۔ اس کے بعد دائمی ہو گئی۔ اللہ نے مجھ پر رحم فرمایا کہ اپنے اولیاء میں سے ایک عارف سے سنیے ملا دیا جس کی صورت یوں ہوئی کہ فتح کے اگلے روز میں مولائی ادریس کی زیارت کے لئے چلا۔ ابھی سراطِ عمدول کے محلہ تک پہنچا تھا کہ فقیہ الحاج احمد جندی سے ملاقات ہوئی۔ احمد جندی مولائی ادریس کے

عہ نصرانیت کے غلبہ کی طرف اشارہ ہے۔



امام تھے۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا، اُس کا اُن سے ذکر کیا۔ فرمایا۔ میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ میں اُن کے ساتھ اُن کے گھر گیا جو اس ستقایہ کے قریب تھا جو اُن عثمانین کے پاس ہے جو صفاریں میں رہتے ہیں۔ میں اُن کے ساتھ مکان میں داخل ہوا اور وہ اندر ایک چبوترے پر بیٹھ گئے اور میں بھی اُن کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر فرمانے لگے جو کچھ تو نے دیکھا ہے پھر سے بیان کرو۔ میں نے سارا واقعہ دہرایا مگر اُن پر جو میری نظر پڑی تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ واقعہ سن کر فرمایا لا الہ الا اللہ چار سو سال گزر چکے ہیں کہ ایسا واقعہ بیان کرنے والا ہم نے کوئی نہیں سنا۔ اس کے بعد مجھے بہت سارو پیہ دیا۔ ایک بار فرمایا کہ مجھے پانچ مثقال دے اور کہا کہ ان کو اپنی ضروریات میں خرچ کر دو اور جب ختم ہو جائیں تو کسی اور کے پاس نہ جانا۔ میرے ہی پاس آنا کہ جو ضرورت ہوگی میں تم کو دوں گا اور میں تمہیں سید عبداللہ تاودی کے پاس جانے کی تاکید کرتا ہوں۔ انشاء اللہ خیر نصیب ہوگی۔ غرض میں اُن سے رخصت ہوا اور اس دن کے بعد پھر مجھے سید احمد جبرائیل کی ملاقات نصیب نہ ہوئی کیونکہ اُن کو دفعۃً مرض الموت لاحق ہوا اور وہ انتقال کر گئے۔

عبداللہ تاودی | مگر میں نے اُن کی وصیت پر عمل کیا اور سید عبداللہ تاودی کی جانب چل پڑا۔ جب باب سے ملاقات | الجیسہ پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازہ سے باہر ایک سیاہ فام شخص اُس بڑے پتھر کے پاس کھڑا ہے جس کے قریب مجھ کی بیٹھی کرتے تھے۔ اُس نے مجھے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ میں نے دل میں کہا آخر اس کا کیا ارادہ ہے مجھ پر؟ جب قریب پہنچا تو میرا ہاتھ پکڑ لیا اور سلام کیا جس کا میں نے جواب دیا۔ پھر کہنے لگے، میں چاہتا ہوں کہ جامع مسجد تک میرے ساتھ چلو۔ وہاں بیٹھ کر کچھ دیر باتیں کریں۔ میں نے کہا بڑی خوشی سے، چنانچہ ہم مسجد میں پہنچ کر بیٹھ گئے۔ مجھ سے فرمانے لگے مجھے فلاں فلاں مرض ہے اور میں نے ایسا ایسا واقعہ دیکھا ہے اور مجھے یہ یہ پیش آیا ہے۔ عرض تمام وہ باتیں جو مجھ سے پیش آئی تھیں از خود ذکر کر دیں۔ ان کی اس گفتگو سے میرا بوجھ اترا گیا اور میں سمجھ گیا کہ یہ شخص اولیاء عارفین میں سے ہے۔ خود ہی بتایا کہ میرا نام عبداللہ برناوی ہے اور میں برنو کا باشندہ ہوں اور یہاں شہر فاس میں صرف تمہارے لئے آیا ہوں۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی اور اس وقت میں نے سید احمد جبرائیل کے کلام کی برکت کو سمجھا کہ مرحوم اہل خیر وصلاح میں سے تھے۔ غرض سید عبداللہ برناوی میرے ساتھ رہے میری رہبری فرماتے۔ مجھے کئی دہائی سے بچائے۔ قلب کو قوت پہنچاتے اور میرے دل سے وہ خوف مٹاتے رہتے تھے جو بقیۃ رجب اور تمام شعبان ورمضان و شوال و ذی قعدہ اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ تک مجھے پیش آتے رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت | جب عید الاضحیٰ کا تیسرا دن ہوا تو مجھے سیدالوجود حضرت محمد صلی

عہ محد کا نام

عہ جو بچہ

عہ آج کل کے حساب سے ایک مثقال تقریباً ۱۱۰ ماشہ کا ہوتا ہے۔ پانچ مثقال تقریباً ۲ تولے بنے۔ یعنی اسقدر سونا دیا۔

اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اُس وقت عبداللہ برنادی نے فرمایا: اے عبدالعزیز اب تک تو مجھے  
 تمہارے متعلق اندیشہ تھا مگر آج چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی رحمت کاملہ یعنی سید الوجود حضرت محمد صلی اللہ  
 علیہ وآلہ وسلم سے ملا دیا ہے، اس لئے میرا دل مطمئن ہو گیا ہے۔ اب میں تمہیں اللہ کے حوالے کر کے جاتا  
 ہوں۔ چنانچہ مجھے چھوڑ کر وہ اپنے وطن چلے گئے۔ دراصل اُن کا میرے ساتھ رہنے سے یہ مقصد تھا کہ  
 جو مشاہدات مجھے پیش آ رہے تھے، اُن میں ظلمت کا دخل ہونے سے مجھے بچائے رکھیں حتیٰ کہ مشاہدہ محمدیہ  
 نصیب ہو جائے۔ کیونکہ صاحب فتح پر اس کے بعد کوئی اندیشہ نہیں رہتا۔ جو کچھ اندیشہ و خطرات ہوتے ہیں  
 وہ اس مشاہدہ سے پہلے ہی ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ برنادی کے ساتھ مجھے بہت قصے پیش آئے۔ جن میں عجیب ترین یہ ہے کہ ایک  
 دن انہوں نے عورت کی صورت میں آکر مجھے بہت کچھ پھسلا یا اور اصرار سے اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔

عبداللہ برنادی کا دباغ کے سامنے واقعہ یوں ہوا کہ میں جزائر ابن عامر میں تھا کہ ایک عورت چادر اوڑھے  
 عورت کی صورت میں آنا | منہ پر نقاب ڈالے خوشبو میں مہکی ہوئی صاف ستھری نہایت خوبصورت  
 میرے پاس آئی اور کہنے لگی میں تنہائی میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ میں پورے زور سے اس سے بھاگا  
 حتیٰ کہ میں نے کہا کہ اب تو میں اس سے بھاگ کر لوگوں میں آگیا ہوں، مگر جب رصیف میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں  
 کہ میرے پاس کھڑی ہے اور مجھے پھسلا رہی ہے۔ میں پھر بھاگا اور شرائین پہنچ کر دم لیا اور سمجھا کہ اب  
 اس کی امتیہ منقطع ہو چکی ہے پھر میری چال بھاری ہو گئی اور دیکھا کہ وہ پھر میرے پاس کھڑی ہے اور پھسلا  
 رہی ہے۔ میں پھر بھاگا اور ایک بار پھر شام عین پہنچا مگر دیکھتا کیا ہوں کہ میرے پاس کھڑی ہے۔ میں پھر بھاگا اور  
 مسجد قردین کی شرقی جانب پہنچا اور مسجد میں داخل ہو گیا اور سمجھا کہ بس اب نجات مل گئی۔ مگر دیکھا کہ وہ  
 میرے پاس کھڑی ہے۔ میں پھر بھاگا حتیٰ کہ صفارین تک پہنچا اور سمجھا کہ بس اب بچ گیا، مگر دیکھتا ہوں  
 کہ وہ پاس کھڑی ہے۔ میں پھر بھاگا اور دوبارہ شام عین تک پہنچا اور سمجھا کہ اب چھٹکارا مل گیا مگر دیکھتا ہوں  
 کہ وہ پاس کھڑی ہے۔ میں پھر بھاگا کر مسجد قردین میں جا گھسنا اور سمجھا کہ اب نجات مل گئی، لیکن جب بڑے  
 شمعدان تک پہنچا تو دیکھا کہ وہ میرے پاس کھڑی ہے۔ اس وقت مجھے پر حال کا غلبہ ہوا اور ابھی چلائے کو ہی  
 کھتا۔ تاکہ لوگ جمع ہو جائیں کہ دفعۃً وہ عورت عبداللہ برنادی بن گئی اور فرمایا یہ کارنامہ تو میرا تھا اور  
 تم کو آزمانے کے لئے کیا تھا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ سادات کا میلان طبع عورتوں کی طرف زیادہ ہے۔  
 سو الحمد للہ تم کو ایسا ہی پایا جیسا میں چاہتا تھا اور بہت خوش ہوئے۔

عبداللہ برنادی کی | حضرت برنادی کے بعض معارف کے فوائد اثناء کتاب میں آئیں گے۔ دباغ کہتے ہیں  
 وفات ۱۲۶ھ | کہ ان کی وفات ۱۲۶ھ میں ہوئی۔

صاحبین خواہ ایک دوسرے سے دور رہتے ہوں لیکن اُنکے درمیان بعد نہیں ہوتا | حضرت برنادی کے اپنے

وطن کو چلے جانے کے بعد میں نے حضرت دباغ کو کتنے ہوئے سنا۔ آج میں عبداللہ برناوی کے ساتھ تھا۔ انہوں نے مجھ سے یہ فرمایا اور میں نے یوں کہا اور ہم نے یہ یہ کام کیا، حالانکہ اس زمانہ میں میں ہر وقت ان کے ساتھ آتا جاتا چنانچہ ہم شاید ہی کبھی جدا ہوتے۔ جب ان سے ایسی بات سنتا تو عرض کرتا کیا عبداللہ اپنے وطن کو نہیں چلے گئے۔ فرمایا صالحین کے وطن خواہ کتنے دور ہی کیوں نہ ہوں، ان کے درمیان بعد نہیں ہوتا۔ چنانچہ مغرب کا اللہ کا بندہ سوڈان بڑا بصرہ وغیرہ کے دوسرے اللہ کے بندے سے باتیں کر سکتا ہے۔ لیکن اسی طرح جس طرح کہ پاس کے آدمی سے باتیں کی جاتی ہیں اور جب کوئی تیسرا اللہ والا ان سے باتیں کرنا چاہتا ہے تو وہ بھی کر لیتا ہے اور اسی طرح چوتھا بھی جتنی کہ صالحین کی ایک جماعت جو مختلف علاقوں میں بکھرے ہوتے ہیں وہ اس طرح آپس میں باتیں کر لیتے ہیں جیسے کہ ایک جگہ پر جمع ہوئے ہوئے لوگ کرتے ہیں۔

**دباغ نے برناوی سے اسرار وراثہ میں لے لے | فرمایا سید عبداللہ برناوی کی وفات پر ان کے تمام اسرار**

کا میں وارث بنا۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

قطب زمان منصور نیز فرمایا نجد ان بزرگوں کے جن کی مجھے ملاقات نصیب ہوئی حضرت منصور بن احمد بن بن احمد سے ملاقات جو قطب وقت تھے اور میرا ان سے ملنا سورج گرہن سے ایک ماہ قبل ہوا۔

ملنے کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت منصور ایک جولاہے کے پاس سوت بٹنے کا کام کرتے تھے۔ میں اپنے بھائی علال کو لے کر اس غرض سے گیا کہ کوئی اُسے بننے کا کام سکھا دے چنانچہ میں ایک طراز (کشیدہ کاری کا کارخانہ) میں گیا۔ خادموں کے ساتھ میں بھی اُسے کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ایک شخص کو دیکھا جس سے میری بات ٹھہر گئی۔ جب فارغ ہوا اور باہر آنے لگا تو ایک نادانف شخص نے مجھے آواز دی۔ اور کہا کہ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس کے پاس آیا تو اس نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ میں نے کہا: سید ہوں۔ کہا: ماشاء اللہ! اچھے پاک اور نیک لوگوں کی اولاد ہو۔ پھر نام پوچھا: میں نے عبد العزیز بتایا۔ کہا کس قدر پیارا اور بزرگ نام ہے۔ پھر پوچھا کیا آپ کے ماں باپ حیات ہیں؟ میں نے کہا نہیں دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ کہنے لگے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے بیوی بچے ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ کہنے لگے کچھ روپیہ پیسہ بھی پاس ہے؟ میں نے کہا نہیں کہنے لگے یہ موز دینے سے لو۔ دیکھا تو تیس موز دینے لگے۔ ان سے جان پہچان اس طرح ہوئی۔ پھر ان کے ساتھ مجھے عجیب و غریب واقعات پیش آئے جن میں چند کا تذکرہ اس کتاب میں انشاء اللہ آئے گا۔

عہ کپڑے کے اوپر مقیش یا کشیدہ کاری کرنے کو طراز کہتے ہیں اور بنانے والے کو طراز۔ اس زمانہ میں الجزائر، مصر وغیرہ میں طراز کے کارخانے پائے جاتے تھے۔ طراز کے معنی طراز کے کارخانہ کے بھی ہیں چنانچہ یہاں ہی مراد ہیں۔

منصور بن احمد کی غرض اللہ ورسول کی محبت میں میرا ان کا ساتھ رہا حتیٰ کہ ۲۹ھ میں ان کی وفات ہو گئی۔  
**وفات ۱۲۹ھ** احمد بن مبارک کہتے ہیں کہ سورج گرہن ۱۱۵ھ کی ابتدا میں ۲۹ محرم کو ہوا لہذا تقریباً  
 بارہ سال ان کی صحبت رہی۔

سید عبداللہ برناوی منصور | میں نے حضرت ممدوح سے پوچھا کہ دونوں میں بڑا کون تھا عبداللہ برناوی یا منصور  
 بن احمد سے بڑے تھے | فرمایا حضرت عبداللہ برناوی بڑے تھے اگرچہ یہ دونوں قطب تھے نیز  
 فرمایا کہ جب حضرت منصور کا انتقال ہوا تو ان کے اسرار کا بھی میں ہی وارث ہوا۔ والحمد للہ۔

محمد لہواج سے | حضرت ممدوح نے فرمایا کہ منجمد ان مشائخ کے جن کی ملاقات و صحبت مجھے نصیب ہوئی حضرت  
 محمد لہواج ہیں۔ جن کا وطن نطاوان کے قریب تھا جیسا کہ جبل حصب میں شہر نخص حضرت  
 ملاقات منصور کا وطن تھا۔

اُن سے مننے کی صورت یہ ہوئی کہ جب میرے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا تو میرے چچا مجھے اور میرے  
 جھائی العربی کو لے کر ایک طرز خانہ میں گئے جہاں مجلس پر کام کیا جاتا تھا۔ کارخانہ کا ایک کاریگر حضرت  
 محمد لہواج کا رشتہ دار تھا اور حضرت ممدوح جب بھی اس رشتہ دار کو ملنے آتے تو میرے پاس بھی آکر بیٹھ  
 جایا کرتے اور باتیں کرتے رہتے یہاں تک میرے اور اُن کے درمیان کس جان پہچان ہو گئی اور میرے اور اُن  
 کے درمیان عجیب و غریب حکایات و کرامات پیش آئیں جن میں سے بعض کا ذکر اثناء کتاب میں آئے گا۔  
 میری ان سے ملاقات حضرت منصور سے پہلے ہوئی تھی کیونکہ اُن سے میری ملاقات ۱۱۲ھ کو  
 ہوئی لیکن اُن کی وفات حضرت منصور کی وفات کے چند دن بعد ہوئی۔ اُن کی وفات پر ان کے اسرار کا وارث  
 بھی میں ہی بنا۔ والحمد للہ۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی صحبت مجھے حاصل ہوئی :-

- ۱۔ شیخ الشیبوخ سیدنا خضر علیہ السلام۔
- ۲۔ عمر بن محمد ہوازی خادم روضۃ علی بن حرزیم، بہ وصیت خضر علیہ السلام۔
- ۳۔ عبداللہ برناوی۔ ان سے میری ملاقات شرح صدر یا فتح سے دوسرے دن ہوئی۔
- ۴۔ منصور بن احمد۔

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

۵۔ محمد اللہواج۔

کتمان ستر کی تاکید | مؤلف کتاب احمد بن المبارک کہتا ہے لیکن حضرت دباع کو دیگر اولیاء کا مدین کی بھی  
 ملاقات و صحبت نصیب ہوئی اور حضرت ممدوح اُن کے اسرار باطنیہ کے وارث ہوئے۔ ان بزرگوں  
 کا ذکر اثناء کتاب میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ منجمد اُن کے غوثِ وقت حضرت احمد بن عبداللہ  
 مصری ہیں سہ ماہیہ میں نے حضرت ممدوح کو یہ فرماتے سنا کہ جس روز میں دیوان (مجلس اقطاب و اغواث)



میں داخل ہوا ہوں اُس دن مجھ سے احمد بن عبداللہ اور اسی طرح دیگر اہل دیوان نے سبجز اس کے کوئی بات ہی نہیں کی کہ مجھے کتمان ستر کی تاکید کرتے رہے۔ حتیٰ کہ احمد بن عبداللہ نے تمامی اہل دیوان کو حکم فرمایا کہ اس بارے میں ایک ایک واقعہ مجھے سنائیں چنانچہ ان حضرات نے تقریباً ۲۰۰ (دوسو) واقعات مجھے سنائے۔ ان میں آٹھ واقعات میں نے حضرت ممدوح سے سنے تھے لیکن یہاں صرف پانچ درج کئے جاتے ہیں۔

**کتمان ستر کے بارے میں پہلی حکایت** | پہلی حکایت احمد بن عبداللہ غوث کی ہے۔ فرمایا۔ میرا ایک مرید تھا اور اس کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ ایک دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتِ شان اس کو سنانے لگا کہ بیٹا اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور نہ ہوتا تو زمین کے اسرار میں سے ایک ستر بھی ظاہر نہ ہوتا۔ وہ نور معظم نہ ہوتا تو نہ کوئی چشمہ اُبلتا نہ کوئی دریا بہتا۔ بیٹا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک مارچ کے مہینے (شروع موسم بہار) میں تین مرتبہ تمام بیچوں پر مہکتا ہے جس کی برکت سے ان میں پھل آتا ہے۔ اگر نور محمدی نہ ہوتا تو کوئی تخم بھی پھل نہ لاتا۔ بیٹا! سب سے کم درجہ کا ایمان اس شخص کا ایمان ہے جو اپنے ایمان کو پہاڑ بلکہ پہاڑ سے بھی بڑا سمجھے اور وہ اپنے آپ کو اوروں سے زیادہ حق دار سمجھے۔ لیکن ذاتِ انسانی بسا اوقات ایمان کے اس بوجھ کو اٹھانے سے عاجز آکر اسے پھینک دینے کا ارادہ کرتی ہے کہ دفعتاً نور محمدی مہکتا ہے اور بارِ ایمان کے اٹھانے میں مددگار ہوتا ہے جس کی وجہ سے مومن کو ایمان شیریں اور پاکیزہ معلوم ہونے لگتا ہے اور وہ تباہ ہونے سے بچ جاتا ہے۔

جب میں اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا ذکر کر رہا تھا اور ان برکات کا ذکر کر رہا تھا جو آپ سے حاصل ہوئیں یہاں تک کہ میں ذاتِ محمدی میں محو ہو گیا۔ مرید نے جب میری یہ حالت دیکھی تو کہا: میرے آقا! اسی نبی محترم کی جاہ کا واسطہ مجھے ستر عطا فرما دیجئے۔ میں نے باز رہنا چاہا۔ مگر جب بڑی زانت کے جاہ کا واسطہ نظر کے سامنے آیا تو میں نے اس کی بات مان لی اور اسے راز دے دیا۔ مگر چند ہی دن گزرے تھے کہ لوگوں نے اس پر کفر کی گواہیاں دیں اور اسے قتل کر دیا گیا۔ یہ شخص نوز عربوں میں سے تھا اور مصر کے ایک شہر میں محلہ کے ایک گوشہ میں رہتا تھا۔ مجھ سے ستر الہی لے کر وطن چلا گیا۔ لوگ اس کے پاس آئے۔ اور یہ ان کو اسرارِ الہیہ سنانے لگا جو ان کی عقلوں سے بالا تھے۔ اس پر انہوں نے اس کے خلاف ان باتوں کی شہادتیں دے کر جو اس سے سنی تھیں اور اسے قتل کر دیا۔

**دوسری حکایت** | ایک نے فرمایا میرا ایک مرید تھا جس نے ۱۲ سال میری خدمت کی اور مجھے اس سے بہت محبت تھی حتیٰ کہ میرا ارادہ تھا کہ اپنی لڑکی کی شادی اس سے کر دوں۔ میں ہر مہفتہ میں تین دن کے لئے متی چھوڑ کر ساحلِ سمندر پر جا بیٹھا۔ ایسا اتفاق ہوا کہ ان غائب رہنے کے دنوں کے اندر عید آگئی۔ میرے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں اور ایک خادم تھا۔ جب میں گھرا یا تو دیکھا کہ اس نے سب کے لئے کپڑے سلوانے اور جس چیز کی ضرورت تھی وہ بھی خرید دی۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ جب وہ میرے سامنے آیا تو

محبت و عقیدت سے ملا اور درخواست کی کہ اسے ستر الہی عطا کر دوں اور اس پر بڑا اصرار کیا چنانچہ میں نے اسے بادلِ نخواستہ ستر الہی دے دیا۔ ابھی چالیس دن ہی گزرے تھے کہ لوگوں نے اس سے ایسی راز کی باتیں سُنتیں۔ جنہیں عوام کی عقلیں باور نہیں کر سکتی تھیں۔ ان کی شہادتیں ہم پہنچائیں اور اسے پھانسی دے دیا گیا۔

**تیسری حکایت** | ایک صاحب نے فرمایا: میرا ایک مرید تھا جس نے ۹ سال میری خدمت کی۔ اس کی خدمت اور حسن معاشرت کی وجہ سے مجھے اس سے بہت محبت تھی۔ وہ میرا ہم محلہ اور ہمسایہ بھی تھا۔ میری بیوی اکثر بیمار رہا کرتی اور اپنی خوبصورت بیوی کو میرے گھر لے آیا کرتا تھا۔ جو کام میری بیوی نہ کر سکتی اس کو وہ انجام دیا کرتی۔ عرض دوں کہ میں ابھی میری ہماری خدمت میں لگے رہتے۔ اسی وجہ سے مجھے اس سے بڑی محبت تھی۔ ایک دن میں ایک جگہ کھڑا تھا کہ وہ اپنی چھوٹی سی بچی کو لے کر آیا جس کے ہاتھ میں قرآن مجید تھا۔ مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ یکا یک کیا دیکھتا ہوں کہ بچی میرے پاؤں پر پڑی ہے اور قرآن مجید اس کے ہاتھ میں ہے۔ میں نے پیچھے سبٹ کر کہا: اے شخص آخر تو کیا چاہتا ہے؟ تو یہ بہت بڑا واسطہ لایا ہے۔ بولا "مجھے آپ ستر الہی عطا فرمادیں" میں نے کہا "ارے تجھ میں اس کی برداشت کی طاقت نہیں۔ ستر الہی تو ایک بڑی چیز ہے۔ صرف وہی اس کے اٹھانے کی طاقت رکھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ قوت دے اور اس کے حوالہ کو دو تہائی آدمی واہ واہ کہتے ہیں اور اسی میں اس کی ہلاکت و موت ہوتی ہے۔ اُس نے کہا آپ عطا فرمادیں میں ضرور برداشت کروں گا۔ عرض اس کی اور اس کی بیوی کی خدمتوں پر اور اُن تعلقات و حقوق پر جو اس کے میرے ساتھ قائم تھے۔ نیز معصوم بچی اور کلام اللہ کا واسطہ لانے پر نظر کرتے ہوئے میں نے ہاں کر لی اور اُسے ستر الہی دے دیا۔ (شیخ فرماتے ہیں) اُس نے ستر الہی بغیر ذات کے لئے لیا تھا اور جس کو بھی ستر الہی بغیر ذات کے ملا کر دیا ہے وہ اس کو تباہ کر دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا ذات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ پیر کی ذات اور اس کے اسرار اور شہیر کی وفات کے بعد ہی مرید کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ دلی ستر تو دے سکتا ہے لیکن ذات نہیں دے سکتا۔ ذات صرف خدا ہی دے سکتا ہے۔

الحاصل اس نے ستر لیا اور چلا گیا اور تین دن تک اپنے پیر سے غائب رہا۔ ابھی تین دن نہ گزرے تھے کہ اپنے پیر کی شان میں بکو اس کرنے لگا۔ کسی نے آکر پیر کو اطلاع دے دی کہ آپ کا فلاں مرید آپ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ پیر نے تغافل بڑتا۔ لیکن اس پر آزمائش کا وقت آتا رہا۔ چنانچہ اسی گمراہی اور تاریکی میں اس نے کچھ عرصہ گزارا کہ ایک قافلہ آیا اور یہ اس کے ساتھ بحری سفر میں چلا گیا۔ وہاں جا کر قید ہو گیا، پھر عیسائی ہو گیا (خدا بچائے) یہ بد بختی اُسے اس لئے حاصل ہوئی کہ اس نے ستر کو قبل از وقت لیا چاہا جس کے عتاب میں وہ اسلام سے بھی محروم ہو گیا۔ ہم اللہ سے سلامتی چاہتے ہیں۔

**چوتھی حکایت** | ایک صاحب نے فرمایا: میں اور ایک اور آدمی دیہی بھائی تھے۔ ایک مرتبہ ہم نے یہ طے کیا کہ سفر کو نکلیں اور کسی اللہ کے دلی کی تلاش کریں جو ہمارا ہاتھ پکڑے اور ہمیں اللہ سبحانہ کے راستے پر پہلائے۔ چنانچہ ہم سیاحت کرتے رہے تاکہ اللہ نے ہمارے ملاقات اپنے ایک دلی سے کرادی۔ یہ بزرگ

ثرید (ایک قسم کا کھانا) کی دکان کرتے تھے چنانچہ ہم میں سے ایک آگ جلایا کرتا اور دوسرا ثرید تول کر گاہوں کو دیا کرتا اور شیخ ثرید پکایا کرتے۔ ہم مدت تک یہی کرتے رہے۔ پھر شیخ کی موت کا وقت فریب آگیا اور ایک بار تو اُس کے حواس بھی جاتے رہے۔ دینی بھائی نے آکر شیخ سے درخواست کی کہ مجھے ستر عطا فرمائیں۔ شیخ نے فرمایا تو ابھی اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر کہا آپ کو ضرور دینا ہوگا۔ شیخ نے میری طرف دیکھا اور کہا کیا تو راضی ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت اگر آپ کی مرضی ہے تو میں بھی راضی ہوں۔ فرمایا: تو راضی ہو جا، خدا تمہیں اس کا بدلہ اپنے پاس سے دے گا چنانچہ میں راضی ہو گیا اور اس نے سرے لیا۔ دو دن کے بعد شیخ کی وفات ہو گئی اور میرا دینی بھائی اپنے وطن چلا گیا اور میں شیخ کی دکان پر خدمت کرتا رہا۔ جو کچھ کماتا اُسے شیخ کے گھر والوں پر صرف کرتا ان کی ایک بیوی تین لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا۔ میں دکان پر بارہ سال کام کرتا رہا اور مجھ میں اب بھی شیخ کی پہلی کی سی محبت تھی۔ اس میں ذرہ بھر بھی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ جب بارہ برس گذر گئے تو شیخ کی بیٹیوں کی شادیاں ہو گئیں اور وہ اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔ شیخ کا بیٹا مغرب کو چلا گیا اور شیخ کے بھائی نے ان کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ جن سے تعلق تھا کوئی بھی نہ رہا۔ میں کچھ تنگ دل سا ہوا اور اپنے وطن واپس آنے کا ارادہ کیا۔ جو کچھ میرے پاس تھا میں نے بیچ ڈالا اور سامانِ سفر تیار کر لیا۔ اب صرف شیخ کی قبر کی زیارت کرنی رہ گئی تھی۔ جب میں شیخ کی قبر کی زیارت کے لئے گیا اور یہ آبادی سے دُور ایک وحشت ناک جگہ پر تھی۔ زیارت کرنے کے بعد واپس آنے لگا تو میرے دل نے کہا: افسوس کیا تو ہمیشہ کے لئے اپنے شیخ کی قبر کو چھوڑ کر جا رہا ہے؟ میرے دل میں شیخ کے لئے ولولہ پیدا ہوا۔ چنانچہ میں واپس آگیا اور کچھ دیر اور وہاں رہا۔ پھر واپس آنے لگا تو دوبارہ مجھ پر دہشت طاری ہوئی۔ پھر واپس آیا اور زوال تک وہاں رہا۔ پھر لوٹنے کا ارادہ کیا تو وہی پہلی کی سی حالت ہوئی اس پر میں رات ہونے تک وہاں رہا۔ میں شیخ کی محبت کی وجہ سے رورہا تھا۔ پھر میں نے قبر پر ہی رات گزار لی اور میری بے چینی اور شیخ کی محبت بڑھتی گئی یہاں تک کہ فجر ہو گئی۔ اُس وقت حضرت خضر تشریف لائے اور مجھے ذکر تلقین فرمایا اور اللہ نے فتح (شرح صدر) نصیب کی اور میں اپنے وطن کو روانہ ہوا راستہ میں اپنے دینی بھائی کے وطن سے گذر ہوا۔ جب میں اس شہر میں پہنچا تو دیکھا کہ لوگ ایک شخص کو جلائے کے لئے ایندھن جمع کر رہے ہیں۔ میں اس شخص کو دیکھنے کے لئے گیا، دیکھا تو وہی میرا دینی بھائی تھا۔ میں نے ایندھن جمع کرنے والوں سے پوچھا کہ اس نے کیا تصور کیا ہے؟ کتنے لگے یہ ایسے ایسے کہتا ہے، یعنی اسرارِ الہیہ میں سے ایک راز کا اس نے افشاء کیا ہے جس کی عقولِ عامہ متحمل نہ ہو سکیں۔ انہوں نے علماء سے استفتاء کیا اور علماء نے اس کے جلائے کا فتویٰ دیا۔ میں اپنے بھائی کی طرف آگے بڑھا۔ میں نے تو اُسے پہچان لیا تھا لیکن وہ اپنی مصیبت کی وجہ سے مجھے نہ

عہ مقصد یہ تھا کہ اصل حقدار اور اہل تو ہے لیکن تیرا مطالبہ نہیں اس لئے اگر تو راضی ہو تو اُسے دیا جائے۔

پہچان سکا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ تجھے کس لئے جلا رہے ہیں؟ کہا انہوں نے مجھے ایسے ایسے کہتے سنا ہے اور میں نے تو سچی بات کہی ہے۔ میں نے کہا کیا تو نے اس کے علاوہ بھی کچھ کہا ہے، کہنے لگا نہیں۔ اور کچھ بھی نہیں کہا۔ اب میں نے مجمع کی طرف منہ کر کے کہا: جب تک میں سلطان کے پاس سے واپس نہ آ جاؤں اس دخت تک تم ہاتھ روکے رکھنا۔ میں سلطان کے پاس اس کے متعلق بات کرنے جا رہا ہوں میں سلطان سے عرض کروں گا کہ اس شخص پر قتل کا حکم صحیح نہیں۔ لہذا تم میرے آنے تک صبر کرو اور اگر کسی نے کوئی کارروائی کی تو اس کی اپنی جان کی خیر نہیں کیوں کہ مجھے امید ہے کہ جب میں سلطان سے بات کروں گا تو وہ ضرور اپنا حکم واپس لے لیں گے۔ سب نے کہا بہتر۔ جب تک آپ واپس نہ آئیں گے، ہم کچھ نہ کریں گے۔ چنانچہ میں سلطان کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ علماء اس کے پاس ہیں اور اسی شخص کا تذکرہ ہو رہا ہے اور اسکو اسکے قتل پر ابھار رہے ہیں۔ میں نے عرض کی: والاحباہ! خدا آپ کا ناصر و مددگار ہو اور ہر معاملہ میں آپ کو اپنے محبوب و پسندیدہ راستہ پر چلانا رہے۔ دیکھیے ہر انسان پر تین سو چھیاسٹھ فرشتے تعینات ہیں جو شخص کسی ایک ذات کو بھی ناحق قتل کرے گا تو مقتول کی ذات کے فرشتوں کی اتنی کثیر تعداد کا اس کے سوا کوئی مشغلہ نہیں ہوتا کہ قاتل پر لعنت کرتے رہیں کہ اس نے ذات کو قتل کر کے ان کو بلا وجہ باہر نکالا ہے۔

۱۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں کی دعا مقبول و مستجاب ہے۔ لہذا والاحباہ کو اس بددعا سے بچنا چاہیے۔ مزید برآں ہر ذات پر سات ہزار فرشتے بغير من محافطونہ دکتا بت اعمال تعینات ہیں۔ پس جب کوئی ذات بلا وجہ قتل کی جائے تو ان فرشتوں کا اب ریت ہی رہا ہوتا ہے کہ مقتول کے اعمال نامہ سے اس کی خطاؤں کو منتقل کر کے قاتل کے اعمال نامہ میں لکھ دیں اور قاتل نے جو بھی عمل نیک کیا ہو وہ اس کے اعمال نامہ سے منتقل کر کے مقتول کے اعمال نامہ میں درج کریں۔ قاتل کے مرتے دم تک ان کا یہی شغل رہتا ہے۔ پھر اس کے مرنے کے بعد اس کی بدیوں کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور فرشتوں کا ذکر بارش کا حکم رکھتا ہے۔ ہر ذکر کے ساتھ خیر نازل ہوتی ہے لیکن اگر کسی کا بدی سے نام لیں تو اس پر برائی نازل ہوتی ہے لہذا مقتول کا تذکرہ بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں اور اس پر خیر و برکت کا نزول ہوتا رہتا ہے اور قاتل کا تذکرہ برائی کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اور اس پر آفات برستی رہتی ہیں۔ اسے بادشاہ کیا آپ اس سے نہیں ڈرتے؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ ان علماء نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ انہوں نے قتل کا فتویٰ دینے میں جلدی کی ہے۔ انہیں چاہیے تھا کہ اس کے لفظ اور نیت دونوں پر غور کر لیتے۔ اگر الفاظ اس کے قتل کا تقاضا کرتے ہوں تو اس کی نیت و مراد معلوم کی جاتی ہے۔ اگر اس کی نیت صحیح ہوئی تو اس پر قتل کا حکم نہیں لگ سکتا تھا۔ لہذا کسی کو بھیج کر اس شخص کو بلوایا جائے اور اس کی نیت معلوم کر لی جائے۔ علماء نے کہا ہاں بالکل ٹھیک ہے اور ہمیں اس پر ضرور عمل کرنا چاہیے چنانچہ اُسے بلا لایا اور اس سے پوچھا گیا کہ تمہاری اس سے کیا مراد تھی؟ دیکھا تو اس کی مراد درست تھی جس سے اس پر قتل کا حکم نہ لیا جاسکتا تھا لہذا اسے رہا کر دیا گیا۔



میں نے حضرت دباغ سے دریافت کیا کہ رہا ہونے کے بعد کیا ہوا؟ فرمایا جس بھائی نے اُسے رہا کر لیا تھا اسی نے اس کا سر سلب کر دیا اور اسے منجمد عوام کے بنا دیا اور تمام وہ ستر جو شیخ نے اسے عطا کیا تھا، اُس سے لے لیا۔

میں نے عرض کیا کہ پہلے اور دوسرے قصہ والوں کا قتل ہونے کے بعد کیا انجام ہوا۔ فرمایا: اُن کی موت ولایت پر ہوئی مگر تیسری حکایت والا کفر پر مرا۔

**پانچویں حکایت** | ایک نے کہا۔ میرا ایک مرید تھا جو بارہ برس سے میری خدمت کر رہا تھا۔ مرید سنی اور صاحب کرم بھی تھا۔ اس نے مجھ پر اور اپنے عزیز برادرانِ طریقت پر ایک بھاری رقم خرچ کر دی تھی۔ میرا ایک بھائی شاہی ملازم تھا۔ ایک مرتبہ سلطان اس پر ناراض ہو گیا اور اُسے اس قدر بھاری جرمانہ کر دیا جس کے ادا کرنے کی اس میں طاقت نہ تھی۔ چونکہ عام لوگ میری تعظیم و تکریم کرتے تھے اس لئے حکومت مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا سکی۔ مرید نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر کہا کہ حضرت یا تو مجھے ستر عطا کر دیجئے یا جو رقم کثیر میں نے آپ پر اور آپ کے ساتھی فقیروں پر خرچ کی ہے وہ سب ادا کیجئے ورنہ تجھے حکومت میں بلا لیں گے۔ ان تینوں میں سے جو بات پسند ہو اختیار کر لیں۔ میں نے کہا: ارے اللہ سے ڈر۔ اللہ تعالیٰ تجھے عنقریب ستر عطا کر دے گا۔ جیسا کہ تو چاہتا ہے بلکہ تمہاری توقع سے بھی زیادہ۔ اگر تجھے میرے کلام میں شک ہو تو میں اللہ کا عہد و میثاق دیتا ہوں۔ مگر میری باتوں سے اس کی سرکشی اور میری ایذا رسانی پر برا لگنیتگی اور بھی زیادہ ہو گئی اور کہنے لگا خدا کی قسم جب تک تمام وہ رقم جو میں نے تم پر خرچ کی ہے نہ دوگے، نہیں چھوڑوں گا ورنہ تجھے حکومت میں بلاوں گا اور اگر حکومت کو پتہ چل جاتا تو مجھے نہ چھوڑتے۔ اس نے لمبھرتی سابق مجھ سے کلام کیا اور وہی الفاظ دہراتا گیا۔ پھر میں نے سر بسجود ہو کر اس کے لئے ستر کی دعا کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے ستر عطا فرما دیا۔ ابھی تھوڑے دن ہی گزرے تھے کہ اسے ایک چیز دکھائی دی جس کو اللہ نے تمام بندوں کی عقلوں سے مخفی رکھا تھا۔ کیونکہ وہ اُسے برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ شخص لازم کی باتیں لوگوں سے بیان کرنے لگا۔ لوگوں نے اس سے یہ باتیں سُن کر اس کے خلاف شہادتیں دیں اور اسی وقت اسے قتل کر دیا۔ اور اگر وہ صبر کرتا یہاں تک کہ اسے ستر ذات حاصل ہوتا جس سے ستر ولایت ہمیشہ ساتھ رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے توفیق بخشتا۔ اور اسرار ولایت کا کہیں تذکرہ نہ کرتا لیکن جب اس نے عجلت کی تو اللہ نے اسے سزا دی۔ اس پر میں نے حضرت شیخ سے پوچھا یہ شخص کس حال پر مرا، فرمایا۔ ولایت ہی پر مرا۔ اس پر میں نے اللہ کا شکر یہ ادا کیا۔

ع اصل کتاب میں مخزن کا لفظ ہے جو مراکشی زبان میں حکومت (Government) کے معنوں میں متعمل ہے (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ مقالہ مخزن)

جو اسرار ان لوگوں کی موت کا سبب بنے ہیں نے اپنے شیخ سے سب سے تھے مگر ان کو اس لئے  
تحریر نہیں کیا کہ یہ وہ اسرار الہیہ ہیں جو قابل بیان نہیں ہیں۔  
اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں کے کرنے کی توفیق دے جنہیں وہ پسند کرتا ہے۔ ہمارے شیخ  
کی برکت سے اور اس کی پاک نسب کی برکت سے آمین۔  
ہم اتنی ہی حکایات پر اکتفا کرتے ہیں، تاکہ لوگ اکتانہ جائیں۔ خدا توفیق دینے والا ہے۔

## تیسری فصل

شیخ کی بعض کرامات کا بیان

یاد رکھیں کہ ہمارے شیخ عجیب و غریب ہستی تھے اور ایسے انسان کو کرامت کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ  
آپ تو مجسم کرامت تھے کیونکہ باوجود اُمّی شخص ہونے کے کہ قرآن تک بھی حفظ نہ تھا چہ جائیکہ کوئی علم پڑھا ہو  
اور باوجودیکہ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کسی مجلس درس میں آپ کو دیکھا نہ گیا تھا پھر بھی ایسے علوم پر بحث  
کرتے تھے جن پر بحث کرنے سے بڑے بڑے فاضل بھی قاصر ہوں اور جو کچھ بھی فرماتے معقول و منقول  
کے مطابق ہوتا۔

کرامت اول | سب سے پہلے ہم اس کرامت کا ذکر کرتے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں اور وہ صحیح  
سلامت عقیدہ | العقیدہ ہونا ہے۔ جب مجھے آپ کی صحبت نصیب ہوئی تو میں نے آپ سے توحید کے متعلق  
آپ کا عقیدہ دریافت کیا۔ آپ نے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان فرمایا اور اس میں سے ایک بات بھی نہ  
چھوڑی۔ ایک بار فرمایا کسی بندہ کو فتح (کشف صدر) نصیب ہی تب ہوتی ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت  
کے عقیدہ پر ہو اور اللہ کا کوئی ولی بھی کسی دوسرے عقیدہ کا نہیں ہوا۔ اور اگر فتح سے پہلے کسی دوسرے عقیدہ  
پر تھا بھی تو فتح کے بعد اس کے لئے اس عقیدہ سے توبہ کرنا اور اہل سنت کے عقیدہ پر آنا ضروری ہے۔  
میں (احمد بن المبارک) کہتا ہوں کہ بدرالدین زرکشی نے تاج الدین السبکی کی کتاب جمع الجوامع کی شرح میں

ع۱ بدرالدین زرکشی: بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشی شافعی بزرگ ہیں۔ ان کی وفات ۷۹۴ھ = ۱۳۹۱ء میں ہوئی۔ انہوں نے  
تاج الدین سبکی کی کتاب جمع الجوامع کی شرح لکھی ہے جس کا نام تشنیف المسامح رکھا (کشف الظنون ۳۰۵)  
ع۲ ابو نصر عبدالوہاب بن علی تاج الدین سبکی ۷۲۴ھ = ۱۳۲۵ء میں پیدا ہوئے اور ۷۸۱ھ = ۱۳۷۹ء میں وفات  
پائی۔ یہ شافعی بزرگ تھے اور انہوں نے بہت سی تصانیف کیں۔ ان کی جمع الجوامع اصول فقہ کی کتاب ہے۔

ایسا ہی ذکر کیا ہے۔

میں نے حضرت ممدوح کو ہمیشہ اہل سنت کی تعریف کرتے ہوئے سنا۔ فرماتے تھے کہ مجھے اہل سنت سے بہت زیادہ محبت ہے اور اللہ سے دعا مانگا کرتا ہوں کہ ان ہی کے عقیدہ پر وفات ہو۔

پھر میں ان سے دیگر مذہب والوں کے شبہات پیش کرتا۔ آپ ان شبہوں کو بڑی اچھی طرح سے سمجھ لیتے اور پھر اس طرح ان کا جواب دیتے گویا کہ کوئی اپنی آنکھوں سے تمام امور کو دیکھ رہا ہو۔ چنانچہ ہم نے امر بوبیت اور ستر الوہیت کی وہ وہ باتیں ان سے سنیں جو کبھی آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں اور نہ کبھی ہماری عقلوں پر ان کا گذر ہوا حالانکہ معقول و منقول کے حاصل کرنے میں اس قدر زور لگایا تھا، یہاں تک کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ توفیق بخشتا اور وہ ان باتوں کا آپ سے مذاکرہ کرتا اور اہل ہوا فرقوں کے شبہوں کے جواب سنتا تو اسے قوتِ ایمان حاصل ہو جاتی اور وہ اس قابل ہو جاتا کہ بہتر فرقوں کے شبہات کو حل کر سکتا۔

ایک مرتبہ کشف و عیان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ہم تو انہی باتوں پر ایمان لائے ہیں جنہیں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ کیا بے دیکھی چیز پر بھی کوئی ایمان لا سکتا ہے؟ اس لئے کہ وسواس تو بغیر دیکھے دور نہیں ہو سکتے۔

احادیثِ صفات | پھر میں نے آپ سے احادیثِ صفات کے متعلق دریافت کیا کہ سلف کے طریقے کے متعلق سوال کے مطابق ان میں "تفویض" واجب ہے یا تاویل "حبیبیا کہ متاخرین کا طریقہ ہے؟ فرمایا "تفویض" ہی ضروری ہے۔ شانِ خداوندی اس قدر عظیم ہے کہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اور نہ

عہ احادیثِ الصفات وہ احادیث ہیں جن میں اللہ کے ہاتھ، پاؤں آنکھ، انگلی وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق خدا کا کوئی جسم نہیں کہ اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ ہوں لیکن اس کے باوجود خود قرآن مجید میں بھی اور احادیث میں بھی اللہ کی طرف ہاتھ پاؤں وغیرہ منسوب کئے گئے ہیں۔ اس بارے میں محدثین کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک متقدمین کا اور دوسرا متاخرین کا۔ متقدمین نے معاملہ خدا اور رسول پر چھوڑا اور کہہ دیا کہ ہمیں علم نہیں ہم تو اسی طرح مانتے ہیں جیسا کہ ان احادیث میں آیا ہے۔ ان کی حقیقی کیفیت کا علم خدا کو ہی ہے۔ اسے "تفویض" کہتے ہیں یعنی "سعاۃ کو خدا کے سپرد کر دینا۔ متاخرین ان احادیث کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاتھ سے مراد قوت ہے۔ سینے سے مراد علم ہے وغیرہ اور یہ دونوں طریقے اہل سنت کے ہیں۔ حضرت سے یہی پوچھا گیا تھا کہ ان میں سے بہتر کون سا طریقہ ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سوال کون شخص کر رہا ہے۔ سوال کرنے والا ایک عالم ہے اور پھر ہے بھی اہل باطن میں سے۔ جواب دینے والا عورتِ زمان ہے لہذا ان کا جواب اہل دل کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ اب رہے عوام اور اہل ظاہر، ان کے لئے "تاویل" کا طریقہ زیادہ مناسب ہے۔ ۱۲

ہی اس کی کسی ایک بات کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔

جنت کی نعمتوں کی حقیقت | پھر فرمایا کہ اگر دنیا والے جنت کی نعمتوں کے متعلق جو کچھ بھی سنتے ہیں، اس دنیا والے معلوم نہیں کر سکتے | کی حقیقت کو دریافت کرنا چاہیں تو ان کے لئے یہ ممکن نہ ہوگا کیونکہ جنت کے

انگور دنیا کے انگوروں جیسے نہیں ہیں، نہ ہی وہاں کی کھجور یہاں کی کھجور کی سی اور نہ ہی سونا سونے جیسا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کی باطنی آنکھیں کھول دے اور وہ اہل جنت کے سونے اور دنیا کے سونے کو دیکھے، وہاں کے انگور اور دنیا کے انگور کو دیکھے تو ان کی حقیقت میں انتہا درجہ کا تفاوت پائے گا اور محض نام کے سوا ان میں کسی قسم کا اشتراک نہ ہوگا۔ اسی طرح دوسری زمین کے لوگوں کا حال ہے۔ دوسری دنیا کی نعمتوں کے متعلق کہ اگر ان کے سامنے مثلاً شہد، گھسی، اور ردنی وغیرہ کی چند کھانے کی چیزوں کا نام لیا جائے تو وہ شہد وغیرہ اشیاء کو بھی نہ سمجھ سکیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اشیاء دوسری زمین میں نہیں پائی جاتیں پس جب ایک حادثہ کا دوسرے حادثہ کے ساتھ یہ حال ہو تو قدیم سجانہ و تعالیٰ کا حادثہ کے ساتھ کیا پوچھنا۔ لہذا بندوں کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ "احادیث صفات" میں سے کوئی حدیث سنیں تو اللہ تعالیٰ کو ظاہری مفہوم سے جو (شرعاً) محال ہے منترہ سمجھیں اور اس کے حقیقی مفہوم کو اللہ کے سپرد کریں۔

احادیث صفات کے متعلق | میں کہتا ہوں کہ تفویض ہی مذہب ہے امام مالک سفیان عینیہ سفیان  
مؤلف کی تشریح | ثوری حماد بن زید حماد بن سلمہ، شعبہ، شریک، ابو عوانہ،  
ربیعہ، الادزاعی، ابو حنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل، ولید بن مسلم،

(۱) امام مالک: اہل سنت کے دوسرے امام مالک بن انس بن مالک بن انس۔ امام مالک مدینہ میں ۹۳ھ = ۶۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ حدیث کے امام ہیں۔ انہوں نے مدینہ ہی میں قیام کیا اور وہاں سے کسی دوسرے شہر میں نہیں گئے۔ ان کی وفات ۱۷۹ھ = ۷۹۵ء میں ہوئی۔

(۲) سفیان عینیہ: ابو محمد سفیان بن عیینہ کوفہ میں ۱۷۰ھ = ۷۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے چار برس کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور سات برس کی عمر میں حدیث مکمل کی۔ ان کا شمار کبار محدثین میں ہوتا ہے ۱۹۸ھ = ۸۱۲ء میں اکا نوے برس کی عمر میں مکہ میں وفات پائی۔

(۳) سفیان ثوری: سفیان بن سعید ثوری۔ انہیں حدیث کا امیر المومنین کہا جاتا ہے۔ ۹۶ھ = ۷۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۵۵ھ = ۷۷۲ء میں کوفہ سے بصرہ چلے گئے اور وہیں ۱۶۱ھ = ۷۷۶ء میں وفات پائی۔ نہایت ہی عابد و زاہد تھے۔

(۴) حماد بن زید: مشہور ثقہ ثوری اور عالم تھے۔ انہوں نے ثابت بنانی وغیرہ سے روایت حدیث کی اور ان سے عبداللہ بن مبارک اور دیگر محدثین نے یہ سنا لیا تھا ۱۹۵ھ = ۸۱۳ء میں وفات پائی۔

(۵) حماد بن سلمہ: حماد بن سلمہ بن زید مشہور بصرہ کے عالم حمید الطویل کے بھانجے تھے۔ انہوں نے بکثرت روایت حدیث کی۔ ان کی وفات ۱۶۶ھ = ۷۸۳ء میں ہوئی۔ (بقیہ حواشی صفحہ ۲۵)



بخاری، ترمذی، ابن المبارک، ابن ابی حاتم اور یونس بن عبدالاعلیٰ کا۔  
بقیہ صفحہ ۲۴

- (۶) شعبہ: شعبہ بن حجاج انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث والروایت کہا جاتا تھا۔ نہایت عابد و زاہد تھے۔ ان کے اقوال مشہور ہیں۔ ۱۶۰ھ = ۷۷۶ء میں ستائیس برس کی عمر میں وفات پائی۔
- (۷) شریک: شریک بن شہاب۔ ان کا شمار تابعین میں ہونا مگر یہ زیادہ مشہور نہیں ہیں ۱۴۰ھ = ۷۵۷ء میں وفات پائی۔
- (۸) ابو عوانہ: ابو عوانہ و صناع بن خالد البزاز حافظ حدیث اور ثقہ تھے۔ انہوں نے حسن بصری اور ابن سیرین سے ملاقات کی۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ان کی لکھی ہوئی حدیثیں صحیح ہیں مگر جب حافظہ سے حدیث بیان کرتے ہیں تو انہیں دہم پیدا ہو جاتا ہے۔ ۱۶۶ھ = ۷۸۲ء میں بصرہ میں ان کی وفات ہوئی۔ محدثین میں ایک اور حافظ حدیث ابو عوانہ ہیں۔ جن کا نام یعقوب بن اسحاق اسفرائینی ہے۔ انہوں نے ایک صحیح احادیث کی مسند مسلم کی صحیح کے طرز پر لکھی ہے۔ ان کی وفات ۳۱۶ھ = ۹۲۸ء میں ہوئی۔
- (۹) ربیعہ: ربیعہ بن ابی عبدالرحمن مدینہ کے فقہاء میں سے تھے۔ ان سے امام مالک نے روایت کی ہے ۱۳۶ھ بطابق ۷۵۳ء میں وفات پائی۔
- (۱۰) الاوزاعی: عبدالرحمن بن عمرو الاوزاعی ۱۵۸ھ = ۷۷۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۵۶ھ = ۷۷۳ء میں وفات پائی۔ ان کی وفات اس طرح ہوئی کہ یہ بردت میں حمام میں گئے اور حمام والا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ واپس آیا تو یہ مرے پڑے تھے۔ خلفاء ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔
- (۱۱) ابو حنیفہ: ابو حنیفہ نعمان بن ثابت ان کی پیدائش ۱۸۰ھ = ۷۹۹ء میں ہوئی اور ۱۵۰ھ = ۷۶۷ء میں وفات پائی۔ اہل سنت کے پہلے امام ہیں۔ اور ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ زہد و تقویٰ میں بے نظیر تھے۔
- (۱۲) شافعی: محمد بن ادریس شافعی۔ اہل سنت کے تیسرے امام ہیں۔ ۱۵۰ھ = ۷۶۷ء میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ = ۸۱۹ء میں وفات پائی۔ اتباع حدیث پر سختی سے کار بند تھے۔ ان کے مناقب بے شمار ہیں۔
- (۱۳) احمد بن حنبل: ابو عبداللہ احمد بن حنبل۔ اہل سنت کے چوتھے امام تھے۔ امام شافعی کے شاگرد تھے۔ علم و تقویٰ میں اپنے زمانے میں نظیر نہ رکھتے تھے ۱۶۴ھ = ۷۷۹ء میں اجناد میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ = ۸۵۵ء میں وفات پائی۔
- (۱۴) ولید بن مسلم: امام اور حافظ حدیث تھے۔ ان کی پیدائش ۱۱۹ھ = ۷۳۷ء میں ہوئی۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق وغیرہ نے ان سے روایت کی۔ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں کہ ان کے علم اور حافظہ میں کوئی کلام نہیں مگر یہ تذکرہ کرتے ہیں ۲ سی لئے جب تک صراحت سماع کا ذکر نہ کریں ان کی حدیث کو دلیل نہ سمجھنا چاہیے ۱۹۵ھ = ۸۱۱ء میں انکی وفات ہوئی۔
- (۱) بخاری: ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ۱۹۷ھ = ۸۰۸ء میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ = ۸۶۸ء میں وفات پائی۔ ان کی کتاب صحیح بخاری کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔ بڑے متقی اور زاہد عالم تھے۔
- (۲) ترمذی: محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۰۹ھ = ۸۲۴ء میں پیدا ہوئے اور ۲۷۹ھ = ۸۹۲ء میں منتر برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کی کتاب جامع ترمذی صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے۔
- (۳) ابن المبارک: عبداللہ بن المبارک۔ علماء ربانیین میں سے تھے۔ ان کی پیدائش ۲۱۶ھ = ۸۳۱ء میں ہوئی اور وفات ۲۸۶ھ = ۸۹۹ء میں۔
- (۴) ابن ابی حاتم: ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم۔ علوم اور معرفت رجال میں انہیں سمندر سمجھا جاتا تھا۔ زاہد تھے



الاوزاعی، مالک، بیٹ اور ان کے ہم عصر لوگ اور ان کے شاگردوں کا بھی یہی مسلک ہے۔ لہذا جس بات پر قرونِ ثلاثہ کے لوگ متفق ہوں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق تمام قروں سے بہتر و افضل ہیں تو اس پر اعتماد کیسے نہ کیا جائے۔ لہذا ہمارے شیخ کا عقیدہ وہی قرونِ ثلاثہ کے لوگوں کا عقیدہ ہے اور یہی سب سے بڑی کرامت ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ناصر الدین ابن المنیر کا قول ہے: صحیح عقیدہ پر استقامت ہی حتمی طور پر کرامت ہوتی ہے، برخلاف دیگر خوارق کے کیونکہ وہ کبھی رحمت ہوتے ہیں اور کبھی فتنہ۔

ان باتوں کے سننے کے بعد یاد رکھو کہ جس قدر کہ ہم نے حضرت شیخ کی کرامات اور کشف و کشف

ہیں وہ احاطہ سے باہر ہیں لہذا ہم یہاں کچھ توڑے سے ذکر کرتے ہیں۔

**دوسری کرامت** | شیخ سے ابھی میری ابتداء معرفت ہی تھی کہ میرا ایک بیٹا مر گیا۔ اس کی والدہ کو اس کا بہت غم ہوا۔ اس سے پہلے ایک اور بیٹا مر چکا تھا۔ میں نے اسے تسلی دینی شروع کی اور کہا میں نے خانقاہ مخفیہ کے بزرگ احمد بن عبداللہ کو کہتے ہوئے سنا کہ جب میں بچوں کو دیکھتا ہوں اور ان چہ آئندہ اُتیت والی مصیبتوں کو دیکھتا ہوں تو ان پر مجھے ہم آتا ہے لیکن جو بچے مر جاتے ہیں وہ انی مصائب سے بچ جاتے ہیں۔ اور تمہارا بچہ بھی مر گیا ہے لہذا وہ آئندہ کی مصیبتوں سے بچ گیا یا اسی طرح کی اور بتیں کہیں جن سے اسے تسلی ہو جائے اور اسے صبر آجائے۔ دوسرے دن صبح کے وقت میں حضرت کی خدمت میں گیا۔ فرمایا: تم نے کل رات اپنی بیوی سے ایسی ایسی بات کہی اور جو قول میں نے احمد بن عبداللہ کا نقل کیا تھا وہی دہرایا۔ میں سمجھ گیا کہ جو بات گھر کے اندر مجھ سے واقع ہوئی اُسے انہوں نے کشف سے معلوم کر لیا ہے

**تیسری کرامت** | حضرت مدوح سینہ کی کسی تکلیف کے سبب لونگ کھایا کرتے تھے لہذا ان سے لونگ کی خوشبو آیا کرتی تھی۔ جب میں ان کے پاس دن کے وقت ہوا تو اسے اکثر سونگھا کرتا۔ سب آپ سانس لیتے تو لونگ کی خوشبو سانس کے ساتھ ہی آیا کرتی پھر جب میں رات کو اپنے گھر میں ہوتا تو یہی خوشبو مجھے رات کو بھی آتی رہتی حالانکہ دروازے بند ہوتے اور حضرت مدوح راس الجنان کے محلہ میں ہوتے اور میرا مکان بکر انقر کے محلہ میں تھا اور یہ خوشبو کئی بار ہمیں آتی میں نے

علہ قرونِ ثلاثہ سے مراد صحابہ و تابعین، اور تبع تابعین کا زمانہ ہے۔

علہ بلا تشبیہ و تفسیر سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا کی ان صفات کی انسان یا غیر کے اعضاء تشبیہ نہیں دیتے اور نہ ہی دینی حیا ہے کیونکہ اللہ انسان کی طرف تو نہیں ہے اور نہ ہی اس کی تشریح کرتے ہیں۔

امام ناصر الدین علی بن محمد بن المنیر اسکندرائی انہوں نے دس ضخیم جلدوں میں بخاری کی شرح لکھی ہے۔ اور ابن بھو کی شرح پر حواشی لکھے ہیں۔ ان کی ایک اور کتاب اختصاف ہے۔

علہ ابوالحسن شاذلی فرماتے ہیں: ایمان اور اتباع سنت سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں ہو سکتی جسے یہ حاصل ہو جائے اور پھر وہ کسی اور چیز کے پیچھے پھرنے لگے تو وہ مغزی اور کذاب ہے (الانوار فی طبقات الاخیار ج ۲: ۶۰)

اس پر غور کیا اور اپنی بیوی سے اس کا ذکر کیا۔ اسے حضرت سے بڑی محبت تھی اور اسی طرح حضرت کو بھی اس سے بڑی محبت تھی۔ ایک مدت دراز تک یہ خوشبو آتی رہی۔ ایک دن میں نے حضرت سے ذکر کیا کہ آپ کی خوشبو رات کے وقت ہمیں آتی ہے اور ہم اکثر اسے سونگھتے رہتے ہیں کیا آپ ہمارے پاس ہوتے ہیں؟ فرمایا ”ہاں“ میں نے ہنسی کے طور پر کہا کہ میں خوشبو کو پکڑنے کے بہانے آپ کو پکڑ لیا کروں گا انہوں نے بھی ہنسی میں جواب دیا میں گھر کے کسی اور گوشہ میں ہوں گا۔ ایک بار پھر میں نے خوشبو کا ذکر کیا تو فرمایا یہ تو سونگھنا ہوا، شوق کہاں ہے۔ ایک مرتبہ مجھے فرمایا میں نہ دن کو نہ رات کو تم سے جدا ہوتا ہوں۔

ایک اور بار فرمایا: اگر ایک گھنٹہ میں پانچ سو مرتبہ تمہارا خیال نہ کرتا ہوں تو تو مجھے خدا کے ہاں پکڑ لینا۔

ایک بار میں نے عرض کیا اے میرے آقا میں نے خواب میں اپنے آپ کو اور آپ کو ایک ہی کپڑے میں دیکھا ہے۔ فرمایا یہ تو سچا خواب ہے۔ آپ کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ وہ کبھی بھی نہ دن میں نہ رات مجھ سے جدا نہیں ہوتے۔

ایک بار فرمایا: آج رات تمہارے پاس آؤں گا، ذرا دھیان رکھنا۔ جب رات کا آخری چھٹا حصہ ہوا اور میں کچھ سو رہا تھا، کچھ جاگ رہا تھا تو آپ آئے۔ جب آپ قریب آئے تو میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بوسہ دینے کا ارادہ کیا۔ جب میں نے آپ کے ہاتھ اور سر کو بوسہ دیا تو آپ غائب ہو گئے۔ جو تھی کرامت! ایک بار سلطان نے فرمان جاری کیا اور دو قاعد بھی ساتھ بھیجے تاکہ میں مکناسہ جا کر الریاض کی جامع مسجد میں امامت کراؤں۔ اس سے مجھے اس قدر پریشانی ہوئی جس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ حضرت کو اس کا علم ہوا تو فرمایا۔ ڈرو نہیں، جب تم مکناسہ جاؤ گے تو میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ لیکن ڈرو۔ سنے کی کوئی بات نہیں۔ جو بات سلطان چاہتا ہے وہ نہ ہوگی۔ میں ان دونوں قاعدوں کے ساتھ مکناسہ گیا۔ اللہ کی مرضی سے معاملہ خیر سے گذر گیا اور اسی طرح ہوا جس طرح کہ شیخ نے فرمایا تھا۔ میں فاس (فیض) میں اپنے گھر واپس آ گیا۔ جب میرے خسر نقیہ محمد بن عمر نے میری آمد کا سنا تو مجھے لکھا: تم مکناسہ گئے اور سلطان سے نہ ملے اور نہ باقاعدہ استعفا دیا۔ معلوم نہیں تم پر کیا عتاب نازل ہو۔ مناسب ہے کہ فوراً مکناسہ واپس جاؤ اور سلطان سے ملو۔

اور مسجد مذکورہ کی امامت پر رضامندی کا اظہار کرو۔ اس کے سوا کسی اور رائے پر عمل نہ کرنا۔ میں خط لے کر شیخ کے پاس آیا۔ فرمایا: اپنے گھر بیٹھے رہو۔ کسی قسم کا خطرہ نہیں اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ شیخ نے فرمایا تھا۔

یہ ایک عجیب و غریب کرامت ہے۔ اگر میں حکایت کو کھول کر بیان کروں تو اس کا انوکھا پن



ظاہر ہو جائے۔ یہاں تک کہ میں نے ایک قریبی دوست کو کہتے سنا کہ ہم نے اس سے عجیب تر بات نہیں دیکھی۔ سلطان نے تجھے بلا بھیجا اور تاکید بھی کی اور اپنے دو قاصد بھی بھیجے جو تجھے لے کر آئے۔ پھر تم نے اس سے ملاقات بھی نہیں کی اور سلطان کی پرواہ کئے بغیر فاس واپس چلے گئے۔ یہ عجیب بات ہے۔ اور یہ سب حضرت کی برکت تھی۔

**پانچویں کرامت** | میری بیوی حاملہ تھی۔ حضرت نے فرمایا: لڑکا ہوگا۔ جب لواں مہینہ ہوا اور اس کی عادت لوں مہینہ کی ابتدا میں بچہ جننے کی تھی۔ اسے درد اٹھا۔ ہم نے سمجھا کہ درد زہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ درد کسی اور مرض کا درد ہے۔ ولادت تو ابھی دور ہے۔ چنانچہ جیسا حضرت نے فرمایا تھا۔ ویسا ہی ہوا۔ **چھٹی کرامت** | ایک دفعہ مولانا محمد میاں سے میری ملاقات ہوئی اور انہوں نے حضرت شیخ کے لئے چار موزوں لے دیے۔ اس کے بعد مجھے حضرت نے فرمایا محمد میاں بڑی چیز ہیں۔ جیب میں ہاتھ ڈالا تو بڑے موزوں نکلے لہذا ان کو لوٹا کر دوبارہ اچھے موزوں نکالے اور ہمیں دئے۔ میں مولانا محمد میاں سے ملا تو حضرت کا فرمان بیان کیا۔ کہا بالکل ٹھیک ہے۔ پہلے کھولے موزوں نکلے تھے میں نے ان کو لوٹا دیا اور پھر کھرے نکال کر پیش کئے۔

فقیر مذکور سے ایک روز باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک شخص کا ذکر ہوا جس کے بارے میں فقیر مذکور اچھی رائے رکھتے تھے۔ ان کے متعلق جو میں جانتا تھا وہ میں نے ذکر کر دیا۔ شیخ نے فرمایا جب تو نے اس شخص کے متعلق باتیں بیان کیں تو فقیر مذکور کی انتڑیاں بھی پیٹ میں نیک نیتی کی وجہ سے لرزنے لگ گئی تھیں۔ جب میری ملاقات فقیر مذکور سے ہوئی تو حضرت کا قول نقل کیا۔ کہا آپ نے سچ فرمایا ہے۔ ایسا ہی ہوا تھا۔

**ساتویں کرامت** | حضرت کا صاحبزادہ ادیس سخت بیمار پڑ گیا جس سے ان کی والدہ سخت فکر مند ہوئیں۔ ایک دن میں مغرب کے بعد گیا تو دیکھا کہ مرض کی شدت کی وجہ سے وہ کلام بھی نہ کر سکتا تھا۔ مجھے بھی فکر دامن گیر ہوئی۔ جب نکلا تو حضرت نے فرمایا کہ یہ اس مرض سے نہیں مرے گا اور یہ عنقریب صحت یاب ہوگا جیسا حضرت نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

اسی طرح کا واقعہ ان کی بیٹی فاطمہ سے پیش آیا۔ وہ بیمار پڑ گئی اور بیماری نے طول پکڑا۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا یہ مرے گی نہیں عنقریب صحت یاب ہوگی اور ایسا ہی ہوا۔ اسی طرح میں حضرت کے ساتھ محمد میاں کے بیٹے کی عیادت کے لئے گیا اور وہ سخت بیمار تھا۔ حضرت نے فرمایا وہ اس مرض سے نہیں مرے گا اور ایسا ہی ہوا۔

اسی طرح حاجی محمد بن علی بن عبدالعزیز بن علی المرابطی السجلماسی کا بیٹا بیمار پڑ گیا اور باپ بیٹے کی حیات سے مایوس ہو گیا۔ میں نے اس کا ذکر حضرت سے کیا جب کہ ہم جامع اندلس میں سے جمعہ

کی نماز پڑھ کر نکل رہے تھے اور باب الفتوح کی طرف جا رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا: کوئی بات نہیں۔ اس کی والدہ تو نہیں چاہتی کہ اس کا بیٹا مرے۔ اگر مر گیا تو ماں پر پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ لہذا یہ نہیں مرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ سب لوگ آج تک زندہ ہیں۔ اور آج ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۱ھ ہے۔

آٹھویں کرامت | ایک مرتبہ ہم قطب زماں عبدالسلام بن مشیش کی زیارت کے لئے گئے۔ ہم حضرت کے پاس ظہر کی نماز کے وقت پہنچے۔ ہمارا خیال تھا کہ آپ ہمیں اپنے پاس ٹھہرائیں گے۔ لیکن آپ نے فرمایا: سواریوں سے نہ اترنا۔ ہم شیخ کی زیارت کر کے ابھی واپس آتے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ کر شیخ عبدالسلام کی زیارت کے لئے گیا۔ کہنے لگے کیسی زیارت رہی اور کیا دعا مانگی۔ میں نے عرض کیا کہ اس بار تو میں محض آپ کے لئے دعا مانگتا رہا۔ جب سے زیارت کے لئے بیٹھا ہوں میں آپ ہی کے لئے دعاء خیر کر رہا ہوں اور میں نے اوروں کا تو ذکر ہی کیا، اپنے لئے بھی دعا نہیں مانگی۔ حضرت نے فرمایا اسی طرح ہم نے صرف تمہارے لئے دعا کی ہے کسی اور کے لئے نہیں کی۔ مجھے اس سے انتہائی خوشی ہوئی۔ واللہ اعلم۔

پھر ہم پہاڑ سے اترے تو میں شہر نظامون جانے کا حکم فرمایا۔ میں نے عرض کیا شہر تو دور ہے۔ ہم وہاں تک نہ پہنچ سکیں گے لیکن جو آپ فرمائیں وہی کیا جائے گا۔ آپ نے اصرار سے کہا تو ہم سمجھ گئے کہ آپ صبح بات ہی فرماتے ہیں۔ ہم سواریوں پر سوار ہوئے اور صبح طلوع ہونے تک چلتے رہے اور شہر نظامون میں داخل ہوئے۔ بس شہر میں گھسنا تھا کہ آسمان نے پکھالیں کھول دیں اور اس قدر زور کی بارش ہوئی کہ الہی پناہ۔ دو دن تک بارش جاری رہی۔ حضرت مجھے لے کر اس گھر کی چھت پر گئے جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ ابھی بارش ہو رہی تھی۔ فرمانے لگے کیا دیکھ رہے ہو بس قدر زور کی بارش ہو رہی ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا اسی لئے تو میں نے تمہیں رات بھر چلا یا تھا کیونکہ جب میں عبدالسلام کے مزار پر پہنچا تھا تو میں نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اگر ان سیڑھیوں میں یہ بارش آکر ہمیں گھیر لیتی تو ہمارا کیا حشر ہوتا۔ نہ ہمارے کھانے کے لئے کچھ ہمارے پاس تھا نہ جانوروں کے کھانے کے لئے اور یہ بارش متواتر رہتی میں نے عرض کیا پھر تو اگر موت سے بچ جاتے تو ہر طرح کی مشقت اٹھانی پڑتی۔ اس کے بعد میں نے آپ کا ہاتھ چوما اور عرض کیا اللہ آپ کو جزاء خیر دے۔ جب دو دن کے بعد ہم نظامون سے نکلے اور ابھی بارش انتہائی زور کی ہو رہی تھی۔ میں نے

۱۰ عبدالسلام بن مشیش: ابوالحسن شاذلی کے پیر تھے۔ ابوالطواجن نے بلاد مغرب میں انہیں قتل کر دیا تھا۔ (شحرانی: ۲: ۶)

عرض کیا کہ ہم بارش سے ہی تو بھاگتے تھے اور پھر اسی کی طرف لوٹ رہے ہیں لیکن آپ خاموش رہے۔ پھر ہم نکلے اور جانوروں کے لئے جو خریدنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت نے منع فرمادیا۔ آخر اسی زور کی بارش میں ہم نکل پڑے۔ ابھی ایک یا دو میل ہی چلے ہوں گے کہ بادل بھٹ گئے۔ ہوا ٹھہر گئی اور سورج نکل آیا اور موسم اچھا ہو گیا۔ ہمیں اس پر بڑا تعجب ہوا پھر جب عصر کا آدھا وقت گزر گیا۔ تو ہم نے عرض کیا کہ حضرت سوار یوں کا چارہ کہاں ہے؟ آپ نے رفقاء سے پوچھا کہ آبادی کتنی دور ہے؟ معلوم ہوا کہ اس قدر دور ہے کہ آدھی رات سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن آپ خاموش رہے اور ہم بھی ہر بات پر آپ کو لبتیک کہتے تھے۔ جب مغرب ہوئی تو فرمایا دائیں طرف کو مڑ چلو چنانچہ ہم راستہ چھوڑ کر دائیں طرف کو ہوئے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ غلہ کے کھلیان نظر آئے جنہیں ابھی ردنا نہ گیا تھا اور پاس ہی ایک پانی کا چشمہ بھی تھا۔ فرمایا یہاں اتر جاؤ خدا نے جانوروں کا چارہ بھیج دیا ہے۔ ہم نے ضرورت کے مطابق کھلیان میں سے لے لیا اور بڑے آرام سے رات گزاری۔ جب عشاء کا وقت قریب آیا تو کھلیان کا مالک آیا اور ہمیں دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ شیخ نے جس قدر کہ جانوروں نے کھایا تھا اس سے زیادہ قیمت ادا کر دی۔ اس پر کھلیان کا مالک بہت ہی زیادہ مسرور ہوا اور رات بھر ہمارے پاس رہا۔ اور ہمارے ساتھ ہی کھانا کھایا اور ایسا بن گیا جو یا ہمارا ساتھی ہے۔

اسی طرح کا واقعہ ایک بار اور پیش آیا۔ ہم شیخ عبدالسلام مذکور کی قبر کی زیارت کے لئے جا رہے تھے اور ابھی وہاں پہنچے نہ تھے۔ جب بنی زکار کی گھاٹی کو عبور کر لیا تو عصر کا وقت نکل چکا تھا۔ جو لوگ ہم سے پہلے اس گھاٹی کو عبور کر چکے تھے وہ پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ ہم نے عرض کیا کہ حضرت جو لوگ ہم سے پہلے آئے تھے وہ تو پڑاؤ ڈال چکے ہیں۔ فرمایا چلتے جاؤ۔ ہم نے پھر عرض کیا حضرت چلیں کیسے؟ نہ ہمیں راستہ معلوم نہ کوئی راستہ بتانے والا ہمارے ساتھ۔ فرمایا پھر بھی چلے چلو چنانچہ ہم چلتے گئے اور ان لوگوں کو جو پڑاؤ ڈال چکے تھے، وہیں چھوڑ بغیر کسی راہنما کے چل پڑے۔ ہم چلتے رہے اور اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں ڈال دیتا کہ اس راستہ پر چلو یہاں تک کہ پانی کے ایک چشمہ پر پہنچے جس کے پاس ہی غلہ کے کھلیان تھے۔ ہم کھلیانوں کے مالک سے ملے۔ اس نے ہمیں وہاں کھڑے کرنے کے لئے کہا اور ہم نے بڑے آرام سے رات گزاری۔ ہمارے جانور رات بھر بھوسہ کھاتے رہے اور جو قافلہ ہم سے پہلے گھائی پڑاؤ تھا ان کے جانوروں کو رات بھر بھوسہ نہ ملا۔

اس سفر میں حضرت کی زبان مبارک سے بڑے بڑے وقائع و حقائق سننے میں آئے۔ ان میں سے اکثر کا ذکر ہم نے اس کتاب میں کر دیا ہے۔ حضرت مدوح جب شہروں کا ذکر فرماتے تو ناواقف آدمی یوں سمجھتا کہ حضرت نے ان مقامات کا ضرور سفر کیا ہے سالانہ وہ محض کشف ہوتا۔ اکثر آپ دور دور کے مقامات کا سفر بغیر ہمبر کے کرتے اور ایسے چھوٹے راستوں پر چلتے جن کا اکثر لوگوں کو علم نہیں۔

ایک دن فقیہ علی بن عبداللہ الصباعی رحمہ اللہ سے جن کا گھر شرفاس سے چار منزل پر موضع صباغتا میں تھا، فرمایا کہ ایک بار میں گھوڑ سواروں کی جماعت کے ساتھ آنکلا اور فلاں فلاں موضع پر پہنچے حضرت نے اس جگہ کا نام بھی بتایا اور اس کی صورت و کیفیت بھی بتائی۔ اور میں تمہارے مرشد کے پاس بھی گیا۔ پھر ان کا حلیہ اور ان کے گھر کی ایسی کیفیت بیان کی جیسے کہ وہ ان کی نظروں کے سامنے ہے۔ اور گھوڑوں پر سوار ہونے کا ذکر محض کشف کو چھپانے کے لئے کیا تھا۔ شیخ علی فرماتے ہیں کہ حضرت نے بغیر کم و کاست اس طرح بیان کیا جس طرح کہ یہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ پھر فرمایا، جہاں تم گھوڑے باندھتے ہو، وہاں ایک ولی کبیر کی قبر ہے۔ وہاں گھوڑے مت باندھا کرو۔ اس کے بعد انھوں نے تحقیق کی تو اسے سچ پایا اور اس جگہ مزار بنا دیا گیا۔

میں نے حضرت کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ وہ ولی ہمارے آباد میں سے ہیں یعنی غوث تھے۔ اور یہ بات واضح طور پر فرمائی۔

ایک روز میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص زرا سے آیا جو ایک مشہور بستی ہے۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ زرا سے۔ حضرت اس بستی کا حلیہ اور اس کے مقامات و علامات بیان فرمانے لگے اور وہ شخص آپ کی تصدیق کرتا اور یوں سمجھتا رہا کہ حضرت وہاں جا چکے ہیں۔ جب وہ شخص اٹھ گیا تو میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ لوگ کشف کو پسند کرتے ہیں حالانکہ اس میں خود ولی کے لئے اور طالب کشف کے لئے بھی بڑی مضرت ہے۔ ولی کے لئے ضرر تو اس لئے ہے کہ اس میں ولی مشاہدہ حق کو چھوڑ کر مشاہدہ خلق کی طرف آتا ہے اور یہ چوٹی سے نیچے اترنے کی مثال ہے۔ کشف چاہنے والے کے لئے اس لئے کہ کشف و کرامت کا طالب وہی ہوتا ہے جس کی محبت سرسری ہوتی ہے اور جب ولی نے اس کا ساتھ دیا تو گویا اسے اسی اندھے پن پر رہنے دیا۔ ان دونوں باتوں کی تشریح انشاء اللہ آئندہ کتاب میں آئے گی۔

لویں کرامت | اسادات میں سے ایک شخص مجھ سے علوم و فنیقہ میں سے کوئی علم پڑھا کرتا تھا اور میں اپنی بساط کے مطابق اس کی تشریح کر دیا کرتا اور اسے بہت پسند آتی اور کہتا کہ کوئی فقیہ آپ جیسی تشریح نہیں کر سکتا۔ ایک بار میں اس کتاب کی تشریح کر رہا تھا کہ ایسا مسئلہ آگیا جس میں مصنف نے اسرار البتہ میں سے کسی ایک ستر کی بحث کی تھی۔ اس سید نے مجھ سے اس کا مطلب پوچھا۔ میں نے لا علمی ظاہر کی کیونکہ انشاء بستر سے ڈر لگتا تھا۔ لیکن اس کا شوق بڑھتا رہا اور میں نے کہا: اللہ کی قسم جب تک تو یہ وعدہ نہ کرے کہ جو کچھ تو مجھ سے سنے گا، اس کا کہیں بھی ذکر نہ کرے گا، نہ اپنے سے، نہ بیگانے سے، تب تک تشریح نہ کروں گا اس نے وعدہ کیا اور میں نے مطلب بیان کر دیا اور تمام اعتراضات جو پیدا ہوتے تھے ان کا بھی جواب دے دیا۔ یہاں تک کہ مسئلہ آفتاب کی طرح واضح ہو گیا۔ اس پر وہ



بہت خوش ہوا۔ میں نے اُسے کہا دیکھو اگر ہمارے حضرت سے ملنے کا اتفاق ہو اور پھر اس مسئلہ کا ذکر چھڑ جائے اور وہ تشریح فرمانے لگیں تو تو لاعلمی ظاہر کرنا اور ایسا بھولا بننا کہ گویا تم نے یہ مسئلہ کبھی سنا ہی نہیں۔ اس نے یہ بھی وعدہ کر لیا۔ پھر اتفاق سے اسی دن حضرت سے ملاقات ہو گئی تو سب سے پہلی بات آپ نے یہی کی کہ فلاں سید سے تم نے یہ گفتگو کی اور وہ مسئلہ بھی ذکر فرما دیا۔ میں نے عرض کیا ہاں لیکن میری نیت نیک ہی تھی۔ اس کے بعد میں حضرت کے خاطر مبارک کو ٹوٹا دیا کہ کہیں ناراض تو نہیں ہیں مگر الحمد للہ آپ کے خاطر مبارک کو دوزخ کی طرح صاف پایا۔

حضرت کے کشف لائنداد ہیں۔ ان کی کرامات کا ذکر کرنے کو تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے

اور حق بات یہ ہے کہ جو کچھ اس کتاب میں ہے وہ انہی کی کرامات ہیں۔

دسویں کرامت | یہ بھی آپ کی کرامت تھی کہ آپ کے کلام کا لوگوں کے دلوں پر اثر ہوتا تھا۔ ایک دن ایک فقہیہ آپ کے پاس آیا اور آپ سے درخواست کی کہ حضور دعا فرمادیں کہ میرے دل میں جو مسئلہ ہے اس پر فرمایا وسواس تو اسی وقت ہوتا ہے جب راستہ بند ہے۔ اگر کوئی شخص کسی شہر کے لئے جاتا ہو اور اس شہر کا سفر اختیار کرے تو وسوسے تو ضرور آئیں گے۔ کبھی خیال آئے گا کہ راستہ بند ہے اور وہ جاہل چل پڑے گا۔ پھر خیال آئے گا کہ نہیں راستہ ادھر کے ہے اور وہ جیران و پریشان رہ جائیگا کہ کدھر کو جائیں اور جو شخص راستہ کو جانتا ہو وہ راستہ پر بغیر تردد کے چلا جائیگا۔ پس دنیا و آخرت کا راستہ چونکہ راستہ ہی ہے اس لئے جس نے اس راستہ کو معلوم کر لیا اس لئے دنیا و آخرت کی جلائی حاصل کر لی۔ خدا اُسے عمدہ زندگی عطا کرے گا اور جو اس سے ناواقف ہوگا وہ اس کے برعکس ہوگا۔ آپ سے یہ اتفاق ہوا کہ میری یہ کیفیت ہو گئی کہ جب طبیعت کسی ضرورت سے لپکے اور میں غیر اللہ کو طرف نظر دیتی تو ایک اندرونی کشش اُسے پھیر کر اللہ کی طرف لے آتی۔ اللہ سے دعا ہے کہ معرفت کو انجام تک پہنچائے۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا۔ مومن جب سوتا ہے تو اللہ ہی کے دھیان میں سوتا ہے اور جب جاگتا ہے تو اللہ ہی کے دھیان میں جاگتا ہے۔ یہ بات سن کر اس کا مفہوم میرے قلب میں اتر گیا اور الحمد للہ کہ سوتے وقت بھی اللہ میرے دل میں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ بندہ کا خیال جب غیر اللہ کی طرف جاتا ہے تو اللہ جل جلالہ سے بے تعلق بن جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ایک طرف اللہ کی طرف لوٹ آتے ہیں کوئی دو پہر بعد اور کوئی اس سے بھی کم وقت میں اور کوئی اس سے زیادہ وقت میں۔ لہذا بندہ کو دیکھنا چاہیے کہ اس کے دل کا تعلق اللہ کے ساتھ کیسا ہے۔

آپ کے ان الفاظ نے میرے دل کے لئے لگام کا کام کیا۔ جب کبھی میرا دل غفلت کے سمندر میں آزاد پھرنا چاہتا تو یہ کلام اُسے کھینچ لیتا۔

اللہ کی معرفت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل نہ ہو اس وقت  
 علیہ وسلم کی معرفت ضروری ہے | تک اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی اور شیخ کی معرفت  
 کے بغیر سید الوجود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت حاصل نہیں ہوتی اور شیخ کی معرفت اس وقت تک  
 حاصل نہیں ہو سکتی جب تک تمام مخلوقات مرید کی نگاہ میں فنا نہ ہو جاوے۔ نہ کسی پر نظر جاوے نہ خیال۔  
 لہذا سب کو مردہ سمجھ اور اور کی طرف تمام توقعات کو منقطع کرے۔  
 آپ کے اس کلام سے اللہ نے مجھ پر بڑا کرم کیا۔ ہر قسم کی خیر و خوبی نصیب ہونے کا یہی وسیلہ  
 بنا۔

اس کلام کی تشریح بڑی لمبی ہے اگر اس کے پیچھے پڑیں تو بڑی دور نکل جائیں۔ اس لئے جتنا ذکر  
 کر دیا اتنا ہی کافی ہے۔

میں نے اپنے برادرانِ طریقت سے درخواست کی تھی کہ حضرت ممدوح کی کچھ کرامات جو انہوں نے  
 دیکھی ہوں مجھے لکھ بھیجیں۔ چنانچہ ان تحریروں میں ایک تحریر محمد بن احمد بن حنین الزیراری کی بھی تھی۔ انہیں  
 میں نے حضرت کے پیش کیا۔ آپ نے ان کی تصدیق فرمائی۔

## وہ کرامات و کشف جو محمد بن حنین زیراری سے درپیش آئیں

اللہ کے احسانات میں سے ایک فضل یہ ہے کہ جب میری ملاقات غوثِ زمان عبد العزیز بن  
 مسعود سے ہوئی اس وقت میرا دل تجارت، زراعت وغیرہ دنیاوی امور میں لگا ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے  
 لئے مجھے بہت کد کاوش کرنی پڑتی۔ دھیانِ دنیا کی طرف لگا رہتا اور آخرت کا خیال محض ایک خوابِ مفلح  
 مجھے اللہ تعالیٰ نے کچھ علم بھی عطا کیا تھا۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ محکمہ شہادت کی انٹرمی اختیار کر لوں  
 یا قاضی کا عہدہ حاصل کرنے کی کوشش کر لوں۔ والعیاذ باللہ۔ لیکن خدا نے مجھ پر رحم کیا اور ان سے  
 ملاقات کرادی اور اللہ نے میرا دل پاک کر دیا۔ یہ آپ ہی کی برکت اور حسنِ سیاست کی وجہ سے تھا کیونکہ  
 سب ان سے ملا ہوں اور ان سے بیعت ہوا اور جو مرغن مہلک مجھے لگا ہوا تھا اُسے آپ نے دریافت کر لیا  
 تو مجھے حکم ہوا کہ کھیتی باڑی کے تمام بیل بیچ ڈالوں اور اس سے فلاں فلاں کام کروں اور انہوں نے  
 وہ کام کرنے کو کہا جو دنیاوی اسباب کے منافی نہ تھا اور درحقیقت ان کا مقصد اسبابِ دنیا کو میرے دل  
 سے مٹانا تھا۔ اس امام کے حسنِ سیاست کے قربانِ جائیں کہ جس حالتِ خبیثہ سے مجھے نکالنا  
 چاہتے تھے تو ایسے نکالتے کہ مجھے خبر بھی نہ ہوتی اور میں اپنے آپ کو پہلی حالت سے زیادہ عمدہ اور  
 احسن حالت میں پاتا اور پہلی حالت کا خبثت اور تاریکی نمایاں طور پر ظاہر ہو جاتی۔ اس امامِ عظیم کا  
 میرے ساتھ اور دیگر برادرانِ طریقت کے ساتھ ہی دستور ہے۔ چنانچہ اگر کوئی قبیح بات آپ میں دیکھیں

گے تو صراحتاً یہ نہ فرمائیں گے کہ اسے چھوڑ دو۔ یا یہ کہ اس پر تجھے برا بھلا کہیں یا یہ کہ اگر تو اس کام کو نہ چھوڑے تو تجھ سے بیزاری ظاہر کریں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کا نفس ان باتوں سے ابا کرتا ہے اور پھر یہ مخالفت کا سبب بن جاتا ہے۔ بلکہ تجھ سے مہربانی سے پیش آئیں گے اور تمہارے کام کی کسی حد تک تعریف بھی کریں گے۔ پھر آہستہ آہستہ تمہیں اپنے ساتھ چلا تے یہاں تک کہ تو اپنے نفس کو ایسی حالت میں پاتا جس پر تو پہلے نہ تھا اور پہلی حالت کو قبیح سمجھتا اور اس کے ساتھ تمہارا سینہ کھل جاتا۔ اور تجھے خوشی محسوس ہوتی جب بیوں کو بیچے ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ کھینتی کی محبت میرے دل سے نکل گئی بلکہ میں اسے برا سمجھنے لگ گیا۔ پھر آپ سنے تمام کتابوں کو بیچ دینے کا حکم دیا اور کہا کہ انہیں بیچ کر ایسا کام کروں جسے میرا دل چاہتا ہے اور جس سے مجھے خوشی ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد لوگوں سے مال کی طمع اور حرص سے میرا دل من پکڑا کہ اہل ثروت کی طرف نظر جاتی اور ان کے مال و دولت کو لالچ بھری نگاہوں سے دیکھتا۔ لیکن حضرت مجھے اس سے اور اونچا لے گئے یہاں تک کہ طمع کا تو ذکر ہی کیا مجھے نہ لوگوں سے کچھ نفع نظر آتا نہ نقصان۔

**حضرت کا ایک کشف** | ابھی ابتداء ملاقات ہی تھی کہ ایک دن مجھ سے پوچھا کیا تمہارے پاس کچھ گھی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں بہت ہے۔ فرمایا تھوڑا سا لے آنا۔ میں نے عرض کیا اچھا۔ میرے ایک پیر جہانی نے کہا: شاید کہ باقی ماندہ گھی ارزانی کے موسم تک نہ چل سکے۔ میں نے کہا، ہاں صحیح ہے۔ حضرت نے فرمایا کیا باقی ماندہ گھی فلاں وقت تک چل جائے گا؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا جتنا اس سے زائد ہو وہ لے آنا۔ چنانچہ میں لے آیا اور جب وہ وقت آیا تو ایک شخص جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا مجھے لوجہ اللہ گھی دے گیا۔ اور یہ گھی مجھے ارزانی کے موسم تک کافی ہو گیا۔

**دوسرا کشف** | میں اپنی غلہ کی فصل کی فروخت میں آپ سے مشورہ کر لیا کرتا تھا۔ تو ایک بار فرمایا فلاں مہینہ کی پانچ تاریخ کو جو کچھ بیچنا ہے، بیچ دینا۔ جب وہ مہینہ آیا تو اس ماہ کی پانچویں اور چھٹی تاریخ کو غلہ کی خوب فروخت ہوئی، لیکن جب ساتویں تاریخ ہوئی تو خوب بارش ہوئی جس سے غلہ سستا ہو گیا۔ والحمد للہ۔

**تیسرا کشف** | ایک مرتبہ میری ایک بیوی حاملہ تھی۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور حمل کا ذکر کیا، فرمایا لڑکا ہو گا جس کا نام احمد ہو گا۔ میں نے آکر بیوی سے ذکر کیا اور ایسا ہی ہوا۔

پھر میری دوسری بیوی کو غیرت آئی کہ سوکن نے لڑکا جنما ہے اور ابھی اس کی گد میں ایک شیر خوار لڑکی تھی۔ جسے اس نے قبل از وقت وودھ چھڑا دیا۔ اس امید پر کہ شاید حمل ہو جائے۔ میں نے اس پر اسے ملامت بھی کی۔ کہنے لگی میں حاملہ ہوں اور مجھے بچی کا خطرہ تھا اور اس نے اس بات پر قسم بھی کھائی۔ جب حضرت کی خدمت میں پہنچا تو یہ قصہ بیان کیا۔ فرمایا جھوٹ کہنتی ہے۔ حمل و دل کچھ بھی

نہیں ہے۔ میں نے واپس آکر کسب کی تو ایسا ہی پایا جیسا کہ حضرت نے فرمایا تھا۔ تین ماہ گزر جانے کے بعد پھر عمارت ہوئی تو فرمایا کہ بیوی کو مل ہے، میں نے عرض کیا حضرت مجھے تو علم نہیں ہے۔ فرمایا پندرہ دن سے محل قرار پا چکا ہے، اور انشاء اللہ لڑکا ہوگا۔ اس کا نام میرے نام پر عبد العزیز رکھنا اور اس کی شکل بھی انشاء اللہ میرے جیسی ہوگی۔ میں نے واپس آکر بیوی کو خبر دی۔ وہ خوش ہوئی۔ چنانچہ لڑکا پیدا ہوا اور اس کا چہرہ حضرت سے مشابہ تھا۔

پہنچنا کشف امیری پہلی بیوی کو پھر محل ہوا۔ میں نے حضرت سے اس کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا بیٹی ہوگی۔ اس کا نام میری والدہ کے نام پر انشاء اللہ رکھنا اور ایسا ہی ہوا۔ ہمارے ہاں ایک اور لڑکی آگئی اور اس کا نام حضرت کی والدہ کے نام پر فاطمہ رکھا۔

پانچواں کشف ایک روز میں ان کے پاس بیٹھا تھا اور مجھ سے خوش بھی کر رہے تھے فرمایا کیا تم نے فلاں کام کیا اور وہ ایک معصیت کا کوم تھا۔ میں نے عرض کیا نہیں کیونکہ میرا گمان ہی تھا۔ کہ میں نے نہیں کیا اس پر منس کر فرمایا فوراً غور کرو۔ میں نے قسم کھا کر عرض کیا کہ میں نے نہیں کیا۔ وہ سری بار کہا، پھر تیسری بار کہا، لیکن سب جو بھی بار کھنڈ لگاؤ اور وہاں تو وہ سب کچھ پورا ہو گیا۔ ایک دور دراز کے علاقہ میں جو فاس سے سات منزلیں پر ہے۔ میں نے وہ کام کیا تھا مجھے شرم آگیا اور آپ مجھے کئے۔ نہ پایا اب بھی قسم کھا کر کہو گے ہیں نے عرض کیا نہیں اور آپ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور عرض کی حضرت آپ کو کیسے اس کا علم ہو گیا، فرمایا کیا کوئی چیز اللہ سے مخفی ہو سکتی ہے اور یہی حال ان لوگوں کا ہے جنہیں اللہ اپنے اسرار پر مطلع کرے۔ پھر آپ نے چند ایسی باتیں بتلائی جو اس کام سے پہلے اور بعد کی تھیں اس پر میں نے آپ کے ہاتھ پر نیک بختی سے توبہ کی۔ واخیر للقد

چھٹا کشف ایک روز آپ کے سامنے کے رخ پر بیٹھا تھا اور آپ اپنے دامنے ہاتھ پر نیک لگانے خواب و بیداری کے درمیان میں ہوتے تھے کہ میرے ہاں میں ایک گناہ خصال آپ والیہ ذی اللہ۔ فوراً آپ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا کیا کہا ہے میں نے عرض کیا حضرت میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ فرمایا اپنے دل میں تم نے کیا کہا، مجھے بڑی شرم آئی اور میں نے توبہ کی۔

ساتواں کشف ایک رات خلوت میں اپنی بیوی کے ساتھ محبت کر رہا تھا اور وہ چمت لبتی ہوئی تھی کہ اس کی شرمگاہ پر میں نے قصداً نظر ڈالی۔ جب اُن کی زیارت کے لئے آیا اور حالانکہ میرے اور ان کے درمیان دو منزل کا فاصلہ تھا۔ مزاج کے طور پر فرماتے تھے: اے عبادِ دین عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا کیسا ہے؟ میں نے علماء کا قول نقل کر دیا کہ مکروہ ہے، فرمایا کیا تم ایسا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ اس لئے کہ میں اپنا واقعہ بھول گیا تھا۔ فرمایا حتیٰ کہ فلاں رات بھی نہیں کیا؟ مجھے اپنا فعل یاد آگیا اور مجھے شرم آگئی۔ فرمایا پھر ایسا نہ کرنا۔ اپنی نظر کعبہ کی طرف لگائے رکھو۔ ان شاء اللہ۔



**اکھواں کشف** | ایک مرتبہ کسی عذر کی بنا پر دونوں بیویاں اپنے اپنے گھر میں نہ سو سکیں اور انہیں میں نے ایک ہی گھر میں ایک رات جمع کیا۔ دونوں الگ الگ بستر سے پرسو گئیں اور میں الگ بستر سے پرسو گیا۔ اور ایک چوتھا بستر خالی رہا جس پر کوئی نہ سویا۔ رات کو جماع کی خواہش ہوئی اور میں خیال کر کے کہ دوسری سو رہی ہے۔ ایک سے جماع کیا۔ پھر تھوڑی دیر سوئے کہ بعد دوسری سے جماع کیا یہی خیال کر کے کہ پہلی سو رہی ہے۔ پھر جب آپ کی زیارت کے لئے آیا اور باوجود بیدار مسافرت کے میں اکثر آپ کے پاس آیا کرتا تھا۔ آپ نے کچھ سے مزاح فرمایا کہ لوگوں کی اس مسئلہ میں کیا راجی ہے کہ ایک شخص دو بیویوں کو ایک ہی مکان میں جمع کر کے ایک سے جماع کرے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ کا اشارہ میرے فعل کی طرف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو اس کا کیسے علم ہوا؟ فرمایا اور چہ سکتے بستر پر کون سو رہا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے نہیں دیکھا کہ وہ سو رہی ہے۔ تاہم نہ پہلی سو رہی ہوئی تھی نہ دوسری۔ اس کے علاوہ خواہ وہ سو بھی رہے وہ کتاب چھو سنا سب نہیں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ علماء کا یہ فتویٰ ہے اور میں ان سے تو بہ کرتا ہوں۔

**نواں کشف** | ایک مرتبہ دوران طریقت کے ساتھ آپ کے پاس پہنچا ہوا تھا اور سنا کہ آپ نے عتقاد گھر میں نہ تھیں۔ ہم یہ سمجھا کہ رفع حاجت کی ضرورت ہوئی۔ یہاں سے نکل کر دروازہ کے گھر کے دروازہ کے عین اٹھائے اور وہیں داخل ہوئے۔ اس کے لئے کی نگرانی تھی۔ ہم نے کچھ سوئے تھیں پر پڑ سکتی تھی۔ یکا یک آپ اُٹے اور بڑی تیزی سے اوپر گئے اور گھر کے دروازہ پر آکر اور پھر جلدی سے اُتر آئے۔ ہم نہ سمجھ سکے کہ آپ نے کیا کیا اور ہم حیران تھے کہ اچانک ان کی توجہ منور الشریف کے آئیں ہم سمجھ گئے کہ آپ نے دروازہ انہی کے لئے بند کیا تھا۔

**گرامتہ** | ایک بار آپ کی زیارت کے لئے آیا ہوا آپ میری طرف سے ایک فریاد فرمائی تھی یہاں تک کہ سوئے کا وقت آیا آپ نے فرمایا کہ یہاں اور خود اُٹے ہیں اور چہ سکتے ہیں۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک ہفتے گزری کہ رہا ہے۔ میرا بوجھ ہو کر میں میرا اور آپ کی سنس پڑے۔ ساتھ ساتھ آپ گھر کے نچلے حصہ میں اپنی خواہگاہ میں گئے۔ میں ہوا دیکھا کہ آپ نے اس کی تھی۔

عہ چونکہ شیخ کا کام مریدوں کی اصلاح کرنا اور ان کو ہر گز وہ بات نہ کہہ دینی اور ان کی حالت لانے سے ہوتا ہے۔ اس لئے ان باتوں کا ذکر کیا کہ اگرچہ یہ امور کہا گئے ہیں مگر ان سے بچنا چاہیے۔ ان سے منع کر دیا تاکہ اصلاح نفس ہو۔ مرید نے ان کو وہ چیزوں کا ذکر کر دیا ہے۔ علاوہ کہ وہ خود ان کا مرتکب ہوا تھا لیکن چونکہ مسئلہ اس لئے ہے اس لئے ان باتوں کی ہدایت کے لئے مؤلف کتاب نے یہاں یہ بات ذکر دی ہے۔

دسواں کشف | ایک مرتبہ برادرانِ طریقت کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کی زیارت کے لیے گیا۔ جب آپ کے پاس سے واپس لوٹے اور ہمارے پاس نہ کوئی ہتھیار تھا نہ کوئی اور ایسی چیز تھی جس سے چوروں کا دفعہ کر سکیں۔ ہم آبادی کا راستہ بھول گئے اور ایک چٹیل اور خطرے کی جگہ پر جہاں چوروں کا گھر تھا، رات گزارنی پڑی۔ ہمارے ساتھی سو گئے اور میں اور ساتھی رہ گیا دیکھا تو قریب ہی شیر کھڑا ہے۔ میں نے ساتھی سے کہا بتاؤ سانیور کو جگانا نہیں تاکہ کہیں وہ اچانک شیر کو دیکھ کر گھبرا نہ جائیں اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جنہیں معاملات کا تجربہ نہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی اُسے ہم سے دور کر دے۔ جب صبح قریب ہوئی اور ہم چھپنے لگے تو پاس ہی ایک خرگوش دیکھا لوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی مرے۔

پھر جب دوبارہ برادرانِ طریقت کے ساتھ آپ کی زیارت کے لیے آیا تو میں نہ سویا اور جانوروں پر پرہ دیتا رہا۔ جب آپ کے پاس آئے تو عرض کیا حضرت میں سونا چاہتا ہوں کیونکہ میں کل رات نہیں سویا۔ پوچھا کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ میرا دل دوسرے کو پسبانی کرتا رہا۔ فرمایا تمہاری پاسبانی سے کیا ہوتا ہے اور رات کے وقت کوئی درندہ آجائے تو اور آپ نے شیر والی رات کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے عرض کیا حضرت وہ کیسے؟ فرمایا کہ جب انداز وادی میں پہنچے تھے کیا تمہارے پاس تین آدمی نہیں آئے تھے؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا جب وہ پہاڑ پر پہنچے تو وہاں انہیں چار اور آدمی ملے جو قافلوں کے منتظر تھے تاکہ ان پر تو کہ ڈالیں۔ جب ان کے پاس پہنچے تو انہیں تمہاری خبر دی اور سالوں تک تمہارے پیچھے پیچھے بیٹھے تاکہ دیکھیں کہ تم کہاں رات گزارتے ہو۔ جب تم رات گزارنے کے لیے کھڑے ہو تو وہ تمہارے سو جانے کا انتظار کرتے رہے۔ جب انہوں نے خیال کر لیا کہ اب سو گئے ہوں گے۔ تم پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے آئے لیکن تمہارے قریب ایک شیر کو پایا۔ وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کریں۔ اگر شیر سے لڑتے ہیں تو لوگ بیدار ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ان کی طرف جاتے ہیں تو شیر ہمیں روکتا ہے۔ لہذا وہ تمہیں چھوڑ کر دوسرے قافلہ کی طرف چلے گئے۔ لیکن جب وہاں بھی کچھ نہ ملا تو دوسری طرف سے تمہاری طرف آئے۔ وہاں بھی شیر نے راستہ روکا اور اُسے ایک دوسرا شیر خیال کیا۔ ان میں ایک کتنے لگا کیا بات ہے کہ فلاں جہت سے آئے ہیں۔ تب بھی شیر نے ان کی حفاظت کی ہے، پھر دوسری جہت سے آئے ہیں تب بھی شیر نے ان کی حفاظت کی ہے۔ انہوں نے اس معاملہ کو سمجھا چاہا لیکن اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ پھر میں نے خرگوش کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا شیر میں انسانوں کی طرح مخوت ہوتی ہے۔ جیسا کہ انسان کے چہرہ پر بھی مخوتی ہے تو وہ اُسے اڑا دیتا ہے۔ یہی حال شیر کا ہے۔ جب وہ بیٹھا ہوا تھا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے پاس ہی ایک خرگوش ہے اور خرگوش نے

شیر کو نہ دیکھا تھا لہذا شیر نے اسے مار ڈالا۔

**گیارہواں کشف** | میں نے زیر ارضی عورت سے شادی کرنا چاہی۔ مجھے اس کی صفات معلوم نہ تھیں۔ آپ نے اس کی صفات بیان کیں جنہیں نکاح کے بعد میں نے ویسا ہی پایا اور اس کے بارے میں کچھ ایسے امور کا بھی ذکر کیا جن کا اللہ کے سوا کسی اور کو علم نہ تھا۔ پھر جب شب زفاف آئی، فرمایا آج رات میں تمہارے پاس ہوں گا۔ میں نے عرض کیا مجھے اس کا کیسے علم ہوگا فرمایا میں کوئی ایسا فعل کریں گا جس میں اس کی علامت پائی جائے۔ پھر جب میں بیوی کے پاس گیا اور ابھی کچھ باتیں کی تھیں کہ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کی ناک میں سے خون بہ رہا ہے۔ میں نے سبب دریافت کیا کہنے لگی کہ آپ نے ہی تو ناک پر مارا ہے۔ اس پر میں چپ رہا اور سمجھ گیا کہ یہ حضرت کا کام ہے۔ پھر جب میں آپ کی زیارت کے لیے گیا اور ان سے قصہ بیان کیا فرمایا: ہاں اگر یہ خون اس کی ناک سے نہ اترتا تو وہ بیمار پڑ جاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دُور سے آئی تھی اور دن ٹھنڈا تھا جس سے ناک میں خون جم گیا تھا۔

**بارہواں کشف** | ایک مرتبہ میں آپ کے ساتھ آپ کے گھر میں تھا آپ نیچے کچھ کام کر رہے تھے اندر میں اوپر اپنے سامنے کے مکان کی چھت کی طرف دیکھ رہا تھا کہ ایک عورت اوپر چڑھی۔ میں نے اس کے چہرے میں سرخی دیکھی۔ میں نے غور سے دیکھا کہ آیا یہ سرخی خون کی ہے یا رنگ کی۔ ابھی دیکھا ہی تھا کہ نیچے سے میری طرف نظر کر کے کہنے لگے: اللہ سے ڈرو یہ بدل نظر اور میرے سامنے؟ اور ہنسنے لگے۔

**تیرہواں کشف** | ایک بار آپ کی زیارت کے لیے خچر پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ جب ایک دشوار گزار مقام پر پہنچا تو میں خچر پر سے اتر گیا اور وہ خود چلتی رہی۔ جب وہ مقام گذر گیا اور میں نے پھر خچر پر سوار ہونا چاہا تو وہ خچر بھاگ گئی۔ میں نے زور زور سے پکارنا شروع کر دیا یا سیدہ مولائی عبدالعزیز اللہ نے کچھ لوگ پیدا کر دیے جنہوں نے خچر کو پکڑ لیا۔ جب آپ کے پاس پہنچا تو مسکرانے لگے اور فرمایا عبدالعزیز کیا کر سکتا ہے؟ تو فلاں جگہ پر تھا اور میں اس جگہ پر۔ ہاں اگر تمہارے پاس ہوتا تو ضرور تمہاری مدد کرتا۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ کے لیے ایک ہی بات ہے، خواہ آپ دُور ہوں، خواہ نزدیک۔

**گرامت** | ایک دن عبدالقادر فاسی کی خانقاہ میں قبہ کی دیوار سے تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا اور میرے سامنے ایک ستون تھا جس کے ساتھ کوئی شخص نہ بیٹھا تھا اور نہ ہی میرے اور ستون کے درمیان کوئی اور شخص تھا اور میں ذکر الہی میں مشغول تھا۔ کچھ دیر کے بعد میں حضرت کے گھر کی طرف آنے کے لیے اُٹھا۔ ابھی تھوڑے قدم ہی چلا ہوں گا کہ مجھے یاد آ گیا کہ میں کوئی چیز بھول آیا

ہوں چہرہ واپس آیا تو دیکھا کہ حضرت ستمون کے ساتھ کھڑے ہیں۔ حالانکہ مجھے یقین ہے کہ وہاں کوئی نہ تھا۔ میں نے عرض کیا حضور آپ کب سے یہاں ہیں؟ اور کب یہاں تشریف لائے ہیں؟ فرمایا جب سے تو فلاں ذکر کر رہا تھا۔ حالانکہ میں یہ ذکر اس وقت نہیں کرتا تھا اور میرے ساتھ والا آدمی بھی اُسے سن نہ سکتا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ ایسی حالت میں تھے جس میں وہ آنکھوں سے اوجھل تھے۔

چودھواں کشف | ایک بار ایک اجنبی عورت سے میرے نے ایسی بات کی جسے شریعت پسند نہیں کرتی۔ لیکن وہ معمولی سی بات تھی۔ ایک روز آپ کے پاس بیٹھا تھا اور عورتوں کا ذکر سو رہا تھا اور اُس عورت کا بھی ذکر آگیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ ذکر کیسے پھر گیا۔ آپ نے فوراً فرمایا: میں تمہارے اور اس عورت کے درمیان نیوا دھاک دکھاتا ہوں اور یہ کیوں ہے؟ مجھے وہ واقعہ یاد آگیا اور میں شرما گیا اور اس واقعہ کو پانچ سال گزر چکا تھے۔

پندرہواں کشف | ایک مرتبہ آپ سے فرزند وراثت کو مدد وغیرہ خریدنے میں مشورہ لیا۔ فرمایا جتنا تمہارے پاس سے کچھ سہارا ہو گا تو تمہاری ضرورت ہے۔ پھر تمہارے پاس سے کچھ سہارا ہو گا تو تمہاری ضرورت ہے۔ میں نے عرض کیا: ہاں، اگر میرے پاس سہارا ہو گا تو تمہاری ضرورت ہے۔ ایک دن اس عورت کی موجودگی میں میں سہارا لے کر آیا تو میرے پاس سے کچھ سہارا ہو گا تو تمہاری ضرورت ہے۔ میں نے لہنا۔ میں نہ سمجھ سکا کہ یا وہ یونہی اللہ سے پوچھ لیا ہے یا اسے کہنا ہے یا اسے کہنا ہے اور میں سمجھ رہا تھا کہ وہ سچ کہتا ہے۔ پھر میرے پاس سے کچھ سہارا ہو گا تو تمہاری ضرورت ہے۔ اور اُسے دوسری اور تیسری مرتبہ دہرایا۔ میں سمجھ گیا کہ تمہاری ضرورت ہے کہ وہ اسے پوچھ نہ کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سب فریفت کا وقت آیا وہ آئی اور میرے گھر پہنچ کر گئی ضرورت کر دیا حالانکہ اُسے میری حالت معلوم نہ ہو سکی تھی۔ پھر میرے پاس سے کچھ سہارا ہو گا تو تمہاری ضرورت ہے۔ میں نے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے شیخ کی برکت سے مجھے قس سے زیادہ شراعی عطا فرمائی۔

ایک اور کرامت | ایک مرتبہ ایک شخص نے کچھ رقم مجھے قرض دی اور بقیہ میرے پاس امانت رکھ گیا۔ کچھ عرصہ بعد اپنی امانت اور قرض دونوں وصول کرنے کے لیے آیا مگر میرے پاس اُس وقت کچھ نہ تھا کہ دے دوں۔ تو کوئی ایسی چیز تھی کہ بیچ کر قرض ادا کر دوں۔ میرا خیال تھا کہ کہیں دیر کے بعد اُسے ضرورت پڑے گی۔ میں نے اس کی امانت کو اُسے نکال کر دے دی اور دل میں حضرت شیخ کو یاد کرنے لگا کہ یہ قرض کا مطالبہ نہ کرے۔ وہ خاموش رہا اور اب تک بھی کچھ ہمیں گزر چکے ہیں۔ اس نے قرض کا مطالبہ نہیں کیا حالانکہ وہ آج بھی اسی نیت سے تھا کہ دونوں رقمیں لے کر جائے۔

عہ نیوا دھاک غلت اور معصیت کی مذمت ہے۔



یہاں پر محمد بن احمد بن حنین کی بیان کردہ کرامات و کشفون ختم ہوتے ہیں۔

## فقہ علی بن عبداللہ الصباعی کی بیان کردہ کرامات

فقہ علی بن عبداللہ الصباعی نے بھی جو کرامات دیکھیں وہ مجھے لکھ بھیجیں۔ میں نے انہیں ایک ایک حرف کر کے شیخ کے پیش کیا۔ آپ نے اقرار فرمایا اور تصدیق کی کیونکہ میرا ارادہ اس مجموعہ میں صرف ان کرامات کے ذکر کرنے کا ہے جو میں نے خود دیکھی ہوں یا میں نے حضرت سے خود سنی ہوں۔

فقہ علی بن عبداللہ کی عبارت یوں ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ دَحْدًا۔ یہ تحریر ان کرامات کے متعلق ہے

جو میں نے اپنے شیخ الامام الاستاذ الاکبر الغوث الاثہر سیدی و مولای عبدالعزیز ابن مولای مسعود جو فاس کے سادات میں سے ہیں اور جن کا نسب و بارغ کے نام سے مشہور ہے، سے دیکھیں۔

علی بن عبداللہ کی بیان کردہ پہلی کرامت | جب پہلی بار آپ کی زیارت ہوئی اور آپ کی صحبت میں بیٹھا اور بیعت کی تو گھر آنے کے دس دن بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ کسی ایک رشتہ دار کے ہاں ایک سخت معاملہ پیش آیا۔ کچھ لوگوں کو اس کا علم ہو گیا اور کچھ لوگ اس واقعہ پر موجود تھے جن کی تعداد چھوٹے بڑے اور مرد و عورت ملا کر تقریباً بیس ہوگی اور یہ ایک ایسا معاملہ تھا کہ اگر حکومت کو اس کا علم ہو جاتا تو تمام قبیلہ تباہ ہو جاتا۔ میں نے کھلے میدان میں جا کر بلند آواز سے تین مرتبہ پکارا "حضرت اس قبیلہ کی پروردہ پوشی کریں اور اس معاملہ کی آگ سے بچائیں" اور ایسا ہوا جیسا کہ اس معاملہ پر پہاڑ گر گیا۔ مے یا اسے سمندر میں پھینک دیا گیا ہے اور تمام وہ لوگ جنہیں اس بات کا علم تھا خاموش ہو گئے اور ایسے خاموش ہو گئے جیسے انہیں اس کا علم ہی نہیں ہے اور اگر کوئی پوشیدہ طور پر اس کا ذکر بھی کر بیٹھا تو لوگ اس کو جھوٹا قرار دیتے اور اللہ نے قبیلہ کو اور اس فعل کے کرنے والوں کو شیخ کی برکت سے بچالیا۔

دوسری کرامت | جب دوسری بار آپ کی خدمت میں آیا اور میں نے آپ کے مکاشفات دیکھے اور مشورہ کرنے والوں کو اچھی طرح جواب دیتے ہوئے سنا تو عرض کیا جو لوگ آپ کے قریب ہیں وہ کامیاب اور سعادت مند ہیں۔ کیونکہ جب کوئی معاملہ پیش آیا، آپ ان کے پاس موجود ہیں۔ لہذا وہ آپ سے مشورہ کر لیتے ہیں میں آپ سے چار دن کی مسافت پر ہوں، میں کیا کروں؟ اور اس سے مشورہ کروں؟ حضرت نے فرمایا جب کوئی معاملہ درپیش ہو اور تجھے سمجھ نہ آئے کہ تو کیا کرے تو جنگل میں چلے جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرو۔ ہر رکعت میں گیارہ مرتبہ سورہ

اخلاص پڑھو اور سلام پھیرنے کے بعد تین بار مجھے پکارو اور یہ اعتقاد رکھو کہ میں تمہارے پاس ہوں اور مجھ سے اس معاملہ میں مشورہ کرو۔ تجھے جواب مل جائے گا۔

اس کے بعد ایک مہم پیش آگئی اور مجھے اس کی سخت فکر ہوئی چنانچہ میں نے جنگل میں جا کر اسی طرح کیا جس طرح حضرت نے فرمایا تھا۔ تو آپ کی برکت سے معاملہ حل ہو گیا۔ اُس وقت برادرانِ طریقت شیخ کے پاس تھے اور میں آپ سے چاروں کی مسافت پر نکلا۔ اس کے بعد جب میں ان برادرانِ طریقت سے ملا تو انہوں نے کہا فلاں فلاں دن تم نے ایسا کیا ہے میں نے کہا ہاں۔ کہنے لگے ہم شیخ کے پاس تھے کہ آپ مہنسے اور فرمایا "مسکین علی بن عبداللہ کی یہ نیت ہے اور جنگل میں مجھے پکار رہا ہے۔ اور میں کہاں اور وہ کہاں؟ جب آپ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا آئندہ کبھی بھی کسی بات کا غم نہ کرنا خواہ ضرورت کس قدر بھی سخت کیوں نہ ہو۔ ان کے ان کلمات سے میرا تمام غم جاتا رہا چنانچہ جب کبھی کسی معاملہ میں مجھے غم لاحق ہونے لگتا تو غم سے پہلے ہی خدا اُسے آپ کی برکت سے آسان کر دیتا۔

میں نے عرض کیا دو رکعتوں کا مسئلہ خاص میرے لیے ہے یا ہر کسی کے لیے۔ فرمایا جو کوئی بھی ایسا کرنا چاہے، اسے اجازت ہے۔ اس پر میں نے اللہ کا شکر یہ ادا کیا۔

تبیسری کرامت | جب پہلی بار آیا اور آپ سے روانہ ہونے لگا اور اُس وقت رمضان کا آخر تھا۔ فرمایا بقر عید کے لیے ہمارے واسطے ایک مینڈھا لانا۔ میں نے عرض کیا اچھا۔ جب عید قریب آئی تو میں نے دو مینڈھے خریدے۔ اس وقت آپ کے پاس میرا ایک پر بھائی موجود تھا۔ اور میرے اور اس بھائی کے درمیان دو دن کی مسافت تھی، یعنی شیخ کی مسافت سے نصف۔ حضرت نے اسے کہا کہ فلاں شخص دو مینڈھے لے کر تمہارے پاس آئے گا۔ ایک کو تم قربانی کے لیے رکھ لینا اور دوسرا میرے پاس لے آنا۔ جب میں اس کے پاس آیا تو شیخ کا فرمان مجھے دیا۔ مجھے اس میں شک بھی نہ گذرا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ حضرت اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ میں نے اُسے کہا ان میں سے جو چاہیں اب لے لیں۔ کہا ہم ادنیٰ لیں گے اور عمدہ کو شیخ کی خدمت میں لے جائیں گے۔ ہم نے ادنیٰ کو وہیں چھوڑا اور جو بظاہر عمدہ تھا اُسے لے کر حضرت کے پاس آئے۔ جب حضرت نے مینڈھے کو دیکھا، فرمایا فلاں نے تم سے دھوکا کیا اُس نے عمدہ تو لے لیا اور تو ادنیٰ کو میرے لیے لایا ہے۔ میں نے عرض کیا ہمیں تو یہی عمدہ اور موٹا دکھائی دیا تھا۔ ارشاد فرمایا اس کی تو صرف ادھب میں چربی ہے۔ حالانکہ آپ نے مینڈھے کو ابھی دیکھا بھی نہ تھا۔ عید میں قربانی ہونے پر دونوں مینڈھے ایسے ہی نکلے جیسے حضرت نے فرمایا تھا۔

اور جب ہم ایک مینڈھے کو چھوڑ کر دوسرے کو لے کر روانہ ہونے لگے تو فکر ہوئی کہ

دوسرے کو لے کر کیے چلیں اور یہ ہمارے ساتھ کیے چل سکے گا حالانکہ ہم سوار ہیں۔ اللہ نے یہ بات بھی آسان کر دی کہ بکریوں کا ایک گلہ فاس کو جانے والا مل گیا۔ ہم میں سے صرف میرا علاقہ بھائی پیادہ چل رہا تھا۔ لہذا اسی کو مینڈھے کے ساتھ چھوڑا تاکہ گلہ کے ساتھ مینڈھے کو لے کر آئے۔ اور وہ ہم سے دو دن بعد پہنچا۔ شیخ نے اُسے دیکھ کر فرمایا تو ہمارے لیے مینڈھا بکرا آیا ہے، ہم نے تم کو لڑکا دیا۔ میں نے عرض کیا حضرت یہی تو اس کی خواہش تھی میرے بھائی کو اولاد کی بڑی خواہش تھی۔ اس کی بیوی ابھی چھوٹی عمر کی تھی اور پندرہ برس شادی ہوئے کو گذر چکے تھے لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی تھی اور وہ اولاد سے مایوس ہو چکی تھی اور وہ خاندان کو بانجھ ہونے کا الزام دیتی تھی۔ جب ہم نے مینڈھے کو ایک جگہ پر باندھ دیا اور شیخ ہمیں لے کر گھر کی طرف روانہ ہوئے اور یہ رات کا وقت تھا۔ جب چراغ کی روشنی میں میرے بھائی کو دیکھا۔ فرمایا میرے قریب آؤ۔ وہ قریب گیا اور اس کی پیشانی کھول کر تین مرتبہ کچھ کلمات پڑھے اور کہا: ارے فلاں یہ کوئی ہیچڑہ تو نہیں ہے۔ یہ الفاظ تین بار فرمائے اور پھر اُسے کہا لڑکے کا کیا نام رکھو گے عرض کیا آپ ہی رکھ دیں۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمایا اس کا نام رَحَال رکھنا۔ یہ نام نہ ہمارے قبیلہ میں تھا اور نہ ہمارے اجداد میں سے کسی کا یہ نام تھا۔ جو پادریانِ طریقت حاضر تھے ان میں سے ایک نے عرض کیا یہ انوکھا نام آپ کو کہاں سے مل گیا؟ آپ نے مسکرا کر فرمایا مجھے تو یہی دکھائی دیا ہے۔ جب واپس آئے تو دیکھا کہ بھائی کی بیوی کو حمل قرار پا چکا تھا اور اس سے پہلے اس کا کسی کو علم نہ تھا۔ چنانچہ بچہ ہوا اور اس کا نام شیخ کے فرمانے کے مطابق رَحَال رکھا گیا۔ لوگ اس نام سے تعجب کرتے۔ آپ نے تو اس کا نام رَحَال اس بات کی طرف اشارہ کرنے کی غرض سے رکھا تھا کہ یہ جلدی کوچ کر جائیگا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ وہ صرف تین سال زندہ رہنے کے بعد مر گیا۔ اس نام میں بھی آپ کی ایک اور کرامت پائی جاتی ہے۔

میں نے شیخ کو اُس شخص سے فرماتے ہوئے سنا کہ پہلی بار تو ہم نے تجھے رَحَال دیا تھا اور اب ہم تمہیں ایسا لڑکا دیں گے جو تمہارے پاس رہے گا اور کوچ نہیں کرے گا۔  
چوتھی کرامت | ایک روز ایک دوست کے ساتھ شکار کو گیا۔ اور مجھے شکار کا بہت شوق تھا۔ ہم نے اپنے گھر میں علی الصبح ناشتا کر لیا اور کھانا ساتھ لے بغیر نکل گئے۔ کیونکہ ہمیں خیال تھا کہ دیر نہ لگے گی۔ ہمیں پہاڑ کے دامن میں ہی کچھ بڑیاں دکھائی دیے جنہیں ہمارے ملک میں جلیڈ کہتے ہیں اور اس علاقہ میں بہت سے ہرن بھنے لیکن شکار کرتے کرتے دیر ہو گئی اور شام ہوتے تک ہمیں خوب بھوک لگ گئی۔ ہمیں کھانا ساتھ نہ لینے پر ندامت ہوئی۔ اس کے بعد جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، فرمایا بدھ کے روز شکار کے لیے بغیر کھانا ساتھ لے کیوں گئے تھے؟ تمہیں ایک آدمی بلا۔

اس نے تمہیں ٹولا مگر تمہارے پاس کھانے کو کچھ نہ پایا۔ پھر تمہیں پہاڑ کے دامن میں ایک ہڑیاں مل گیا۔ اور اس تمام شہر کا حال بیان کر دیا اور پہاڑ کا حال بھی بیان کیا اور فرمایا اس پہاڑ کی چوٹی پر پیلے جتنا پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ ہے۔ نہ تو وہ خشک ہوتا ہے اور نہ اپنی جگہ سے باہر نکل کر بہتا ہے۔ نہ کم ہوتا ہے اور نہ زیادہ۔ اور مجھے اس چشمہ کا علم ہی نہ تھا اور شکاری بھی بہت کم ہی پہاڑ کی چوٹی پر جاتے ہیں۔ جب حضرت کے پاس سے واپس آیا تو اس چشمہ کے متعلق لوگوں سے دریافت کیا۔ جو لوگ اس سے واقف تھے، انہوں نے ویسا ہی بیان کیا جیسا کہ حضرت نے فرمایا تھا۔

(مولف کتاب کہتا ہے) کہ جو شخص اسے ملا تھا اور اس نے ان کا سامان ٹولا تھا وہ شیخ خود تھے۔ میں نے حضرت سے اس شخص کی نسبت سوال کیا تھا اور حضرت نے مجھے اس کی تشریح کر دی تھی۔ میں نے حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کئی بار میں نے اوسیدی منصور نے اس چشمہ کے پاس نماز پڑھی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر ہے اور یہ جگہ اپنی بلندی کی وجہ سے ہمیں بہت پسند تھی۔

علی کہتے ہیں ایک بار انہوں نے میرے تمام علاقہ کی بیان کی اور حالانکہ آپ نے اسے کبھی دیکھا نہ تھا اور آپ بھی چار دن کی مسافت پر اور حقیقت بعینہ اسی طرح تھی جس طرح آپ نے بیان کی۔

پانچویں گرامت | ایک بار پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے ہمارے گھر کا حال بیان کرنا شروع کر دیا اور کہا تم فلاں جگہ پر گھوڑے کیوں باندھتے ہو؟ وہاں تمہارے گھوڑوں کے پاؤں کے پاس ایک دلی مدفون ہیں اور ہم نے کبھی قبر کا کوئی نشان نہ دیکھا تھا اور وہاں سے قبرستان بھی نصف میل دور تھا۔ پھر فرمایا تمہارے جانور باندھنے کی جگہ میں سات قبریں ہیں۔ اور وہاں جانور باندھنے سے کوئی حرج نہیں سولے اس قبر کے جو تمہارے گھوڑوں کے پاؤں کے پاس ہے۔ لہذا تم گھوڑوں کو وہاں سے ہٹا لو اور اس قبر کی تعظیم و توقیر کرو۔ وہاں کوئی جنگل بنا دو۔ جس سے گھوڑے اسے ایذا نہ پہنچا سکیں۔ برادرانِ طریقت میں سے ایک نے سوال کیا حضرت وہ صاحبِ قبر کن میں سے ہے۔ فرمایا وجدہ اور تلمسان کے درمیان رہنے والے عربوں میں سے ہے۔ جو صباغات میں رہا کرتا تھا اور وہ اسے ایک طالب علم سمجھتے تھے اور کسی کو ان کے دلی ہونے کی خبر نہ تھی اور جب مرا تو وہیں دفن ہو گیا۔ پھر ہم نے وجدہ اور تلمسان کے درمیان جو عرب تو میں رہتی ہیں ان کے نام لینے شروع کئے اور آپ نے نہ فرماتے گئے یہاں تک کہ جب آل رباح کا نام لیا تو فرمایا ہاں اپنی میں سے ہے۔ حالانکہ نہ کبھی آپ وہاں گئے اور نہ انہیں کبھی دیکھا۔ پھر فرمایا اگر تحقیق کرنا چاہتے ہو تو کدال لے کر کھود کر دیکھ لو۔ تحقیق ہو جائے گی۔



میں نے عرض کیا کہ جانوروں کے باندھنے کی جگہ میں وہ قبر کہاں پر ہے، فرمایا: تمہارے بیٹے کے گھر کے غزنی جانب اس تہ خانہ کے بالمقابل جو جانوروں کی جگہ کے دروازہ کی طرف آتا ہے۔ ہمارے وہاں تین تہ خانے تھے۔ جب گھر واپس آیا تو گھر والوں سے اس بات کا ذکر کیا اور کدال لے کر اس جگہ کو کھودا جو آپ نے بتلائی تھی تو بالکل حضرت کے ارشاد کے مطابق پایا اور لوگوں کو تعجب ہوا۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ باقی قبروں کو چھوڑ کر صرف اسی ولی کی قبر میں کیا خصوصیت ہے کہ اس کا تو احترام کیا جائے اور ان کا نہ کیا جائے۔ فرمایا کہ اس ولی کی روح آزاد ہے اور باقیوں کی روحیں بوزخ میں مقید ہیں۔ اور ان پر زمانہ بھی تقریباً تین سو سال کا گذر چکا ہے۔ میرا شبہ رفع ہو گیا۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ ذٰلِكَ۔

**تھپی کرامت** | ایک مرتبہ حضرت کی زیارت کے لیے میرا چچا زاد بھائی علال میرے ساتھ آیا جو کہ میرا نسبتی بھائی بھی ہوتا تھا۔ ہم آپ کے پاس آئے اور میرے چچا زاد بھائی کی بیوی حاملہ تھی۔ اس کی نیت یہ تھی کہ حضرت سے تنگ دستی کی شکایت کرے اور یہ اس کی پہلی ملاقات تھی۔ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا کیا تمہاری بیوی حاملہ ہے؟ عرض کیا: جی۔ حضرت نے فرمایا کیا تم پسند کرتے ہو ہو کہ تم کو لڑکی عطا ہو اور وہ رزق لے کر آوے۔ اس نے عرض کیا حضرت بڑی خوشی سے۔ ہم یہی تو چاہتے ہیں اور آپ نے اس میں دو باتیں جمع کر دیں۔ لڑکی کی پیدائش کی خبر اور رزق کی فراخی کی جو اس کی خواہش تھی۔ گھر پہنچے تو دیکھا کہ بیوی نے لڑکی جنی ہے اور وضع حمل کو سات دن گذر چکے تھے اور گھر والے سوچ رہے تھے کہ اس کا کیا نام رکھیں۔ حضرت نے اسے فرمایا تھا جب لڑکی پیدا ہوگی تو اس کا کیا نام رکھو گے؟ عرض کیا جیسے آپ کی مرضی ہو۔ حضرت نے اس کا نام خدیجہ رکھا تھا۔ اور ہمارے ہاں اس نام کا قطعاً رواج نہ تھا۔ لوگوں کو اس نام سے تعجب ہونے لگا۔ میں نے حضرت سے سوال کیا آپ نے اس کا نام خدیجہ کیسے رکھا، فرمایا کہ جس خوش نصیب کو بھی حق تعالیٰ نے فتح کبیر عطا فرمائی اور اس نے نکاح کرنے کا قصد کیا تو ایسی عورت کی جستجو کی جس کا نام خدیجہ ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ام المومنین سیدہ خدیجہ سے بڑی راحت حاصل ہوئی اور ان ہی کے پاس ہر قسم کی دنیوی اور دینی خوبیاں آپ کو عطا ہوئیں۔ اگر میرے ہاں ایک اور لڑکی پیدا ہو تو میں اس کا نام خدیجہ ہی رکھوں گا۔

**سالتواں کشف** | ایک مرتبہ آپ نے میری بیوی کے سر سے پاؤں تک کے ایک ایک عضو کر کے خواہ ظاہری عضو ہوں خواہ پوشیدہ بیان کر دیے اور وہ بیان بالکل درست تھا، یہاں تک کہ اگر میں بھی بیان کرنا چاہتا تو حضرت کی طرح بیان نہ کر سکتا اور اگر وہ خود بھی حضرت کے سامنے آتی تو آپ کے علم میں کوئی اضافہ نہ ہوتا۔ وہ آپ سے چار دن کی مسافت پر تھی اور آپ نے اُسے

کبھی دیکھا بھی نہ تھا۔

آٹھواں کشف و کرامت | مجھے نیند بہت آیا کرتی تھی۔ کبھی طلوع فجر کے وقت آنکھ کھل جاتی تو اس وقت بیوی سے مجامعت کرتا اور کبھی سوتے سوتے ہی فجر ہو جاتی۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے حاضرین سے فرمایا "فلاں شخص کے پاس جب بھی ہم گئے تو یا اس کو سوتا ہوا پایا یا وہ اس وقت بیوی سے مجامعت کر رہا ہوتا۔ کسی نے عرض کیا حضرت اس وقت میں سونا بہتر ہے یا مجامعت۔ فرمایا اس وقت مجامعت سونے سے افضل ہے۔ لیکن ادقاتِ صلوة میں مجامعت سے اگر حمل قرار پا جائے تو جو اولاد ہوگی وہ ماں باپ کی نافرمان ہوگی۔ میں نے اسی دن سے توبہ کی اور پھر ایسا نہیں کیا اور نہ ہی پھر اس وقت کبھی سویا۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے) کہ حضرت کا یہ فرمانا کہ اس وقت جو بچہ پیدا ہوگا عاق ہوگا، اس میں بھی حضرت کی ایک اور کرامت پائی جاتی ہے کیونکہ علی بن عبداللہ ہمیشہ اپنی اولاد کے نافرمان ہونے کی شکایت کرتے رہتے تھے اور ہم نے خود دیکھا ہے کہ ان کی اولاد ان سے بڑی بُری حرکتیں کرتی رہتی۔

نواں کشف | میں اپنی بیوی سے بہت چہل بازی کیا کرتا تھا اور اسے کئی طرح - کرتا۔ میں نے اس کا کچھ ذکر اپنے ایک پر بھائی سے کر دیا اور اس نے شکایت کے طور پر اس کا ذکر حضرت سے کر دیا۔ آپ سُن کر مسکرائے اور فرمایا اس نے تو تھوڑا سا ذکر کیا ہے وہ تو اور کچھ بھی کرتا ہے، وہ تو ایسا ایسا بھی کرتا ہے اور جو کچھ میں کیا کرتا تھا سب ذکر کر دیا اور میں سُن رہا تھا اور یہ ایسی باتیں تھیں جن کا ذکر کوئی شخص کسی سے نہیں کر سکتا اور ان کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہ تھا۔ پھر فرمایا یہی سنت ہے اور ایسا کرنے والے کو نیکیاں ملیں گی۔ مجھے یہ سُن کر خوشی ہوئی۔ والحمد للہ رب العالمین

تحریر کے وقت ہمیں اتنی ہی یاد تھیں۔ حضرت کی کرامات تو بیشمار ہیں۔ خدا ہمیں حضرت کے وجود سے نفع پہنچائے اور آپ کی محبت میں ہماری موت ہو اور اپنی کی جماعت میں ہمارا حشر ہو پوسیدہ سپیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(مؤلف کہتا ہے) خدا نے اس کی دعا قبول کی کیونکہ جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب مرنے کا وقت قریب آیا ہے وہ بیوی سے کہہ کر کہ میں حضرت کی خدمت میں فاس جاتا ہوں تاکہ وہیں وفات پاؤں صباغات چھوڑ کر اور اہل وطن سے رخصت ہو کر آستانہ شیخ پر آپڑے اور بیمار پڑ گئے۔ شیخ نے وصیت کرنے کا اور اللہ کی ملاقات کی تیاری کا حکم دیا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ حضرت نے اپنے گھر رکھ کر اس کی تیاری کی۔

لے نازان

آپ کی زوجہ محترمہ اور ان کے متعلقین مریض کی ضروریات تیار کر دیتے۔ آخر جب وقت اخیر آگیا حضرت نیچے اپنے گھر میں تشریف فرما تھے اور علی بن عبداللہ بالاخانہ میں تھے حضرت نے فرمایا ابھی علی کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکرؓ کی زیارت ہوئی ہے۔ یہ سن کر وہ لوگ بالاخانہ میں علی کے پاس آئے تاکہ یہ دریافت کریں۔ دیکھا تو اس کی زبان بند ہو چکی تھی۔ پھر بھی لوگوں نے حضرت کا مقولہ ذکر کیا۔ وہ سمجھ گئے اور سر ہلا کر کہا کہ ہاں سچ ہے اور منہ کھولا جیسے کوئی ہنس رہا ہوتا ہے۔ اس کے بعد متواتر مسکراتے رہے یہاں تک کہ روح پرواز کر گئی۔ اس کے بعد میں نے حضرت کو فرماتے سنا۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اس پر رحم کیا اور اگر صباغات میں نوے سال بھی اور زندہ رہتا تو بھی جس حال میں وہ مرا ہے، حال نہ کر سکتا۔

## حضرت کی ان کرامات کا ذکر جو الفقیہ عبداللہ بن علی التازی نے بیان کیں

مندرجہ ذیل کرامات عبداللہ بن علی التازی نے لکھ کر بھیجیں۔ یہ ایک صاحب کا عینی مشاہدہ تھا۔ حضرت کے سامنے ان کا ذکر کیا تو آپ نے ان کی تصدیق کی۔

عبداللہ بن علی کی عبدالرحمن مخونجی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں شیخ کے ساتھ مولائی ادریس بیان کر رہے پہلی کرامت کے مزار پر گیا اور وہاں علامہ احمد بن مبارک بھی تھے۔ شیخ نے کسی کام کے لیے مجھے اپنے گھر بھیجا۔ میں بڑی تیزی سے وہاں پہنچا اور شیخ کو وہیں چھوڑا۔ گھر پہنچا تو ایک آدمی دیکھا جو دھونے کی غرض سے کپڑے لینے کے لیے حضرت کی تلاش میں دروازہ پر کھڑا ہے۔ ابھی ہم مولائی ادریس کے مزار سے شیخ کی تشریف آوری کے منتظر تھے کہ دیکھتے کیا ہیں کہ آپ اپنے گھر سے ہاتھ میں کپڑے لے نکلے اور دھوبی کو دے دیے۔ حالانکہ جب میں نے آپ کو مولائی ادریس کے مزار پر چھڑا تھا تو آپ راستہ میں کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے کھڑاؤں پہن کر آرہے تھے۔ اگر آپ جوتا پہن کر بھی آتے ہوتے اور معمول کے طور پر چلتے تب بھی مجھ سے آگے نہیں نکل سکتے تھے کیونکہ میں نہایت تیز چل کر آیا تھا۔

دوسری کرامت عبدالرحمن نے یہ بھی بیان کیا حضرت کی ایک عینک تھی جو گم ہو گئی۔ میں ایک اور عینک الحاج محمد کواش کی دوکان سے لے آیا لیکن وہ ٹھیک نہ لگی۔ فرمایا پہلی ہی تلاش کرو وہ صاف تھی شاید مل جائے۔ جس کتاب میں وہ رکھا کرتے تھے اسے ایک ایک ورق کر کے کئی بار تلاش کیا لیکن عینک نہ ملی۔ اس پر حضرت کا رنگ بدل گیا۔ میں نے دریافت کیا حضرت کیا بات ہے، فرمایا مجھے اس عینک پر غصہ آگیا ہے۔ پھر جس کتاب کا ورق ورق چھان مارا

تھا اسے اٹھایا اور جو ناقص عینک انہوں نے لگا رکھی تھی، وہ ناک سے گر پڑی اور آپ نے کتاب نیچے رکھ دی۔ دیکھا تو پرانی عینک کتاب کے اوپر پڑی ہے۔ پھر اپنے بیٹے عمر سے فرمایا: جاؤ اپنی والدہ سے کہدواللہ نے میری عینک مجھے واپس دے دی ہے۔

تیسری کرامت | یہی عبدالرحمن فرماتے ہیں: سخت جاڑے کے موسم میں ہم شیخ کے پاس بیٹھے تو آپ کے ماتھے سے بکثرت پسینہ ٹپکتا ہوا دیکھتے۔ مگر پھر یہ حالت نہ رہی۔ ہم نے اس کا سبب دریافت کیا۔ فرمایا یہ پسینہ مجھے ابتدا میں آتا تھا۔ جب مشاہدہ سامنے آتا اور پھر غائب ہو جاتا۔ جب غائب ہو جاتا تو میں عام لوگوں کی طرح ہو جاتا۔ لیکن جب پھر مشاہدہ ہوتا تو مجھے انسانی حالت سے باہر نکال دیتا اور جب پھر غائب ہو جاتا تو میں عام انسانوں کی طرح بن جاتا۔ اس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی جب یہ مشاہدہ دائم رہنے لگا اور کسی وقت بھی غائب نہ ہوتا اور میری ذات اس سے ماؤس ہو گئی اس لیے اب مجھ پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔

چوتھی کرامت | ایک مرتبہ میں اور میرا بھائی عبدالرحمن مذکور مدرسہ عطاریں کی چھت پر چڑھ گئے۔ اور ہمیں گھروں کی چھتوں پر عورتیں نظر آئیں۔ کہیں اکٹھی اور کہیں الگ الگ۔ ہم نے ان کو دیکھنا شروع کیا اور ان کا ذکر کر کے آپس میں ہنسے۔ حتیٰ کہ ہم میں سے ایک خوش طبعی کے زور میں ہوا میں بڑے زور سے اچھلا بھی۔ جب ہم شیخ کے مکان پر آئے اور بالاخانہ میں بیٹھے تو آپ خوب ہنسے اور فرمایا وہ شخص بہت ہی اچھا ہے جسے کشف نہ ہوتا ہو۔ اس کے بعد فرمایا سچ بتاؤ۔ جھوٹ نہ بولنا۔ تم دونوں کہاں گئے تھے۔ ہم نے واقعہ عرض کر دیا۔ اس پر حضرت نے عورتوں کا قصہ اور جس جس چھت پر وہ کھئیں اس طرح بیان کرنا شروع کر دیا گو یا وہ ہمارے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ اچھلنے کا واقعہ جو ہم نے ان سے چھپایا تھا وہ بھی ذکر کر دیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ اس وقت منے والوں کے پاس بیٹھے تھے۔ جب آپ نے عبداللہ اور عبدالرحمن کو اچھلتے دیکھا تو آپ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ حاضرین نے سمجھا کہ ان میں سے کسی پر ہنسے ہیں۔

پانچویں کرامت | ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا اور میری بیوی حاملہ تھی۔ آپ سے حمل کا تذکرہ کیا۔ حاضرین میں سے ایک نے بطریق تمسخر کہا لڑکی ہوگی۔ لیکن شیخ نے مجھے فرمایا قریب آؤ۔ جب قریب گیا تو کان میں فرمایا۔ لڑکا ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔

چھٹی کرامت | عبدالرحمن کہتا ہے ایک بار پھر حاضر ہوا اور میرا لڑکا بیمار تھا۔ میں نے عرض کی کہ بچے کی صحت کے لیے دعا فرمادیں۔ فرمایا پھر کبھی کہنا تو دعا کروں گا۔ میں سمجھ گیا کہ بچے کی موت کا وقت قریب ہے اور ایسا ہی ہوا۔

ساتویں کرامت | ایک بار پھر حاضر ہوا اور بیوی حاملہ تھی۔ فرمایا تمہارے ہاں ایک بیٹی کا اضافہ ہوا



ہے اور ایسا ہی ہوا۔

آٹھویں کرامت | عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں آپ کی زیارت کے لیے فاس روانہ ہوا اور شیخ کے لیے تیس اوقیہ ساتھ لے چلا۔ جب شہر کے قریب پہنچا تو اس میں سے ایک اوقیہ نکال لیا۔ جب باقی رقم حضرت کے پیش کی تو فرمایا اپنی کاروائی تم چھوڑتے نہیں، جاؤ ایک موزونہ کی کھجور اور تین موزونہ کا پیپر لے کر آؤ اس اوقیہ کے عوض جو تم نے نکال لیا ہے۔ میں نے کہا حضرت کی عقل و دانش کس قدر خالص ہے۔

نوویں کرامت | عبدالرحمن کہتے ہیں کہ حضرت کی زیارت کے لیے گیا۔ جب آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو فرمایا اتوار کی رات کیا کر رہے تھے؟ میں نے عرض کیا حضور کو نسی بات؟ فرمایا جب تو اپنی بیوی سے مجامعت کر رہا تھا اور تم نے اپنے بیٹے کو تکیے پر بٹھلایا ہوا تھا کیونکہ وہ سوتا نہ تھا۔ اور لالٹین بھی صندوق پر پڑی تھی۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں اس وقت تمہارے پاس موجود تھا؟

القصة شیخ کی کرامات لا تعداد ہیں۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ اس وقت سے اب تک بے شمار کرامات آپ سے صادر ہوئیں اور ان بزرگوں نے جو کرامات لکھ کر بھیجی تھیں وہ ۱۲۸ھ کے اختتام تک کی تھیں۔ انہیں میں نے عاشورہ کے دن دس محرم ۱۲۹ھ کو حضرت کے پیش کیا تھا۔

## الارضی سیدی العربی الزیادی کی تخریر کردہ کرامات

اکثر کرامات جو انہوں نے ذکر کی ہیں میں بھی اس وقت حاضر تھا اور میں نے خود دیکھی ہیں اور جن میں میں حاضر نہ تھا ان کی نسبت میں نے حضرت سے دریافت کر لیا تھا اور آپ نے ان کی تصدیق کی تھی۔

پہلی کرامت | میں حکومت کے کسی ایک سیکرٹری کے لیے کتابیں خریدا کرتا تھا۔ میں نے بہت سی کتابیں خرید کر اس کے پاس بھیج دیں۔ اس نے بھی کتابیں پہنچنے سے پہلے ہی مجھے رقم ادا کر دی لیکن جب کتابیں اس کے پاس پہنچیں تو اسے پسند نہ آئیں اس لیے وہ بہت گریبا اور چمکا۔ پھر کتابیں مجھے واپس بھیج دیں اور کہا کہ انہیں مالک پر واپس کر کے قیمت داخل کر دو۔ ورنہ جو ہم سے ہو سکے گا وہ ہم کریں گے۔ یہ سن کر میں گھبرایا اور معلوم دہر لیشان ہوا اور سیکرٹری سے ڈرا کیونکہ اس کا

عہ اوقیہ = ایک ادنس۔

بڑا و بدبہ تھا۔ چنانچہ میں نے شیخ کے پاس جا کر قصہ کہہ سنایا اور عرض کیا کہ مالکوں نے کتابیں واپس لینے سے انکار کر دیا ہے اور میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ ادا کر سکوں اور سیکرٹری کا بڑا اقتدار ہے۔ اسی قسم کی اور مشکلات کا ذکر کیا۔ اس پر شیخ نے فرمایا "بیٹا کوئی ڈر کی بات نہیں۔ انشاء اللہ جلدی کوئی سبیل نکل آئے گی۔" ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ سلطان نے اُسے قتل کر دیا اور شیخ کے فریضے کے مطابق میری مشکل حل ہو گئی۔

دوسری کرامت | ایک مرتبہ ہمارے وطن تاسنا میں سخت فساد ہوا اور قاضی شہر میرا دینی بھائی بنا ہوا تھا۔ مجھے اُس کی نسبت ڈر ہوا کہ کہیں اس پر کوئی بختاب نہ آئے۔ میں شیخ سے اس کے لیے دعا کرانے آیا۔ فرمایا سید طاہر کو تو خطرہ نہیں لیکن میں میر منشی کا ضامن نہیں ہوں۔ یہ میر منشی بھی میرا اور قاضی دونوں کا دوست تھا لیکن میں نے اس کا ذکر نہ کیا تھا۔ یہ وہی کتابوں والے صاحب ہیں جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ چنانچہ جیسا شیخ نے فرمایا تھا، وہی ہوا۔ قاضی صاحب تو بال بال بچ گئے اور میر منشی قتل کر دیے گئے۔

تیسری کرامت | نیز جب ہمیں میر منشی کے قتل کی خبر پہنچی اور اُس کا ابھی صرف چند لوگوں کو علم تھا۔ کہ میں نے شیخ کے گھر جا کر دستک دی۔ آپ بکھے لیکن ہم نے میر منشی کی موت کا ذکر نہ کیا۔ خود ہی فرمایا۔ میر منشی مر گیا۔ میں نے کہا۔ جی ہاں۔ فرمایا میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ پھر فرمایا اس کی کتابوں میں سے کوئی کتاب تمہارے پاس ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا اللہ انجام بخیر کرے۔ آپ کے ان الفاظ سے مجھے ڈر لگا اور گھبراتے ہوئے میں نے حضرت کے ہاتھوں کو جھک کر بوسہ دیا اور عرض کیا مجھے اس میر منشی کی طرف سے بڑا ڈر ہے۔ حاضرین نے میری مدد کی اور شیخ سے دعا خیر کی درخواست کی۔ فرمایا طلبی تو ضرور ہوگی لیکن سلامتی سے گذر جائے گی۔ میں اس کا منتظر رہا پھر ان تمام لوگوں کی طلبی و تحقیق و تفتیش ہونے لگی بن کا میر منشی سے میل جول تھا اور جو گرفتار ہوئے انہیں طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ کسی کی گردن اڑا دی گئی۔ کسی کا مال ضبط کر لیا گیا اور کسی کی ذلت و خواری کی گئی اور مجھے خوف پہ خوف طاری ہوا۔ میں شیخ کی خدمت میں جاتا تو فریاضت موت تو نہیں ہے البتہ تکلیف ضرور ہوگی۔ آپ ہی فرماتے رہے حتیٰ کہ لکناسہ (دارالسلطنت) لے جانے کے لیے میرے پاس بھی قاصد آگیا۔ میں اُسے کہہ کر شیخ کی خدمت میں آیا۔ آپ اُسے بڑی مسرت و انبساط سے ملے۔ اس کے لیے دعا خیر کی اور میرے متعلق بہت کچھ نصیحت کی۔ اس نے عرض کیا بسردہ پیتم۔ شیخ نے مجھے فرمایا کہ تو صحیح و سلامت واپس آجائے گا اور اس آدمی کے ہاتھ اس حاکم کو جو میر منشی کے معاملہ کی تفتیش کر رہا تھا، سلام بھی کہلا بھیجا۔ میں لکناسہ گیا اور میر منشی کی جو کتابیں میرے پاس تھیں، اُسے دیں اور انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میں غاس واپس چلا

آیا۔ والحمد للہ۔

اس کے بعد چند لوگوں نے جو ظلم پسند حکام میں مقرب بننا چاہتے ہیں، افسر تفتیش کو مجھ پر بھڑکایا اور افترا باندھ کر اس کو سنایا کہ فلاں شخص کے پاس ابھی بہت کچھ مال باقی ہے۔ چنانچہ مجھے گھر آئے ابھی ایک جمعہ ہی گذرا تھا کہ قاعد بچہ آ موجود ہوا اور مجھ سے دوستی و محبت کا اظہار کیا اور کہا کہ جب تاملنا کے قاضی کو معلوم ہوا کہ تمہارا معاملہ بخیر و خوبی طے پا چکا ہے تو اس نے افسر تفتیش کو لکھا کہ سید عربی کو ہمارے پاس بھیج دو کہ موضع سلا میں ہم سے آکر ملاقات کرے۔ اب آپ کی مرضی ہے خواہ چلیں یا نہ چلیں۔ میں اسے لے کر حضرت کے پاس آیا۔ اس نے وہاں بھی اسی طرح کہا۔ شیخ خاموشی سے سُن رہے تھے۔ پھر مجھے فرمایا کہ میری رائے ہے کہ اس کے ساتھ چلے جاؤ لیکن تیس اوقیہ ساتھ ضرور لے لو تاکہ افسر تفتیش کو دے سکو۔ قاصد نے کہا حضور میری بھی یہی رائے ہے۔ میں نے عرض کیا اگر وہ مجھے قاضی السید الطاهر کی وجہ سے لے جانا چاہتا ہے تو میں اسی کے ساتھ کیوں جاؤں اور اگر جانا ہی ضروری ہے تو تیس اوقیہ لے جانے کی کیا ضرورت ہے، حضرت نے فرمایا میری بات مانو میں ہنسی نہیں کر رہا۔ مجھے اس شخص کے خبیث باطن کا علم نہ تھا اور نہ ہی یہ خبر تھی کہ وہ مجھے دھوکا اور فریب دے رہا ہے اور میں اپنی نادانی پر جا رہا۔ اس پر شیخ نے وضاحت سے فرمادیا اور وہ شخص سُن رہا تھا مگر ہنسی میں ڈال گیا۔ پھر جب ہم شیخ کے پاس سے اٹھ کر آنے لگے تو فرمایا موت کا خطرہ نہیں البتہ قید کیے جاؤ گے۔ چنانچہ میں اس شخص کے ساتھ مکنا سہ روانہ ہو گیا مگر تیس اوقیہ جن کا شیخ نے حکم فرمایا تھا، ساتھ نہ لیے۔ جب مکنا سہ پہنچے تو افسر مذکور نے میری طرف سے مُنہ پھیر لیا اور اپنے گھر میں مجھے قید کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تک میں سلطان سے تمہارے بارے میں مشورہ نہ کراؤں تم یہاں سے نہ نکلنا۔ مجھ سے پہلے میرے شہر کے چند لوگوں کے متعلق اس نے سلطان سے مشورہ کیا تھا اور انہیں قتل کر ڈالا تھا۔ میں اس قدر ڈرا کہ اللہ ہی جانتا ہے۔ میں نے کہا اب تو قتل ہی باقی رہ گیا ہے۔ یہ افسر مشورہ کے لیے روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت میر منشی مذکور کا ایک بھائی ابو العباس بہت سی کاغذات لے کر آیا تھا۔ سلطان نے اس کاغذات لے کر اور ان لوگوں کو جن کا تعلق میر منشی سے تھا، سب کو شیخ کی برکت سے معاف کر دیا۔ لیکن مجھے سنخڑہ کے بارے میں گرفتار کر لیا اور سنخڑہ کی قیمت تیس اوقیہ تھی۔ اس وقت مجھے شیخ کی بات سمجھ آئی کہ تیس اوقیہ ساتھ لے جانا۔ میں بہت

عہ سنخڑہ کے معنی معلوم نہ ہو سکے۔ (مترجم)

بے قرار و پریشان بھرتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے معاملہ آسان کر دیا اور مجھے رہائی نصیب ہوئی۔ والحمد للہ۔ اور یہ سب شیخ کی برکت سے ہوا۔  
چوتھی کرامت | ایک مرتبہ میں مغرب کی نماز کے بعد حضرت کے گھر گیا اور دیر تک دروازہ پر بیٹھا رہا۔ مگر دروازہ نہ کھٹکھٹایا۔ آپ بالا خانہ سے اترے اور میں نے سیڑھیوں سے آگے اترنے کی آواز سنی۔ آپ نے میرا نام لے کر پکارا۔ میں نے عرض کیا جی حضور۔ فرمایا کیا تو ایک گھنٹہ سے دروازہ پر نہیں بیٹھ رہا۔ میں نے کہا جی ہاں۔ اور اس وقت تاریکی بھی تھی۔ میں نے دستک بھی نہ کیا تھا اور نہ ہی جب تک آپ نے مجھے پکارا تھا، کسی کو بتلایا تھا کہ میں دروازہ پر ہوں۔ پھر آپ نکلے اور میں نے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔

پانچویں کرامت | ایک رات میں نے گھر سے باہر مدرسہ میں گزارنی اور صبح کو آپ کے پاس گیا۔ آپ نکلے اور فرمایا: کل رات کہاں گزارنی اور گھر میں رات کیوں نہ گزارنی۔ میں نے عرض کیا نہیں حضرت میں تو رات گھر میں ہی رہا اور اس طرح آپ کو دھوکا دینا چاہا۔ فرمایا: کیا نکالنا جگہ رات نہیں گزارنی؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ حضرت فرماتے لگے اگر سچ نہ کہو گے تو جو کچھ تو نے کل رات وہاں کیا ہے سب کچھ بتا دوں گا۔ میں رسوائی سے ڈرا اور آپ کے ہاتھ پر بوسہ دے کر کہا حضور سچ فرماتے ہیں۔

چھٹی کرامت | ایک بار میں مدرسہ میں ایک جاہل شخص سے جو حضرت کا مرتبہ نہ سمجھتا تھا، جھگڑا پڑا۔ اس کے بعد جب آپ کی خدمت میں جانا ہوا تو فرمایا وہ کون شخص تھا جس سے کل رات تو جھگڑ رہا تھا۔ اور تو نے اسے کیا کہا اور اس نے کیا کہا۔ میں چپ رہا۔ لیکن آپ نے تمام قصہ کہہ سنایا۔

آپ کی کرامت لاتعداد ہیں۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ

ساتویں کرامت | ایک بار آپ سے ایک شخص کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں تو میں نے عرض کیا اسے آپ سے بڑی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا اُسے مجھ سے محبت نہیں ہے۔ اگر تو اسے آزمانہ چاہے تو اُسے یوں ظاہر کرنا کہ تو نے مجھ سے محبت کرنا چھوڑ دیا ہے۔ پھر دیکھنا وہ کیا کہتا ہے۔ وہ شخص میرے پاس آیا تو میں نے کہا مجھے تو کچھ اور ہی پتہ چلا ہے اور میں نے اس طرح باتیں کہیں جن سے یہ ظاہر ہو کہ میرا خیال بدل گیا ہے۔ یہ سن کر کہنے لگا میں نے تو تجھے پہلے ہی کہہ دیا تھا اور اپنا بیٹا باطن ظاہر کر دیا۔ تب میں نے کہا کہ جناب والا میں تو آپ کو آزما رہا تھا۔ سو آپ کی حقیقت کھل گئی۔ اس پر وہ بہت شرمندہ ہوا۔ پھر میں نے حضرت سے اس کا ذکر



کیا۔ آپ نے فرمایا میں نے تو تمہیں پہلے کہہ دیا تھا۔

آٹھویں کرامت | ایک بار بلاخانہ میں آپ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور کچھ باتیں ہو رہی تھیں کہ یکایک پیرانی صاحبہ کے رونے کی آواز آئی اور شدتِ غم کی وجہ سے گھر میں گھومنے لگی کیونکہ انہیں بھائی کے مرنے کی خبر ملی تھی جو پردیس میں تھا۔ حضرت نے اوپر سے جھانکا اور فرمایا اس کا انتقال نہیں ہوا۔ اس کی موت کی خبر دینے والے نے جھوٹ کہا ہے اور اس پر قسم بھی کھائی، مگر پھر بھی وہ رونے سے باز نہ آئیں کیونکہ انہیں انتہائی غم ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت کے فرمان کے مطابق خبر آئی۔ پیرانی صاحبہ کا بھائی اب تک زندہ ہے۔

نوویں کرامت | ایک مرتبہ آپ محلہ غریبہ کی طرف جا رہے تھے کہ آپ سے ایک شخص بلا جس کا ایک اور رشتہ دار عبدالملک بن السلطان کے ساتھ محلہ (گنگا کانام) میں تھا۔ شیخ اُسے دیکھ چکے تھے کہ وہ ایک ایسے شخص کے پاس بیٹھا تھا جو مدعی ولایت تو تھا لیکن درحقیقت ولی نہ تھا۔ لیکن جب اس کی نظر شیخ پر پڑی تو اٹھ کر ان کے پاس آیا اور عرض کی مجھے پردیس (یعنی محلہ میں) گئے ہوئے بھائی کے متعلق بتلائیں کیا وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ کیونکہ فلاں صاحب نے اُس کی مراد مذکورہ مدعی ولایت سے تھی، مجھے بتلایا ہے کہ وہ زندہ ہے۔ شیخ نے تجاہل بنا لیا لیکن اس شخص نے اصرار کیا۔ شیخ نے فرمایا اگر تم ضرور ہی پوچھنا چاہتے ہو تو تو صحیح خبر یہ ہے۔ خدا غریب الوطن حاجی عبدالکریم السبکی پر رحم کرے۔ اس کے بھائی کا یہی نام تھا۔ اُس کی خبر تمہیں وہ شخص دے گا جس نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی ہے۔ سلطان نے تو اسے قتل کر دیا ہے۔ اس کے بعد شیخ کے فرلنے کے مطابق خبر آئی۔

دسویں کرامت | شیخ کا ایک خادم ماہوار تنخواہ پر عرصہ میں کام کرتا تھا اور وہ حکومت کے ظلم سے روپوش تھا۔ اس کا ایک بھائی اُس کی تلاش میں تھا اور اس کی ایذا کے درپے تھا۔ شیخ نے اُسے کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ لیکن وہ نہ مانا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ حاکم ضلع کے پاس پہنچا اور کہا کہ میرا بھائی شیخ عبدالعزیز کے پاس موجود ہے اور انہوں نے مجھے اُسے یہاں لانے نہیں دیا۔ حاکم نے ایک سپاہی بھیجا۔ جب سپاہی آیا، اس وقت میں عرصہ میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کہنے لگا آپ کو حاکم بلاتا ہے۔ حضرت نے کہا مجھے کیا کہاں حضرت نے فرمایا بسرو چشم۔ میں تو ایک مسکین اور رعیت ہوں۔ مجھے بھی کہا اٹھو۔ ہم دونوں حاکم کی طرف روانہ ہو گئے۔ سپاہی کو ندامت ہوئی تو کہنے لگا۔ حضرت ہمارا مقصد تو صرف اس شکایت کنندہ کے بھائی سے ہے۔ آپ اسے ہمارے حوالے کر دیں اور واپس چلے جائیں۔ فرمایا کیا میں نے تمہیں اس سے روکا ہے پچنانچہ وہ اُسے لے کر روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد اس شخص کا بھائی صرف ایک ماہ زندہ رہا اور وہ شخص اس عرصہ میں واپس چلا آیا اور اسے کوئی خطرہ نہ رہا۔

گیارھویں کرامت | جب بزتاسن کے مشہور قبیلہ نے سلطان کے خلاف بغاوت کی اور سلطان نے ان کے کچھ لوگ گرفتار کر لیے تو تازہ کے ایک اہلکار نے گرفتاریوں کی آگ کو اہل تازہ کی طرف منتقل کر لیا۔ اس نے اس غرض سے ایک جعلی دستاویز مرتب کی جس میں یہ ظاہر کیا کہ یہ خط انہوں نے بنی بزتاسن کو لکھا تھا۔ اور انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ہیں اور اس تخریب کو سلطان کے سامنے پیش کیا اور پڑھ کر سنایا۔ سلطان یہ سن کر آگ بگولا ہو گیا اور ارادہ کیا کہ کسی کو ان سے بدلہ لینے کے لیے روانہ کرے۔ لیکن پھر خیال آیا اور اہل کار کو قید کرنے کا حکم دیا۔ اہل تازہ کو بھی اس کا پتہ چل گیا۔ ان میں سے کچھ لوگ شیخ کے پاس سے گزرے اور شیخ سے مشورہ کیا کہ کیا ہم اپنا وطن چھوڑ کر بھاگ جائیں کیونکہ انہیں سلطان سے خطرہ تھا۔ شیخ نے فرمایا، اگر جیسا میں کہوں، تم کرو گے تو کہوں؟ انہوں نے عرض کیا حضور فرمائیے۔ ہم تو آپ کی نصیحت پر عمل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ فرمایا "سیدھے سلطان کا رخ کر دو۔ لیکن پہلے وزیر کے پاس جانا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ وزیر انہیں لے کر سلطان کی خدمت میں آیا۔ ان کی تعریف کی اور جو الزام اس اہلکار نے لگایا تھا اس سے انہیں بری قرار دیا۔ اس پر سلطان نے اسے قتل کر دیا۔ یہ اس کی بد ذاتی کا انجام تھا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ پیش آیا جو فاس کے اسی سرکاری عملہ میں سے تھا جن کے کچھ اوپر میں آدمی شوال ۱۱۳۳ھ میں قتل ہو چکے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جب اس شخص نے حاکم ضلع کی گرفتاری سے پہلے تفتیش کی خبر سنی تو یہ بھاگ جانے کے متعلق شیخ سے مشورہ کرنے کو آیا۔ آپ نے فرمایا، بھاگنا نہیں اور خود حاکم کے پاس چلے جاؤ اور کہو میں حاضر ہوں، آپ جو چاہیں سزا دیں لیکن میں تو فرمانبردار ہوں۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ حاکم نے کہا اگر تو سچا ہے تو بیچ چلا جا اور تیرا نڈازوں کے ساتھ فوجی خدمت انجام دو۔ اس نے شیخ کے پاس آکر بتایا کہ مجھے حاکم نے یہ حکم دیا ہے۔ شیخ نے فرمایا فوراً ادھر چلے جاؤ۔ اس کے چند دن بعد حاکم اور اس کے ساتھی گرفتار ہو گئے اور ان کے اتنے ہی آدمی مارے گئے جتنے عملہ والوں کے مارے گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے شیخ کی برکت سے اس شخص کو نجات دلوائی۔

اس قسم کے معاملات میں حضرت کا یہی طریقہ تھا کیونکہ جس کسی نے آپ سے حکومت سے بھاگ جانے کا مشورہ کیا تو آپ نے یہی مشورہ دیا کہ سرکار کے ہاں خود چلے جاؤ اور اس کا انجام اچھا ہی نکلتا۔ اگر اس قسم کی حکایات ذکر کرنے لگوں تو قصہ طولانی ہو جائے۔

بارھویں کرامت | ایک حاکم کو سلطان نے معزول کر دیا۔ اس نے کسی کو شیخ کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ ان سے دعا کروائے کہ وہ دوبارہ اپنے عہدہ پر مقرر ہو جائے۔ آپ نے وعدہ فرمایا چند ہی روز گزرے تھے کہ سلطان نے اسے اپنے عہدہ پر بحال کر دیا۔ حضرت نے چند حافظ قرآن لوگوں

کے بارے میں سفارش کی کہ کچھ ٹیکس انہیں معاف کر دیے جائیں۔ لیکن اس نے نہ مانا اور الکار کر دیا۔ اب اس حاکم کا بھائی حضرت کی خدمت میں آیا اور حضرت نے اس سے وعدہ فرمایا کہ بھائی کا عہدہ تمہیں مل جائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا کیونکہ حضرت کا فرمان نہ ماننے کے چند دن ہی بعد وہ آخرت کی طرف سفر کر گیا اور اس کا بھائی اس عہدہ پر مقرر ہو گیا۔ اور اس نے جن لوگوں کے متعلق حضرت نے سفارش کی تھی، ان کا کام کر دیا۔

تیرھویں کرامت | ابھی میری شیخ سے جان پہچان کی ابتدا ہی تھی اور میری شادی مولانا علامہ محمد بن عمر السجھاسی جو خالقاہ ادریس میں رہتے تھے اور وہاں مسجد کے امام اور خطیب بھی تھے کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ مجھے ان کے مرتبہ کا بھی علم تھا اور اس لڑکی کے کمال عقل، حسن معاشرت اور سلیقہ شکاری کی وجہ سے مجھے اس سے سخت محبت تھی۔ جب شیخ کو اس کا علم ہوا کہ میرے دل میں اس کی کتنی قدر ہے اور اس سے کس قدر محبت ہے تو کبھی مجھ سے یوں پوچھتے کیا تجھے مجھ سے اس غیبی محبت ہے یا اس کی محبت زیادہ ہے۔ میں سچ کہہ دیتا اور عرض کرتا کہ اس کی محبت زیادہ ہے اور میں معذور تھا کیونکہ مجھے شیخ کے مرتبہ اور ان کے امام وقت ہونے کا علم نہ تھا۔ حضرت پر اس جواب کا اثر ہوتا۔ اور ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ جب تک مرید کے دل میں شیخ، اللہ اور رسول کے سوا کسی اور چیز کی محبت ہو تو اس کا کچھ کام نہیں بن سکتا۔ آپ اس میں میرا ساتھ دیتے اور مجھے اس حالت سے نکالنا چاہتے۔ لیکن جب میں نہ مانا اور اللہ کی تقدیر میں جو کچھ لکھا ہونا تھا، لکھا جا چکا تھا۔ ۲۷ رمضان ۱۲۵۵ھ کی صبح کو جب میں حاضر ہوا تو آپ نے اثناء گفتگو میں فرمایا کہ اولیاء کے ساتھ میل جول رکھنا بمنزلہ زہر کھانے کے ہے۔ ہمارے فلاں شیخ نے اپنے مرید کے لیے نہ بیوی چھوڑی نہ بچہ اور اس کو اپنا بنا لیا۔ لیکن اس اشارہ کو نہ سمجھا۔ اس کلام کے چند دن ہی بعد عورت سے جو واقعہ ہونا تھا، ہوا۔ وہ بیمار ہوئی اور مر گئی۔ حضرت کو بھی اس سے بڑی محبت تھی اس لیے آپ دلاسا دیتے رہتے

عہ شیخ کا کام مرید کو واصل باللہ بنانے کا ہونا ہوتا ہے اور جب مرید مملکت و دنیاوی میں پھنسا ہوا ہو اس وقت اس کی توجہ ذات باری کی طرف کیے ہو سکتی ہے، اس لیے شیخ دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کر کے پہلے اسے نسائی الشیخ کے درجہ میں لانا ہے۔ جب اس میں کمال حاصل کرتا ہے تو پھر فنا فی الرسول کی باری آتی ہے اور پھر فنا فی اللہ میں پہنچ کر کمال حاصل کرتا ہے۔ اس طرح شیخ واللہ لا یؤمن احدکم حتی الون احب الیہ من والیہ ووالیہ واولیہ۔ الناس اجمعین (مشکوٰۃ باب الایمان ص ۱۲) اور قل ان کان اباؤکم وابناءکم وازواجکم وعبیرتکم واموالکم اقتترفتموها و تجارتکم تحسون کسبا وھا احب من اللہ ورسولہ و جہاد فی سبیلہ فلن تصوا حتی یأتی اللہ بامرہ کا مفہوم سمجھا کر سعادت دارین عطا کرتا ہے۔

اور اسے دوائیں، شربت اور جن چیزوں کی مریض کو رغبت ہوتی ہے، اس کے لیے بھیجتے اور اسے شفا کا وعدہ کرتے اور آپ کی مراد شفاء آخرت ہوتی جیسا کہ اس کا اظہار بعد میں فرمایا۔ اس کی وفات کے بعد میری گرویدگی بچہ کے ساتھ بڑھی جسے وہ نشانی چھوڑ گئی تھی کہ جب اس کو دیکھتا تو دل اسی میں لگا رہتا۔ ماں کے بعد وہ بھی چند دن ہی زندہ رہا اور چل بسا۔ اس کے بعد میں نے فقیہ مذکور کی دوسری بیٹی سے شادی کی۔ جب اس کے پاس گیا تو اسے اپنے گمان سے کہیں زیادہ خوبصورت اور عقل و کمال والی پایا اور وہ میرے دل پر قابض ہو گئی۔ تھوڑی مدت بعد وہ بھی چل بسی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے شیخ کی محبت کاملہ نصیب کی جس سے بالاکوئی محبت نہیں۔ اس کی صورت یوں ہوئی کہ ایک مرتبہ میں آپ کے پاس گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور آپ محبت الہی کے متعلق تقریر فرما رہے تھے کہ وہ کیسی ہوتی ہے۔ میں نے اس پر کئی ایک سوالات کیے جن کا حضرت نے جواب دیا۔ میں نے یہ جواب و سوال لکھ دیے ہیں جنہیں آئندہ چل کر انشاء اللہ آپ دیکھیں گے۔ پھر آپ مسکرائے اور فرمایا ہم تمہارے ساتھ کیا تدبیر کریں تم تو دنیا میں دو بیویوں سے محبت کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے انہیں اپنی رحمت میں لے لیا اور انہیں برزخ میں باقی تمام ارواح کے ساتھ اتارا، اس کے باوجود بھی تم ان سے کامل محبت کرتے رہے۔ اب بتاؤ کہ اللہ انہیں برزخ سے کہاں لے جا کر رکھے گا کہ وہ تمہارے دل سے غایب ہو جائیں، اللہ کی قسم شیخ کے ان الفاظ سے ان کی محبت میرے دل سے جاتی رہی اور اب ساری محبت خالص شیخ کے ساتھ ہو گئی۔ حالانکہ میں نے فقیہ مذکور کی تدبیر بیٹی سے بھی شادی کر لی تھی۔ لیکن دل اس کے ساتھ نہ لگا۔ چنانچہ یہ بحمد اللہ بخیر و عافیت ہے۔

بچہ دھویں کرامت | ایک مرتبہ حضرت مخدومہ پیرانی صاحبہ کو محل قرار پایا کہنے لگیں: اے میرے سردار عبدالعزیز! مجھے خدا نے کافی اولاد دی ہے لہذا مجھے اس محل کی ضرورت نہیں، خاص طور پر جبکہ مجھے خانگی امور میں کافی مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور یہی کوئی باندی ہے جو میری مدد کر سکے۔ لہذا اگر آپ واقعی ولی ہیں جیسا کہ لوگ کہتے ہیں تو دعا کرو کہ محل گر جائے۔ شیخ اسے فرمایا کرتے تھے کہ جب سویا کرو تو سر ڈھانپنے کے بعد چہرہ کھلا نہ چھوڑا کرو۔ مبادا ایسی چیز نظر آجائے جس کی برداشت نہ کر سکو۔ ایک رات اتفاق سے انہوں نے چہرہ سے کپڑا اٹھایا تو انہوں نے شیخ کے پاس تین مردانِ نبیب دیکھے۔ اس سے وہ اتنی ڈریں کہ محل گر گیا۔

پندرھویں کرامت | تمام گھر والوں نے اور ان لوگوں نے جو حضرت کی زیارت کے لیے آئے ہوئے تھے اس کرامت کا مشاہدہ کیا ہے کہ کبھی آپ کو اپنے جسم سے حقیف غیبوت حاصل ہوتی تھی یہاں تک کہ جو آپ کے پاس بیٹھے ہوتے وہ یہ خیال کرتے کہ آپ کی روح جسم سے پرواز کر گئی



ہے اور آپ کی ذات میں کوئی حرکت نہ ہوتی۔ نہ سانس میں نہ ہوتوں میں نہ رنگوں میں۔ چنانچہ ایک دن ایسی حالت طاری ہوئی اور ایک آدمی آیا۔ اس نے دیکھا کہ نور بجلی کی طرح اوپر کو چڑھ رہا ہے اور پھیل رہا ہے لیکن اگرچہ یہ سرعت میں بجلی سے کم تیز ہے مگر صفائی میں اس سے زیادہ صاف ہے۔ اس نے باہر جا کر لوگوں کو خبر دی۔ لوگوں نے آکر یہ حالت دیکھی۔ دوسرے دن جب حضرت سے ملا اور آپ کے ساتھ عرصہ کی طرف گیا۔ تو آپ نے اَنَا لِلّٰہِ وَاِنَّا لَبِیْہِ رَاجِعُونَ۔ پڑھا اور فرمایا کل ایسی بات ظاہر ہو گئی جسے میں مخفی رکھا کرتا تھا۔ میں نے عرض کیا حضرت واقعہ تو میں سن چکا ہوں لیکن اس میں کیا راز ہے۔ فرمایا یہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور تھا اور پھر تمام واقعہ بیان کیا۔ خراہمیں حضرت کی ذات سے نفع پہنچائے۔

سوطھویں کرامت | میرا ایک حافظ قرآن دوست مشہور قبیلہ حبائیہ میں سے تھا۔ جب ۱۱۲۶ھ میں اس قبیلہ پر ظلم و ستم ڈھائے گئے۔ تو جو شخص ان پر حاکم مقرر تھا میں نے اس کے پاس ایک شخص کو اپنے مذکورہ بالا دوست کی سفارش کرنے کو بھیجا۔ اس نے میرے دوست کو تمام مطالبات سے رہائی دے دی۔ پھر وہ حاکم دوسرا مقرر ہونے کے بعد معزول ہو گیا اور اس کی جگہ ایسا شخص حاکم مقرر ہوا جس کے بارے میں پختہ یقین تھا کہ وہ جیسا میں کہوں گا ویسا ہی کرے گا۔ چنانچہ میں نے اسی دوست کے بارے میں کہلا بھیجا لیکن اس نے کسی قسم کا کوئی کام نہ کیا۔ میں نے چاہا کہ حاکم اعلیٰ کو کہلا بھیجوں تو شیخ نے فرمایا اگر اللہ کی مرضی اسے آزاد کرنے کی ہوتی تو حاکم تمہاری بات مان لیتا اور کام کر دیتا۔ لیکن میں نے تغافل برتا اور سفارش پر سفارش بھیجتا گیا۔ جو لوگ میرا سفارشی رقعہ لے کر جاتے انہیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتا اور واضح طور پر کہتا کہ میں کام کر دوں گا لیکن اس کے باوجود نہ کرتا۔ میں نے کئی بار کوشش کی لیکن اس سے اللہ نے کوئی کام نہ ہونے دیا۔ مجھے شیخ کے کشف کی صداقت معلوم ہو گئی۔

سترھویں کرامت | ایک روز میں آپ کے پاس عرصہ میں تھا اور آپ کے پاس عبدالسلام بن مشیش کی اولاد میں سے ایک سید بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس سید نے عرض کیا کہ حضرت سادات نے سلطان کے پاس اس پہاڑ کے رہنے والوں میں سے جو شیخ عبدالسلام کی قبر کے پاس ہے ایک شخص کی شکایت کی ہے کہ اس نے سیدانیوں سے شادی کی ہے حالانکہ وہ عوام میں سے ہے اور سلطان اس بات کو سخت برا جانتا ہے۔ جب اس نے یہ سنا تو اسے گرفتار کر کے لایا گیا اور قتل کی دھمکی دی گئی۔ شیخ نے فرمایا بکیا یہ شخص اللہ سے نہیں ڈرتا۔ اس نے کیسے مولائی عبدالسلام کی بیٹیوں سے شادی کر لی حالانکہ اس میں کئی قسم کے عیب پائے جاتے ہیں۔ اس سید نے عرض کیا حضور آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا حالانکہ نہ تو آپ اس شخص

عہ اصل کتاب میں بحر طابیت لکھا ہے جس کے معنی نہ معلوم ہو سکے۔ (مترجم)

کو جانتے ہیں اور نہ ہی کبھی اپنے اسے دیکھا ہے اور نہ کبھی پہلے اس کے متعلق کچھ سنا اور یہ عیب جس کا آپ نے ذکر کیا ہے اس کا تو اس کے قبیلہ کے چند لوگوں کو علم ہے۔ اس کو شیخ کا کشف دیکھ کر تعجب ہوا اور اس نے شیخ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

اٹھارویں کرامت | یہ کرامت میں نے آپ کے اپنے ہاتھ سے الحاج عبدالقادر التازی کی بیاض میں لکھی ہوئی دیکھی ہے۔

حضرت پہلے محمد بن عمر الدلامی کے حمام میں ملازم تھے۔ وہ حج کی غرض سے چلے گئے تو آپ اسی خدمت پر الحاج عبدالقادر تازی کے پاس ملازم ہو گئے۔ عبدالقادر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت نے کاپی لی اور اس پر لکھا "شکر ہے خدا کا جو ایک ہے، سیدی محمد بن عمر آج فوت ہو گئے اور جواری رحمت میں چلے گئے۔ یہ الفاظ ماہ ذوالفقہہ ۱۱۱۵ھ میں عبدالعزیز بن مسعود الدباغ نے کہے اور لکھے۔ خدا اس پر مہربانی کرے آمین۔

عبدالقادر کہتے ہیں میں نے بلند آواز سے کہا، کیا لکھ رہے ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی میں کرامات کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ اس پر حضرت نے قلم لے کر لکھی ہوئی عبارت کاٹ دی اور فرمایا کچھ نہیں لکھا۔ عبدالقادر کہتے ہیں کہ جب حاجی آئے تو انہوں نے محمد بن عمر مذکور کی وفات کی خبر دی کہ اسی ماہ میں انتقال ہوا جس میں شیخ نے فرمایا تھا۔

میں نے شیخ سے عرض کیا آپ نے یہ کیسے کیا حالانکہ آپ کو فتح رکشف ۱۱۲۵ھ میں حاصل ہوئی تھی۔ فرمایا: جب سے میں نے وہ امانت پہنی تھی جس کی وصیت سیدی عربی نشتالی نے کی تھی مجھے فتح حاصل ہو چکی تھی، لیکن وہ تنگ تھی اور جب کسی چیز کی طرف توجہ دیتا تو وہ مجھ سے چھپتی نہ تھی لیکن ساتھ ہی اس کے سوا کچھ اور نظر نہ آتا تھا۔

(مؤلف کتاب کتنا ہے) کہ حضرت نے صحیح فرمایا کیونکہ جو لوگ آپ سے دوسرے دور میں ملتے رہتے تھے وہ آپ کے کشف و کرامات کا ذکر کرتے رہتے تھے۔

انیسویں کرامت | جس زمانہ میں آپ محمد بن عمر مذکور کے پاس ملازم تھے تو ایک دن علی الصبح آپ اس دیگے کے قریب گئے جس پر وہ کام کیا کرتے تھے۔ اس پر دیگے کے منتظم نے آپ کو ڈانٹا۔ شیخ کو غصہ آگیا اور فرمایا جتنی دیر چاہو لکڑیاں جلاتے رہو۔ اللہ کی قسم یہ دیگے کبھی گرم نہ ہوگا چنانچہ صبح سے لے کر عصر تک وہ لکڑیاں جلاتے رہے اور بہت سا ایندھن ضائع ہو گیا لیکن پھر بھی پانی ٹھنڈا تھا۔ محمد بن عمر کہیں گئے ہوئے تھے۔ جب آئے تو انہوں نے سارا قصہ سنایا۔ کہنے لگے، سیدی عبدالعزیز کیا مجھے آپ چھوڑنا چاہتے ہیں، مجھے تو آپ سے محبت ہے اور آپ سے نیکی کرتا رہتا ہوں۔ جس نے آپ کو ڈانٹا ہے اسے تو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا۔ نقصان تو میرا ہے اور میرا کوئی قصور نہیں۔ الغرض

وہ شیخ سے ہربانی کی درخواست کرتے رہے اور ان کو راضی کرنا چاہتے تھے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ مجھے شرم آگئی، کیونکہ ان کا مجھ پر بڑا احسان تھا کیونکہ خواہ میں کام کرتا یا نہ کرتا وہ مجھے اجرت دے دیا کرتے اور کہتے کہ میں نے تو آپ کو برکت کے لیے رکھا ہوا ہے، نہ کام کے لیے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں لے کر دیگچہ کے نیچے ڈالا اور کہا تمہیں تو آگ جلانا نہیں آتا۔ یہ لو دیگچہ گرم ہونے لگا۔ انہوں نے پانی کو چھوٹا تو اسے گرم پایا۔ اس سے سب متعجب ہوئے۔

اس حکایت اور کرامت کو میں نے کئی ایک شخصوں سے سنا ہے اور خود شیخ سے بھی سنا ہے۔ بسیویں کرامت | آپ کی ایک کرامت یہ بھی ہے کہ جب میں آپ سے کسی مسئلہ کے متعلق علماء کے اقوال دریافت کرتا (تو باوجود اٹمی ہونے کے) آپ کو پورا علم ہوتا کہ اس مسئلہ میں اتفاق ہے اور اس میں اختلاف ہے اور ہر مسئلہ میں علماء ظاہر اور علماء باطن کے اقوال سے واقف پاتا۔ پورے چھ سال تک میں اس کا تجربہ کرتا رہا۔ انہیں گزشتہ زمانہ کے حوادث کا بھی علم تھا۔ ایک روز میں آپ کے ساڈھ سوق الخمیس میں تھا کہ آپ سے گرج بجلی اور کڑک کا سبب دریافت کیا تو آپ نے اس کے متعلق ایسی باتیں بیان کیں جنہیں آپ جیسا شخص ہی بیان کر سکتا ہے پھر دوران گفتگو میں اس آگ کا ذکر ہوا جو قرظہ میں جمادی الاخرہ ۶۵۴ھ میں ظاہر ہوئی تھی۔ اس کا ذکر قرظی نے تذکرہ میں، حافظ ابن حجر نے کتاب الفتن میں اور البوشامہ اور نووی نے اپنی تصانیف میں بالتفصیل کیا ہے۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان کی روایات آپ کو سناؤں لیکن آپ نے اس کا قصہ اور اس کی کیفیت بیان کرنی شروع کر دی اور علماء رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی نقل کر دیے اور اپنی طرف سے اس کا سبب بھی بیان فرما دیا اور اس شخص کا نام جس کو آخرت میں اس آگ کا عذاب دیا جائے گا مع دیگر اسرار کے جن کا اظہار مناسب نہیں ہے۔ اس سے مجھ کو بہت تعجب ہوا۔

یاد رکھیں کہ آپ کی کرامات لاتعداد ہیں۔ اگر جتنی کرامات کا مجھے علم ہے اور جن کا علم دوستوں کو ہے،

(۱) قرظی: شمس الدین محمد بن احمد بن فرح النصارى امدسى متوفى ۶۶۱ھ = ۱۲۶۲ھ۔ کتاب کا پورا نام التذکرہ باحوال الموتى وامور الآخرة ہے۔ اس کا اختصار امام عبد الوہاب شعرائی نے کیا اور مختصر التذکرہ نام رکھا۔ یہ دونوں چھپ چکے ہیں۔

(۲) البوشامہ: حافظ علامہ، مجتہد، ذوالفقون شہاب الدین ابو القاسم عبد الرحمن بن اسمعیل المقدسى ثنائى تھے۔ ۵۹۹ھ = ۱۲۰۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۶۵ھ = ۱۲۶۶ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ کتاب الرضتین فی اخبار الدولتین اور کتاب الذیل ان کی تصانیف میں سے ہیں۔

(۳) نووی۔ ابو زکریا محی الدین بن یحییٰ بن شرف مشہور محدث اور شارح صحیح مسلم ۶۳۱ھ = ۱۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۶۶ھ = ۱۲۶۶ھ میں وفات پائی۔

سب کا ذکر کرنے لگوں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ لیکن ہم اتنے پرہی اکتفا کرتے ہیں۔

## احادیث کے متعلق استفسار

اکیسویں اور سب | جس طرح میں نے ایک بڑی کرامت (سلامتی عقیدہ و استقامت علی الدین) سے سے بڑی کرامت | ابتدا کی تھی اسی طرح ایک بڑی کرامت پر اس بحث کو ختم کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ شروع میں جب آپ سے تعارف ہوا اور میں نے آپ کے وسعت عرفان اور فیضان ایمان کو دیکھا تو میں نے آپ کو آزمانہ شروع کر دیا اور آپ سے صحیح اور موضوع احادیث کے متعلق دریافت کیا۔ اس وقت میرے پاس حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مشہور کتاب **الدُّرَرُ الْمُنْتَرَةُ فِي الْأَحَادِيثِ الْمَشْتَهَرَةِ** تھی۔ یہ ایک عجیب تالیف ہے جس میں سیوطی نے مشہور احادیث کو حروف تہجی پر مرتب کیا ہے اور ہر حدیث کے متعلق بیان کیا ہے کہ یہ صحیح ہے یا موضوع۔ چنانچہ صحیح کے متعلق کہتے ہیں کہ صحیح ہے اور جھوٹی کو جھوٹی۔ یہ کتاب ہر طالب علم کے پاس ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ ایک نفیس کتاب ہے۔

حدیث **أَهْرَتْ أَنْ |** چنانچہ میں نے آپ سے حدیث **أَهْرَتْ أَنْ أَحْكَمَ بِالظُّوَاهِرِ** کے متعلق دریافت کیا فرمایا یہ آنحضرت کا فرمودہ نہیں۔ چنانچہ حافظ سیوطی نے بھی یہی لکھا ہے۔

حدیث **كُنْتُ كُنْزًا لَا أَعْرِفُ |** میں نے **كُنْتُ كُنْزًا لَا أَعْرِفُ** کے متعلق پوچھا۔ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ نہیں ہے۔ اسی طرح حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

حدیث **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْعَقْلَ** کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ امام ابن جنبل نے بھی یہی کہا ہے۔ ابن الجوزی نے اس کا ذکر موضوعات میں کیا ہے۔ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ زرکشی نے بھی کہا ہے کہ بالاتفاق یہ موضوع

(۱) حافظ جلال الدین سیوطی: سیوطی ۱۲۹۹ھ = ۱۲۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی آٹھ سال کی عمر نہ ہوتی تھی کہ قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ قاہرہ میں عرصہ تک درس دیتے رہے۔ ان کی پانچ سو کے قریب تصنیف ہیں ۱۱۹۵ھ = ۱۲۵۰ء میں وفات پائی۔ انہیں خاتم الحفاظ بھی کہا جاتا ہے۔

(۲) ابوالفرج عبد الرحمن بن الجوزی الحنبلی: پیدائش ۱۱۹۵ھ میں اور وفات ۵۹۶ھ میں ہوئی مشہور محدث اور مؤرخ گذرے ہیں۔

(۳) ابن تیمیہ: حران میں ۶۶۲ھ = ۱۲۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ دمشق میں تعلیم حاصل کی۔ ان کا بلا کا حافظ تھا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ تسلیم نہ کریں وہ حدیث ہی نہیں ہے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ۷۲۹ھ = ۱۳۲۸ء میں وفات پائی۔





طرح لکھا ہے۔

اسی طرح میں نے بہت سی احادیث کے متعلق دریافت کیا جو اس وقت مجھے یاد نہیں ہیں اور آپ کا جواب بالکل علماء و محدثین کے موافق پایا۔

عجیب بات تو یہ تھی کہ جب میں آپ سے اس قسم کی گفتگو کرتا تو آپ اس حدیث کو جسے بخاری نے بیان کیا ہے اور مسلم میں نہیں ہے یا مسلم نے دی ہے اور بخاری نے نہیں دی ان میں امتیاز کر لیتے۔ بالآخر جب ایک عرصہ تک آپ کا امتحان کرتا رہا اور مجھے تحقیق ہو گئی کہ آپ حدیث اور غیر حدیث میں امتیاز کر سکتے ہیں تو میں نے دریافت کیا کہ آپ کیسے یہ معلوم کرتے ہیں؟ تو ایک بار کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھپا نہیں رہتا | فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام چھپا نہیں رہ سکتا۔ لیکن ایک بار پھر یہی سوال کیا تو فرمایا جب انسان موسم سرما میں بات کرتا ہے تو اس کے منہ سے بھاپ نکلتی ہے۔ لیکن یہ بھاپ موسم گرما میں نہیں نکلتی۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو کلام اولیا اللہ کلام نبی کو کیسے پہچانتے ہیں |

دوسری پہچان | ایک بار پھر پوچھا تو فرمایا: جب چراغ غذا حاصل کرتا ہے تو اس کا نور قوی ہو جاتا ہے لیکن جب غذا کے بغیر چھوڑ دیا جائے تو اپنی حالت پر رہتا ہے۔ عارفین کا بھی یہی حال ہے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنتے ہیں تو ان کے انوار قوی اور ان کے معارف میں بیشی ہو جاتی ہے لیکن جب غیر کلام سنتے ہیں تو اپنی حالت پر رہتے ہیں۔

اولیاء اللہ خواہ وہ امی ہی کیوں نہ ہو | جب مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ آپ اس معاملہ میں راسخ ہیں اور قرآن اور حدیث میں امتیاز کر سکتے ہیں | آپ ان الفاظ کو پہچاننے میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

(۱) مسلم: مسلم بن حجاج القشیری  $\text{رحمہ اللہ}$  =  $\text{رحمہ اللہ}$  میں پیدا ہوئے اور  $\text{رحمہ اللہ}$  =  $\text{رحمہ اللہ}$  میں وفات پائی۔ ان کی صحیح مسلم کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔

(۲) امام عبدالوہاب شعرائی متوفی  $\text{رحمہ اللہ}$  نے اسی قسم کا ایک واقعہ شیخ محمد بن احمد فرغل متوفی  $\text{رحمہ اللہ}$  کا نقل کیا ہے۔ حضرت فرغل امی تھے۔ ایک روز ایک فقیہ ان کے پاس آکر بیٹھ گئے اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ فقیہ نے قراءت میں چند آیات چھوڑ دیں اور آگے پڑھنا جاری رکھا۔ حضرت فرغل بول اٹھے آپ نے عبارت چھوڑ دی ہے۔ فقیہ بولا آپ تو قرآن جانتے نہیں۔ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں نے عبارت چھوڑ دی ہے۔ حضرت فرغل نے فرمایا: جب آپ قرآن پڑھ رہے تھے تو مجھے آسمان تک چڑھتا ہوا ایک لوز دکھائی دیتا تھا کہ یکایک درمیان میں منقطع ہو گیا اور بعد کے لوز سے اس کا اتصال نہ ہوا۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ آپ نے عبارت چھوڑ دی ہے۔ (لوائح الانوار ج ۲: ۹۶)

دہن مبارک سے نکلے ہوں پہاڑ کی طرح متزلزل نہیں ہوتے، تو میں نے چاہا کہ قرآن اور حدیث میں فرق کے متعلق آپ کو آزماؤں کیونکہ انہیں دوسری سورتوں کا تو ذکر ہی کیا سبب کا حزب بھی یاد نہ تھا۔ چنانچہ کبھی میں ایک آیت پڑھتا اور پوچھتا حضور یہ حدیث ہے یا قرآن۔ فرماتے یہ تو قرآن ہے۔ پھر حدیث پڑھتا اور پوچھتا کیا یہ قرآن ہے یا حدیث؟ فرماتے حدیث ہے۔ مدت تک اس کا بھی امتحان کرتا رہا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ یوں پڑھا حَافِظُوا عَلٰی الصَّلٰوٰتِ وَالصَّلٰوٰةِ الْوَسْطٰی وَهِيَ صَلٰوٰةُ الْعَصْرِ وَقَوْمٌ مِّنْهُمْ لَا يَمْتَنِعْنَ اور پوچھا آیا یہ قرآن ہے یا حدیث۔ فرمایا کچھ قرآن ہے کچھ حدیث۔ وَهِيَ صَلٰوٰةُ الْعَصْرِ کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نکلے ہیں۔ یہ قرآن کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور باقی قرآن کے ہیں۔ جب میں نے یہ سوال کیا تھا تو میرے ساتھ علماء کی ایک جماعت بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ سن کر واللہ سب حیران رہ گئے۔

قرآن اور حدیث | جب مجھے علم ہو گیا کہ آپ قرآن اور حدیث میں امتیاز کر سکتے ہیں  
قدسی میں فرق | تو خیال آیا کہ قرآن اور حدیث قدسی کے فرق کے بارے میں آزماؤں۔ اس پر میں نے حدیث قدسی ذکر کرنی شروع کی اور پوچھتا گیا یہ قرآن ہے یا حدیث؟ آپ فرماتے یہ نہ تو قرآن ہے نہ ایسی حدیث ہے جیسی تم پہلے پوچھتے رہے ہو۔ یہ تو حدیث کی ایک اور قسم ہے جسے حدیث ربانی کہا جاتا ہے۔ میں نے آپ کے دست مبارک پر بوسہ دیا اور عرض کیا کہ ہم اللہ سے پھر آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ان تینوں میں فرق بیان کر دیں کیونکہ حدیث قدسی ایک طرف تو قرآن سے مشابہت رکھتی ہے اور دوسری طرف اس حدیث سے جو قدسی نہیں ہے۔ قرآن سے اس کی مشابہت تو اس لیے ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے مُنْزَل ہوئی ہے اور غیر قدسی حدیث سے مشابہت اس لیے ہے کہ اس کی تلاوت کا حکم نہیں دیا گیا۔

آپ نے فرمایا: یہ تینوں کلام اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نکلے ہیں اور ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الوار پائے جاتے ہیں، پھر بھی ان میں یہ فرق ہے کہ قرآن میں جو نور سے وہ قدیم ہے اور ذات حق سبحانہ میں سے نکلا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام بھی قدیم ہے اور حدیث قدسی کا نور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلا ہے۔

عہ بندہ عاجز مترجم کتا ہے کہ اس میں بھی حضرت دباغ کی کرامت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت کا یہ عقیدہ عین اہل السنّت کے عقیدہ کے مطابق ہے کہ کلام اللہ قدیم ہے، حادث نہیں ہے۔ برخلاف معتزلہ کے کہ ان کے عقیدہ کے مطابق کلام اللہ قدیم نہیں بلکہ حادث ہے اور تمام محدثین و فقہاء اہل السنّت کا اجماع ہے کہ معتزلہ کا عقیدہ باطل ہے۔ (مترجم)

وسلم کی روح کا نور ہے اور نورِ قرآن کی طرح قدیم نہیں ہے اور جو نورِ حدیث غیر قدسی میں پایا جاتا ہے وہ آپ کی ذات کا نور ہے، روح کا نہیں۔ لہذا یہ تین قسم کے نور ہوئے جو اپنی نسبت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ نورِ قرآن ذاتِ حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نورِ حدیث قدسی روحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور غیر قدسی حدیث کا نور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے۔

نورِ ذاتِ نبی اور | میں نے عرض کیا: نورِ روح اور نورِ ذات میں کیا فرق ہے۔ فرمایا کہ ذات کی نورِ روح میں فرق | پیدائش تو مٹی سے ہوئی اور تمام مخلوقات بھی مٹی سے پیدا ہوئی اور روح ملا اعلیٰ سے ہے اور ملا اعلیٰ حق سبحانہ و تعالیٰ کی سب سے زیادہ معرفت رکھتے ہیں اور چونکہ ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے لہذا نورِ روح کو حق سبحانہ کے ساتھ تعلق ہوگا اور نورِ ذات کو مخلوق سے۔ اسی حدیثِ قدسی | بے احادیثِ قدسیہ کا تعلق حق سبحانہ کے ساتھ ہے یا تو ان میں حق سبحانہ کی عظمت کا اظہار کی قسمیں | ہوگا یا اظہارِ رحمت کا یا اس کی وسعتِ ملک اور کثرتِ عطا کا۔ چنانچہ پہلی قسم کی حدیث قدسی کی مثال جس میں عظمتِ خداوندی کا اظہار ہے مسلم کی یہ حدیث ہے جس کی روایت ابو ذرؓ نے کی ہے یا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوْلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِسْکُمْ وَاِحْکُمْ اَلْحَمْدُ

دوسری قسم کی حدیث کی مثال جس میں اظہارِ رحمت ہوتا ہے، یہ حدیث ہے اَعْدَتْ لِعِبَادِیْ الصَّالِحِیْنَ۔

تیسری قسم کی حدیث کی مثال جس میں وسعتِ ملک اور کثرتِ عطا کا ذکر ہے، یہ حدیث ہے

يٰۤاَيُّهَا مَلَائِکَةُ لَا تَغِیْضُوْهَا نَفْثَةَ سَمَاءِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ اَلْحَمْدُ

اور حق سبحانہ تعالیٰ کے بارے میں یہ علومِ روح کے علوم ہیں اور جو احادیث غیر قدسیہ ہیں

حضرت عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ حادث ہے قدیم نہیں ہے ایک اہم مسئلہ حل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے آج کل مسلمانوں کے دو مقتدر گروہوں کے درمیان جھگڑا چل رہا ہے۔ یعنی دیوبندی اور بریلوی۔ ایک گروہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر زور دیتا ہے اور دوسرا گروہ توحیدِ باری تعالیٰ کے پیش نظر اس سے انکار کرتا ہے لیکن اگر حضرت دباغ کے بیان کو تہ نظر رکھا جائے تو کوئی اشکال نہیں رہتا اور درست بھی نہیں ہے کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حادث ہے اور نورِ خداوندی ازلی و قدیم۔ اور دونوں کے درمیان

بین فرق ہے۔ (مترجم)

(۱) مشکوٰۃ باب الاستغفار ص ۲۳ نیز ص ۲۵ باب التوبہ

(۲) مشکوٰۃ باب صفة الجنة واهلها ص ۲۹۵



ان میں ان کا روئی سخن صرف ان امور کی جانب ہوتا ہے جن کا تعلق عباد و بلاد کی اصلاح کے ساتھ ہے مثلاً یہ کہ ان میں حلام و حرام بیان ہوتا ہے یا وعدہ و وعید کا ذکر کہہ کے خدا کی اطاعت کی ترغیب دی جاتی ہے۔

میں نے حضرت کی تقریر سے جو کچھ سمجھا یہ اس کا خلاصہ ہے ورنہ حق بات یہ ہے کہ میں اسے پورے طور پر بیان نہیں کر سکا اور نہ ہی پورا مفہوم ادا کیا ہے۔

حدیث قدسی کلام خداوندی پھر میں نے دریافت کیا کہ حدیث قدسی اللہ کا کلام ہے یا نہیں۔ فرمایا یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ کلام نبی صلعم ہے۔ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ میں نے سوال کیا تو پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کیا جاتا ہے اور اسے حدیث قدسی کیوں کہا جاتا ہے اور پھر اس حدیث کے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں کہ اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے روایت فرمایا ہے اور جب یہ حدیث کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائی تو پھر رب سے روایت کہاں ہوئی مزید برآں ان احادیث

میں جو ضمیر متکلم کی آتی ہے ان کا کیا کریں؟ مثلاً اس حدیث میں **يَا عِبَادِ اللَّهِ لَوْ أَنَّ آدَمَ لَمَسَ رِجْلَهُ لَمَسَ رِجْلَ اللَّهِ** اور اس حدیث میں **أَخَذَتْ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ** اور اس حدیث میں **أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي** **مُؤْمِنٌ وَبَنِيٌّ وَكَافِرٌ** کیونکہ اس طرح خطاب کرنا تو اللہ ہی کو مناسب ہے۔ لہذا احادیث قدسیہ کو اللہ کا

کلام ہونا چاہیے۔ اگرچہ ان کے الفاظ مجزہ نہیں ہیں اور نہ ہی ہمیں ان کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت نے ایک بار تو اس کا بولوں جواب دیا کہ حق سبحانہ کی طرف سے ذات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الوار

اس کثرت سے برستے کہ آپ کو ایک خاص قسم کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اگرچہ عام مشاہدہ تو آپ کو ہر وقت حاصل ہوتا، چنانچہ ایسی حالت میں اگر الوار کے ساتھ حق سبحانہ و تعالیٰ کا کلام بھی سنائی دیتا

یا کوئی فرشتہ نازل ہوتا تو یہ قرآن تھا لیکن اگر کلام سنائی نہ دیتا اور نہ ہی کوئی فرشتہ اترتا تو یہ وقت حدیث قدسی کا ہوتا چنانچہ اس حالت میں جب آپ کلام فرماتے تو شان ربوبیت میں کلام فرماتے اس کی عظمت

کی وجہ سے ادا اس کے حقوق کے ذکر کی وجہ سے۔ اب اس کلام کو رب کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام اس مشاہدہ کے ساتھ ہوتا جس میں امور مختلف ہو جاتے یہاں تک کہ غیب بنزلہ شہادت

ہو جانا اور باطن بنزلہ ظاہر کے۔ اسی لیے اسے رب کی طرف منسوب کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ حدیث ربانی ہے اور یہ کہ یہ وہ حدیث ہے جسے آنحضرت نے اپنے رب سے روایت کیا۔ اور ضمیر متکلم لانے کی وجہ

یہ ہے کہ اپنے رب کی شان مشاہدہ کر کے بزبان حال (حق تعالیٰ کی طرف سے) نقل فرمایا اور جو حدیث قدسی نہیں ہوتی اس کے ساتھ وہ نور نکلتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں دائم رہتا ہے اور

نور نبی کی تشریح اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کو الوار حق

عہ علماء حدیث نے حدیث قدسی کے تعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مفہوم اللہ کی طرف سے ہوتا ہے مگر الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں۔

سے مستفیض کیا ہے بعینہ اسی طرح جس طرح اللہ تعالیٰ نے جرم آفتاب کو انوار محسوسہ سے نوازا ہے لہذا جس طرح سورج کے لیے نور ہونا ضروری ہے اسی طرح آپ کی ذات شریفہ کے لیے بھی نور کا ہونا لازم ہے۔

دوسری تشریح | دوسری مرتبہ فرمایا: ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ایک شخص کو دائمی بخار ہے اور ہے بھی ایک معتدب درجہ کا۔ اور پھر فرض کر لیں کہ یہ بخار اُسے زیادہ زور کا ہو گیا یہاں تک کہ اُس کے حواس جاتے رہتے ہیں اور وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے کہ وہ خود بھی نہیں سمجھتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ پھر یہ فرض کر لیں کہ یہ بخار اس قدر زور پکڑ جائے کہ وہ اپنے حواس نہ کھوٹے اور اپنی عقل پر قائم رہے اور جو کچھ بولے اُسے سمجھنا بھی ہو، اور اس بخار کی تین حالتیں ہوں گی۔

۱۔ بخار کی معلوم مقدار۔

۲۔ بخار کی اس قدر شدت کہ مریض حواس کھو بیٹھے۔

۳۔ بخار کی اس قدر شدت کہ مریض حواس نہ کھوٹے۔

نور نبی ذمین حالتیں | آنحضرت کی راشیہ کے انوار کا بھی یہی حال ہے (۱) معتدب مقدار کے نور کے وقت جو کلام فرمائیں گے وہ حدیث غیر قدسی ہوگی (۲) اگر انوار پھیل جائیں اور ذات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشتعل کر دیں یہاں تک کہ آپ اپنی متاد و حالت سے باہر ہو جائیں تو اس وقت جو کلام ہوگا وہ کلام اللہ ہوگا۔ نزدیکی قرآن کے وقت آپ کی یہی حالت ہوتی تھی۔ (۳) اگر انوار پھیل جائیں لیکن آپ کو اپنی حالت سے نہ نکالیں تو اس وقت جو کلام آپ فرمائیں گے وہ حدیث قدسی کہلائے گی۔

تیسری تشریح | ایک اور مرتبہ یوں فرمایا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرمائیں تو اگر یہ کلام آپ کے اختیار سے باہر ہو تو یہ قرآن ہے۔ اگر آپ کے اختیار میں ہے اور پھر اس میں عارضی انوار پھیل جائیں تو یہ حدیث قدسی ہے اور انوار دائمی ہوں تو یہ حدیث غیر قدسی ہے اور چون کہ آپ کے کلام کے ساتھ حق سبحانہ کے انوار کا ہونا ضروری ہے اس لیے جو بات بھی آپ فرماتے ہیں وہ سب رحی الہی ہے البتہ ان میں انوار کے اختلاف کی وجہ سے تین قسمیں بن گئیں ہیں واللہ اعلم۔

یہاں نے عرض کیا یہ تو نہایت عمدہ کلام ہے لیکن اس بات کی کیا دلیل ہے کہ حدیث قدسی اللہ کا کلام نہیں ہے۔ فرمایا بھلا اللہ کا کلام بھی چھپ سکتا ہے، میں نے عرض کیا: کیا کشف کے ذریعہ سے؟ فرمایا کشف کے ذریعہ سے بھی اور بغیر کشف کے بھی۔ جس کسی میں عقل ہو اور وہ خاموشی سے قرآن سنے، پھر خاموشی سے کسی اور کا کلام سنے تو دونوں میں بالضرور فرق پائے گا۔ صحابہ سب سے عقلمند لوگ تھے اور انہوں نے اپنے آباء کے دین کو صرف اس لیے چھوڑا کہ ان پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف احادیث قدسیہ کا

سا کلام ہوتا تو ایک شخص بھی آپ پر ایمان نہ لاتا۔ وہ چیز جس کے سامنے اُن کی گردنیں جھک گئیں، وہ قرآن عزیز ہی ہے جو رب سبحانہ و تعالیٰ کا کلام ہے۔

میں نے عرض کیا کہ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ رب کا کلام ہے حالانکہ عرب لوگ تو بت پرست تھے اور انہیں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پہچان نہ تھی کہ وہ معلوم کر سکتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ زیادہ سے زیادہ انہیں یہ سمجھ آتا تھا کہ ایسا کلام کہنا بشری طاقت سے باہر ہے۔ سو ہو سکتا ہے کہ مثال کے طور پر یہ فرشتوں کا کلام ہو۔

کلام اللہ کی ہیبت اور ودیدہ حضرت نے جواب دیا جو شخص بھی قرآن کو سُننے لگا اور اس کے معانی شامی فرمان کا سا ہے کو دل پر جاری کرے گا تو اسے لازمی طور پر محسوس ہو جائے گا کہ یہ

اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کیوں کہ جو عظمت اس میں پائی جاتی ہے اور جو ہیبت اس سے طاری ہوتی ہے وہ عظمت ربوبیت اور سطوة الوہیت کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ جب ایک عقل مند اور ذی فہم انسان کسی دنیاوی بادشاہ کا کلام سن لے، پھر اس کے بعد اس کی رعیت کا کلام سنے تو بادشاہ کے کلام میں ایک خاص بات پائے گا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر ہم فرض کر لیں کہ وہ شخص نابینا ہے اور ایک جگہ نیچے لوگ بیٹھے ہاتھیں کر رہے ہوں اور بادشاہ بھی اُن میں چھپ کر بیٹھا ہو اور باری باری تفریر کریں تو یہ اندھا بادشاہ کے کلام کو دوسروں کے کلام سے پہچان لے گا اور اس میں قطعاً شک و شبہ نہ ہوگا۔ جب فانی کا فانی کے ساتھ یہ رنگ ہے تو کلام قدیم کا کیا رنگ ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن ہی سے اپنے پروردگار کو پہچانا۔ اس کی صفات کو پہچانا اور جس ربوبیت کا وہ مستحق ہے اس کو پہچانا۔ قرآن کا محض سن لینا ہی ان کے لیے اللہ کا علم یقین حاصل کرنے میں معاینہ اور مشاہدہ کا قائم مقام ہو گیا۔ یہاں تک کہ حق سبحانہ ان کے نزدیک ایسا بن گیا جیسا ہم نشین اور کسی سے اس کا ہم نشین چھپا نہیں ہوتا۔

کلام اللہ کی پہچان | پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان ان امور سے ہوتی ہے :-

۱۔ پہلی پہچان : طاقت بشری سے خارج مہنا، یہ کلام انسانوں بلکہ تمام مخلوقات کی قدرت سے باہر ہوتا ہے کیونکہ اللہ کا کلام اللہ کے علم محیط، فیصلے اور حکم کے مطابق ہے اور فانی کا علم نہ تو محیط ہوتا ہے اور نہ اس کے فیصلے نافذ ہوتے ہیں لہذا فانی اپنے فانی علم اور عاجز حکم کے مطابق بات کرے گا کیونکہ اس کے اختیار میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔

۲۔ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ وہ عالم غیب ہے۔ اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور نہ اس کے فیصلے کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے لہذا اللہ کے کلام میں ان باتوں کے پائے جانے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ غیر کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے۔

۲- دوسری پہچان: اس میں دبدبہ پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں وہ عظمت پائی جاتی ہے جو اذروں کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ کلام جس ذات سے نکلتا ہے، اسی کے احوال کے تابع ہوتا ہے۔ لہذا جب اللہ کا کلام نکلے گا تو اس کے ساتھ الوہیت کی سطوت اور ربوبیت کی شان ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں انعام کے وعدہ کے ساتھ ساتھ سزا کی دھمکی اور اجر کی بشارت کے ساتھ ساتھ عذاب کا خوف دلایا گیا ہے۔ اگر بالفرض اللہ میں صرف اتنی عظمت ہوتی کہ وہ کلام کر رہا ہے اور سارا ملک اس کی ملکیت ہے اور تمام شہروں پر اس کی حکومت ہے اور سارے بندے اس کے غلام ہیں۔ زمین اس کی ملکیت ہے اور آسمان اس کا ہے، مخلوقات اسی کی ہے جس میں کسی اور کا دخل نہیں ہے۔ تب بھی اس کا کلام پہچاننے کے لیے یہ کافی تھا اور دوسرے کے کلام میں بالضرور خوف کی علامت پائی جائے گی کیونکہ مشکلم خواہ کتنا مضرب کیوں نہ ہو اس کے دل میں اللہ کا خوف بھرا ہوگا اور اللہ تعالیٰ تو کسی سے ڈرتا نہیں ہے کیونکہ وہ غالب ہے اور اس کا کلام بھی غالب ہے۔

تیسری پہچان: جب کلام قدیم سے ان فانی حروف کو علیحدہ کر دیا جائے اور خالص معانی قدیمہ رہ جائیں تو تو دیکھیے گا کہ ان کا مخاطب تمام مخلوقات سے (یعنی ابتدائے آفرینش سے انتہائے آفرینش تک) ہے اور اس کلام میں باطنی حال اور مستقبل میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معنی قدیم میں نہ ترتیب ہے نہ تجزیہ اللہ جس شخص کی بصیرت کی آنکھ کھول دے اور وہ معنی قدیم کو دیکھے تو اسے لا انتہا پائے گا۔ اس کے بعد جب وہ حروف پر نظر ڈالے گا تو اسے یوں معلوم ہوگا کہ یہ ایک قسم کی صورت ہے جس میں معنی قدیم چھپے ہوئے ہیں۔ لہذا جب اس صورت کو الگ کر دیتا ہے تو اسے ایک غیر متناہی شئی دکھائی دیتی ہے اور یہی باطن قرآن ہے اور جب صورت کو دیکھتا ہے تو اس کو دو پھولوں میں محدود دیکھتا ہے اور یہ ظاہر قرآن ہے اور جب قرآن کو کان لگا کر سنتا ہے تو معانی قدیمہ کو الفاظ کے سایہ میں اس طرح

(۱) ماضی حال اور مستقبل نام ہے زمانہ کا لیکن زمانہ ہی اٹھ گیا تو نہ ماضی رہا نہ حال وغیرہ کیونکہ احکام تو مخلوقات کے لیے ہیں۔ لہذا جب اس میں تخلیق عالم سے قیامت تک کی تمام مخلوقات کو مخاطب کر لیا گیا تو پھر ماضی یا حال یا مستقبل کی ضرورت ہی اٹھ جاتی ہے۔ اور اس قسم کا مخاطب اسی کو زیب دیتا ہے جو ازلی وابدی ہو اور وہ ذات باری ہے لہذا اس کے کلام میں بھی یہ وصف ہے۔

(۲) اللہ کے ال زمانہ کا امتیاز نہیں ماضی اس کے سامنے حال اور مستقبل اس کے سامنے لہذا یہ سب کچھ اس کے لیے حال ہے اور ترتیب اپنی زمانوں کے مطابق ہوتی ہے لہذا جب زمانہ نہ رہا تو ترتیب بھی نہ رہی۔ شیخ کے فرمان سے ایک اور اشکال بھی حل ہو گیا کہ کلام اللہ کسی خاص ترتیب سے مرتب نہیں۔ نہ زمانہ نزل کے لحاظ سے اور نہ بیاد کردہ واقعات کے لحاظ سے۔ پھر اگر ماضی کو ایک لمحہ کے لیے نظر انداز کر دیا جائے تو قرآن زبان نزل کے تحت ترتیب سے تمام زمانوں کے لیے ہے کہوں کہ یہ آخری الہامی کتاب ہے اس لیے بھی اس میں ماضی و مستقبل برابر ہوئے۔



پڑا ہوا پاتا ہے کہ وہ نہیں صاف دیکھ لیتا ہے۔ بعینہ اسی طری جس طرح کہ وہ محسوسات کو بنیادی کے ذریعہ سے دیکھ لیتا ہے۔

۲۲۔ چوتھی پہچان: وہ امتیاز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں قائم رکھا کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے کلام کے لکھنے کا حکم دیا اور اس کے علاوہ کسی اور کلام کے لکھنے سے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ جو کچھ کلام اللہ کے علاوہ لکھا ہے اسے مٹا دیا جائے اور یہ جو کہیں ثبوت ملتا ہے کہ صحابہ نے احادیث قدسیہ کو بھی لکھ لیا تھا تو یہ منجملہ ان تخریروں کے ہر گاہ جس میں انہوں نے آنحضرت کے کلام کو لکھ لیا تھا ان تخریروں میں جن میں کلام الہی لکھا تھا۔ مزید برآں مذکورہ بالا تین نصلتیں احادیث قدسیہ میں نہیں پائی جاتیں یعنی طاقت بشری سے خارج ہونا وغیرہ۔

یہ خلاصہ ہے جو ہم نے ان تینوں (عام احادیث، حدیث قدسی اور قرآن) میں فرق کے متعلق حضرت کے اشارات سے سمجھا ہے اور آپ کا آخری جواب یعنی آپ کا یہ فرمانا کہ جو شخص بھی قرآن کو محمد سے سنے گا اور پھر اور کلام سنے گا تو وہ یقیناً دونوں میں فرق پائے گا۔ ان کے قریب قریب امام ابو بکر باقلانی نے کتاب الانتصار میں اشارہ کیا ہے اور اس پر بہت زور دیا ہے حتیٰ کہ اسی سے روانض کے بہتیرے دعوے جن میں غیر قرآن کو انہوں نے قرآن کی طرف منسوب کیا ہے، رد کیا ہے۔ اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ان کا کلام بھی یہاں نقل کر دیتا تاکہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

الحاصل جب حضرت نے جواب دینا شروع ہی کیا تھا تو میں حیران ہو گیا تھا کہ آپ نے فوراً وہ بات کہی جس کا ذکر امام مذکور (امام باقلانی) نے کیا ہے پھر یہ کہ آپ نے آخری جواب میں ایک پانچواں فرق بھی بیان فرما دیا جس کی بنیاد محض کشف پر ہے لیکن ہم نے یہ جواب درج نہیں کیا کیونکہ یہ علوم کی عقلوں سے بالا ہے۔ اس مقدمہ میں ہم جو کچھ لکھنا چاہتے تھے اسے اسی پر ختم کرتے ہیں۔ اب ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں اور وہ ان علوم کا جمع کرنا ہے جو ہم نے شیخ سے اس کا ذکر کئی ابواب میں آئے گا۔

عہ تاکہ میں آپ کا کلام اللہ کے کلام سے نزل جائے۔  
عہ ابو بکر باقلانی: قاضی ابو بکر محمد بن الطیب اشعری باقلانی متوفی ۴۰۳ھ۔

# پہلا باب

وہ احادیث جن کا مطلب ہم نے شیخ سے دریافت کیا

پہلی حدیث | ترمذی میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ ایک کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے ہے اور اس میں اہل جنت کے نام، ان کی ولایت اور قومیت درج ہے۔ ان میں کبھی بھی کوئی کمی یا بیشی نہ ہوگی۔ پھر بائیں ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے اسی قسم کے الفاظ دوزخیوں کے متعلق فرمائے۔ اس کے بعد آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ ان کو پھینک دیا اور فرمایا: پھر دوزخ کے بندوں سے فارغ ہو چکا۔ ایک فریق جنت میں جائے گا اور ایک فریق دوزخ میں۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس حدیث کے اسناد حسن ہیں۔ ایک شخص کو اس میں اشکال پیدا ہوا اور اس نے خیال کیا کہ اس حدیث میں قدرت کا تعلق ناممکن چیز سے کیا ہے کیونکہ تمام اہل جنت کے نام ایک ایسی کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وایاں ہاتھ اٹھا سکے اور اسی طرح اہل دوزخ کے نام ایک ایسی کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں جسے آپ بائیں ہاتھ میں اٹھا سکیں۔ اس شخص نے سوال وضاحت سے کیا اور اس نے کئی ایک باتیں پوچھیں۔

اس حدیث پر اعتراض | اظہار کلام کہتے ہیں کہ قدرت الہیہ کا تعلق ممکنات سے ہوتا ہے، محال اور اس کا جواب | سے نہیں۔ اس کے باوجود اس حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لیے باہر نکل کر آئے اور فرمایا کہ اہل جنت کے نام مع ولایت، قومیت اور قبیلہ کے ایک میں اور اہل دوزخ کے نام مع ان کی قوم اور قبیلہ کے، دوسری کتاب میں ہیں

عہ | عبد اللہ بن عمرو بن العاص مشہور صحابی ہیں۔ یہ اپنے باپ عمرو سے پہلے ایمان لائے۔ ان کا باپ ان سے صرف تیرہ سال بڑا تھا۔ ان کی تاریخ وفات میں بہت اختلاف ہے چنانچہ یہ تاریخیں بیان کی جاتی ہیں: ۶۳ھ، ۶۴ھ، ۶۵ھ، ۶۶ھ اور ۶۷ھ۔

عہ | ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب ایمان بالقدوس، طبع مجتہبی۔

حالانکہ دونوں کتابیں چھوٹی سی تھیں اور ناموں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس میں صغیر شئی کو کبیر پر وارد کیا گیا ہے، بدون اس کے کہ بڑی کو چھوٹا اور چھوٹی کو بڑا کیا جائے اور نہ کونسا دفتر ان کے ناموں کو ضبط کر سکتا ہے۔ یہ محال عقلی کی بڑی مضبوط دلیل ہے کہ وسیع چیز کو تنگ چیز پر داخل کیا گیا ہے باوجود اس کے کہ چھوٹی چھوٹی رہی اور بڑی بڑی حالانکہ اس کی نچر دینے والا نبی معصوم ہے جو اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ بذریعہ وحی بولتا ہے۔

حضرت نے جواب دیا کہ جو کچھ علماء کلام نے اور اہل سنت والجماعت نے کہا ہے، عقیدہ وہی ہے۔ ولی کی کرامت اور نبی کے معجزات میں ایسی چیز نہیں ہو سکتی جسے عقل ناگھن قرار دے۔ لیکن ان میں ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کے سمجھنے سے عقل قاصر ہوتی ہے، مگر جب معنی سزا کی طرف ہایت کی جاتی ہے تو پھر عقل اس کو قبول کر لیتی ہے۔

مذکورہ کتابوں میں کتابت سے مراد کتابت قلم نہیں بلکہ کتابت نظر ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ صاحب بصیرت بالخصوص سید الاولین والآخرین سیدنا و مولانا محمد علی اللہ علیہ وسلم جب کسی چیز کو دیکھنے کا ارادہ کریں تو ان کی بصیرت ان کے اور اس شئی کے درمیان ہر قسم کے پردوں کو بھاڑ کر نکل جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی روشنی اس چیز تک پہنچ کر اس کا احاطہ کر لیتی ہے، لہذا جب اس چیز کی صورت بصیرت میں حاصل ہو جاتی ہے اور ہم نے بصیرت کا طہ عرض کیا ہے، تو اس کا اثر بصیرت تک جا پہنچتا ہے لہذا جو قدرت بصیرت کو حاصل ہوتی ہے وہی بصیرت کو حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بصر اپنے سامنے کی چیز میں اس شئی کو منقوش دیکھ لیتی ہے لہذا اگر بصیرت کے بالمقابل دیوار ہوگی تو اس چیز کو دیوار میں دیکھے گا، اگر اس کا ہاتھ ہوگا تو اسے ہاتھ میں دیکھے گا اور اگر اس کے بالمقابل کاغذ ہوگا تو اس چیز کو کاغذ میں دیکھے گا یہی مراد ہے حضور کے اس فرمان کی کہ مَثَلْتُ لِي الْحَيَّةَ وَالنَّارَ فِي عَرْضِ هَذَا الْحَائِطِ۔ مجھے اس دیوار کی پٹائی میں جنت و دوزخ دکھائی گئی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بصیرت کی توجہ ان کی طرف کی، جبکہ آپ صلوٰۃ الکسوف پڑھ رہے تھے تو تمام پردوں کو بھاڑ کر آپ کی دنیا کی اس یہ دونوں آگئیں۔ اور آپ کے سامنے دیوار کا عرض کھلا لہذا آپ نے ان دونوں کی صورت دیوار میں دیکھ لی۔

دو کتابوں کی حدیث سے یہی مراد ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنی بصیرت سے جنت کی طرف توجہ کی تو اس کی صورت آپ کی بھر میں آگئی اس وقت آپ کے سامنے وہ کتاب آتی جو آپ کے دائیں

ہاتھ میں تھی تو آپ جنت اور اہل جنت کی صورت اس جسم میں دیکھنے لگ گئے جو آپ کے داہنے ہاتھ میں تھا اور فرمایا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں اہل جنت کے نام مع دلالت اور قومیت کے درج ہیں۔ پھر آپ نے اپنی بصیرت کو دوزخ کی طرف متوجہ کیا تو اس کی صورت آپ کی بصر میں آگئی اور آپ کے بالمقابل وہ جسم تھا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھا چنانچہ آپ اس کی صورت اور اس کی تمام چیزوں کی صورت دیکھنے لگ گئے اور فرمایا: یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں دوزخیوں کے نام مع دلالت اور قومیت کے درج ہیں اگر مُثَلَّثٌ بِلَى الْجَنَّةِ وَالنَّارِ والی حدیث میں کوئی اشکل ہو سکتا ہے تو اس میں بھی ہو سکتا ہے اور اگر اس میں کوئی اشکل نہیں ہے تو اس میں بھی نہیں ہے۔ اشکال اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ہم قلم کی لکھت مراد لیں۔ اگر اس حدیث میں قلم کی لکھت مراد لینی گئی ہوتی تو حدیث کے آخری حصہ میں اور اس میں تناقض پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے آخر میں ہے "پھر آپ نے ان دونوں کتابوں کو پھینک دیا۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب کو جو رب العالمین کی طرف سے آئی ہو اور اس میں اللہ کے رسولوں، اصفیاء اور برگزیدہ لوگوں کے نام ہوں، پھینک دیں حالانکہ آپ اللہ اور اس کے رسولوں اور فرشتوں کی سب سے زیادہ تعظیم کرنے والے تھے۔ آپ نے تو اسی صورت کو جو اس جسم میں حاصل ہوئی تھی کتاب کا نام اس لیے دیا کہ وہ خارجی چیز پر دلالت کرنے میں کتابت سے مشابہ تھی علاوہ برائیاں جو خارج میں چیز ہو اس پر بھی کتابت کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے کیونکہ کتابت کا لفظ جمع سے لیا گیا ہے لہذا ہر مجموعہ کو منسوب کہہ سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے فوجی دستوں کو کتاب کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مجتمع ہوتے ہیں اور کتاب کا مفرد کتیبۃ ہے یعنی مجموعہ اور دوسرے دستوں سے لی ہوئی۔

کتابت کو رب العالمین کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا کہ وہ نور جو اس صورت کے حاصل ہوتے کا سبب ہے جسے کتابت سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ نہ انسانی طاقت میں ہے نہ اس کے اکتاب میں، وہ صرف مدد ربانی ہے اور اللہ سبحانہ کا نور ہے۔ اس کے ظاہر ہو گیا کہ کتابت سے

عہ حیرت کا مقام ہے کہ حضرت سید عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ باوجود اسی ہونے کے علوم سے کس قدر واقف تھے۔ جہاں پر آپ نے ٹھیکہ لغوی بحث دی ہے جس کا علم بڑے بڑے درعیان علم کو بھی نہیں۔ چنانچہ اہل اذن کتاب کی تشریح میں یہی کہتے ہیں کہ اسے کتاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں حروف کو اکٹھا کیا جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ملایا جاتا ہے اور اس کی تائید میں یہ محاورہ بھی لیا جاتا ہے کَتَبَ حَيَاءَ النَّاسِ إِذَا جَمَعَهَا مِرَامِقًا اس لفظ پر بحث کرنا میں حضرت کے علم لسانی کی تائید کرنا ہے۔ مترجم۔



مراد صرف وہ صورت ہے جو نظر میں حاصل ہے اور پس۔ اور نظریں اس صورت کا حاصل ہونا کوئی مشکل نہیں جس طرح تمام مرئی اشیاء نظر میں حاصل ہوتی ہیں کیونکہ باوجود اس کے کہ آنکھ کی پتلی چھوٹی ہے اس میں ایک بڑی صورت مرتسم ہو جاتی ہے مثلاً آسمان کی صورت اور آنکھ کی پتلی ایک مسور کے دانہ سے بھی چھوٹی ہے۔ لہذا یہ حدیث ممکنات میں سے ٹھہری۔ تمام معجزات اور خوارق کا بھی یہی حال ہے۔

**دوسری حدیث** میں نے کئی بار آپ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا: **إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ ط (قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا۔ آپ نے اس کے کئی ایک جواب دہے مگر پھر بھی طبیعت مطمئن نہ ہوئی اور جواب ثانی کی منتظر رہی۔ اشکال اس طرح پیدا ہوا کہ "حرف" کا لفظ لغت کے اعتبار سے ظاہر ہے جس میں اس قسم کا کوئی اشکال نہیں جس قسم کا سورتوں کے ابتدائی حروف میں ہے اور علماء نے اس کی تشریح میں بہت اختلاف کیا ہے، جس کے مطالعہ سے پہلے ثانی اور اشکال پڑتا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تو ایک ہی ہوگی اور اختلافی اقوال کی تعداد چالیس تک پہنچ جاتی ہے۔ جو اس کے مبہم اور دقیق ہونے کے موجب ہیں۔ کیونکہ کسی بات میں اقوال کی کثرت اس شے کے متعلق عدم واقفیت کی سبب بنتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ممکن ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کچھ اور ہی ہو جس کا ذکر ان تمام اقوال میں سے کسی ایک میں بھی نہیں کیا گیا اور اس حدیث کی روایت متعدد صحابہ نے کی ہے مثلاً عمر بن الخطاب، حشام بن حکیم، ابی بن کعب۔ عبد الرحمن بن**

عہ مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن ص ۱۹۲ **أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ** حافظ حدیث امام جلال الدین سیوطی تنزیہ الحواکک شرح مؤطا مالک ج ۱: ۱۵۹ مطبعہ مصطفیٰ البابی ۱۹۵۰ء میں لکھتے ہیں کہ اس بارے میں کہ سب سے احرف سے کیا مراد ہے علماء میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں چالیس کے قریب مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں جن کا ذکر میں نے اپنی کتاب الاثقان میں کیا ہے۔ میرے نزدیک سب سے میرے نزدیک سب سے بہتر قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کا فرمان متشابہات میں سے ہے جس کی تاویل کا ہمیں علم نہیں کیونکہ جس طرح قرآن مجید میں متشابہات پائے جاتے ہیں اسی طرح حدیث میں بھی متشابہات ہیں۔ ۱۲

راقم کتاب ہے کہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المعروف بابن اللہان المصری متوفی ۴۷۹ھ نے اس پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام **إِزَالَةُ الشُّبُهَاتِ عَنِ الْآيَاتِ وَالْأَحَادِيثِ الْمُتَشَابِهَاتِ** رکنا ہے۔ (کشف الظنون: ۱۰۷)

عہ ان سے مراد حروف مقطعات ہیں مثلاً **الھم** وغیرہ ۱۲۰  
عہ حشام بن حکیم: حشام بن حکیم بن حزام قرشی فوج کے دن ایمان لائے۔ ان کا شمار فضلاء صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کے والد حکیم کی وفات ۵۵ھ = ۶۷۵ء میں ہوئی اور یہ اپنے والد کی بیات میں ہی وفات پائے گئے تھے۔

عوف، عثمان بن عفان، عمر بن ابی سلمہ، ابی جہیم، سمرہ بن جندب، عمرو بن العاص، ام ابیوب انصاریہ اور ان کے علاوہ اور صحابہ نے بھی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہاں تک کہ ابویعلیٰ نے اپنی مسند کبیر میں لکھا کہ ایک دن حضرت عثمان بن عفان منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا میں نہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ تم میں سے جس جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ الفاظ سنے ہیں کہ قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا اور ہر حرف ایک شان بیان کرتا ہے، وہ کھڑا ہو جائے۔ اس پر ہر جانب سے صحابہ جن کی تعداد مجھے یاد نہیں، اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر ایک جی کتنا تھا کہ میں نے آنحضرت سے یہ الفاظ سنے تھے۔ حضرت عثمان نے کہا میں نے بھی حضور کو یہی کہتے ہوئے سنا تھا اسی لیے ابو عبیدہ اور دیگر حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ یہ حدیث متواتر حدیثوں میں سے ہے۔ تدیکم زمانہ سے لے کر آج تک علماء نے اس پر خوب بحث کی ہے اور بعض نے تو اس پر مستقل کتابیں لکھیں ہیں۔ مثلاً ابو شامہ نے۔ اس پر بہترین بحثیں تو میں نے چار بڑے بڑے عالموں کی دیکھی ہیں۔

(۱) مان المتکلمین قاضی ابوبکر باقلانی کی کتاب الانتصار میں۔ انہوں نے مسئلہ کو اچھی طرح سے واضح کیا ہے۔

(۲) حافظ کبیر ابن الجزری کی التشریح میں۔ اس نے دس نصلوں میں کئی طرح سے بحث کی ہے اور ان صحابہ کے نام ذکر کئے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

(۳) حافظ امیر المومنین فی الحدیث امام ابن حجر مخرج بخاری میں فضائل قرآن کے باب میں۔

(۴) امام جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن میں۔ انہوں نے چالیس مختلف اقوال

عمر بن ابی سلمہ: ان کے باپ ابو سلمہ کا اصل نام عبد اللہ ہے۔ ان کی پرورش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اور ام المومنین ام سلمہ کے بیٹے تھے۔ ان کی پرورش بیٹہ ہجرت کے بعد ہوئی۔ حضرت علی نے اپنے عہد خلافت میں انہیں یمن اور فارس کا گورنر بنایا تھا۔ ان کی وفات مدینہ میں ۳۳ھ میں ہوئی۔

عمرو بن العاص: مشہور صحابی ہیں ۳۳ھ میں فتح مکہ سے پندرہ ماہ قبل ایمان لائے۔ انہوں نے مصر میں حکومت اختیار کر لی تھی اور وہیں شہر برس کی عمر میں ۳۳ھ میں وفات پائی۔

ام ابیوب انصاریہ: حضرت ابو ابیوب انصاری کی بیوی تھیں۔ برقیہ بن سعید خدری کی بیٹی اور ابو ابیوب انصاری کی بیوی تھیں صحابیہ ہیں۔

ابو یعلیٰ: مشہور صحابی ہیں۔ ان کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی۔

ابو عبیدہ: مشہور صحابی ہیں۔ ان کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی۔

ابو شامہ: مشہور صحابی ہیں۔ ان کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی۔

نقل کیے ہیں۔

بادجود اس کے کہ مجھے ان بزرگ علماء کے اقوال کا علم تھا اور ان کو خوب اچھی طرح سمجھتا تھا، پھر بھی مجھے سمجھ نہ آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کیا ہے اور تعین مراد میں مجھے شک ہی رہا۔ لہذا میں نے شیخ سے عرض کیا کہ میں تو آپ سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آنحضرت نے اس سے کیا مراد لی ہے۔ فرمایا انشاء اللہ کل جواب دیں گے۔ دوسرا دن ہوا تو فرمایا اور شیخ فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ہے کہ ان کی اس حدیث سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے اپنی مراد کی تشریح کر دی ہے۔ میں نے اس مسئلہ میں حضرت سے تین دن بحث کی اور آپ تشہیح فرماتے رہے کہ اس سے یہ معنی مراد لیے گئے ہیں۔ جس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کی بڑی شان ہے اور اس کے متعلق میں نے وہ امرار سنئے جن کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی اور نہ کسی کو سمجھنے کی طاقت ہے۔ مختصر بات جو ہم تحریر کر سکتے ہیں وہ یہ ہے:-

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوت ودیعت کر رکھی ہے جس کے الوارسات قسم کے ہیں۔ ان ساتوں نوروں کے ذریعہ ہیں۔ ایک حق تعالیٰ کی طرف اور دوسرا مخلوقات کی طرف۔ یہ الوار پہلے رخ میں متواتر فیضان کرتے رہتے ہیں اور کبھی نہیں تھمتے اور نہ ہی سست پڑتے ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کرنا چاہتے ہیں تو جو آیت نازل ہوتی ہے اس کے ساتھ پہلے رخ کے نور میں سے کھوڑا سا نور بھی ہوتا ہے۔ سارا تو نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو خدا کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے نہ تھمتا ہے اور نہ سست پڑتا ہے، اس لیے مخلوقات کی طرف توجہ کے وقت صرف کھوڑا سا نور ظاہر ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ دوسری آیت اتارتا تو اس میں دوسرے رخ کا کچھ نور ہوتا ہے۔ پھر تیسری آیت اترتی ہے اور اس میں تیسرے نور میں سے کسی قدر نور ہوتا ہے، اسی طرح ساتوں نور تک۔

سات حروف | اس پر میں نے عرض کیا یہ ساتوں نور جن کی طرف سات حروف کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے، کیا چیزیں؟ حضرت نے فرمایا: وہ سات حروف یہ ہیں (۱) حرف نبوت

(۲) حرف رسالت (۳) حرف آدمیت (۴) حرف روح (۵) حرف علم۔ (۶) حرف قبض (۷) حرف لبط  
۱- حرف نبوت: حرف نبوت کی شناخت یہ ہے کہ آیت صبر کا حکم دے رہی ہو، حق راہ بتا رہی ہو اور دنیا و شہوات دنیا سے نفرت ولا رہی ہو کیونکہ نبوت کا طبعی خاصہ حق کی طرف جھکنا، حق بات کہنا، حق راہ بتانا اور حق بات میں خیر خواہی کرنا ہے۔

۲- حرف رسالت: حرف رسالت کی یہ علامت ہے کہ آیت میں آخرت، اس کے درجات مقامات اور ثواب وغیرہ کا ذکر ہو۔

۳- حرف آدمیت : حرف آدمیت کا حاصل وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں میں دلویت کر رکھا ہے اور انہیں اس سے انسانی کلام کرنے پر قادر کیا ہے تاکہ ان کا کلام ملائکہ جنوں اور باقی تمام کلام کرنے والی مخلوقات کے کلام سے ممتاز ہو سکے اور باوجودیکہ یہ صفت ہر انسان میں پائی جاتی ہے اسے ان سالوں میں اس لیے شامل کیا گیا کہ یہ صفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں طہارت اور صفائی کے لحاظ سے انتہا کو پہنچ چکی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ طہارت اور صفائی میں آپ کی ذات کا کمال اس درجہ تک پہنچ چکا ہے جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں ہو سکتا اور آنحضرت کی ذات کے سوا کسی اور کی ذات میں اس کا ہونا بھی ناممکن ہے۔ مختصر یہ کہ جب یہ نور جس سے انسان کلام کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نور نبوت - نور رسالت - نور روح - نور علم - نور قبض اور نور لبط کے ساتھ پایا گیا۔ تو یہ نور انتہائی کمال پر ہو گا کیوں کہ آپ کی ذات، ان پچھ نوروں سے مستفیض ہو رہی ہوتی ہے لہذا آپ پر آیات کا نزول ہو گا اور کوئی آیت بھی ایسی نہ ہو گی جس میں یہ نور نہ پایا جائے، کیونکہ قرآن اسی بشری کلمت میں نازل ہوا ہے۔

۴- حرف روح : حرف روح کی نشانی یہ ہے کہ آیت کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کی بلند صفات سے ہو اور اس میں مخلوق کا کوئی ذکر نہ ہو کیونکہ روح ہمیشہ حق کا مشاہدہ کر رہی ہوتی ہے۔ لہذا جب اس صفت پر آیت نازل ہو گی تو اس کے ساتھ نور روح موجود ہو گا۔

۵- حرف علم : حرف علم کی پہچان یہ ہے کہ آیت میں گذشتہ لوگوں کے حالات بیان کیے گئے ہوں مثلاً عاد - ثمود - قوم نوح - قوم صود - قوم صالح وغیرہ کے حالات یا اس میں کسی رائے کے مذموم ہونے کی اطلاع دی گئی ہو۔ مثلاً اللہ کا زمان : اُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ۔ ترجمہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خرید لی۔ نہ تو انہیں اس سود سے میں فائدہ ہوا اور نہ ہی وہ سیدھی راہ پر بچتے، مختصر یہ کہ قصص، مواعظ اور حکم وغیرہ حرف علم پر نازل ہوں گی اور اس حرف کا نور جسے عطا ہو جائے اس سے جہالت کی نفی ہو جاتی ہے اور وہ عارف معرفت بن جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ ایک شخص پہاڑ کی چوٹی پر پیدا ہو اور بغیر کسی سے میل جول رکھنے کے وہیں رہا سہا ہو یہاں تک کہ جوان ہو گیا ہو، پھر اسے شہر میں ایسی حالت میں لایا جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس حرف کے نور سے مدد کی ہو تو اس صورت میں جس شخص نے تمام عمر علم حاصل کرنے میں لگا دی ہو اور اس شخص کے ساتھ کسی باب میں بھی بحث نہیں کر سکتا۔

۶- حرف قبض : حرف قبض کی پہچان یہ ہے کہ آیت کا ردی سخن کفار اور تاریکی کی طرف ہو۔



چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ کبھی تو آپ انہیں بدو غا دے رہے ہیں اور کبھی انہیں دھکی دے رہے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان **فِي تَسْلُوبِهِمْ حَرْزٌ حَرْزٌ اَذْهَمَ اللَّهُ حَرْزًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ**۔ ان کے دلوں میں شک و کفر کا مرض ہے خدا نے (ان کی ضد کی وجہ سے) اس مرض کو اور بڑھا دیا اور ان کے جھٹلانے کی وجہ سے انہیں دردناک عذاب دیا جائیگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ نور اور تاریکی کی فوجیں متواتر آپس میں لڑتی رہتی ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ تاریکی کی طرف ہوتی ہے تو آپ میں انقباض پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے مذکورہ قسم کی آیات آپ سے نکلتی ہیں۔

۷۔ حرف بسط : حرف بسط کی علامت یہ ہے کہ مخلوقات پر اللہ تعالیٰ نے جو انعامات کیے ہیں ان کا ذکر آیت میں کیا جائے اور مخلوقات کو یہ نعمتیں گنائی جائیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ان نعمتوں کی طرف ہوتی جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات پر کی ہیں تو آپ کو انبساط ہوتا جس کی وجہ سے آیت بھی مقام بسط سے نکلتی۔

حضرت نے فرمایا ان ساتوں حرفوں میں سے ہر حرف کی تقریباً یہی پہچان ہے جو ذکر کی گئی ہے۔ ورنہ ہر حرف میں ۳۶۶ (تین سو چھیاسٹھ) وجہیں ہیں۔ اگر میں ہر حرف میں ان وجوہ کی تشریح کروں اور ان کی تشریح ہر آیت میں ظاہر کروں تو لوگوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن سورج کی طرح روشن ہو جائے۔ مگر یہ ان امرار میں سے ہے جن کا چھپانا واجب ہے اور جن لوگوں پر اللہ کی فتح کبیر ہوتی ہے وہ اسے جانتے ہیں اور جسے فتح حاصل نہیں اسے اپنی حالت پر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔

تشریح کی تقریر میں نے عرض کیا حضرت اس بارے میں جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں حدیث پر اعتراض سب سے قرآنی الفاظ کے بولنے کی کیفیت مراد لی گئی ہے۔ مثلاً حضرت عمر کا فرمانا کہ میں نے ہشام بن حکیم کو ان حروف پر قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر اور حضرت ہشام دونوں کے حروف کو درست قرار دیتے ہوئے فرمایا: **إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْسَنِ أَقْوَامٍ وَأَمَّا نَبِيُّكُمْ فَهُوَ** (ترجمہ: قرآن مجید سات حروف پر اتارا گیا ہے، جسے جو حروف آسان معلوم ہوں وہی پڑھ لے) لیکن جناب کی تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حروف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں باطنی اوصاف اور الزاہر بانیہ ہیں جن میں حضرت عمر اور حضرت ہشام کا باہمی اختلاف کرنا ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہ جواب دیں کہ قرآن ان سات الزاہر پر

نازل ہوا ہے۔

شیخ کی طرف سے حضرت نے فرمایا کہ تلفظ کے اختلاف کے بارہ میں جو کچھ بھی حدیثوں کے اندر مذکور اعتراض کا جواب ہے وہ ان الزار باطنیہ کے اختلاف کی فرع ہے چنانچہ حروف کا ساکن ہونا یا ان پر پیش کا ہونا قبض سے پیدا ہوتا ہے۔ زبر حروف رسالت سے پیدا ہوتی ہے اور زیر حروف آدمیت سے پیدا ہوتی ہے اور ہر آیت کے لیے ایک خاص فتح اور مخصوص ذوق ہوتا ہے۔

جب میں نے حضرت سے یہ نوزانی کلام سنا تو میں نے فوراً سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتیں پڑھیں۔ چنانچہ حضرت نے جو تشریح مذکورہ بالا بیان کے مطابق کی میں اسے سن کر ششدر رہ گیا۔ میں نے ان آیات کو دوبارہ پڑھا اور میں نے قراءت نافع بن ابی نعیر، ابی عمرو بن العلاء البصری، ابن عامر، عاصم حمزہ، کسائی کی ساتوں روایات پڑھیں۔ میں نے تشریح میں نہیں نے آپ سے حیرت انگیز باتیں سنیں اور میں نے دیکھ لیا کہ ان ساتوں قراءتوں میں باطنی الزار کے لحاظ سے اختلاف پیدا ہوا ہے چنانچہ الحمد للہ اس حدیث کے مفہوم میرا جس چیز کو میں تیس سال سے زائد عرصہ سے تلاش کر رہا تھا وہ مجھے مل گئی۔ مجھ سے پہلے حافظ ابن الجوزی بھی تیس سال سے اسے تلاش کرتے رہے، تب جا کر انہیں

۱۰۰ نافع بن عبد الرحمن بن ابی نعیم المرینی۔ ابن مدینہ کے امام تھے اور مدینہ میں اپنی کی قراءت کو پڑھا جاتا تھا صحابہ کے بعد تیسرے طبقہ کے آدمیوں میں سے ہیں۔ یہ سخت سیاہ رنگ کے تھے اور انہوں نے نزلات ام المومنین ام سلمہ کے آزاد کردہ غلام ابو میمون سے سیکھی تھی۔ ان کی وفات ۱۶۹ھ میں ہوئی۔

۱۰۱ ابن کثیر: عبد اللہ بن کثیر، ابوبکر ان کی کنیت تھی انہیں دارانی کہا جاتا ہے کیونکہ حجاز میں عطار کو دارانی کہتے ہیں۔ انکی وفات مکہ میں ۱۷۴ھ میں ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔

۱۰۲ ابو عمرو بن العلاء البصری: ان کا اصل نام زبان بن العلاء تھا۔ بصری نخبیوں میں بڑے ممتاز نخبی ہوئے ہیں۔ انہوں نے قرآن کی قراءتوں میں خاص مہارت حاصل کی تھی۔ ان کی وفات ۱۵۳ھ میں ہوئی۔

۱۰۳ ابن عامر: عبد اللہ بن عامر البوعمر و کنیت۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قرآن حضرت عثمان سے سیکھا تھا۔ دمشق کے رہنے والے تھے اور وہیں ان کی وفات ۱۱۵ھ میں ہوئی۔

۱۰۴ عاصم: ابوبکر عاصم بن ابی النجور بداتہ الاسدی، ان کی کنیت ابوبکر بن ابی النجود ہے۔ ان کی وفات ۱۲۵ھ میں ہوئی۔ ابن خاکن نے ان کی تاریخ وفات ۱۲۵ھ دی ہے۔ انہوں نے قراءت ابو عبد الرحمن سلمی اور زین حبش سے سیکھی۔

۱۰۵ حمزہ: حمزہ بن عبد المطلب۔ ان کو زیات اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ زیتون کی تجارت کرتے تھے۔ ان کی وفات ۱۵۶ھ میں ہوئی۔

۱۰۶ کسائی: علی بن حمزہ الکسائی۔ کوفیوں کے امام نخبی تھے۔ کوفہ ہی میں نشوونما پائی اور یہیں علم قراءت حمزہ المزیات سے سیکھا لیکن ابجد میں اپنی خاص قراءت کے لحاظ سے ممتاز ہو گئے اور ساتوں قراءت میں شمار ہونے لگے۔ ان کی وفات ۱۶۹ھ میں ہوئی۔ یہ قرآن مجید کے ساتوں قاریوں کے نام ہیں۔

اس حدیث کے معنی کی وجہ ظاہر ہوئی تھی۔ اس کے بعد ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ اسے اور لوگوں کی کی ہوئی تشریحات کا بھی پتہ چلا ہے۔ اس کا بیان مصنف کتاب الانتصار نے شرح و بسط سے کیا ہے لیکن وہ تشریح صرف ظاہر تلفظ اور اس کے اختلافات تک محدود ہے اور ان میں الوار باطنیہ کا ذکر نہیں ہے جن کی وجہ سے یہ لفظی اختلافات پیدا ہوئے۔ مختصر یہ کہ یہ تشریح اور دوسری تشریحات جو اس حدیث میں کی گئیں اس میں بیان کنندگان نے صرف درخت کے سایہ کو لیا ہے اور یہ تشریح جو ہمارے شیخ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی اس میں تمام درخت کا اس کی جڑوں کا اور اس کی شاخوں کا ذکر ہے۔ اور ان تمام چیزوں کا ذکر ہے جو اس درخت سے پیدا ہوتی ہیں۔ حضرت نے فرمایا: اگر میں اس کے متعلق سات کتابیں بھی لکھنا چاہوں تو لکھا سکتا ہوں، لیکن چونکہ راز کی باتیں ہیں اس لیے نہیں لکھاتا۔ جب آپ تشریح فرما رہے تھے تو میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ آیت میں کچھ تو اجزاء نبوت کے ہوتے ہیں، کچھ اجزاء رسالت کے اور اسی طرح باقی سات حروف کے۔ اس لیے میں نے عرض کیا کہ حضرت ان سات حروف کے اجزاء کی تشریح فرما دیجئے۔ پھر یہ بھی فرمادیں کہ ان حروف کی ان پر تفسیر کیسے ہوتی ہے تاکہ ان کا فائدہ مکمل ہو جائے۔

حروف کی مزید تشریح | فرمایا: ان سات حروف میں سے ہر ایک کے سات اجزاء ہیں چنانچہ آدمیت کے سات، موت کے سات رسالت کے سات، روح کے سات، قبض کے سات، تبسط کے سات اور علم کے سات کل ۲۹ اجزاء ہوئے۔

## ۱۔ آدمیت

اجزاء آدمیت اور آدمیت کا پہلا جزو ظاہری صورت کا کمان سن ہے۔ اس طرح کہ چہرہ ہاتھ اس کا پہلا جزو پاؤں، انگلیاں اور باقی تمام اجزاء اور ظاہری اوصاف مثلاً حسن کی سفیدی و درونق نہایت عمدہ اور خوبصورت ہوں۔

دوسرا جزو جسم کے ظاہری مناخ کا کمال مثلاً حواس خمسہ ظاہرہ کہ ان کی قوت سہل بھی پورے کمال کی ہو، بیانی بھی کمال کی ہو۔ اسی طرح قوت شامہ۔ ذوق۔ لمس ہو۔ اور مثلاً آواز اور ان حروف کا تلفظ بھی حد کمال تک پہنچا ہو کہ یہ حروف نہایت کمال اور فصاحت و بلاغت تک پہنچ چکے ہوں۔

علہ انتصار کے نام سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں ہیں کہ یہاں ابو بکر محمد بن الطیب الاشعری الباتالی المتوفی ۳۰۰ھ کی تصنیف مراد ہے۔

۱۰۔ شاخ کمان۔ ۱۱۔ حواس خمسہ کی قوت ۱۲۔ چہرہ

تیسرا جزو | صورت باطنیہ کا کمالِ حسن۔ تاکہ دل بہترین شکل اور بہترین حالت کا ہو اور جگر بھی کامل شکل کا ہو۔ اسی طرح دماغ، رگیں وغیرہ حتیٰ کہ تمام اجزاء کمال پر ہوں۔

چوتھا جزو | حسن باطنی کا کمال۔ تاکہ لذت و حسن کی جو کیفیت اسے حاصل ہو وہ کمال پر ہو۔  
پانچواں جزو | پانچواں جزو ذکرِ اہمیت (نر ہونا) ہے کیونکہ یہی آدمیت کا کمال ہے اس لیے کہ اس میں نعل (دوسرے پر اثر کرنے کا) کاراز پایا جاتا ہے اور الوثیت (مادہ ہونا) میں افعال (اثر قبول کرنے) کا راز ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنے پیدا کیا اور باقی تمام چیزوں کو آدم کے لیے پیدا کیا اور ان میں عورتیں بھی شامل ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو آدم کے لیے پیدا کیا تو اسے فعل کا راز بھی عطا کیا اور اسے اپنا خلیفہ بنایا اور خلافت کو قیامت تک آپ کی نرینہ اولاد میں منتقل فرمایا۔

چھٹا جزو | انسانی جسم | چھٹا جزو جسم انسانی سے شیطانی حصہ کا نکال لینا ہے کیونکہ اسی سے آدمیت سے شیطانی حصہ نکال دینا کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ملائکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ شق کیا اور اس میں سے جو نکلا نکالنا نکالا اور پھر جس چیز سے دھونا تھا دھویا اور اسے ایمان و حکمت سے عبور دیا۔

ساتواں جزو | ساتواں جزو کمالِ عقل ہے اس طرح کہ عقل انتہا درجہ کی صاف اور معرفت میں کمال کمال عقل تک پہنچی ہو۔ یہ وہ سات جزو ہیں جنہیں قریب قریب آدمیت کے اجزاء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور آدمیت کے اجزاء اپنے انتہائی کمال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے مواکیب اور میں نہیں پائے گئے۔

## ۲۔ قبض

پہلا جزو | حاستہ | اس کا پہلا جزو وہ حاستہ ہے جو ذاتِ انسانی میں رکھا ہوا اور اس کے تمام جواہر میں پھیلا ہوا ہے جس کے ذریعے سے ذاتِ انسانی اپنے تمام جواہر میں خیر سے لذت حاصل کرتی ہے بعینہ اسی طرح جس طرح انسان شہد کی مٹھاس سے لذت حاصل کرتا ہے اور اسی کے ذریعے سے ذاتِ انسانی کو اپنے تمام جواہر میں تکلیف پہنچتی ہے، جس طرح انسان حنظل وغیرہ کی کڑواہٹ سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔

۲۔ انصاف | دوسرا جزو انصاف ہے۔ اس کے بغیر قبض کی تکمیل نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہاں پر قبض نورانی کی بحث ہو رہی ہے چنانچہ اگر اس قبض کے ساتھ انصاف نہ ہوگا تو یہ قبض ظلمانی ہوگی اور قبض



ظلمانی دالا انسان اللہ کے غضب کا مستحق ہوتا ہے۔

۳۔ ضد سے نفرت | تیسرا جزو ضد سے نفرت ہے جس طرح ہر ضد اپنی ضد سے نفرت کرتی ہے اور اس کے ساتھ اکٹھی نہیں ہوتی جیسا کہ سفیدی اور سیاہی اکٹھی نہیں ہوتی اور قیام اور قعود جمع نہیں ہو سکتے (ایک وقت اور ایک مقام میں ایک ہی چیز ہوگی)۔

۴۔ حق بات کہنے سے نہ شرمانا | چوتھا جزو حق بات کہنے سے شرم نہ کرنا ہے۔ چنانچہ انسان خواہ حق بات کڑوی ہی کیوں نہ ہو کہہ دے اور اللہ کے بارے میں وہ کسی طعنہ اور ملامت کی پرواہ نہ کرے

۵۔ تعمیل احکام | پانچواں جزو تعیل احکام ہے کیونکہ بحث قبض نورانی کی ہو رہی ہے لہذا اگر قبض کے ساتھ شریعت کی مخالفت ہو تو یہ قبض ظلمانی ہوگی جس کی وجہ سے انسان حق تعالیٰ کی ناراضگی کا مستوجب ہوتا ہے۔

۶۔ میل الی الجنس | چھٹا جزو مجنس کی طرف میل تام ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے اندر مجنس کی کیفیت پیدا کرے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو یہ کہتا سنتے کہ اللہ برحق ہے۔ وہی ہمارا خالق اور رازق ہے اور وہ واحد ہے۔ اس کے ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے یا اسی قسم کا کوئی اور کلام سنتے تو آپ کا قلب اس کی طرف کھینچتا اور آپ اسے اس حد تک محبت کرتے کہ آپ کے اعضاء میں انشراح پیدا ہوتا حتیٰ کہ اس کلام کے راز کی کیفیت آپ پر طاری ہو جاتی اور آپ کی ذات اس نور کو بیان کرتی جو اس کلام کے ساتھ نکلا تھا۔ پس جس طرح ضد سے کلی انہرت ہوتی تھی اسی طرح مجنس کی طرف کلی میلان ہوتا تھا۔

۷۔ کمال گرفت | ساتواں جزو کمال گرفت کی قوت ہے۔ چنانچہ اگر کسی چیز کو چھپٹ کر پکڑنا چاہے تو اس میں ذرہ بھر بھی ہاتھ سے نہ گرے۔ محسوسات میں اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص چھپٹ کر دست پھڑوں کو لینا چاہے تو اگر ان میں سے ایک بھی گر جائے تو اس میں قوت کاملہ گرفت نہیں ہے اور اگر ایک بھی نہ گرے تو اس میں گرفت کی قوت کاملہ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی چیز کو چھپٹ کر لے کر اس پر دائم نہ رہا تو بھی اس میں گرفت کی قوت کاملہ نہیں ہے اور اگر اس پر دائم رہے تو پھر یہ قوت اس میں پائی جائے گی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قبض کے اجزاء میں سے ایک جزو میل الی الجنس دور جنس کی کیفیت اخذ کرنا ہے اور اس اخذ کیفیت کے ساتھ گرفت کی قوت کاملہ کا ہونا ضروری ہے۔

علم محقق دوانی نے شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ کسی شخص نے ایک جانور کو لاکھی ماری۔ شیخ پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ عین اسی مقام پر جہاں جانور پر لاکھی لگی تھی شیخ کے جسم پر لاکھی کے نشان پڑ گئے یہ کمال تکلیف کی وجہ سے تھا۔ ۱۲ مترجم۔

اسی طرح قبض کا ایک جزو ضد سے نفرت ہے۔ اس میں بھی گرفت کی قوت کا ملہ کا ہونا ضروری ہے تاکہ اپنی نفرت پر قائم رہے۔

## ۳۔ بسط

۱۔ فرح کامل | بسط کا پہلا جزو فرح کامل ہے اور یہ ایک نورِ باطن ہوتا ہے جس کے اندر بھی یہ پایا جائے تو یہ نور اس شخص کے دل سے کینہ، حسد، تکبر، بغل اور عداوت کو نکال دیتا ہے کیونکہ یہ ارضی فرح کامل کے منافی ہیں۔ لہذا جب اس فرح کے ساتھ کسی ذات میں نورِ ایمان پایا جائے تو اس کا نزول اس ذات پر مہانت اور موافقت کا نزول ہوگا اور یہ فرح ذات میں مناسب طور پر ممکن ہو جائے گی اور اس کو مثال ایسی ہوگی جیسے کہ ایک اچھی زمین پر بارش کا نزول ہو لہذا اس سے پاکیزہ اخلاق پیدا ہوں گے۔

۲۔ سکونِ خیر فی الذات | دوسرا جزو ذاتِ انسانی میں برائی کی بجائے نیکی کا سکون ہوتا ہے۔ یہ ایک نور ہے کہ جسے جو بھلائی اس کی طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے اور وہ بھلائی اور بھلائی کر نیوالوں سے محبت کرتا ہے اور اس کے ذہن میں بھی وہی خیالات آتے ہیں جو بھلائی کی طرف لے جائیں اور اگر کوئی شخص اس سے بھلائی کرتا ہے تو وہ کبھی نہیں بھولتا۔ لیکن اگر کوئی ایذا رسانی کرتا ہے تو وقت گزرنے پر وہ اسے بھول جاتا ہے اور وہ ایذا رسانی اس کے ذہن میں نہیں رہتی حتیٰ کہ اگر اس کے بعد اسے آزماؤ تو اس کا دل اس سے خالی پائیں گے اور وہ خود مطمئن اور خوش ہوتا ہے گویا کوئی ایذا پہنچانے والی بات ہی نہیں ہوئی اور یہی بسط کا کمال ہے۔

۳۔ فتح حواسِ ظاہرہ | تیسرا جزو حواسِ ظاہری کی فتح ہے۔ یہ ایک لذت ہوتی ہے جو حواسِ ظاہرہ میں حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح کہ یہ لذت ان رنگوں کو کھول دیتی ہے جو ان حواس میں پائی جاتی ہیں پھر جو اذکار حواس کو ہوتا ہے اس کی کیفیت ان عروق میں آجاتی ہے اور اسی لذت سے بسط کا کمال ہوتا ہے۔ چونکہ بصر میں ایک لذت ہے جس کے ذریعہ سے صورتوں کی طرف میلان حاصل ہوتا ہے اور اسی سے اس پہنچنے سے دیکھا گیا ہو عشق اور القطارِ باطنی پیدا ہوتا ہے۔ اور سمع میں بھی ایک لذت ہے جس کی وجہ سے خوش آوازوں اور نغموں کو سن کر انگساری پیدا ہوتی ہے اور بوی میں اس سے ذات میں اضطراب اور وجد پیدا ہو جاتا ہے۔ باقی حواس کا بھی یہی حال ہے۔ چنانچہ حواسِ بصر اور سماع کے علاوہ ایک زائد لذت پائی جاتی ہے۔

فتح حواسِ ظاہرہ اور کمال حواسِ ظاہرہ میں فرق: حواسِ ظاہرہ کی فتح جو بسط کا جزو ہے اور حواس

ظاہر کے کمال، جو آدمیت کا جزو ہے، میں فرق یہ ہے کہ حواس ظاہرہ کی فتح عروقِ سالیقہ کو کھول کر اس کے کمال کو بڑھا دیتی ہے کیونکہ رگوں کا کھلنا اس ادراک سے لائد چیز ہے جو کمالِ حواس میں پایا جاتا ہے۔ عروق کی اسی فتح اور کیفیتِ جاذبہ کی وجہ سے گرویدگی پیدا ہوتی ہے، برخلاف مطلق ادراک کے کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے گرویدگی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ بہت سے لوگ حسین امور دیکھنے کے باوجود ان سے متاثر نہیں ہوتے اور کئی دوسرے حضرات ہیں کہ خوش آوازیں سنتے ہیں لیکن ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اسی فتح اور تکلیف سے کمالِ بسط حاصل ہوتا ہے۔

۴۔ فتح حواسِ باطنہ | جو محتاجِ جزوِ فتح حواسِ باطنہ فتح عروق اور ان کا مددک بالحواس سے اثر پذیر ہونا اداس کے ساتھ انسان کا مددک کا گرویدہ ہو جانا جن اذکارِ فتح حواسِ ظاہرہ میں کر چکے ہیں، وہی سب امور یہاں بھی جاری ہوں گے اور مذکورہ بالا فرق یہاں بھی فتح حواسِ باطنہ اور کمالِ حواسِ باطنہ میں اسی طرح پایا جائے گا۔

۵۔ مقامِ رفعت | پانچواں جزو مقامِ رفعت ہے کیونکہ جب انسان اجزاء آدمیت کے آوازتہ ہر جاتا ہے، اس کے بعد اجزاء قبض اور پھر مذکورہ چار اجزاء بسط سے آراستہ ہوتا ہے تو اسے اس چیز کی قدر معلوم ہو جاتی ہے جو اسے عطا کی گئی اور اسے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اوصاف کسی بڑی ہستی کو ہی عطا ہوتے ہیں، تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ وہ اپنے رب کے نزدیک بلند قدر والا اور بڑے درجہ والا ہے اور بڑا شخص وہی ہوتا ہے جو بلند مرتبہ کام کرے اور اس میں مکارمِ اخلاق پائے جائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ** (یعنی بنی آدم کو عزت دی) اور فرمایا **وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ** (ہم نے انسان کو عمدہ صورت عطا کی) چنانچہ جب اسے علم ہوگا کہ وہ کبیر القدر اور رفیع الدرجہ ہے تو اس کا بسط بھی کامل ہوگا اسی وجہ سے مقامِ رفعت اجزاء بسط میں سے ہے۔

۶۔ حسی تجاوز | چھٹا جزو حسی تجاوز ہے جس کی وجہ سے یہ اس شخص کو معاف کر دیا جس نے اس پر ظلم کیا ہے اور جس نے اس سے برابر تاؤ کیا ہے اسے درگزر کر دے گا۔ حسی تجاوز اجزاء بسط میں سے اس لیے ہے کہ ہماری بحث بسطِ نورانی سے ہے نہ کہ بسطِ ظلماتی سے اور ہم پہلے اجزاء بسط میں مقامِ رفعت کا ذکر کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ مقامِ رفعت سے مراد رفعتِ قدر اور شان کی بزرگی ہے اور اگر اس رفعت کے ساتھ حسی تجاوز بھی ہوگا تو یہ بسطِ نورانی ہوگا لیکن اگر اس رفعت کے ساتھ برابر تاؤ اور ظلم ہوگا تو یہ مقامِ رفعتِ ظلماتی ہوگا جس کی وجہ سے انسان غضبِ الہی کا مستوجب ہوگا یہاں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بسطِ نورانی کی حقیقت اور اس کے اجزاء کے لیے

حسنِ تجاوز کا ہونا ضروری ہے۔

۷۔ نرم خوئی و تواضع | ساتواں جزو نرم خوئی و تواضع ہے۔ بسط کے اجزاء میں اس کے داخل ہونے

کی وہی وجہ ہے جو ہم حسنِ تجاوز میں ذکر کر چکے ہیں کیونکہ بسط والے کا مرتبہ بلند ہوتا ہے لہذا اپنے ہم جنسوں کے ساتھ جو اس کے رفیق ہیں تواضع اور نرمی کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے آپ کو ان سے بلند ظاہر کرے گا تو اس لطافت میں کبر داخل ہو جائے گا جس کی وجہ سے غضبِ خداوندی کا مستحق ہوگا۔

آدمیت، قبض اور بسط کے اجزاء انبیاء و غیر انبیاء دونوں | یاد رہے کہ آدمیت اور اس کے اجزاء ہی میں پائے جاتے ہیں لیکن انبیاء میں بدرجہ اتمل ہوتے ہیں | طرح قبض اور بسط اور ان کے اجزاء جیسے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے ہیں اسی طرح اوروں میں بھی پائے جاتے ہیں خواہ وہ شخص کافر ہی کیوں نہ ہو لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ مخصوص آدمیت پائی جاتی ہے جس سے بڑھ کر خارج میں کوئی آدمیت نہیں پائی جاسکتی اور یہ جو آدمیت کے اجزاء میں نزع حظ الشیطان (شیطانِ حصہ کا نکلنا) کا ذکر کیا گیا ہے اس سے شریعت صدر النبی ہی مراد ہے۔ یہ اوصاف اور الساتوں میں کمال کے درجات میں سے صرف ایک حد تک پائے جاتے ہیں اعلیٰ درجہ نہیں پائے جاتے لہذا وہاں نزع حظ الشیطان سے مراد ذات سے قناعت اور بے حیائی کا نکلنا ہوگا تاکہ وہ شخص نہ شریر ہو نہ بدخلق۔ ان لوگوں سے نزع حظ الشیطان سے مراد اس گوشت کے لٹھڑے کا نکلنا نہیں جس کا ذکر فقہ صدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا گیا، کیوں کہ یہ بات تو درجہ نبوت کے ساتھ مخصوص ہے۔

ذاتِ نبی اور غیر نبی | اب رہا قبض تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ صرف وہی قبض نورانی مخصوص کے قبض میں فرق ہے جو بلند ترین درجہ کا ہو۔ رہے دوسرے لوگ سو اگر وہ آپ کے طریقہ کے متبع اور آپ کی سیرت پر چل رہے ہیں تو ان کا قبض اسی قدر نورانی ہوگا جس قدر کہ وہ آپ کی تابعداری کرتے ہیں لیکن پھر بھی وہ قبض نورانی انتہائی کمال کا نہ ہوگا بلکہ مراتب کمال میں سے ایک مرتبہ پر ہوگا اس لیے کہ انتہائی کمال خصائص نبوت میں سے ہے۔

شیاطین کا قبض | اور اگر وہ آپ کی شریعت کا مخالف ہوگا تو یہ قبض ظلمانی ہوگا اور قبض کے جزو اول میں جو اس کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے یہاں اس کے برعکس ہوگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ شخص شر سے لذت حاصل کرے گا اور خیر سے تکلیف پائے گا اور قبض کا جزو ثانی یعنی انصاف کو بالکل ہی جاتا رہے گا کیونکہ جب اسے بدی سے مزہ آئے گا اور خیر سے تکلیف ہوگی تو اس صورت میں اس سے انصاف کا واقع ہونا محال ہے۔ کیونکہ انصاف تو اسی شخص سے ممکن ہوگا جو خیر سے لذت پائے اور شر سے دل دُکھے اور قبض کا تیسرا جزو یعنی صند سے نفرت بھی اس میں بالکل برعکس



ہوگی یعنی وہ شخص خیر سے نفرت کرے گا۔ یہی حال باقی اجزاء کا ہوگا کیونکہ قبض ظلمانی میں وہ بالکل الٹ ہو جاتے ہیں اور جب تمام اجزاء قبض منعکس ہو گئے تو یہ ایسا قبض ظلمانی ہے جو سرکش شیاطین اور کفار میں پایا جاتا ہے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس سے بچائے۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی سرکشی اور کفر ٹھٹھا ہی گیا۔

عائتہ المؤمنین کا قبض اور اگر قبض کے بعض اجزاء منعکس ہوئے اور بعض نہ ہوئے تو یہ عائتہ المؤمنین کا قبض ہے۔

بسط کا بھی یہی حال ہے کہ ذاتِ محوری میں بسط نورانی کا اعلیٰ ترین درجہ کمال ہے اور دوسروں میں وہی تفصیل جابھی ہوگی جو قبض میں بیان ہوئی۔ ہاں بسط نورانی حسنِ تبادر اور تواضع ہوگی کہ دونوں اس کے جزد ہیں اور بسط ظلمانی میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی۔ واللہ اعلم

## ۴۔ نبوت

۱۔ حق گوئی | نبوت کا پہلا جزد حق گوئی ہے اور یہ صفت اس ذاتی نور سے پیدا ہوتی ہے جو حق گوئی پر مجبور کرتا ہے اور یہ اس کی طبیعت اور خصلت بن جاتی ہے اور وہ شخص حق گوئی سے باز نہیں آتا خواہ دوست و احباب اس کے مخالف ہی کیوں نہ ہو جائیں اور اُسے اپنا وطن ہی کیوں نہ چھوڑنا پڑے۔ بلکہ خواہ اس میں اس کی گردن ہی کیوں نہ کٹ جائے چنانچہ مشرکین مکہ نے کتنا ہی چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق گوئی چھوڑ دیں اور ہر ممکن طریقہ سے آپ کو پھسلانا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا اور آپ نہ ٹانے۔ اس پر وہ آپ کے مخالف ہو گئے اور سب نے متحد ہو کر آپ سے جنگ کی۔ اس کے باوجود آپ کی ثابت قدمی بڑھتی گئی۔ اس لیے کہ آپ کی ذاتِ مقدس کی سرشت میں حق گوئی ہے اور اس کے خلاف تصور میں ہی نہیں آسکتا۔ اس کے بعد

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو ہر بات میں صادق و امین تھے لیکن یہاں قولِ حق سے مراد اعلانِ نبوت اور شرک کی مذمت ہے۔ اسی واسطے جب غزوةِ حنین میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور آپ کے ساتھ صرف چند صحابی رہ گئے اور دوسری طرف کفار تیروں کی بارش برسائے تھے تو پھر بھی اس موقع پر آپ نے یہی اعلان کیا

انا ابن عبدالمطلب

انا النبی لا کذب

میں نبی ہوں، مجھوٹا نہیں ہوں کہ قولِ حق سے پھر جاؤں۔ عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔ لے تم میں ساری عمر گزاری ہے۔ ۱۲ مترجم۔

آپ نے دو حکایتیں بیان کیں۔

**حکایت - ۱** | اعم کے کسی شہر میں سدھانے ہوئے پرندے دروازہ پر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی چور گھر میں گھس آئے تو وہ پرندے شور مچانے لگ جاتے ہیں "چور آگئے" اور یہ پرندے ان الفاظ کو دہرانے سے باز نہیں آتے خواہ انہیں کتنا ہی دھمکا یا سبائے اور ڈرایا جائے۔ اسی طرح اگر ان کو کھانے کو بھی کوئی چیز دی جائے تب بھی یہ باز نہیں آتے۔ مختصر یہ کہ یہ پرندہ خواہ اُسے قتل بھی کر دیا جائے تب بھی باز نہیں آتا۔ اس حکایت کے بیان کرنے سے آپ کا مقصد حق گوئی کی تشریح کرنا تھا اور یہ بھی سمجھانا مقصود تھا کہ تعلیم سے بھلائی حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ پرندے نے باوجود دوری کے یہ بات سیکھ لی یہاں تک کہ یہ اس کی طبیعت بن گئی تو انسان کا کیا حال ہوگا اور دشمنوں کا تو کیا ہی کہنا۔

**حکایت - ۲** | ایک مرید نے اپنے پیروں سے کہا مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جس سے مجھے اللہ کے ہاں راحت ہو۔ شیخ نے کہا اگر تمہارا ارادہ یہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سے کسی ایک کی مشابہت اختیار کر لیں کہ اگر تمہارے میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی موصوف ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اپنے اولیاء کے ساتھ سمیٹ کر بگڑے گا اور تجھے جہنم میں اپنے دشمنوں کے ساتھ نہیں رکھے گا۔ مرید نے عرض کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ کے اوصاف تو بیشمار ہیں، فرمایا کسی ایک میں اس کے شبیبہ بن جاؤ۔ مرید نے عرض کیا وہ کونسا وصف ہے۔ فرمایا ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جو حق بات کہتے ہیں کیونکہ حق گوئی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اگر تو حق گو بن گیا تو اللہ تجھ پر رحم فرمائے گا۔ اُس نے سچ بولنے کا وعدہ کیا اور چلا گیا۔ مرید کے پیروں میں ایک لڑکی رہتی تھی۔ وہ شیطان کے نرغے میں آگیا اور اُس نے اس سے بدکاری کر کے اس کی بکارت کو زائل کر دیا۔ لڑکی سے نہ رہا گیا حالانکہ اُس نے ابتدا کی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ بات چھپنے والی نہیں اور اس نے اپنے باپ کو کہہ دیا اور اس نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا۔ حاکم نے مرید سے کہا کہ سنتے ہو یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ اُس نے کہا لاں یہ سچ کہہ رہا ہے۔ مجھ سے یہ فعل سرزد ہوا ہے اور اسے اپنے پیروں کا عمدہ باد تھا۔ اس لیے وہ انکار نہ کر سکا۔ حاکم نے یہ سن کر کہا یہ شخص دیوانہ ہے۔ اسے پاگل خانہ لے جاؤ کیونکہ کوئی عقلمند انسان ایسی بات کا اقرار نہیں کرتا جس سے اُسے دکھ پہنچے۔ چنانچہ اسے پاگل خانہ میں بھیج دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد کسی نے اس کی سفارش کی اور حاکم نے اسے چھوڑ دیا۔

اس قصہ سے حضرت کا یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ حق گوئی کا انجام ہمیشہ اچھا ہی ہوتا ہے۔ واللہ

اعلم۔

عہ اسی معنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماؤں کے تَخَلُّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ۔ لیکن سب اوصاف میں تو مشابہت ہو نہیں سکتی اس لیے کسی ایک کی مشابہت کا حکم دیا۔ ۱۲۔

۲۔ صبر | وہ ایک نور ہے جو جسم کو ان مصائب و آلام کا احساس نہیں ہونے دیتا جو اسے اللہ کی خاطر پہنچیں۔ یہی حقیقی صبر ہوتا ہے جو بغیر تکلیف کے ہوتا ہے اس لیے کہ اپنے فکر کی وسعت کی وجہ سے صابر کی عقل بھی وسیع ہوتی ہے کیونکہ جسم کو اس کا راز کھل چکا ہوتا ہے تو اس کی عقل اللہ تعالیٰ کے لاتعداد کمالات کی سیر کرتی رہتی ہے۔ لہذا جب جسم کو کوئی تکلیف ہونے لگتی ہے تو جسم میں تکلیف کا خیال چھوڑ کر ان امور میں مشغول ہو جاتا ہے جن میں فکر مشغول ہوتا ہے (اور یہی مشغولیت اسے تکلیف کا احساس نہیں ہونے دیتی) چنانچہ ایسا واقعہ ایک ولی سے پیش آیا جو اپنے زمانہ کا غوث تھا کہ چار آدمی اسے قتل کرنے کو آئے۔ اس ولی کے کئی ایک بچے بھی تھے۔ یہ آدمی اسے اپنے گھر اور بیوی بچوں کے درمیان سے گھسیٹ کر لے گئے اور اس کی اولاد چیخ و پکار کرتی رہ گئی اور انہوں نے اسے ذبح کر دیا۔ اس واقعہ کے دوران میں اس ولی کی فکر اپنے دھیان میں لگی ہوئی تھی اور اس نے قطعاً اس بات کی طرف توجہ ہی نہیں کی کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ گذر رہا ہے اور نہ ہی اپنی اولاد اور عورتوں کے چلانے کی طرف توجہ دی۔ یہ عجیب و غریب صبر ہے جو سننے میں آئے جب اولیاءِ برصحت کی یہ شان ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کا کیا حال ہو گا۔

لیکن اگر ذاتِ حجاب میں ہو تو عقل کا رزق ذات میں جمع ہو جائے گا اور اسی میں بند ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ جب صبر پر کوئی تکلیف وہ چیز نازل ہوتی ہے تو جسم بہت زیادہ تکلیف کا احساس کرتا ہے اور اگر تو ایک سلاح سے اسے داغ دے گا تو اسے اس قدر تکلیف ہوگی جس قدر کہ سو سلاخوں سے داغنے سے ہوتی ہے لیکن اگر تو اسی سلاح سے صاحبِ فتح (ولی) کو داغ دے تو یا تو وہ بالکل ہی محسوس نہ کرے گا جیسا کہ ولی مذکور سے ہوا یا اگر محسوس کرے گا بھی تو نھوڑا۔

۳۔ رحمت | تیسرا جزو رحمت ہے اور یہ ذات کے اندر ایک نور ہے جس کا تقاضا ہے کہ تمام مخلوقات پر رحم کھایا جائے اور یہ نور اس رحمت سے پیدا ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے بندے کو پہنچتی ہے اور جب قدر کہ اللہ کی رحمت بندے پر ہوتی ہے اسی قدر اس بندے کی رحمت تمام لوگوں کے لیے ہوتی اور اس بات میں شک نہیں ہو سکتا کہ تمام مخلوقات میں کوئی شخص ایسا نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی اس قدر رحمت ہوئی ہو جس قدر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ نامتو علماء نے آپ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی زندگی صبر کی مثالوں سے چر ہے۔ جب آپ طائف تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے اور کفار نے پتھر برسائے، کتے پیچھے چھوڑے، خون آپ کے سر سے پاؤں تک بہا، اور ہتھیار لگائے، لیکن زبان سے یہی الفاظ نکلے: **اللَّهُمَّ اِنَّ لَسْمَ بَيْتِي بِمَنْعِكَ فَارِنِي لَا اَبَانِي** (ترجمہ: خدایا! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے ان تکلیف کی پرواہ نہیں) یہی وجہ تھی کہ اس کے بعد فرمایا: **اللَّهُمَّ اَخَذِ قَوْمِي قَوْلَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** (خدایا میری قوم کو راہِ راست پر لا۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے) ۱۰۔

کی رحمت کے برابر کسی اور کی رحمت نہیں ہے اور آپ کی رحمتِ عظیم اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ آپ کی رحمت عالمِ سفلی، عالمِ علوی، اہل دنیا اور اہل آخرت سب پر عام ہے۔  
اللہ تعالیٰ نے بالمومنین رَوْفٌ رَحِيمٌ کی آیت میں چار باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے:-

(۱) یہ وہ نور ہے جس سے اس تمام مخلوق کو سیراب کیا جاتا ہے جنہیں خوشنودی حق کا پروانہ حاصل ہو چکا ہے (یعنی مومنین)۔

(۲) اس نور کو خدا کا قرب حاصل ہے اور قرب سے مراد قربِ مرتبہ ہے نہ قربِ مکانی۔  
(۳) یہ نور جسے اللہ کا قرب حاصل ہے، تمام کا تمام ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے۔  
(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کو اس نور کے برواشت کرنے کی طاقت ہے چنانچہ اس کے اٹھائے ہیں آپ کو کسی قسم کی کلفت و مشقت نہیں ہوتی اور یہی وہ کمال ہے جس کی وجہ سے آپ کو تمام مخلوقات پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

اس آیت شریفہ میں چار باتوں کی طرف اشارہ کرنے کا حقیقی سبب ہے وہ ان اسرار میں سے ہے جن کا چھپانا ضروری ہے۔ اس آیت میں اور اشارات بھی ہیں۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ  
۴۔ معرفتِ الہی | چوتھا جزو معرفتِ الہی ہے ایسی کہ جیسی ہونی چاہیے۔

۵۔ خوفِ تامم | پانچواں جزو کمالِ خوفِ خدا ہے۔ کمالِ خوفِ خدا سے ہماری مراد یہ ہے کہ باطنی خوف جو اصلی خوف ہے اور تمام اجسام میں پایا جاتا ہے اس کے ساتھ ظاہری خوف بھی ملا ہوا ہو جس کا سبب عقلِ سلیم اور اللہ تعالیٰ کی ظاہری معرفت ہے۔ باطنی خوف تو تمام جسم میں پایا جاتا ہے اور جسم کے ایک ایک عضو پر حاوی ہوتا ہے کیونکہ ہر جوہر کا خالق خدا ہے اور مخلوق اپنے رب سے ڈرتی ہے جس طرح حادثِ قدیم سے ڈرتا ہے اور یہ خوف ہر مخلوق میں خواہ وہ جاندار ہو یا غیر جاندار موجود ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وِلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعَتَيْنِ۔ (سورۃ حم سجدہ آیت ۱۱) ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور یہ ابھی دھڑکیں کی شکل میں تھا اور اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو جاؤ خواہ بخوشی یا بکھر۔ دونوں نے کہا ہم بخوشی حاضر ہیں۔ ان کی زبان سے ان الفاظ کے نکلنے کا سبب وہی اصلی اور باطنی خوف ہے اور اسی خوف کی وجہ سے وہ تسبیحِ ظہور پذیر ہوتی ہے جو آیت

عہ بندہ عاجز مترجم کہتا ہے کہ ہمیں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتِ تعالیٰ کا راز کھل جاتا



وَأَنَّ مِنَ شَيْئِي إِلَّا يُسْبَغُ بِحَيْدِهِ سوره رکوع (ہر چیز خدا کی تسبیح بیان کرتی ہے) میں مذکور ہے۔ اس خوف کا حکم دوام و استمرار ہے تاکہ ایک لمحہ کے لیے بھی جدا نہ ہو لیکن ظاہری خوف کا سبب اللہ کی طرف توجہ ہے۔ جب تک یہ توجہ رہے گی خوف رہے گا لیکن اگر خیالات کسی اور طرف مشغول ہو جائیں تو یہ توجہ اور خوف دونوں زائل ہو جائیں گے، مگر جس پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے تو وہ اس عجب کہ جو خوف ظاہری اور خوف باطنی حقیقی اصلی دائمی کے درمیان حائل ہوتا ہے زائل کر دیتا ہے اس کے لیے یہ خوف بھی ظاہری دائمی اور صفائی بن جاتا ہے جو تاریکی سے پاک ہوتا ہے۔ پھر اس کے خوف کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اپنے رب کی معرفت سے مدد حاصل کرتا ہے۔ اسی واسطے اس کے خوف کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ معرفت الہی کی کوئی انتہا نہیں لہذا جس خوف کو اس معرفت سے مدد حاصل ہو وہ بھی لا انتہا ہو گا۔ مختلف مقامات پر باطن سے صفاء اور دوام حاصل کرتا ہے اور باطن ظاہر سے زیادتی اور فیضان حاصل کرتا ہے۔ اسی کا نام خوف تام ہے۔ باطن ظاہر سے زیادتی اس لیے حاصل کرتا ہے کہ باطنی خوف زائل نہ ہو سکے۔ اس کے ساتھ برابر کی نسبت ہے۔ صرف خوف ظاہری میں اجرام کی نسبت مختلف ہوتی ہے کیونکہ خوف ظاہری کا سبب معرفت الہیہ ہے اور معرفت الہیہ میں اجرام کے درجات مختلف ہیں۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۶۔ بغض باطل | چھٹا جزو بغض باطل ہے اور یہ اس نور سے پیدا ہوتا ہے جو ذات کے اندر ہر وقت موجود ہوتا ہے جس کا کام یہ ہے کہ وہ تاریکی کی طرف متوجہ نہ ہو سکے اور ان کو اس طرح حائل کرے گویا وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور پھر اس کو دفع کرنے کے لیے اس طرح بالمقابل آجائے جو ہر وقت ایک ضد دوسری ضد کے بالمقابل آجاتی ہے اور ضد کا استحضار اس چیز سے مکمل طور پر نہیں ہونے میں متاثر ہوتا ہے لہذا جب ضد کا استحضار دائمی ہوگا تو اس چیز سے بغض بھی دائمی ہوگا اور باطل سے ہمیشہ اور ہر لحظہ بغض رکھنا اجزاء نبوت کا ایک جزو ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۷۔ عفو | ساتواں جزو عفو ہے۔ یہ اس نور سے پیدا ہوتا ہے جو ذات کے اندر ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔ اس نور کی طبیعت ہے کہ جو اسے نقصان پہنچائے یہ اسے نفع پہنچاتا ہے اور جو اس سے تعلقات منقطع کرے یہ اس سے تعلقات جوڑتا ہے جو اس پر ظلم کرے یہ اس سے درگزر کرتا ہے جو اس سے برائی کرے یہ اس سے نیکی کرتا ہے اور جو عفو اس قسم کا ہو وہ نبوت کا ایک جزو ہے۔ اور اس کا دائمی ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کا سبب نور سابق (بغض باطل) ہوتا ہے اور وہ (بغض باطل) ذات کے اندر ہمیشہ موجود ہوتا ہے لہذا حالت عفو بھی دائمی ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی کیفیت تھی۔

یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور نے خصائل نبوت کو اس اکل طریقہ پر حاصل نہیں کیا جس سے اوپر کوئی کمال نہیں ہو سکتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آدمیت تبصیر اور بسط کی نعمتیں



اچکا ہے۔ یہ ذوقِ روح ذوقِ ذات سے کٹی لچاٹ سے مختلف ہوتا ہے۔

ذوقِ روح اور ذوقِ لہذا، ذوقِ روح نورانی ہوتا ہے اس لیے اس کا تعلق بھی نور ہی سے ہوتا ہے۔  
**جسم میں فرق** برخلاف جسمانی ذوق کے کہ اس کا تعلق اجسام سے ہوتا ہے لہذا جب شہد کا  
 جسم ہماری زبان سے لگتا ہے تو جسم شہد کی مٹھاس کا ذوق محسوس کرتا ہے۔ لیکن روح شہد کی مٹھاس کو  
 شہد کے جسم سے محسوس نہیں کرتا بلکہ اس نورِ عقل سے محسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے اس مٹھاس کی حقیقت  
 قائم ہے یہی حال دوسری ذائقہ دار اشیاء کے ذوق کا ہے۔ (۲) ذوقِ روح میں اتصال شرط نہیں کیونکہ روح  
 متصل وغیر متصل اشیاء کے ذوق کو محسوس کرتی ہے لیکن ذوقِ جسم میں اتصال ضروری ہے جیسے کہ لوگوں میں غلام ہے  
 اور روح کی عام عادت یہ ہے کہ اس کے ذوق میں اتصال شرط نہیں ہے (۳) روح میں یہ ذوق کسی خاص حصہ کے ساتھ محسوس نہیں بلکہ  
 یہ ذوق تمام ظاہری اور باطنی جواہر میں سرایت کئے ہوئے ہے برخلاف جسم کے ذوق کے کیونکہ وہ مادہ صرف ذوق کے  
 ساتھ مخصوص ہے (۴) ذوقِ روح تمام حواس میں پایا جاتا ہے اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہ ذوق تمام حواس میں پایا جاتا ہے  
 ہے لہذا جب روح کو دیکھنے کی چیز دیکھنے کی مثلاً شہد، تو روح کو اس ذوق کی مٹھاس سے محسوس نہیں  
 پایا جاتا ہے مٹھاس کا ذوق حاصل ہو جانے لگا یہی حال ہر ذائقہ دار چیز اور تمام انواع میں پایا جاتا ہے دیکھنے  
 سے ہوگا۔ اسی طرح الفاظ کے سنانے سے بھی اسے ذوق حاصل ہو گا چنانچہ جب روح مٹھاس کو لفظ  
 سنے گی تو اس نور کا ذوق حاصل کرے گی جو شہد میں ہے اور اسے مٹھاس کا ذائقہ حاصل ہو گا۔ اسی طرح  
 اسی طرح جب یہ حبت یا ذوق یا رحمت کا لفظ سنے گی تو یہ ذوق اسے حاصل ہو گا لیکن جب یہ ذوق  
 مجید کو سنے گی تو سب سے پہلے اسے کلام الہی کے نور کا ذوق حاصل ہو گا پھر اس کے ذوق سے اسے نور  
 آئیں گے جن کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔

الغرض روح اپنے تمام جسم اور جواہر سے مزہ لیتی ہے جو اسے تمام حواس کے ذریعہ حاصل  
 ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ارواح اگرچہ مذکورہ بالا طریقہ پر ذوق میں مساوی ہیں لیکن عزت اور  
 ودیگر ارواح میں فرق ضعف کے اعتبار سے متفاوت ہیں۔ سب سے زیادہ ترقی یافتہ روح ہے  
 جس کا ذوق عرش عزت اور دیگر عوالم کے چکر نکل جاتا ہے اور یہ اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اوستا  
 کو ہی ہے کیوں کہ آپ کی روح سلطان الارواح ہے اور یہ روح آپ کے جسم مبارک میں رہتا  
 محبت اور قبول کی طرح ساکن ہو چکی ہے اور دونوں کے درمیان سے جواب بھی اٹھتا ہے۔

۱۔ شہد کا ذائقہ جسم کو صرف اسی صورت میں حاصل ہو گا جب شہد زبان کے ساتھ لگا رہے اور ذوق  
 کے لیے یہ ضروری نہیں۔ ۱۲

آپ کی روح مقدس کا ذوق آپ کے کماں کے مطابق ہے اور آپ کے ظاہر ترقی جہم کا عوالم کو چیر کر  
نقل جانا ثابت ہے اور یہی وہ کماں ہے جس سے بڑھ کر کوئی کماں نہیں ہو سکتا۔

۲۔ طہارت | روح کا دوسرا جزو طہارت ہے۔ طہارت سے مراد روح کی وہ صفائی ہے جس پر یہ  
پیدا کی گئی ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ حسی اور معنوی۔ حسی طہارت تو اس لیے ہے کہ روح ایک  
نور ہے اور نور انتہائی درجہ کا صاف اور پاک ہوتا ہے۔ اب یہی معنوی تو اس سے مراد معرفتِ باطنی اور معرفت  
نہیں بلکہ انفرادی ہے اس کی نشوونما یہ ہے کہ تمام مخلوقات خواہ وہ زیادہ ہو یا بے زبان، ذی حیات ہو  
یا جامد اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کے تمامی جواہر میں یہ معرفتِ باطنی نہ  
پائی جاتی ہو۔ جیسے خوفِ تمام کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔ پھر جس پر اللہ کی عنایت ہو جائے تو  
اس کے لیے باطن بھی ظاہر کی طرح ہو جاتا ہے چنانچہ وہ تمام جواہر کی معرفتِ الہیہ کو محسوس کرنے  
کے لیے باطن کی طرح ظاہر کے تمام اجزا عارف بن جاتے ہیں اور یہی معرفتِ کا اعلیٰ  
درجہ ہے جو حق تعالیٰ نے تمام ارواح کو بخشا ہے اور وہ اپنی ذات کے ساتھ اپنے ظاہر میں اپنے  
ذات کو پہچانتی ہیں۔ لیکن باطنی اور حسی طہارت کے لیے اپنی باطنی اور حسی طہارت کے لحاظ سے  
تعمیر ہو کر اپنے خالق کو پہچانتی ہیں۔ اس لیے کہ باطنی اور حسی طہارت کے لحاظ سے  
تعمیر ہو کر اپنے خالق کو پہچانتی ہیں۔ اس لیے کہ باطنی اور حسی طہارت کے لحاظ سے  
تعمیر ہو کر اپنے خالق کو پہچانتی ہیں۔ اس لیے کہ باطنی اور حسی طہارت کے لحاظ سے

ان معرفت کی روح سب تمام ارواح سے بڑی قدر والی اور حجم کے لحاظ سے عظیم ترین روح  
سے بڑی روح ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے کیونکہ وہ تمام زمینوں اور  
آسمانوں کو چھو کر ہوئے ہیں۔ مگر باطنی اور حسی طہارت کے لحاظ سے اپنے اندر لے  
لیے اور وہ ان کے تمام امراض پر حجابی ہے۔ ایک ہے وہ خدا جس نے آپ کی ذات کو یہ قدرت  
عطا کی ہے۔

یہ کہ باطنی اور حسی طہارت کے لحاظ سے اپنے اندر لے  
لیے اور وہ ان کے تمام امراض پر حجابی ہے۔ ایک ہے وہ خدا جس نے آپ کی ذات کو یہ قدرت  
عطا کی ہے۔

خون کے حسی طہارت کے لحاظ سے اپنے اندر لے  
لیے اور وہ ان کے تمام امراض پر حجابی ہے۔ ایک ہے وہ خدا جس نے آپ کی ذات کو یہ قدرت  
عطا کی ہے۔

یہ کہ باطنی اور حسی طہارت کے لحاظ سے اپنے اندر لے  
لیے اور وہ ان کے تمام امراض پر حجابی ہے۔ ایک ہے وہ خدا جس نے آپ کی ذات کو یہ قدرت  
عطا کی ہے۔



تو اس کی بو مٹری ہوئی کیچڑ کی سی ہوگی۔

۳۔ رنگ کی صفائی۔ اس کی علامت یہ ہے کہ خون زردی مائل ہو کیونکہ خونِ فاسد کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے اور جتنا زیادہ سیاہی مائل ہوگا اسی قدر فسادِ خون بھی زیادہ ہوگا۔  
۴۔ مزہ کی صفائی۔ اس کی شناخت یہ ہے کہ خون مٹھا ہو۔ کیونکہ خونِ فاسد کا مزہ جلی ہوئی چیز کا سا ہوتا ہے۔

لہذا جب جو ہر خون صاف ہوگا تو اس سے تمام شیطانی حصے نکل جائیں گے اور شہوات اور معصیت کی تاریکیاں منقطع ہو جائیں گی۔ اس کے بعد جسم کی رگیں اس صاف خون سے غذا حاصل کریں گی اور وہ بھی خون کی صفائی کے باعث صاف ہو جائیں گے اور ان سے بھی شہوات اور شیطانی علل منقطع ہو جائیں گے۔ جب جسم کے اندر یہ حسی صفائی حاصل ہوگئی تو پھر روح معنوی صفائی سے اس کی مدد کرے گی اور اسے تمام جواہر کے ساتھ معرفتِ الہی حاصل ہو جائے گی اور چونکہ ذاتِ محمدی روحِ شریف پر محیط ہے اس کے تمام اسرار کو حاصل کر چکی ہے اس لیے اسے حسی اور معنوی دونوں قسم کی صفائی حاصل ہو چکی ہے۔ فَعَلَيْهِمْ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ دَاوُدُ بْنُ الشَّيْبَانِ۔

۳۔ تمیز | تیسرا جزو تمیز ہے اور یہ روح میں ایک قسم کا نور ہوتا ہے جس کی مدد سے روحِ اشیاء کی حقیقت کو کامل طور پر پہچان لیتی ہے۔ لیکن اس پہچان کے لیے روح کسی تعلیم کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ محض دیکھ کر یا سن کر ہی پہچان لیتی ہے کہ یہ کیا ہے۔ اس کے حالات کیا ہیں، اس کا سبب اور منتہی کیا ہے۔ اس کا انجام کیا ہوگا اور اسے کیوں پیدا کیا گیا ہے۔

پھر اپنی اطلاع کے مطابق روحیں اس پر کھنے میں مختلف ہوتی ہیں چنانچہ بعض ارواح کی اطلاع قوی ہوتی ہے اور بعض کی ضعیف۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کی اطلاع قوی ترین روحِ محمدی سے کوئی ہے کیونکہ دنیا کی کوئی شے اس سے محبوب نہیں ہے اسی لیے آپ کو عرشِ چیز محبوب نہیں، فرش، علقہ و سفل، دنیا و آخرت اور دوزخ و جنت سب کی خبر ہے اس لیے کہ یہ

سب کچھ تو آپ ہی کی بدولت پیدا ہوئے۔ لہذا آپ کی تمیز ان تمام جہانوں کو چیر کر نکل جاسنے والی ہے چنانچہ آپ کو اجرامِ سماویہ میں سے ہر جرم کا علم ہے کہ یہ کہاں سے پیدا کیا گیا ہے۔ کب اور کیوں پیدا کیا گیا اور اس کا منتہی کیا ہوگا۔ آپ کو ہر آسمان کے فرشتوں کا پتہ ہے کہ کون فرشتہ کس فلک پر پیدا کیا گیا۔ کب پیدا کیا گیا۔ کیوں پیدا کیا گیا اور ان کا انجام کیا ہوگا۔ اور آپ کو ان کے اختلافِ مراتب اور منتہی درجات کا بھی علم ہے اور اسی طرح آپ کو ستر سماویوں اور ہر جناب کے فرشتوں کا بھی علم ہے اسی طرح آپ کو عالمِ علوی کے اجرامِ نیرہ کا بھی علم ہے۔ مثلاً ستارے، سورج، چاند، لوری، قلم، برزخ اور وہ روحیں جو برزخ میں ہیں۔ اسی طرح آپ کو ساتوں زمینوں، ہر زمین کی مخلوقات اور برزخ کی تمام اشیاء کا

علم ہے۔ اسی طرح آپ کو جنت، اس کے درجات، اس کے رہنے والوں کی تعداد اور ان کے مقامات کی پوری واقفیت ہے۔ غلیٰ ہذا القیاس دیگر عوالم کے متعلق بھی آپ کے علم کا یہی حال ہے۔

علمِ ازلی الہی اور علمِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے قدیم ازلی علم سے مزاحم نہیں ہوتا، کیونکہ نبوی میں کیا فرق ہے علم خداوندی کی معلومات لا انتہا ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس عالم میں نہیں سما سکتا جس کی وجہ یہ ہے کہ اسرارِ ربوبیت اور اوصافِ الوہیت جن کی کوئی انتہا نہیں ہے ان سے اس راہ کو کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔

پھر جب روح کو ذات سے مجتہد ہوتی ہے تو وہ ذات کی اس تیسرے کے ساتھ مدد کرتی ہے۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس ان تمام عوالم کو جانتی تھی جن کا ذکر ہو چکا۔ پاک ہے وہ خلط

۵۴ اس مسئلہ نے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کس قدر تھا، مسئلہ نوز میں عجیب صورت اختیار کر رکھی ہے۔ ایک فرقہ نے اس سے قطعاً انکار کر دیا اور کہا کہ آنحضرت کو قطعاً علمِ منیبات نہ تھا۔ ان بزرگوں نے ان منیبات کی طرف قطعاً توجہ نہیں کی، جن کا ذکر قرآن مجید میں آیات، پھر احادیث صحیحہ میں ہے شہادتاً پائے جاتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا ثبوت ہے۔ مثلاً غزوہ بدر کے خاتمہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کا یہ کہنا کہ میرے چچا آپ کو کچھ نہیں بت جس سے فدیہ ادا کر سکیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے مال کا پتہ بتانا۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر اس شخص کا پتہ بتانا جو کفار مکہ کو مسلمان فوج کی آمد کی خبر دینے جا رہا تھا۔ بہر حال ان دونوں نے اپنے اپنے انصاف کیا اور نہ آنحضرت کی ذات مقدس کے ساتھ، کیونکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو بہت ہی گھٹا دیا۔ ان بزرگوں کی خدمت میں مؤذبانہ گزارش ہے کہ کسی خاص شخصیت یا خاص فرقہ کی عداوت کو ذہن سے خارج کر کے گھنڈے دل سے سوچیں کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی تعظیم کے مستحق ہیں جس کا اظہار انہوں نے کیا ہے؟ راقم الحروف ان سے صرف اس قدر درخواست کرتا ہے کہ بے اعتدالی سے کام لیں۔

ممكن ہے کہ یہ منجزات وہ واقعات پیش کریں جن میں آنحضرت کو اصل واقعہ کی خبر نہ ہو سکی مثلاً رعل اور ڈاکوؤں کا واقعہ، نزدہ تبوک کو روانگی وغیرہ۔

ان کا جواب یہ ہے کہ ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو فیضِ باری سے یہ علم تو حاصل تھا لیکن یہ اسی وقت حاضر ہوتا جس وقت آپ کو مشغولیت بحث سبحانہ نہ ہوتی۔ کیونکہ جس وقت آپ مشاہدہ حق سبحانہ میں مشغول ہوتے اس وقت آپ کو کسی اور چیز کی خبر نہ ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا: **لَا يَسْعَهُ نَبِيٌّ مِّنْ سَلِّ وَلَا مَلَكَ مُنْصَرَّبٌ** (جب کبھی مشاہدہ حق حاصل ہوتا ہے، اس مشاہدہ کو کوئی نبی مرسل اور نہ مقرب فرشتہ برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے) اور یہ حالات آپ کو بیشتر اوقات رہتی تھی پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی صحت کی بنا پر درمیان سے جراب کو نازل نہ کرتا جس کی وجہ سے اس امر کا خفا رہتا۔ یہاں پر بحث کرنا مقصد نہیں ہے محض اشارہ کرنا ہی مقصود ہے۔

ایک دوسرا کردہ ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے بارے میں اس قدر غلو کیا کہ آپ کو ہر ذرہ

جس نے آپ کی ذات کو شرف بخشا، عزت بخشی اور اس تمیز پر قدرت دی۔

۴۔ بصیرت | چوتھا جزو بصیرت ہے۔ اس سے مراد تمام اجزاء روح میں فہم کا اس طرح سرایت کرنا ہے جس طرح تمام حواس یعنی بصارت و سماعت و قوت شامہ و ذوق اور اس اجزاء روح میں سرایت کیے ہوئے ہیں چنانچہ علم تمام اجزاء میں قائم ہے اور بصیر بھی تمام اجزاء میں موجود ہے یہی حال شم ذوق اور لمس کا ہے یہاں تک کہ روح کا کوئی ایسا جزو نہیں جس میں علم و سمع و بصر و شم و ذوق و لمس موجود نہوں۔ چنانچہ روح ہر حبت سے دیکھتی ہے اور یہی حال باقی حواس کا ہے لہذا جب روح ذات سے محبت رکھتی ہے اور ان دونوں کے درمیان سے حجاب اٹھ جائے تو وہ اسے اس بصیرت سے مدد دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذات کے سامنے اور پیچھے، اوپر اور نیچے، دائیں اور بائیں اپنے تمام اجزاء کے ذریعہ سے دیکھتی ہے اور اسی طرح سنتی ہے اور سونگھتی ہے وغیرہ انفرادی طور پر روح کی ہوتی ہے وہی جسم کی ہو جاتی ہے چنانچہ جب بچپن میں ملائکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا تو مبارک چاک کیا تو اس وقت سے آپ کی ذات ظاہر اور روح شریفہ کے درمیان حجاب اٹھ گیا تھا اور اسی وقت سے آپ کی روح اور ذات کے درمیان اتحاد اور غلا ملا ہو گیا تھا اور آپ کی ذات ان امور پر مطلع ہو گئی تھی جن پر آپ کی روح مطلع تھی یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے سے اسی طرح دیکھ سکتے تھے جس طرح سامنے سے چنانچہ آپ نے صحابہ سے فرمایا: اَتَيْمُوا زَوْجَكُمْ وَتَجِدُوا رُوحَكُمْ فِي بَيْتِكُمْ فَانظُرُوا فِيهَا فَمَا تَرَائِرُهَا (ترجمہ: اپنے رکوع اور سجود کو ٹھیک ادا کیا کرو کیونکہ میں تم کو اپنے پیچھے سے ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسا سامنے سے)۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

۵۔ عدم غفلت | پانچواں جزو عدم غفلت ہے یعنی جس قدر کہ روح کا پہلا علم ہے اور جہاں تک روح کی نظر پہنچی ہے اس سے علم کی ضد اور جہل کی تمام کیفیات ایسی منتفی ہوتی ہیں کہ اس معلوم

بقیہ حاشیہ: ہر حالت اور ہر جزئی کا عالم بتایا نہ صرف یہ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر بھی ہوا ان بزرگوں نے بھی زیادتی کی۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ نَظَرُوا فِي كَمَا أَطْرَبَتِ الْيَتِيمَ دُونَ النَّصَارَى عَيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ كَوَجْهًا دِيًّا۔ ان احباب کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ یہ بھی اعتدال پسندی کو نہ چھوڑیں۔ کسی کی مخالفت کی بنا پر حق بات سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

آخر میں ایک ضروری بات عرض کر دوں کہ جو کچھ حضرت عبدالعزیز دبار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے یہ ایک صاحب کشف اور قطب عالم اور غوثِ زمان کا ذاتی مشاہدہ ہے جو بیان کیا گیا۔ اہل باطن اور اولیاء اللہ کو ہی حقیقتِ امر کا علم ہے اور دوسرے لوگ اس حقیقت کو دریافت نہیں کر سکتے۔ اس لیے اہل ظاہر اور عوام کے لیے صرف یہ عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جتنا چاہا علم دیا نہیں نہ اس کا علم ہے نہ اس کا اندازہ کر سکتے ہیں اسی واسطے شیخ سعدی نے فرمایا ہے: تَوَدُّ عِلْمُ جِبْرِائِيلَ مَا تَوَدُّ عِلْمُ كَرِيْمٍ۔

مشکوٰۃ باب الکرکوع ص ۱۱

بقیہ حاشیہ: ہر حالت اور ہر جزئی کا عالم بتایا نہ صرف یہ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر بھی ہوا ان بزرگوں نے بھی زیادتی کی۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ نَظَرُوا فِي كَمَا أَطْرَبَتِ الْيَتِيمَ دُونَ النَّصَارَى عَيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ كَوَجْهًا دِيًّا۔ ان احباب کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ یہ بھی اعتدال پسندی کو نہ چھوڑیں۔ کسی کی مخالفت کی بنا پر حق بات سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔







ہے تاکہ بھول کے لیے بھی ایک طریقہ قرار دے دیا جائے، سو حفاظ حدیث نے مثلاً امام عبدالبر علیہ السلام نے تمہید میں، حافظ ابن حجر نے فتح میں اور جلال الدین سیوطی نے موطا کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی سند کسی حدیث کی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل نہیں ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس کے رد میں آپ کا یہی ارشاد کافی ہے اِنْسَانًا اَنَا بَشَرٌ اَلْشَّيْءُ كَمَا تَنْسَوْنَ۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف صرف بشریت کو منسوب کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے نسیان کو صحابہ کے نسیان سے تشبیہ دی ہے۔ باقی بحث فتح الباری میں دیکھیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

۶۔ قوتِ سریاں | چھٹا جزو قوتِ سریاں ہے اور یہ اس طرح کہ حق تعالیٰ نے روح کو طاقت دی ہے کہ وہ اجرام کو پھاڑ کر ان میں داخل ہو جائے چنانچہ یہ پہاڑوں، پتھروں، چٹانوں اور دیواروں کو پھاڑ کر ان میں گھس جاتی ہے اور ان کے اندر جہاں چاہتی ہے چلتی پھرتی ہے اور روح کسی ذات میں سکونت پذیر ہو جائے اور اس سے محبت کرنے لگے اور اسے اپنا سا تھی بنا لے تو روح اس قوت سے ذات کی مدد کرتی ہے اور ذات وہی کام کرنے لگ جاتی ہے جو روح کرتی ہے۔

یہی علیہ السلام | یہی علیہ السلام کا قصہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ آپ کی قوم نے آپ کو گرفتار کرنا چاہا کا قصہ | تو آپ ان سے بھاگ کر ایک درخت کے اندر گھس گئے کیونکہ آپ کی روح نے بدن کو باہمی محبت کے سبب اجرام میں سرایت کرنے کی طاقت دی تھی اسی واسطے آپ کا جسم جرمِ درخت کو پھاڑ کر اس کے اندر گھس گیا۔

اولیاء اللہ میں بھی یہ | اسی قبیل سے ہیں اولیاء اللہ کے واقعات کہ وہ کسی جگہ بغیر دروازہ کھولے قوت پائی جاتی ہے | داخل ہو گئے اور مکان کے اندر پائے گئے۔

علہ موطا امام مالک (۱: ۹۲) مجمع مصطفیٰ البانی یہ حدیث اس طرح دی ہے عَنْ مَالِكٍ اَنَّ اُمَّ بَلْعَدَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنِّيْ لَا اَلْسِنِيْ اَوْ اَلْسِنِيْ لِاَسْمِنَ۔ اس کی شرح میں جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ ابن عبدالبر کا قول ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ حدیث اس سند کے علاوہ کسی اور سند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسند یا مقطوع طور پر بھی روایت کی گئی ہو اور یہ حدیث موطا کی ان چار حدیثوں میں سے ہے جو حدیث کی دوسری کتابوں میں نہ ملے اور نہ مرسل طور پر پائی جاتی ہیں۔ مگر اصولی طور پر اس حدیث کے معنی درست ہیں۔ مگر سیوطی نے موطا کی شرح کے مقدمہ (چوتھے فائدہ) میں یہ حدیث اس طرح دی ہے جس طرح کتاب میں ہے۔

علہ عبدالبر: یوسف بن عمر بن عبدالبر علماء اندلس کے شیخ اور اپنے زمانہ میں وہاں کے بہت بڑے محدث تھے کتاب الاستذکار بمذاہب علماء الامصار فیما تضمنہ الموطا من حانی الآثار تصنیف کی جس میں موطا کے طرز و الابواب کے موافق اس کی شرح کی اور فقہ میں کتاب الوافی وغیرہ لکھی۔ انہوں نے سنہ ۳۸۰ھ = سنہ ۹۹۰ھ میں وفات پائی۔ ان کی کتاب تمہید کا جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے پورا نام تمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید ہے۔

اور اسی قبیل سے ہیں اولیاء اللہ کے واقعات کہ ایک قوم اٹھایا اور ایک پاؤں مشرق میں رکھا اور دوسرا مغرب میں۔ کیونکہ جسم تو ایک لحظہ میں اس ہوا کو پھاڑ کر نکل جانے کی طاقت نہیں رکھتا جو مشرق و مغرب کے درمیان ہے اس لیے کہ ہوا اس کے جوڑوں کو توڑ ڈالے گی اور اس کے اعضاء کو بیزہ ریزہ کر دے گی اور اس کے خون اور رطوبتوں کو خشک کر دے گی لیکن رُوح نے قوتِ سریان سے جسم کی مدد کر کے اسے اس فعل کے کرنے کے قابل بنا دیا۔

واقعہ معراج | معراج کا واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی سی مدت کے اندر جہاں پہنچے اور پھر واپس بھی آگئے اور یہ سب کچھ رُوح کا کام تھا کہ اس نے اپنی سرایت کرنے والی قوت سے جسم کی مدد کی۔ وَاللَّهُ اعْلَمُ

۷۔ مؤلمات اجرام | ساتواں جزو اسہام کو رکھ دینے والی اشیا کا احساس نہ کرنا مثلاً بھوک، پیاس، گرمی کا عدم احساس | اور سردی وغیرہ کیونکہ رُوح تو ان میں سے کسی چیز کو محسوس نہیں کرتی چنانچہ اس کے نزدیک بھوک، پیاس، گرمی، سردی کوئی چیز نہیں۔ اسی طرح جب رُوح کسی تیز چیز میں نفوذ کرتی ہے تو اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ اسی طرح جب رُوح گندگی کی جگہ سے گزرتی ہے تو اسے اس سے کوئی تکلیف نہیں محسوس ہوتی۔ برعکس فرشتوں کے لیے کہ اس آخری امر میں رُوح تعین سے، انہیں تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ ان کا میلان خوشبو کی طرف ہوتا ہے اور بوسے انہیں نفرت ہوتی ہے اگر رُوح میں عدم احساس کی قوت نہ ہوتی جہاں تو جس جسم میں یہ موجود ہوتی ہے، اس میں ایک لمحہ بھی قرار نہ پاسکتی۔ وَاللَّهُ تَعَالَى اعْلَمُ

یہ سات امور ہیں جن کو ہونا ہر رُوح میں ضروری ہے۔ اسی واسطے ہم نے کہا ہے کہ قریب قریب یہی رُوح کے اجزا ہیں۔ ماسبق کی طرح ان میں بھی رُوحوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اعلیٰ ترین رُوح اور رُوح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ ان اوصاف میں جو اوصاف آپ کی رُوح میں پائے جائیں وہی آپ کی ذات میں بھی پائے جائیں گے۔ پھر ان ساتوں کو اٹھائیں گے ساتھ ملایا جائے گا۔ اٹھائیں سے مراد آدمیت، قبض، اسبغ اور تہوت کے اٹھائیں۔ الزار ہیں کہ پہلا نور یعنی ذوق الانوار جو آپ کی ذات شریفہ میں ہے، اس میں تمام سابقہ الزار شامل ہو جائیں گے اور وہ انہیں الزار کا مرکب بن جائے پھر دوسرا یعنی طہارت آپ کے نور اور نور ذوقی اور اس سے پہلے کے الزار سے مرکب ہوگا، پھر اسی طرح تیسرا، چوتھا حتیٰ کہ ساتواں نور یعنی الزار سے مرکب ہوگا۔

## ۶۔ علم

علم سے ہماری مراد علم کامل ہے جو پاکیزگی اور طہارت میں انتہائی درجہ کو پہنچا ہو۔ اور اس میں مندرجہ ذیل سات خصلتیں جمع ہوں۔ یاد رکھو کہ علم نورِ عقل ہے اور عقل نورِ روح ہے اور روح نورِ ذات ہے یہ مذکور ہو چکا کہ وہ ذاتِ طاہر جس کے اور روح کے درمیان سے حجاب زائل ہو چکا ہو ان تمام اوصاف سے موصوف ہوتی ہے جو نورِ عقل کے لیے ثابت ہو چکے ہوتے ہیں اور نورِ عقل علم ہی ہے لہذا روح ان ساتوں انوار سے متصف ہوتی ہے جو علم میں پائے جاتے ہیں۔

۱۔ معلومات کا علم کا پہلا جزو معلومات کا بار اٹھانا ہے۔ یہ علم کے اندر ایک نور ہے جس کا مقتضی بار اٹھانا ہے کہ معلومات اس درجہ حاصل کی ہوں کہ آنکھ کو اپنی دیکھی ہوئی اور کان کو اپنی سنی ہوئی، اسی طرح باقی حواس کی ادراک کی ہوئی چیزوں کا جتنا حصول ہوتا ہے، ان سب پر فوقیت لے جائے لہذا نورِ علم میں اشیاء کا حصول بمنزلہ ذات کے ہوتا ہے اور بصر میں اشیاء کا حصول بمنزلہ ظن اور خیال کے ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر پہلے حصول کے مقابلے میں دوسرا حصول بمنزلہ خیال کے ہوتا ہے چنانچہ نورِ علم میں ادراک حقیقی ہوتا ہے اور بصر میں خیالی۔ لیکن لوگوں میں اس کے برعکس مشہور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں نورِ علم بہت کم بلکہ محض بال برابر یا اس سے بھی کم ہوتا ہے اور جب علم ان میں کم ہو گیا تو انہوں نے حواس پر اعتماد کرنا شروع کر دیا۔ لیکن جسے اللہ تعالیٰ نے علم کامل عطا کیا ہو تو بصر اور باقی حواس اس علم کے مقابلے میں حواس حاصل ہے اس کے نزدیک محض ایک خیال ہوگا۔ پھر اس حالت کو واضح کرنے کے لیے شیخ نے ایک مثال بیان کی اور فرمایا اگر ہم فرض کر لیں کہ ایک شخص نے ایک گھر بنایا اور اس کی تعمیر میں ہر چھوٹا اور بڑا کام اس نے خود اپنے ہاتھوں سے کیا کہ مٹی خود لایا اور اسے پکا کر اینٹیں بنائیں اور پتھر لایا اور انہیں پکا کر چونا بنایا۔ پھر خود ہی لکڑی لایا، خود ہی اسے چیرا اور عمارت تیار کر لی اور اسے چولنے کا پتھر کیا۔ ان تمام امور میں کسی نے اس کی مدد نہ کی بلکہ اول سے آخر تک تمام کاموں کو اس نے خود ہی کیا ہو اور جو کچھ بھی اس نے کیا ہو، وہ ارادہ، نیت، اور سوچ و بچار سے کیا ہو، حتیٰ کہ ہر چیز میں ہونے لگی ہو گویا اس کی طبعی اور فطری چیز ہے اور یہ تمام چیزیں اس کے ذہن میں موجود ہوں اور کبھی غائب نہ ہوتی ہوں۔ اب اگر وہ اس گھر سے کچھ مدت تک غائب رہے اور پھر واپس آئے اور اس گھر کو دیکھے اور اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی اسی گھر کو دیکھے تو ہر چند دونوں اس گھر کو دیکھنے میں تو برابر ہوں گے لیکن بنانے والے کا دیکھنا دوسرے آدمی کے دیکھنے سے بہت بڑھا ہوا ہوگا کیونکہ

اس کے تمام اجزاء اور اجزاء کے اجزاء اور کام کی تفصیل اور تفصیل کی تفصیل ایسی چیزیں ہیں جنہیں صنایع نے خود اپنے ہاتھ سے کیا ہے چنانچہ وہ گھر کو ظاہر اور باطن اور بیرون اور اندرون سے اس طرح جانتا ہے جس کا دوسرے کو علم نہیں۔ یہی حال علم کامل کا ہے کہ وہ شئی کے ظاہر و باطن، اجزاء اور اجزاء کے اجزاء اور تفصیل اور تفصیل کی تفصیل پر محیط ہوتا ہے اور اسے کا تعلق مضمون گھر کی سطح سے ہوتا ہے، عام نہیں ہوتا چہ جائیکہ وہ چیر کر باطن تک پہنچ سکے یہ مثال تقیہ ہے، تحقیقی نہیں ہے کیونکہ علم کامل کا تو صرف انہی لوگوں کا علم ہوتا ہے جن پر اللہ کی عنایت ہو اور اس کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے مثالوں سے ہی کام لیا جاتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ علم اشیاء کا کیب ادراک کرتا ہے، فرمایا: اگر ہم فرض کر لیں کہ علم بمنزلہ ایک اونس صاف سفید پانی کے ہے جو اپنی صفائی میں اپنی اصلی حالت پر قائم ہو۔ پھر ہم ایک اونس اور پانی فرض کریں جو کئی ایک مختلف قسم کے قطرات سے مرکب ہو مثلاً ایک قطرہ نمکین ہو، ایک قطرہ میٹھا، ایک کڑوا، ایک ترش، ایک ٹھنڈا، ایک گرم وغیرہ وغیرہ، پھر ہم اس ایک اونس مرکب پانی کو صاف پانی میں ڈال دیں تو یہ دونوں آپس میں مخلوط ہو کر ایک ہی پانی بن جائیں گے۔ پہلا اونس پانی بمنزلہ علم کے ہے اور دوسرا اونس اپنے اختلاف کی وجہ سے بمنزلہ معلومات کے ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا یہ نظریے میں عمل کر لیا جاتا ہے، یا ہر قطرہ علیحدہ متمیز رہتا ہے، فرمایا یہ مخلوط ہوتے ہیں، پھر آپ اسے تجزی کر پھریں لیا اور فرمایا یہ علم ہے، پھر ایک اور قطرہ لیا اور اسی پانی میں ملا دیا۔ اور فرمایا کیا یہ اس سے مل جاتا ہے یا نہیں، فرمایا ہاں، میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا یہ گویا دوسرا معلوم ہے پھر تیسرا قطرہ لیا اور اس پانی میں ملا دیا اور کہا میں علم اور معلومات کے حاصل ہونے کی یہی کیفیت ہے، کیونکہ نور علم پہلے قطرہ میں عدم سے خالی ہوتا ہے، پھر معلومات کے آنے سے تدریجاً بڑھتا ہے۔ معلومات حاصل ہوتے رہتے ہیں اور ان کے اختلافات ہوتے ہیں، یہی نور علم کی کوئی انتہا نہیں ہے، جس صورت میں معلومات کی کوئی انتہا نہیں ہے، پھر معلومات کے لیے بمنزلہ عذوق کے ہے۔ اگر غلاف کے اندر کشتوری چیز ہو تو غلاف کا جسم ہوتا ہے، اگر کشتوریوں کی تو غلاف بڑا ہو جائیگا عجیب، راستہ، نہ سبب کہ انتہا میں یہ غلاف بہت ہوتا ہے، پھر اس کے اندر اس میں ایک ہی معلوم ہوا سکتا ہے۔ اگر اس میں ایک اور معلوم کا اضافہ ہو تو غلاف بڑا ہو جاتا ہے اور اسی طرح بڑھتے بڑھتے یہ محدود ہوتا ہے۔

۲۔ صنایع نے کرنا: دوسرے جسم بیضی (مثلاً شکر) ہے اور وہ ایک نور ہے جس کا



مقتضیٰ یہ ہے کہ اس کے معلومات صرف مستحق کو پہنچیں۔ لہذا یہ نور اُسے تا اہل لوگوں تک پہنچنے سے محفوظ رکھتا ہے چنانچہ یہ نور براہ راست تا اہل تک نہیں پہنچتا اور اگر بالفرض تا اہل تک یہ نور پہنچ بھی جائے تو یہ اسے واپس لے آتا ہے۔ اسے چوس لیتا ہے اور اپنی اصل تک پہنچا دیتا ہے اور تا اہل تک پاس قائم رہنے سے بچاتا ہے۔

یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ کہ آپ جب کلام فرماتے تو انوارِ علوم نکلتے اور اسے نیک و بد اور مؤمن و منافق ہر قسم کے لوگ سنتے اور جو بد اور منافق لوگ ہوتے تو یہ نور ان کے پاس قرار نہ پاتا اور نہ ان کے دل پر اس کا اثر ہوتا کیونکہ نور مذکور ان انوار کو اپنی پاکیزہ اصل اور روشن محل کی طرف واپس لے آتا، یعنی ذاتِ محمدی کی طرف لیکن جو اہل محبت اور اہل ایمان ہوتے، وہ حکمت کے اہل اور نیکیاں قبول کرنے کے قابل ہوتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا تُوَانِ كِي طَهَارَتِ كِي وَجِهَ سَے اِنْوَارِ اُنْ كَے پَاس پَہنچكِر قَائِمٌ وَبَرَقَرَار رَہتے۔

عرضِ علم کی دو قسمیں ہیں پاک جس کے نور میں سفیدی ہو اور دوسرا ناپاک جس میں نیلا پن ہو فرض کر دو چار آدمی ہیں۔ ایک کا علم طاہر اور کامل ہے۔ دوسرے کا علم طاہر اور قلیل ہے، تیسرے کا علم غیر طاہر مگر کامل ہے اور چوتھے کا علم غیر طاہر اور قلیل ہے۔ پھر فرض کر لیں کہ وہ ایک جگہ اکٹھے ہو کر باتیں کرنے لگیں، تو طاہر ناقص علم والا طاہر کامل علم والے سے استفادہ کرے گا اور تیسرے سے کچھ بھی استفادہ نہ کر سکیگا۔ اس لیے کہ وہ دونوں بجنس نہیں ہیں اور ناپاک ناقص علم والا مستفید ہو گا ناپاک کامل والے سے اور پاک علم کا کچھ اثر نہ لے گا کیونکہ ان میں مماثلت نہیں ہے۔ علم مطلق کا خاصہ عدم تضييع ہے (ضائع نہ جانا، اس لیے طاہر غیر طاہر پر داخل نہ ہوگا اور اس کے پاس نہ ٹھہر سکے گا۔ اسی طرح غیر طاہر طاہر کے ساتھ نہیں لے گا اور نہ اس کے پاس ٹھہر سکے گا۔ طاہر طاہر کے پاس بجائے گا۔ اور خمبیت خمبیت کے پاس۔

۳۔ زبانون اور حیوانات اور تیسرا جزو حضرت افاضت و اصوات۔ اس کی تشریح اس طرح جمادات کی آوازوں کی معرفت ہے کہ جب علم کامل میں اشیاء کا حصول ہوتا ہے تو یہ علم مع ان کے حقائق، ذاتیات، لوازمات اور عوارض کے ہوتا ہے اور اصوات (آوازیں) امور عرضیہ سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ عرفیات کا علم تو حاصل ہو جائے اور ان اشیاء کا علم نہ ہو جو ان سے پیدا ہوتی ہیں۔

پھر جن معلومات کے متعلق علم میں ناقص ہو چکے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں۔ حیوان اور جماد۔ جماد کی بھی آواز ہوتی ہے مثلاً بانی، تو اسے جمادات اور دروازے کی کھڑکی، ٹھہراہٹ اور ایک پتھر کی دوسرے پر گرنے کی آواز وغیرہ وغیرہ اور علم والا انسان آوازوں کو سن کر مطلب سمجھ

جاتا ہے۔

پھر حیوان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ناطق اور غیر ناطق۔ حیوان ناطق یعنی انسان کی کوئی نہ کوئی زبان ہوتی ہے جسے عام لوگ جانتے ہوتے ہیں اور حیوان غیر ناطق جس کی قسمیں پرندے حیوانات وغیرہ ہیں۔ اور ان تمام کی اللہ انک بولیاں مشہور ہیں اور کامل معلم والا انسان ان سب کو جانتا ہوتا ہے۔

(مؤلف کتاب کتنا ہے کہ) میں نے اس کے متعلق حضرت سے بہت سی حکایتیں سنی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر دوران کتاب ہوگا۔ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ**

حضرت نے فرمایا کہ صامت جس کی کوئی آواز نہیں ہوتی مثلاً دیوار، گھر، جنگل، چٹیل میدان، پہاڑ، درخت وغیرہ ان کی آواز کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ آذان کے اور ان کے خالق کے درمیان باطنی تعلق ہے مگر بعض اوقات ان کی آواز کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کے معجزہ کی صورت میں یاد دہانی کی کرامت کی صورت میں ظاہر کر دیتا ہے۔

۴۔ انجام سے واقفیت | پھر تھانہ معرفت انجام ہے۔ اجزاء روح میں تمیز کی بحث میں مذکور ہو چکا ہے کہ یہ ایک نور ہے کہ جس کے ذریعہ سے اشیاء کی حقیقت نفس الامری مکمل طور پر متمیز ہو جاتی ہے لہذا اس نور سے ایک درجہ سے اشیاء کا امتیاز ہوتا ہے اور یہ انہیں درجہ بدرجہ لے آتا ہے یہاں تک کہ یہ انجام تک پہنچ جاتی ہیں اور جب انجام کو پہنچ گئیں تو تمیز کا کام ختم ہو گیا اور اس علم یعنی معرفت عواقب کا کام شروع ہو جاتا ہے اس طرح کہ یہ ہر شئی کا حقیقی انجام تفصیل دار نظر کے سامنے لے آتا ہے۔

پھر انجام کی دو قسمیں ہیں۔ اول، اراۃ آخرت میں نما جیسا کہ جمادات وغیرہ کا حال ہے جنہیں آخرت میں کوئی زندگی نصیب نہ ہوگی، یا بقا جیسا کہ مکلفین (انسان و جنات) وغیرہ کے لیے ہے۔ جس کا انجام فنا ہے تو یہ ہرزو و کبیرہ لیتا ہے کہ اس کی فناء کب اور کس طرح ہوگی اور یہ شئی کس طرح فنا تک بتدیج پہنچے گی۔ اس کے اجزاء کس طرح کھتے ہوئے بالآخر معدوم ہو جائیں گے یہاں تک کہ آخر کار یہ معدوم محض بن جائیں گے۔ اس کی فنا کس جگہ ہوگی اس فنا کے اسباب و مقتضیات کیا ہوں گے۔ حتیٰ کہ اس کا فنا ہونے کا اثر ظاہر اور مقبول بن جائیگا کہ نہ اس میں کوئی بعد اور نہ خرق عادت ہوگا۔ اس کے اندر کوئی ایک مثال ہے۔

لیکن جس کا انجام بقا ہے تو وہ تمیز سے درجہ بدرجہ جدا کر جنت یا دوزخ تک پہنچا دیتا ہے۔ پھر یہ جزو آتا ہے۔ اور اس کی جزا میں غور کرتا ہے اور ہر شخص کی جزا کے مطابق جنت میں ہے تو جنت کی اور دوزخ میں ہے تو دوزخ کی جزا میں یا تفصیل غور کرتا ہے۔ اس کی شرح

بڑی لمبی ہے اور ممکن ہے کہ حضرت سے سے ہوئے کچھ واقعات اثناء کتاب میں ذکر کر دیں۔ بِحَوْلِ اللّٰهِ  
وَقُوَّتِهِ۔

۵۔ ان علوم کی معرفت جن کا | پانچواں جزو ان علوم کی معرفت ہے جن کا تعلق جن و انس سے ہے  
تعلق النسالوں اور جنوں سے ہے اور یہ بہت سے علوم ہیں۔ خاص النسالوں سے تعلق رکھنے والے علوم  
کی تعداد تین سو چھیاسٹھ ہے اور جنوں سے متعلق علوم کی تعداد ان سے تین کم یعنی تین سو تریسٹھ ہے۔ انہی  
میں وہ علوم بھی شامل ہیں جن سے ان اسباب کی معرفت حاصل کی جاتی ہے جن پر ان کی زندگی ظاہری اور  
باطنی کا بقا و موت ہے۔ ظاہری معاش وہ ہے جس پر ان کی ذات کا انحصار ہے اور جس سے ان کی  
زندگی قائم رہتی ہے۔ لہذا اس میں کسب کے اسباب مثلاً کھیتی کرنا، اہل چلانا، بڑھتی کا کام وغیرہ یاد تگھری  
سب شامل ہیں۔ اس لیے ان تمام کا جاننا اور ان اسباب کا جاننا ضروری ہے جن سے نائد ہوتا ہو یا نقصان۔  
اسی میں علم ادب بھی شامل ہے جسے آج کل لوگ علم سیاست کہتے ہیں کیونکہ اسباب معاشرت کا جاننا بھی  
ضروری ہے اور اس میں بھی بہت سے علوم شامل ہیں۔

اب رہی باطنی معاش تو یہ ایسی معاش ہے جو بندہ کو رب سے ملا دے۔ انہیں ہانک کر  
ادھر لے آئے اور اللہ کی راہ بتائے۔ اس میں شریعتوں کا جاننا اور ان کے احوال اور ان ہا سرار  
کا جاننا شامل ہے جو اللہ تک پہنچا دیں۔ چنانچہ انسان واقعات میں اللہ کی حکمتوں کو جاننے لگتا ہے  
اور جانتا ہے کہ شریعت میں اس کے حکم کرنے کا کیا راز ہے اور یہ کہ دنیا اور آخرت میں بندے کو اس سے  
کیا نفع پہنچتا ہے۔ اگر اس بارے میں ہم تمام امور کا ذکر کر دیں جس میں ہم نے معرفت سے سنا اور ہم جزئیات  
اور بڑی مصائب کو بیان کریں جن کے متعلق ہم نے شیخ سے سوال کیا تو ہمیں بے شمار عجائب و  
غرائب کا ذکر کرنا پڑے گا۔ نیز اس نور والا حکم شرعی کو سنتے ہی سمجھ جائے گا کہ یہ یقیناً حق  
بات ہے کیونکہ میں نے حضرت سے ان اختلافات کے متعلق بحث کی جو شیوخ مذاہب  
میں واقع ہوئے (مثلاً چشتیہ، سہروردیہ وغیرہ) پھر ان اختلافات میں بحث کی جو اصحاب  
مذاہب اربعہ (یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل) کے درمیان  
واقع ہوئے اور پھر ان اختلافات میں جو انبیاء کی شریعت میں واقع ہوئے۔ یہ گفتگو کئی سال تک  
جاری رہی۔ اس عرصہ میں آپ سے وہ امرار و معارف سننے میں آئے جن کا شمار نہیں۔ خدا ہمیں اپنے  
فضل و کرم سے ان سے دنیا و آخرت میں نفع پہنچائے۔

حضرت نے فرمایا کہ انہی علوم میں ان آفات کی معرفت ہمیں شام ہے جو اسباب معاش ظاہری  
و باطنی کو لاحق ہوتی ہیں اور یہ کہ ان آفات سے بچنے کا کیا طریقہ ہے تاکہ اس علم کا باشندہ والا اپنی معاش  
کے تمام اسباب میں صاحب بصیرت ہو جائے۔ چنانچہ اسے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ دونوں جہانوں میں

اسے خاص طور پر کونسی چیز نفع رساں ہے اور کونسی ضرر رساں۔ اسی میں علم طب کی ایسی کامل معرفت بھی شامل ہے جو نفس الامری ہو اور بیرون ظاہری ہے جس کا تعلق ظاہری معاش کی بہتری کے ساتھ ہے یا باطنی جس کا تعلق معاش باطنی کے ساتھ ہے۔

۶۔ ان علوم کی معرفت جن کا تعلق | چھٹا جزو ان علوم کی معرفت ہے جن کا تعلق کونین کے احوال کے ساتھ کونین کے احوال کے ساتھ ہے | ہے اور کونین سے مراد عالم غلوی اور عالم منغلی ہے۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ ظالم کا انحصار ساتھ ہے۔ عناصر اربعہ یعنی پانی، مٹی، ہوا اور آگ پر اور مرکبات غلطہ پر یعنی نباتات، حیوانات اور انسانیت پر۔ لہذا علم کامل میں ان اشیاء کی حقیقت کو کامل طور پر جاننا ضروری ہے نیز ان کی امتیاز بھی تھا سمجھنے کی خاطر۔ ان میں نفع رساں اور ضرر رساں اشیاء کا علم، ان کی قوتوں کا علم، اور ان قوتوں میں ان کے تمام اثرات کے اختلافات کا علم بھی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آگ کا جسم تو بہت وسیع ہوتا ہے لیکن اس کی قوتیں کمزور ہوتی ہیں اور اس کے برعکس بھی یعنی جسم چھوٹا لیکن حرارت قوی۔ اس کی بحث لمبی ہے۔

۷۔ جہات کا ایک جہت | ساتویں جزو جہات کا ایک جہت میں مشور ہونا ہے اور وہ ایک جہت میں مشور ہو جاتا ہے | ساتویں جہت ہے اور یہ علم کائنات کے اجزاء میں سے ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ علم چونکہ ایک نور ہے لہذا تمام جہات میں اشیاء کا اور آگ کرنا ہے لیکن اگر کسی کو اللہ کی طرف سے زائد نور عطا ہو کہ تو کچھ وہ سامنے کی جہت کے علاوہ اور جہات میں دیکھتا ہے وہ اس کے لیے ایسے ہی ہو جائیں جس طرح کہ ہر دور کم و کم سامنے کے سامنے کی اشیاء کو دیکھتا ہے اور اس وقت اس کی نگاہ میں صرف ایک جہت رہ جاتی ہے اور باقی تمام جہات محض ہو جاتی ہیں اس لیے کہ اس کا علم کامل ہوتا ہے اور یہ کیفیت عدا سبب فتح زکشت کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہوتی۔ یہی مفہوم ہے اس حدیث کا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اِنِّیْ لَا اَرَا کُمْ مِّنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرَا کُمْ مِّنْ اَمَامِیْ (ترجمہ: میں اپنے پیچھے سے تمہیں اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے) لہذا باوجود اس کے کہ عموماً آپ کے پیچھے ہوتے آپ انہیں اپنے سامنے دیکھتے بعینہ اسی طرح جس طرح آپ سامنے کے رخ کی چیزوں کو دیکھتے لیکن اگر صاحب علم الگ جہات کو محسوس کرے تو اس کا ظلم کامل نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

عہدہ ملاحظہ فرمائیے: تفسیر قرآن مجید، ج ۱، باب ما علی المأمون من المتابعین اور موطا امام مالک

ج ۱ صفحہ ۱۲۴-۱۲۵



## ۷۔ رسالت

۱۔ روح کا جسم میں رسالت کا پہلا جزو روح کا جسم میں برضا و رغبت قیام پذیر ہونا ہے اس لیے کہ برضا و رغبت قیام پائیزہ اجسام کے اندر وہ نور ہوتے ہیں جو ایمان باللہ سے فیضیاب ہوتے ہیں انہی انوار کی قلت و کثرت کے مطابق جسم میں نور کا قیام قوی ہوتا ہے یا ضعیف کیونکہ نور نسبت روح کے زیادہ مائل ہوتا ہے اور روح بھی نور ہی میں سے ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ نور ایمان کو کسی ذات میں دیکھتی ہے تو وہ اس کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس سے لذت پاتی ہے۔ پھر جس ذات میں نور ایمان مثلاً ایک ہاتھ برابر ہو اس میں روح کی سکونت اس قدر برضا و رغبت کی نہ ہوگی جس قدر کہ اس ذات میں ہوگی جس میں نور ایمان دو ہاتھ برابر ہے و علیٰ ہذا القیاس۔

مزید برآں نور ایمان نیک اعمال کے اجر کی زیادتی سے بڑھتا رہتا ہے اس لیے کہ اعمال کے اجر میں اور ان اجور کا خاص نور ہوتا ہے جن کا عکس ذات پر پڑتا ہے اور جن کی بدولت اجسام کو دنیا میں نیک نفع حاصل ہوتا ہے اس طرح کہ ان کی وجہ سے ان کا نور ایمان بھی بڑھ جاتا ہے اور آخرت میں ظاہری نفع ہوتا ہے کہ یہی اجور جنت میں نعمتیں بن جائیں گے جن سے عمل کنندگان حظ حاصل کریں گے۔

حضرت نے فرمایا: اگر ہم نرسن کہیں کہ دو آدمی نور ایمان میں برابر ہیں اور ان میں سے ایک دن بھر نیک اعمال کرتا رہے اور دوسرا نہ کرے۔ پھر دونوں رات کو سو جائیں، تو نیک اعمال والے کا نور رات بھر روشن اور زیادہ پھیلا ہوا ہوگا جو مختلف اس شخص کے نور کے جس نے کوئی نیک کام نہیں کیا۔ پھر فرمایا کہ تمام اعمال میں رسالت کے اعمال سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں ہو سکتا اسی لیے مرسلیں کے ایمان کے برابر پیشینا نامکین ہے۔ پھر نو مرسلیں میں بھی ان کے متبعین کی قلت و کثرت کے اعتبار سے فرق مراتب ہے اور کوئی مرسل کثرت متبعین کے اعتبار سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہو سکتا اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجر دیگر مرسلیں کے اجر سے بڑھ کر ہوگا۔ اس لیے کہ آپ کا نور ایمان اس عظمت تک پہنچ چکا ہے کہ کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اس سے یہ لازم آیا کہ جس طرح مرسلیں کی ارواح ذوات میں سکونت پذیر ہیں، اس طرح دوسروں کی ارواح نہیں۔ اسی خاص رہائش کو ہم نے جزو رسالت قرار دیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ذات محمدی میں روح محمدی کی سکونت دیگر مرسلیں سے بڑھ کر ہے لہذا آپ کی ذات میں یہ جزو بھی انتہاء کمال پر ہوگا۔ نیز روح کی رہائش میں اس اعتبار سے بھی فرق مراتب ہوتا ہے کہ کسی کا نور ایمان جہم روح کے مساوی ہوتا ہے اور

کسی کا چھوٹا اور کسی کا بڑا۔ لہذا جس کا نورِ ایمان جرمِ روح سے بڑا ہوگا تو اس کی روح کا قیام بھی زیادہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ جن کی ذات میں نورِ ایمان قطعاً ہوتا ہی نہیں، وہ کافروں کی ذات ہے۔ ان میں روح کا قیام صرف بحکمِ تقدیرِ تہری اور جبری ہوتا ہے ورنہ حقیقت میں روح ان کی ذات کو سخت ناپسند کرتی ہے۔

۲۔ علمِ کابل | دوسرا جزو علمِ کابل ہے خواہ غیب کا ہو، خواہ سامنے موجود اشیاء کا (غیباً و شہادۃً) اس جگہ علمِ غیب سے ہماری مراد وہ علوم ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت سے ہے اور علمِ شہادت سے مراد وہ علوم ہیں جن کا تعلق مخلوقات سے ہے لہذا اس میں وہ علوم جن کا تعلق جن و انس کے احوال سے ہے اور وہ علوم جن کا تعلق احوال کونین سے ہے اور وہ علوم جن کا تعلق احوال عاقبت سے ہے سب شامل ہونگے۔ اس کے متعلق پہلے بھی کچھ اشارہ کیا جا چکا ہے لیکن یہاں جسے جزو رسالت شمار کیا گیا ہے وہ ان امور کی معرفت میں کمال حاصل کرنا ہے لہذا ان امور میں کمال اور پھر کمال کا انتہائی درجہ حاصل کرنا رسالت کا ایک جزو ہے جس کا ہر رسول میں ہونا ضروری ہے۔ اور یہ کمال ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں انتہائی غایت کو پہنچ چکا تھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

۳۔ صدق | تیسرا جزو ہر ایک کے ساتھ تو ان و فعل میں سچائی ہے، اسی طرح کہ افعال و اقوال اللہ کی خوشنودی اور محبت کے مطابق ہوں کیونکہ مخلوقات کو پیغمبروں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا رسولوں کا مذکورہ حالت پر ہونا ضروری ہے لہذا رسولِ حق و سچائی کے سوا کوئی بات دل سے نہیں نکالتے۔ ان کا مزاج بھی سنجیدہ ہوتا ہے لہذا جب وہ کسی بات کی خبر دے دیں تو وہ ہو کر رہے گی اور اگر کوئی بات بظاہر اس کے خلاف نظر آتی ہو تو اس کی صحیح تاویل کی جائے گی اور انشاء اللہ اس کتاب میں اس کا کچھ ذکر کریں گے۔

غرض رسولوں کے کلام اور اہل جنت کی خواہشات ایک ہی قسم کی ہیں چنانچہ جس طرح اہل جنت جب کسی چیز کی خواہش کریں گے تو یہ یقیناً پوری ہوگی۔ اسی طرح جب رسول کوئی بات کریں تو وہ پوری ہو کر رہے گی۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ لہذا جو کچھ ہم تو انِ حق (جو کہ نبوت کا جزو ہے) کے تحت میں پہلے کہ آئے ہیں، اس کے مقابلہ میں "صدق" میں صرف اسی قدر مفہوم کا اعتراف ہے کیونکہ یہاں صدق بمنزلہ اس شخص کے ہے جو ان امور کی حکایت کر رہا ہو جو تقدیر میں لکھی جا چکی ہیں۔ گویا کہ اس کا قائل مسلوب الاختیار ہے، برخلاف قولِ حق کے کیونکہ وہ اس درجہ تک نہیں پہنچا ہوتا لہذا صدق میں قولِ حق کے مقابلہ میں رائے نور ہوتا ہے۔

۴۔ سکینہ و وقار | جزو چہارم سکینہ اور وقار ہے اور وہ دل میں ایک نور ہے جو صاحبِ نور کے لیے

ضروری کر دیتا ہے کہ اس کا اللہ پر اطمینان اور اعتماد ہو اور یہ کہ وہ ہر قسم کی قوت اور طاقت اللہ کی طرف پھیرے اور اللہ کے سوا کسی اور کی پرواہ نہ کرے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ صاحب سکینہ اور وقار کو کسی امر کا لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیتا ہے اور تمام دنیا کے لوگ اس معاملہ میں اس کی مخالفت اور دشمنی کا ارادہ کر لیں تو وہ ان کی قطعاً پرواہ نہ کرے بلکہ ان کو کالعدم سمجھے اور اس کے نزدیک ان کا دوستی کرنا، محبت کرنا اور مدد کرنا سب یکساں ہو کیونکہ اس کے نزدیک تو انہیں مخالفت یا موافقت کرنے کی طاقت ہی نہیں۔

لیکن جسے سکینہ حاصل نہ ہو تو جب اسے معلوم ہوگا کہ فلاں شخص اسے نقصان پہنچانے کا قصد کرتا ہے تو جس طرح وہ اپنے اندر قوت و طاقت محسوس کرتا ہے اسی طرح وہ دشمن میں بھی قوت و طاقت دیکھتا ہے لہذا وہ دشمن کی مدافعت کی تدبیریں سوچے گا کہ وہ کیسے بھاگ جائے اور کبھی سوچے گا کہ جب مقابلہ آن پڑا تو نجات کی کیا صورت ہوگی۔ وہ ابھی اسی شش و پنج میں ہوتا ہے کہ دشمن سے مقابلہ آن پڑتا ہے اس لیے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سکینہ کو اجزاء رسالت میں سے شمار کیا گیا ہے۔ کیونکہ صاحب رسالت کو دنیا والوں سے عداوت کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کفر و باطل سے باز آجائیں۔ اسی لیے اسے ان کی توجہ یا عدم توجہ، ان کی محبت یا ان کی ردگردانی کی پرواہ نہیں ہوتی چنانچہ حضراتِ مرسلین کی یہی حالت تھی کیونکہ دنیا والوں نے ان سے عداوت کی اور متحد ہو کر ان سے لڑے لیکن ان کے دل پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا پھر حضرت نے فرمایا کہ قرآن مجید کی کئی آیات میں اسی سکینہ کا ذکر ہے مثلاً **ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ** (سورہ توبہ آیت: ۲۶) (پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنین پر سکینہ اتاری) رسول پر سکینہ اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے آثار کا شاہدہ کر دیا کہ آپ کثیر التعداد دشمن کے مقابلہ پر بھی ڈٹے رہے اور مومنین پر انزال سکینہ سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کے دلوں میں سکون و اطمینان پیدا کر دیا۔

پھر سلسلہ کلام میں اس سکینہ کا تذکرہ ہوا جو بنی اسرائیل کے تابوت میں تھی جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے **أَنَّ يَأْتِيَكُمْ التَّابُوتُ فِيهَا سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ** (کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہوگی) اور پھر اس سکینہ کا ذکر ہوا جس کا ذکر اسید بن حنفیہ کی حدیث میں ہے اور اس سکینہ کا ذکر ہوا جن کا ذکر دیگر احادیث میں کیا گیا

عَنْ قُرْآنِ سُورَةِ بَقَرَةَ (پارہ ۲) آیت ۲۴۸۔

عَنْ اسید بن حنفیہ: یہ ان صحابہ میں سے ہیں جو عقبہ ثانیہ کے وقت موجود تھے۔ بدر اور بعد کی تمام جنگوں میں انہوں نے شرکت کی ان کی وفات مدینہ میں ۳۰ھ = ۶۵۰ء میں خلافت عمر میں ہوئی۔



ہے جو کچھ آئمہ تفسیر نے ان کے بارے میں لکھا ہے مجھے اس کا علم تھا لیکن حضرت نے ان مقامات کی اس طرح تشریح کی جس طرح کوئی معاملہ کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ حتیٰ کہ حضرت جبریل کا وجہ کلمہ کی صورت میں آنے کا ذکر ہوا۔ اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ کہیں پڑھنے والے اکتانہ جائیں تو میں یہ سب کچھ لکھ دیتا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

**۵۔ مشاہدہ کاملہ** | پانچواں جزو مشاہدہ کاملہ ہے اس کی تشریح نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ عقول کی

دسترس سے باہر ہے جیسے کہ معرفت باری تعالیٰ کی جو جزو موت ہے، تشریح نہیں کی جاسکتی۔

**۶۔ زندگی میں موت** | چھٹا جزو زندگی ہی میں موت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم اپنی زندگی کے احوال کا مشاہدہ اسی طرح کر لیا جس طرح مردے اپنی موت کے بعد کریں گے۔

اسے جزو رسالت اس لیے شمار کیا گیا ہے کیونکہ مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کو رغبت اور خوف دلانے

ترغیب و تمہیب کی غرض سے بھیجا گیا اور ترغیب و ترہیب وہی شخص کر سکتا ہے جو آخرت کے احوال

کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ لہذا وہ جنت کے حاصل کرنے کی ترغیب دے گا اور دوزخ سے

بچنے کے لیے لوگوں کو ڈرا سکے گا اور تشریح کر سکے گا کہ عذاب کبھی ہوگا اور دوزخ میں ارواح کس

طرح چڑھ جاتی ہیں اور اسی قسم اور باتوں کی تشریح کر سکے گا جنہیں لوگوں کی عقلیں برداشت کر سکیں۔

میں نے عرض کیا کہ انبیاء کو ان کے متعلق وحی کا آجنا کافی ہے، مشاہدہ کی کیا ضرورت ہے

حضرت نے فرمایا کہ وحی ایک خطاب ہے اور خطاب کلام ہے اور کلام انہی سے ہوتی ہے جو معنی کو سمجھتے

ہوں۔ پس مشاہدہ پیغمبر کے لیے آخرت کے احوال کو واضح کر دیتا ہے جس سے ان سے عینی واقفیت حاصل کر

لیتا ہے لیکن وحی جو ہوتی ہے اس سے پیغمبر کو اللہ کی طرف سے اجازت حاصل ہو جاتی ہے کہ جن باتوں کا تبلیغ

کرنا مقصود ہے ان کی تبلیغ کرے ایسی باتیں جن کو لوگوں کی عقول برداشت کر سکیں اور ان کی ذوات ان کے

سننے کی قدرت رکھیں۔ لیکن جن باتوں کو عقلیں برداشت نہ کر سکتی ہوں اور ان کے سننے سے جگر پھٹ

جانے کا خطرہ ہو، پیغمبر اپنے سابق مشاہدہ پر ہی رہتا ہے۔ اس کے متعلق کوئی وحی نازل نہیں ہوتی اور اگر

کلام کسی لیے کے ساتھ ہو جو معانی کو نہیں سمجھتا تو اس شخص کے لیے تو سمجھنا اور سمجھانا ہی ناممکن

ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

**۷۔ جنتوں کی سی زندگی بسر کرنا** | ساتواں جزو جنتوں کی سی زندگی بسر کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے

کہ ذات رسول علیہ السلام انہی احوال سے سیراب ہو جس سے ان جنت جنت میں داخل ہونے کے

بعد سیراب ہوں گے۔ لہذا مرسلین علیہم السلام کی ذات ایسی ہی ہوتی ہے جیسے جنتی کی جنت میں

اس کی تشریح یہ ہے کہ عالم وہیں۔ دار کائنات اور دار بقا۔ پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں ظلماتی اور

نورانی۔ دار البقا کی نورانی قسم جنت اور ظلماتی دوزخ ہے۔ جب حجاب زائل ہو جائے تو دار بقا

سے دیر کئی بار صحابہ میں سے ہیں۔ اعداد و اہل کی جگہوں پر تشریح ہے۔ انہی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت سے پہلے میں قیصر کی طرف



کی ہر قسم اپنی موافق نوع کو مدد پہنچاتی ہے چنانچہ نورانی نورانی کو اور ظلمانی ظلمانی کو مدد پہنچاتی ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ حجاب کے زائل ہونے کا عمل مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ مرسلین علیہم السلام میں یہ حجاب اسی دنیا میں پہلے ہی سے زائل ہو چکا ہوتا ہے جیسا کہ چھٹے جزو میں مذکور ہو چکا اور مرسلین اسی دنیا میں ہر نورانی سے بڑھ کر نورانی ہوتے ہیں اور ان کی ذات شریف دار بقا کے نورانی حصے یعنی جنت سے مدد لیتی رہتی ہے لیکن عامۃ الخلائق کے لیے حجاب صرف قیامت کے دن زائل ہوگا اور اسی دن انہیں مدد بھی حاصل ہوگی چنانچہ جو ایمان والا ہوگا وہ الزوار جنت سے مدد حاصل کرے گا اور مرکش نار جہنم سے مدد حاصل کرے گا۔ خدا ہمیں اپنے فضل و کرم سے دوزخ سے پناہ دے۔ مختصر یہ کہ استدعا کا انحصار زوال حجاب پر ہے اور یہ حجاب مرسلین حضرات علیہم السلام سے زائل ہو چکا ہوتا ہے اس لیے ان کی زندگی اہل جنت کی زندگی کی طرح ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آدمیت، قبض، بسط، نبوت، روح، علم، رسالت کے ہر حرف کے سات اجزا کی یہ تشریح ہے جو بیان ہو چکی۔ (مؤلف کتاب کہتا ہے) کہ ہم انہیں دوبارہ بیان کر دیتے ہیں کیونکہ یہ اختلافات کی تفریح کے لیے جن کے متعلق سوال کیا گیا تھا، بہت مفید ہے چنانچہ یہ اس طرح ہیں:-

۱۔ آدمیت کے اجزاء: کمال حسن ظاہری، کمال حواس ظاہری، کمال عین باطنی، کمال حواس باطنی، دکوریت (یعنی نہ ہونا)، نزع حظ شیطان اور کمال عقل۔

۲۔ قبض کے اجزاء: وہ جس جس سے خیر میں لذت ہو اور باطل سے کلفت۔ انصاف، ضد سے نفرت، امتثال امر، جنس کی طرف میلان اس طرح کہ اس کی کیفیت اختیار کرے، انقباض کی قوت کاملہ اور حق گوئی سے شرم نہ کرنا۔

۳۔ بسط کے اجزاء: فریح کامل، ذات میں خیر کا قیام، فتح حواس ظاہری، فتح حواس باطنی، رفعت عن تجاوز، انکساری۔

۴۔ نبوت کے اجزاء: قول حق، صبر، رحمت، معرفت الہیہ، خوف تمام، بغض باطل، عفو۔

۵۔ روح کے اجزاء: ذوق الوار، طہارت، تمیز، بصیرت، عدم غفلت، قوت تریبان اور

علہ چنانچہ شکوۃ باب صلوة الکسوف صفحہ ۹ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوة کسوف پر ٹھی اور فارغ ہونے پر صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے دیکھا کہ آپ نماز میں پہلے آگے بڑھے پھر پیچھے ہٹ گئے فرمایا میں جنت میں تھا اور چاہا کہ انگور کا ایک خوشہ منہارے لیے توڑ لوں۔ پھر دوزخ دیکھی اور باقی حدیث بیان کی۔ یہاں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کی زندگی اہل جنت کی سی ہوتی ہے۔ ۱۲۔

تکلیف والے اجرام سے بے حسّی۔  
 علم کے اجزاء: حملِ علوم، عدمِ اضاعت، معرفتِ لغات، انجام سے واقفیت، احوالِ کونین  
 سے تعلق رکھنے والے علوم سے آگاہی، احوالِ ثقلین سے تعلق رکھنے والے علوم کی واقفیت،  
 اور جہات کا صرف سامنے کی جہت میں محصور ہو جانا۔

رسالت کے اجزاء: برضا و رغبت روح کا ذات میں قیام، علمِ کامل، ہر ایک سے سچائی،  
 سکینہ و وقار، مشاہدہ کاملہ، موت بحالتِ حیات، اہل جنت کی سی زندگی۔

حضرت نے فرمایا: اس پر باصحابہ و تابعین میں قراء کے لفظی اختلافات کا سات باطنی الوار  
 پر متفرع ہونے کی تشریح یوں ہے کہ تجھے علم ہو چکا ہے کہ باطنی حروف کے اجزاء انچاس ہیں  
 اور کبھی یہ بھی معلوم ہے کہ عربی کلام کے حروف بھی اسی میں اور ہر حرف کے لئے مذکورہ اجزاء  
 میں سے ایک جزد ہے۔

چنانچہ ہمزہ و غ کے لیے امثال ہے جو قبض کا ایک جزد ہے۔ ب کے لیے سکینت ہے  
 جو رسالت کا ایک جزد ہے۔ ت کے لیے کمالِ حواس ظاہری ہے کہ اجزاء آدمیت میں سے ہے  
 ث کے لیے انصاف جو قبض کا جزد ہے۔ ج کے لیے صبر ہے جو جزو نبوت ہے۔ ح کے  
 لیے رحمت کاملہ ہے اور یہ اجزاء نبوت میں سے ہے۔ خ کے لیے ذوق الوار ہے اور وہ روح  
 کا جزد ہے۔ ذ کے لیے طہارت کہ اجزاء روح میں سے ہے۔ ڈ کے لیے معرفتِ لغات کہ اجزاء  
 علم میں سے ہے۔ تا کے لیے حسنِ تجاوز جو اجزاء لبسٹ میں سے ہے اور تا کے لیے ہر شخص کے  
 ساتھ سچائی ہے اور وہ اجزاء رسالت میں سے ہے۔ [س] کے لیے انکسار ہے کہ اجزاء لبسٹ  
 میں سے ہے ش کے لیے حق گوئی ہے کہ اجزاء قبض میں سے ہے۔ ص کے لیے عقلِ کامل ہے  
 کہ اجزاء آدمیت میں سے ہے۔ ض کے لیے حق گوئی ہے کہ اجزاء نبوت میں سے ہے [ط] کے  
 لیے تمیز کہ اجزاء روح میں سے ہے۔ ظ کے لیے نزعِ حظ الشیطان ہے کہ اجزاء آدمیت  
 میں سے ہے۔ ع کے لیے عفو ہے اور وہ اجزاء نبوت میں سے ہے غ کے لیے کمالِ صورت  
 ظاہری ہے جو اجزاء آدمیت میں سے ہے۔ ف کے لیے حملِ علوم ہے کہ جزو علم ہے۔ ق کے لیے بصیرت  
 ہے اور وہ اجزاء روح میں سے ہے۔ ک کے لیے معرفتِ الہی ہے جو اجزاء نبوت میں سے ہے۔

عہ یہ عبارت مطبوعہ کتاب جو ہمارے پاس ہے اس میں نہ لکھی لیکن چونکہ اس کے بغیر مفہوم  
 مکمل نہیں ہوتا۔ اور یہ طباعت کے اغلاط میں سے تھا۔ اس لیے میں نے اتنی عبارت  
 کو مکمل کر دیا ہے۔ ۱۲ مترجم۔

۲۳ کے لیے علمِ کامل ہے جو اجزاء بسط میں سے ہے۔ ۲۴ کے لیے ذکوریت جو اجزاء آدمیت میں سے ہے ۲۵ کے لیے فرحِ کامل کہ اجزاء بسط میں سے ہے ۲۶ کے لیے موت بحالتِ حیات کہ اجزاء رسالت میں سے ہے۔ ۲۷ کے لیے ضد سے نفرت ہے کہ اجزاء قبض میں سے ہے ۲۸ کے لیے عدمِ غفلت کہ اجزاء روح میں سے ہے اور ۲۹ کے لیے خوفِ تام کہ اجزاء نبوت میں سے ہے۔

یہ انتیس حروف ہوئے۔ ان میں سے آدمیت کے پانچ ہیں۔ متظ۔ م۔ ص۔ غ۔ ت کے لیے کمالِ حن ظاہری۔ ظ کے لیے نزعِ حظِ شیطان۔ م کے لیے ذکوریت۔ ص کے لیے کمالِ عقل اور غ کے لیے کمالِ صورتِ ظاہری اور آدمیت کے دو جزو باقی رہ گئے۔

ان حروف میں سے قبض کے لیے چار ہیں۔ ع۔ ث۔ ش۔ ط۔ ہمزہ کے لیے امثال۔ ت کے لیے انصاف۔ ش کے لیے قوتِ انکماش اور ہ کے لیے نفرت عن الضد۔ قبض کے اجزاء میں سے تین باقی رہ گئے۔

بسط کے لیے تین حروف س۔ ف۔ ن۔ س۔ س کے لیے حنِ تجاوز، ان کے لیے فرحِ کامل اور س کے خفضِ جناح الذل (انکساری) بسط کے چار جزو باقی رہ گئے۔

نبوت کے لیے چھ حروف ہیں۔ ج۔ ح۔ ک۔ ض۔ ع۔ ی چنانچہ ج کے لیے صبر، ح کے لیے رحمتِ کاملہ، ک کے لیے معرفتِ الہی۔ ض کے لیے حق کوئی، ع کے لیے عفو اور ی کے لیے خوفِ خدا تام اور نبوت کا ایک جزو باقی رہ گیا۔

روح کے پانچ حروف ہیں۔ د۔ خ۔ ط۔ ق۔ لا۔ چنانچہ د کے لیے طہارت۔ خ کے لیے ذوقِ الوارط کے لیے تمیز۔ ق کے لیے بصیرت۔ لا کے لیے عدمِ غفلت۔ اور روح کے دو جزو باقی رہ گئے۔ علم کے دو حروف ہیں۔ ذ۔ اور ف۔ چنانچہ ذ کے لیے معرفتِ لغات اور ف کے لیے حملِ علم۔ اور اجزاء علم میں سے پانچ جزو باقی رہ گئے۔

رسالت کے چار حروف ہیں۔ ب۔ ن۔ ل۔ د۔ چنانچہ ب کیلئے سکینہ۔ ن کے لیے ہر ایک سے سچائی۔ ل کے لیے علمِ کامل اور د کے لیے موت و درجات۔ اس طرح رسالت کے تین جزو باقی رہ گئے۔

یہ انتیس حروف اس طرح انتیس اجزاء پر منقسم ہیں۔ اور تین جزو باقی رہ گئے۔ اب ہم ان باقی ماندہ بیس جزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان کی تقسیم کریں گے اور وہ یہ ہیں:-

کمالِ صورتِ باطنی، کمالِ حواسِ باطنی، قوتِ ساریہ، میلِ الیٰ الجنس، عدمِ الجبار از قولِ حق، سکونِ خیر و ذات، فتحِ حواسِ ظاہرہ، فتحِ حواسِ باطنہ، مقامِ رفعت، بغضِ باطل، قوتِ سر بیان، تکلیف

وہ اشیاء سے دروند نہ ہونا۔ تمام قضیع، جہات کا سامنے کی جہت میں محصور ہونا۔ انجام کی معرفت، جن واپس سے متعلق علوم کی معرفت، احوال کو نین سے متعلق علوم کی معرفت، سکون روح و ذات۔ اہل جنت کی سی زندگی بسر کرنا۔ اور مشاہدہ کاملہ۔

ان میں سے پہلا جزو اہمیت کا ہے اس کے بعد کے تین قبض کے اور پھر بعد کے چار بسط کے پھر ایک نبوت کا اس کے بعد کے دو روح کے اور پھر بعد کے پانچ علم کے اور آخری تین رسالت کے۔ اس کے بعد یاد رکھو کہ ان میں سے اٹھارہ حروف مد ولین پر منقسم ہوتے ہیں۔ حروف مد ولین: ہ، ا، و، ی، چنانچہ ان کے پچھلے کے تھ، د کے چھ اور جی کے چھ، ان میں سے ہر ایک کے لیے چھ حروف اس لیے ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھ مراتب تک لمبا کیا۔ چنانچہ آپ نے کبھی ایک الف کی مقدار لمبا کیا کبھی دو الف جتنا، کبھی تین الف جتنا اور کبھی چار، کبھی پانچ اور کبھی چھ الف جتنا لمبا کیا۔ اور یہ اندازہ جو تقریباً ہے تحقیقی نہیں ہے۔

(مؤلف کتاب کتنا ہے کہ شیخ المقرئین حافظ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب النشر میں میں اسی طرح ذکر کیا ہے کیونکہ انہوں نے مد کے مراتب پر بحث کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:-  
 ”پہلا مرتبہ قصر ہے اور اس کی لمبائی کو مقدار ایک الف جتنی ہوتی ہے اور اس نے اس قراءت کو ابن کثیر اور ابو جعفر کی طرف منسوب کیا ہے۔ دوسرا مرتبہ قصر سے ذرا بڑھ کر ہے اور اس کی مقدار دو الف جتنی ہوتی ہے اور بعض ڈیڑھ الف جتنی بتاتے ہیں اور اسے زیدنی کے بعد زیادتی یا تمکین بغیر اشباع کے یا زیادت متوسط کہتے ہیں اور بعض نے اس قراءت کو دؤنی اور قالون کی طرف منسوب کیا ہے تیسرا مرتبہ دو سرے مرتبہ سے کھوڑا زیادہ ہے اور یہ متوسط لمبائی ہے اور اسے اندازاً تین الف تک کہا گیا ہے۔ بعض ڈیڑھ الف اور بعض نے دو الف کہا ہے۔ جنہوں نے تیسرا درجہ دو الف کا بتایا ہے ان کے نزدیک دوسرا مرتبہ ڈیڑھ الف کا ہے اور اس قراءت کو الکسانی کی طرف منسوب کیا ہے چوتھا مرتبہ تیسرے سے کھوڑا زیادہ ہے اور اندازاً اسے چار الف تک کہا گیا ہے۔ بعض نے ساڑھے تین الف

عہ شیخ شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد الجزری۔ ان کی کتاب النشر فی القراءات العشر ہے۔ اس کے بعد انہوں نے خود اس کا اختصار کیا اور اس کا نام التقریب رکھا (کشف: ۲: ۳۹۱)  
 عہ دوری: عباس بن محمد بن حاتم دوری حافظ حدیث، محدث اور یحییٰ بن معین کے شاگرد تھے۔ ان کی پیدائش ۵۵ھ میں ہوئی اور وفات ۱۱۵ھ میں ہوئی۔  
 عہ عیسیٰ بن سینا قالون: انہوں نے نافع کی قراءت کی روایت کی ہے۔



بتایا ہے اور بعض نے تین الف اور اس قراءت کو عاصم اور ابن عامر کی طرف منسوب کیا ہے۔ پانچواں مرتبہ چوتھے سے کھوڑا اوپر ہے اور اس کا اندازہ پانچ الف تک کیا گیا ہے۔ بعض نے ساڑھے چار الف تک کہا ہے اور بعض نے چار اور اس قراءت کو حمزہ اور ورش کی طرف منسوب کیا ہے۔ چھٹا مرتبہ پانچویں سے ذرا زیادہ ہے اور اسے بتطیط کہا جاتا ہے اور اندازاً اسے چھ الف تک بتایا جاتا ہے۔ ابو القاسم نے اس کا ذکر کیا ہے اور تقاریر کی ایک جماعت سے اسے روایت کیا ہے اور اس قراءت کو ورش کی طرف منسوب کیا ہے اور پانچویں مرتبہ کو صرف حمزہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

لیکن ابن الجزری نے اس میں اس سے اختلاف کیا ہے۔

اس کے بعد ابن الجزری نے دو مرتبے بیان کیے ہیں۔ ایک قصر سے بھی پہلے کا ہے اور بتاریخ میں اور اس سے مراد حرف مد کہ حذف کر دینا اور کلام سے اسے منقطع کر دینا ہے۔ چھٹے مرتبے سے نقل کیا ہے کہ ابو عمرو الدانی نے بشر کے قائلوں کی تردید کی ہے لیکن اس کے بعد اس کی ایک تہہ تاویل کی ہے اور یہ فیصلہ دیا ہے کہ قصر کے مرتبہ کا ہونا ضروری ہے اور حروف مد کا حذف کرنا درست نہیں۔ اور دوسرے مرتبہ کو پانچویں اور چھٹے مرتبے کے درمیان بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس مرتبہ کو شمار نہ کیا جائے۔ لہذا ان کے کلام کا ماہر حاصل بھی یہی ہوا۔ شیخ کے فرمان کے مطابق ان کے نزدیک بھی مراتب چھ ہی ہیں۔ اس کے بعد ابن الجزری نے شرح بطلان بیان کیا ہے کہ ان کا الفوں سے اندازہ لگانا کوئی تحقیقی امر نہیں ہے۔

(مؤلف کتاب کتا ہے کہ) اگر میں اس کی تفصیل اور دلیل دینے لگ جاؤں تو اصل غرض سے دور ہٹ جاؤں گا۔

اور اس مسئلہ کو کتب اصول سے مدد ملتی ہے۔ چنانچہ ابن حاجب نے کہا ہے کہ ہر وغیرہ تواتر نہیں ہے جو شخص تواتر اور اس کے شرائط کو جانتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ کیا یہ تواتر مراتب مد

عہ ابو القاسم: ابو القاسم سے یہاں مراد ابو محمد القاسم بن فیروز الشاطبی ہے جنہوں نے تصدیق شاطبیہ لکھا تھا۔ ان کا ذکر آگے آئے گا۔ (ملاحظہ ہو ص ۵۰ فر)

عہ ورش: انہوں نے نافع کی قراءت کی روایت کی ہے۔ یعنی نافع کے شاگرد تھے۔

عہ ابن حاجب: ابو عمرو عثمان بن عمر المعروف بابن الحاجب مصر کے مشہر امنا میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبدالعزیز بن موسیٰ الصلاحی کے صاحب تھے اسی لیے انہیں ابن الحاجب کہا گیا۔ ان کی بہت سی تصانیف میں جن میں سے کافیہ اور شافیہ زیادہ مشہور ہیں ۳۲۶ = ۳۲۷ میں ان کی وفات ہوئی۔

میں موجود ہے یا نہیں تو وہ اس مسئلہ کی گہرائی کو سمجھ جائے گا۔

اب ہم اصل مقصد کی طرف لوٹتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جو چھ جزو الف کے لیے ہیں، وہ یہ ہیں: کمال صورتِ باطنی، سکونِ روح و ذات، سرایتِ حس و ذات، کمالِ حواسِ باطنہ، بغضِ باطل، سکونِ خیر و ذات۔

پھر الفِ محدودہ کی دو قسمیں ہیں۔ کبھی تو مد ایک ایسے کلمہ میں ہوتی ہے جسے نفسِ متکلم کہتے ہیں مثلاً اَنَا اَمْنَا کیونکہ الفِ محدودہ ضمیر متکلم میں واقع ہوا ہے دوسرے یہ کہ الفِ محدودہ ایسے کلمہ میں واقع ہو جس میں ضمیر متکلم نہ پائی جاتی ہو مثلاً مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَمَّا اگر مد ضمیر متکلم میں ہو تو پہلے مرتبہ یعنی قصر کے لیے کمالِ حسِ باطنی ہوگی اور دوسرے مرتبہ کے لیے جو دو الفوں کے برابر ہے تو کمالِ حسِ باطنی کے علاوہ سکونِ روح بھی ہوگا۔ اور تیسرے مرتبہ کے لیے پہلے اور دوسرے مرتبہ کے مقابلہ میں سرایتِ حس کا اور اضافہ ہوگا اور چوتھے مرتبہ کے لیے پہلے تین مرتبوں کے اجزاء کے علاوہ کمالِ حواسِ باطنی ہوگا۔ اسی طرح پانچویں مرتبہ میں بغضِ باطل کا اضافہ ہوگا اور چھٹے مرتبہ میں سکونِ خیر و ذات کا اضافہ ہوگا۔ لہذا پہلے مرتبہ میں ایک جزو ہوگا، دوسرے میں دو تیسرے میں تین، چوتھے میں چار پانچوں میں پانچ اور چھٹے میں چھ جزو ہونگے اور اگر الفِ ضمیر متکلم کے علاوہ کسی اور حرف میں پانچاں تو پہلے مرتبہ کے لیے کمالِ صورتِ باطنہ، دوسرے کے لیے بغضِ باطل کا اضافہ ہوگا اور علیٰ ہذا القیاس تیسرے میں سکونِ خیر و ذات کا، چوتھے میں قوتِ ساریہ کا، پانچویں میں کمالِ باطنی حس کا اور چھٹے میں سکونِ روح و ذات کا اضافہ ہوگا۔

پہلے مرتبہ میں کمالِ حسِ باطنی اور دوسرے میں کمالِ صورتِ باطنی سے ابتدا کرنے کا راز یہ ہے کہ برب الفِ ضمیر متکلم کا جزو ٹھہرا تو کمالِ حسِ باطنی باطن کی طرف اشارہ کرے گی اور آدمیتِ کمال کا بھجونا ہے اور اسی پر کمال کی ترتیب ہوتی ہے لہذا جب کلامِ نفسِ متکلم سے ہوگی تو اس کا بھجونا بھی ذاتی آدمیت ہوگی اور جب کلامِ نفسِ متکلم کے سوا کسی اور میں ہو مثلاً سَمَاءٌ اور مَاءٌ تو آدمیت غیر ذاتِ متکلم ہوگی اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صورتِ باطنی کے کمال کا مرجع خلقتِ باطنی کو خوبصورت بنانا ہے کیونکہ خلقتِ باطنی سے ہی خوبصورت آواز پیدا ہوتی ہے مثلاً السَّمَاءُ اور السَّمَاءُ میں برخلاف کمالِ حسِ باطنی کے کیونکہ اس کا تعلق قوائی نفس کو خوبصورت بنانے سے ہے وَاللَّهُ اَعْلَمُ

اب رہے وہ چھ مراتب جو واؤ کے ہیں تو وہ یہ ہیں: عدمِ حیا، میلِ جنس، فتحِ حواسِ ظاہرہ، فتحِ حواسِ باطنہ، جسم کا تکلیف دہ اشیاء کا احساس نہ کرنا۔ اور قوتِ سریان۔ اگر واؤ محدودہ ضمیر متکلم کے سوا کہیں اور آجائے مثلاً لَيْسُوا وَاَوْجُوْهُكُمْ تو پہلے مرتبہ

میں مقدار ایک واؤٹ تک ہوتی ہے اس کے لیے عدم حیات ہے۔ دوسرے مرتبہ کے لیے جس کی مقدار دو واؤٹ کی ہوتی ہے۔ عدم حیات اور میل الی الجنس۔ تیسرے کے لیے عدم حیات، میل الی الجنس اور فتح حواس ظاہرہ ہے۔ چوتھے میں عدم حیات، میل الی الجنس، فتح حواس ظاہرہ اور فتح حواس باطنہ پانچویں کے لیے عدم حیات، میل الی الجنس، فتح حواس ظاہرہ، فتح حواس باطنہ اور دکھ دینے والی اشیاء کا محسوس نہ کرنا اور چھٹے کے لیے پانچویں مرتبہ کے تمام اجزاء کے علاوہ قوت سرایت بھی ہے چنانچہ ہر بعد کے مرتبہ میں پہلے مرتبہ کے تمام اجزاء بمع اصناف کے پائے جاتے ہیں۔

اور اگر واؤٹ ضمیر متکلم میں ہو مثلاً قَالُوا آمَنَّا تو پہلے مرتبہ کے لیے فتح حواس باطنی، دوسرے کے لیے یہ اور فتح حواس ظاہری۔ تیسرے کے لیے یہ دونوں اور میل بجنس۔ چوتھے کے لیے یہ تینوں اور عدم حیات، پانچویں کے لیے یہ چاروں اور جسم کا دکھ دینے والی اشیاء کا محسوس نہ کرنا اور چھٹے کے لیے یہ پانچوں اور قوت سرایت، چنانچہ یہاں بھی ہر مرتبہ میں پہلے مرتبہ پر ایک جزو کا اضافہ ہوگا اور اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ دو واؤٹ میں ایک واؤٹ شامل ہے۔ اسی طرح تین واؤٹ میں دو واؤٹ شامل ہیں۔ یہی حال الفول اور یاؤٹ کا ہے۔

تہی کے یہ چھ جزو ہیں: عدم تَضِيع، تمام جہات کا سامنے کی جہت میں محصور ہونا، انجام کی معرفت، انس و جن کے احوال کے متعلق علوم کی معرفت۔ احوال کونین کے متعلق علوم کی معرفت۔ اہل جنت کی سی زندگی۔

پھر اگر ہی ضمیر متکلم میں ہوگی مثلاً اِنِّیْ اَلْقِیْ اِلَیْیْ تو پہلے مرتبہ کے لیے احوال کونین کے متعلق امور کی معرفت۔ دوسرے کے لیے یہ اور عدم تَضِيع، تیسرے کے لیے یہ دونوں اور انجام کی معرفت، چوتھے کے لیے یہ تینوں اور انحصار جہات، پانچویں کے لیے یہ چاروں اور احوال ثقلین سے متعلق علوم کی معرفت اور چھٹے کے لیے پانچوں اور اہل جنت کی سی زندگی۔

اور اگر ہی ضمیر متکلم کے سوا کہیں اور ہو مثلاً وَفِیْ اَلْفِیْسِکَہِ تو پہلے مرتبہ کے لیے انحصار جہات دوسرے کے لیے یہ اور ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت، تیسرے کے لیے یہ اور اہل جنت کی سی زندگی، چوتھے کے لیے یہ اور انجام کی معرفت پانچویں کے لیے یہ تمام اور عدم تَضِيع اور چھٹے کے لیے یہ تمام اور احوال کونین کے متعلق علوم کی معرفت۔

یہ اٹھارہ اجزاء کی اور ان مراتب کی تشریح ہے جو ان سے متفرع ہوتے ہیں۔

اب رہے باقی دو جزو جن سے بس مکمل ہوتے ہیں تو وہ مشاہدہ حق اور کمال رفعت ہیں اور قرآن مجید کا رسم الخط انہی دونوں کے الوار اور عجیب و غریب اسرار کے مطابق آیا ہے چنانچہ وہ حروف جنہیں لکھا تو جاتا ہے، پڑھا نہیں جاتا مثلاً اَلصَّلٰوٰۃُ، اَلزَّکٰوٰۃُ، اَلرِّبٰوٰۃُ، اَلشُّکُوٰۃُ، اَلعِیْسٰی، مَلٰئِکَہِ

بائید میں یہ تمام کے تمام واڈ یا ہی ان دونوں اسرار میں سے کسی نہ کسی متر کے لیے آئے ہیں لیکن اگر کلمہ کا مدلول امر محسوس اور بظاہر دکھائی دیتا ہوگا جیسے موسیٰ عیسیٰ - مَلَائِكَة ، مَنْوَة - مَشْكُوَة تو ان میں مشابہہ کاراز پایا جائے گا لیکن اگر ان کا مدلول غیر محسوس یا امر معنوی ہوگا مثلاً هُدَايِهِمْ سَادِرِيْنَهُ - بائید تو ان میں مقام رفعت کاراز ہوگا۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ اس طرح کا رسم الخط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے استعمال کیا گیا یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے خودی اختیار کر لیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا تھا۔ آپ ہی نے صحابہ کو اس طرح لکھنے کا حکم دیا تھا چنانچہ جو کچھ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اس پر نہ اضافہ کیا اور نہ اس سے کم کیا۔

میں نے عرض کیا کہ علماء کی ایک جماعت نے رسم خط کے معاملہ میں کھلی اجازت دے رکھی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی اصطلاح تھی اور اسی رسم الخط میں لکھتے رہے جس میں قریش جاہلیت کے زمانہ میں لکھتے تھے یہاں تک کہ ذراء نے ربا کو واڈ سے لکھنے کے متعلق کہا ہے کہ قریش نے اسے واڈ سے اس لیے لکھا کہ قریش نے اہل حیرہ سے لکھنا سیکھا تھا اور اہل حیرہ ربا کو واڈ سے بولتے ہیں لہذا انہوں نے اسی طرح لکھ دیا جس طرح وہ اسے بولتے ہیں لیکن قریش ربا کو الف سے بولتے ہیں لہذا ربا کو واڈ سے لکھنا اپنی زبان کے مطابق نہ تھا بلکہ دوسروں کی بولی کے مطابق تھا اور اس میں انہی کی تفسیر کی گئی تھی یہاں تک کہ قاضی ابوبکر باقلانی نے کتاب الانتصار میں کہا ہے کہ خطوط تو صرف علامات و نشانات ہیں جو اشاروں، عقود اور نونہ کے قائم مقام ہوتے ہیں لہذا ہر نشان جو کسی کلمہ پر دلالت کرتا ہو اور اس کی قراءت کے وجہ کے لیے مقید ہوا ہے صحیح طور پر لکھنا چاہیے خواہ وہ کسی صورت میں ہو اب ابوبکر باقلانی کا کلام اگرچہ لمبا ہے اسی کے الفاظ میں اہل کرتے ہیں:-

قَرَأَ ابْنُ مَجْدٍ فِي لَحْنٍ كَيْ بَارَسَهُ عَضْرَتُهُ عَثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَيْ لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ إِذْ كَانَ فِي الْمُصْحَفِ نَحْنًا  
مِنْ ابْنِ بَكْرِ بَاقْلَانِي كَيْ رَأَى فِي سِتِّتِيْمُهُ الْعَرَبُ بِاللِسَانِ (قرآن میں لحن (غلط اعراب) پایا جاتا ہے جب عرب لوگ اپنی زبانوں سے ٹھیک کر لیں گے) پر بحث کرتے ہوئے ابوبکر باقلانی لکھتے ہیں:  
کہ حضرت عثمان کے اس قول کی تاویل کہ إِنَّ الْقُرْآنَ أَرَى فِيهِ بِأَلْسِنَتِنَا سِتِّتِيْمُهُ الْعَرَبُ بِاللِسَانِ

ع - عقود سے یہاں مراد عقود انانی ہے۔ عقود انانی یا عقدا نامل عربوں میں حساب کا ایک طریقہ تھا جو انگلیوں اور ان کی گردن کے اعتبار سے کیا جاتا جیسا کہ کسی زمانہ میں ہندوستان میں بھی کیا جاتا تھا اور یو پارسی بغیر زبانی بات کیے انگلیوں کے ذریعہ سے ہی سہرا کر لیتے تھے۔ چنانچہ تشہد میں جب شہادت کی انگلی کھڑی کی جاتی ہے تو اس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ تریہیں کا عقد بنایا جائے یعنی انگلیوں کو اس طرح بندار کھولا جائے کہ عقدا نامل کے حساب سے تریہیں کا عدد مراد لیا جاسکے۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب تشہد۔



کی جائز تاویل یہی ہو سکتی ہے کہ اس قول سے مراد وہ حذف یا اختصار یا کسی حرف کا اضافہ ہے جسے کاتب نے دوران کتابت میں کر دیا ہو اور یہ کہ اگر کاتب نے اسے مخارجِ لفظ اور اس کی ظاہری صورت کے مطابق لکھا ہو تا تو زیادہ مناسب اور بہتر ہوتا۔ نیز ان لوگوں کے لیے جنہیں زبان سے بولنے کی عادت نہیں ان سے شبہ نہ پڑ سکتا۔ اور سَنَقِيْمَةُ الْعَرَبِ بِالْاِسْتِخَا سے یہ مراد ہے کہ عرب لوگ کتابت کے ظاہری نقش کی پیدائش نہیں کرتے وہ تو اسے مخارجِ لفظ اور اس کی صورت کے مطابق پڑھ جاتے ہیں چنانچہ وہ الْقَصْدُوهُ - الْكَلِمَةُ الْحَبِيْبَةُ کو واو سے لکھتے ہیں حالانکہ وہ مخارج کے مطابق نہیں ہے اور اسی طرح الْمَحْمِلُ - الْمَطْوَئِيُّ - الْعَرَبِيُّ اور مَلِكٌ اے حروف میں جن میں مخارج کے خلاف الف حذف کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح كَلِمَةٌ - خَرِيْبَةٌ اور كَفْرًا وغیرہ الفاظ میں الف زیادہ کر دیا گیا ہے حالانکہ اسنادِ لُغَاتِهِمْ میں جاتا ہے اور اسنادِ لُغَاتِهِمْ کی بیروائے تھی کہ ان کلمات کو مخارج کے مطابق لکھنا بہتر اور زیادہ مناسب تھا چنانچہ ان لوگوں میں الفاظ کو کتابت کے مطابق پڑھے گا تو غلطی کرے گا مگر ساتھ ہی حضرت عثمان اور دیگر صحابہ کو یہ علم تھا کہ عرب ان الفاظ کو اس طرح نہیں پڑھتے جس طرح کہ انہیں لکھا گیا ہے اسی واسطے ضروری تھا کہ ان الفاظ کو عرب نہیں ٹھیک کر لیں گے۔ اس تاویل کے درست ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جو ابو عبیدہ نے حجاج سے اس نے ہارون بن موسیٰ سے اس نے زبیر بن جریث سے اس نے اس سے روایت کیا ہے کہ عکرمہ نے کہا کہ جب قرآن مجید لکھے جا چکا اور انہیں حضرت عثمان کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے اس میں لحن (غلطی) دیکھ کر فرمایا اسے اسی طرح رہنے دو کیونکہ عرب انہیں لکھتے ہیں گے اور اگر کاتب قییدِ تعقیف سے اور لکھانے والا بنیٰ ہذیل سے ہوتا تو یہ لحن قرآن میں نہ پائے جاتے۔ ان کی مراد اللہ بہتر جانتا ہے یہ ہے کہ تعقیف کے لوگ حروفِ لُغَاتِهِمْ کو ثواب سمجھتے تھے اور الفاظ کو مخارج کے مطابق لکھنے پر بہت زور دیتے تھے اور انہیں وہ لکھتے تھے کہ مطابق ہیں اس کا زیادہ علم تھا۔ لیکن قبیلہٴ ہذیل اپنے کلام میں ہمزہ کو استعمال نہیں کرتے تھے اور ہمزہ کو واضح طور پر بولتے ہیں اور جب ہمزہ کو لکھانے والا واضح طور پر بولے گا تو کاتب بھی اسے لکھے گا اور مخارج کے مطابق لکھ دے گا۔ اس کے بعد قاری کو اختیار ہو گا خواہ وہ اسے لفظِ قریش کے مطابق لکھیں ہمزہ ار کے اسے گرا دے یا ہذیل کی بولی کے مطابق ہمزہ کو برقرار رکھے۔ اگر حضرت عثمان کے اس قول کی تاویل نہ ہوتی تو تعقیف اور ہذیل کا ذکر کرنا بے معنی ہوتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضرت عثمان کی لحن سے مراد یہی ہے کہ کاتب نے ظاہری الفاظ کا لحاظ نہیں رکھا۔ اب رہی یہ بات کہ آپ نے اسے نہ صرف یہ کہ خود تبدیل نہیں کیا بلکہ اوروں کو بھی تبدیل کرنے سے منع کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے دیکھا کہ یہ رسم الخط عام پھیل چکا ہے اور قرآن مجید کے نسخوں میں اس قدر کثرت سے لکھا گیا ہے کہ ان کا تلاش کرنا بڑا مشکل

ہے۔ مزید برآں اس صورت میں انہیں ان تمام نسخوں کو باطل قرار دینا پڑتا جو آپ کے پیش کئے گئے تھے اور نئے نسخے لکھوانے پڑتے جس میں بڑی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا اور جنہیں لکھنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا، انہیں بھی مشکل پڑتی کیونکہ وہ ان الفاظ کو اسی صورت میں لکھنے کے عادی تھے یا یہ کہ حضرت عثمان اس بات سے ڈرے کہ اس طرح ان پر لفظ چینی کرنے سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہو جائے گی لہذا انہوں نے انہیں اسی طرح رہنے دیا کہ انہیں علم تھا کہ عرب الفاظ کو کتابت کے مطابق لکھی نہیں دیتے۔

اگر اس جواب پر یہ اعتراض کیا جائے کہ تم نے تو یہ مان لیا ہے کہ قرآن مجید کے لکھنے میں خطا واقع ہوئی ہے، اس میں وہ حروف داخل ہو گئے ہیں جن کو داخل ہونا صحیح نہ تھا بلکہ بہتر طریقہ کوئی اور تھا اور یہ بھی تم نے مان لیا ہے کہ تمام قوم نے اسے جائز قرار دیا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ ان کا اجماع ایک حدیث پر ہے۔

اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے بیان پر آپ کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سنت مجیدہ کو قرآن اور اس کے الفاظ کی حفاظت کا حکم دیا ہے کہ وہ اس میں کسی قسم کی کمی یا بیشی نہ کریں اور نہ ہی الفاظ کو آگے پیچھے کریں اور قرآن مجید اسی طرح پڑھیں جس طرح کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر سنا ہے۔ لیکن ثابت کے متعلق اللہ کا کوئی حکم صادر نہیں ہوا کیونکہ قرآن مجید کے لکھنے والوں اور خطاط کے لیے کوئی ایک قسم کا رسم اعطا نہیں کیا گیا جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس قسم کا رسم اللہ تعالیٰ نے ہے اور دوسرے کا ترک واجب ہے۔ کیونکہ اگر ایک معین رسم الخط میں قرآن مجید کا لکھنا واجب ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور مروی ہوتا۔ لیکن نہ تو نص قرآن اور نہ مفہوم قرآن میں کہیں اس کا ذکر ہے کہ قرآن مجید کو ایک مخصوص طرز میں لکھا جائے یا یہ کہ ایک خاص حد میں لکھا جائے جس سے تجاوز کرنے کی اجازت نہ دی گئی ہو نیز نص سنت میں بھی کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جس سے قرآن مجید کا ایک خاص رسم الخط میں لکھنا واجب قرار دیا جاسکے یا اس پر دلالت ہی کرے اور نہ ہی اجماع میں کوئی بات پائی جاتی ہے جس سے اسے واجب قرار دے سکیں اور نہ قیاسیات شرعیہ میں اس کا کہیں پتہ چلتا ہے۔

بلکہ سنت میں تو قرآن مجید کا جس طرح بھی آسان ہو سکے، لکھنے کا پتہ چلتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے لکھنے کا حکم فرماتے ہیں لیکن آپ نے اس کے لکھنے کا کوئی معین طریقہ بیان نہیں فرمایا اور نہ ہی کسی کو لکھنے سے منع فرمایا۔ یہی وجہ تھی کہ قرآن مجید کے رسم الخط میں اختلاف پیدا ہو گیا چنانچہ کوئی کاتب معجز لفظ کے مطابق لکھتا اور کوئی ایک حرف زائد یا کم کر دیتا، اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ یہ ایک اصطلاح ہے جس کا لوگوں کو علم ہے۔ اسی وجہ سے خط کوئی





و ان فاؤ میں کیوں گرا دیا گیا یا بیچاری عقل کی رسائی اس راز تک کیسے ہو سکتی ہے کہ ایک جیسے کلمات میں کیں الف حذف کر دیا گیا اور کہیں لکھا گیا ہے مثلاً سورہ یوسف اور الزخرف میں تَرَذُ الف گرا کر لکھا ہے اور باقی تمام مقامات میں الف سے لکھا گیا ہے اسی طرح سورہ نصلت میں سموات میں واؤ کے بعد الف لکھا گیا ہے اور باقی مقامات پر اسے حذف کر دیا گیا ہے اور لفظ مینعاد میں ہر جگہ الف قائم رکھا گیا ہے مگر سورہ النحل میں اسے حذف کیا گیا۔ سراجا میں ہر جگہ الف برقرار رکھا گیا لیکن سورہ الفرقان میں حذف کر دیا گیا۔ اسی طرح بعض جگہ ت کو لیا لکھا گیا اور کہیں لا لکھا گیا جیسے رَحْمَتًا نِعْمَةً تَرَذُ تَرَذُ کیونکہ ان میں ت کو بعض جگہ توت لکھا گیا اور بعض جگہ ت اسی طرح الصلوة اور الحیاة کو کہیں تو داؤ سے لکھا گیا مثلاً آقِيمُوا الصَّلَاةَ وَالْحَيَاةَ الدُّنْيَا ، وَعَنِ حَيَاةِ اَدَبِ لِعِضْ جِگہ الف سے لکھا گیا مثلاً قُلْ اِنَّ صِدْقِي وَ كَسْبِي كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَ تَسْبِيحَهُ - وَ لَا تَجْمُرُوْا بِصَلَاتِكُمْ وَ لَا بِمَالِكُمْ مَلِيْبًا يَلْمُ الَّذِيْنَ اٰتٰوْا مِنْهُ وَ غَيْرِهِ ادر یہ سب کسی نہ کسی خداوندی راز اور نبوی مژدن سے ہے اس طرح آتے ہیں۔ نوگرا سے یہ راز اس لیے پوشیدہ ہیں کہ یہ تمام باطنی اسرار میں سے سب سے جن کا ادراک جزو باطنی رخد کی طرف سے شرح ہر دور کے بغیر نہیں ہو سکتا چنانچہ ان کی حیثیت سورتوں کے شروع میں حروف مقطوعہ کی سی ہے اور ان کے بڑے اسرار اور بہت سے معانی ہیں جو ان تک کہ جن سورتوں کی ابتدا میں یہ حروف آتے ہیں ان کے تمام معانی اور اسرار ان حروف میں پائے جاتے ہیں چنانچہ جو کچھ بھی معانی واسرار سورہ ص میں ہیں وہ سب حرف ص میں پائے جاتے ہیں اسی غرض سے کہ سورہ ن ، سورہ ن ، سورہ یس ، سورہ طہ وغیر میں ہے وہ ان رموز میں مشتمل ہے۔ اکثر لوگ ان کے اسرار کو نہیں سمجھ سکتے اور نہ ہی جن معانی کی طرف اشارہ کیا گیا انہیں دریافت کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض نے خیال کر لیا کہ یہ سورتوں کے نام ہیں۔ اوروں نے یہ خیال کیا کہ ان کو اشارہ معلوم تعداد کی طرف ہے۔ ایک اور جماعت نے خیال کیا کہ یہ مہل حروف ہیں جن کے کوئی معنی نہیں ہے حالانکہ ان سب کو ان کے عجیب و غریب اور واضح معانی کی خبر ہی نہیں ہے یہی حال قرآن مجید کے ایک ایک حرف کی کتابت کے ہے۔

یہ کہنا کہ صحابہؓ اسے اس طرح لکھنے کی اصطلاح بنالی تھی تو اس سے کئی قباحتیں پیدا ہوں گی۔ اس لیے کہ قرآن مجید حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور ان کے سامنے ایک طرز میں لکھا گیا لہذا صحابہ کا طرز تحریر یا تو وہی ہو گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا تھا یا کوئی اور تھا۔ اگر وہی طرز تھا تو اسے صحابہ کی اصطلاح کہنا درست نہیں کیونکہ اصطلاح ایجاد و اختراع کی جاتی ہے اور اس کا تو قینی ہونا اختراع کے معنی ہے اور اس کی ابتداء کی ضروری ہے اگر اس کے باوجود بھی یہ کہا جائے کہ وہ اصطلاح کے پیچھے چلتے تھے تو اس کی مثال یہ ہوگی جیسے کوئی کہے کہ صحابہ نے پانچ نمازوں کی اصطلاح گھڑی ہے



یابہ کہ مثلاً رکعات کی تعداد چار ہے اور اگر صحابہ کا طرز تحریر آنحضرت کے لکھائے ہوئے طرز سے مختلف تھا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت نے تو قرآن کو ایک طرز پر لکھوایا ہو اور صحابہ نے اس کی مخالفت کر کے کسی اور ہیئت پر لکھ لیا ہو اور یہ دو درجہ سے درست نہیں ہو سکتا۔ (۱) اس میں صحابہ کی طرف جو امت کے لیے مشعل ہدایت ہیں آنحضرت کی مخالفت منسوب کی گئی ہے اور یہ ناممکن ہے۔

(۲) صحابہ وغیرہم تمام اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید میں ایک حرف کی بھی کمی یا بیشی کرنا جائز نہیں اور کتابت بھی چار وجودوں میں سے ایک وجود ہے اور ابتدا سے انتہا تک تمام کا تمام اللہ کا کلام ہے۔

لہذا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہیئت پر لکھا ہو مثلاً التَّحْنِ اور التَّحْنِینِ میں الف لکھا ہو اور مائتہ، کفراً، خراجاً میں الف زیادہ نہ کیا ہو اور نہ بایسید اور آقابینیت میں ی وغیرہ جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے نیز وہ مقامات جن میں زیادتی تو پائی جاتی ہے لیکن ہم نے اوپر ذکر نہیں کیا اور پھر بعد میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے برخلاف کیا ہو اور آنحضرت کی ہیئت کتابت کی مخالفت کی ہو تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ صحابہ نے قرآن مجید میں کمی یا بیشی کر کے اس میں تصرف کیا ہے اور وہ ایسے فعل کے مرتکب ہوئے ہیں کہ جس کے عدم جواز پر سب کا اتفاق ہے اور تمام قرآن مجید میں اس طرح لازمی طور پر شک پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ جب ہم نے قرآن میں ان حروف کے اضافہ کی اجازت دے دی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ معلوم تھے اور نہ ہی اس قرآن میں پائے جاتے تھے جو آپ کے پاس تھا اور وہ حروف نہ وحی میں سے تھے، نہ اللہ کی طرف سے، تو اس سے تمام قرآن کے متعلق شک و شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر ہم ایک صحابی کے لیے اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کی کتابت میں ایک ایسا حرف زائد کر دے جو وحی میں سے نہیں ہے تو پھر ایک دوسرے صحابی کو بھی اجازت دینی پڑے گی کیونکہ وحی میں کمی یا بیشی دونوں ایک سی باتیں ہیں (یعنی دونوں ناجائز ہیں) اور اس طرح تو اسلام کا تمام شیرازہ ہی بکھر جائے گا۔ ہاں اگر صحابہ نے قرآن مجید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لکھا ہوتا تو اسے ہم صحابہ کی اصطلاح کہہ سکتے تھے لیکن جب حقیقت امر یہ نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ قرآن مجید کا رسم الخط تو قیفی ہے، اصطلاحی نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی خود قرآن مجید کو اس طرح لکھنے کا حکم دیا تھا۔

میں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو لکھنا نہیں جانتے تھے اور آپ کی تعریف پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا كُنْتُمْ تَلُوْنَ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُوْهُ بِيَمِيْنِكُمْ اِذَا لَا تُوَاتَّبِ الْمُبْطِلُوْنَ (سورہ عنکبوت، آیت ۲۸) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، نزول قرآن سے پہلے نہ تو آپ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ ہاتھ سے لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا، تو اہل باطل کو قرآن مجید کے منزل میں

اللہ ہونے پر شک ہو سکتا تھا۔

نزولِ وحی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معجزہ کے طور پر لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور نہ ہی آپ نے لوگوں سے لکھنا یا پڑھنا سیکھا تھا لیکن فتح ربانی کے طور پر آپ لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ جانتے تھے۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ کی اُمت کے اولیاء جنہیں اللہ تعالیٰ نے فتح (شرح صدر) عطا کی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کی تمام امتوں اور قوموں کے خطوط اور ان کے رسم الخط جانتے ہیں، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم نہ ہو۔

حضرت نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے فتح (شرح صدر) عطا فرمائی ہو اور وہ قرآن مجید کی تختیوں کے حروف کی شکلیں دیکھے اور اس کے بعد لوح محفوظ میں لکھے ہوئے الفاظ کی شکل دیکھے تو اسے دونوں کے درمیان مشابہت دکھائی دے گی اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ لوح محفوظ میں کَفَرًا، آمَنُوا وغیرہ الفاظ میں جن کا ذکر ہو چکا ہے الف زائد موجود ہے اور اسے یہ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ان میں خاص بلز پاپا جانا ہے جو لوگوں کی عقول سے بالا ہے۔

(مؤلف کتاب احمد بن مبارک کتا ہے کہ) میں نے حضرت سے باوجود ان کے اُمتی ہونے کے کفرًا مائتہ وغیرہ تمام الفاظ کے اسرار سنے اور میں نے ان کا مقابلہ ان تحریروں سے کیا جو ائمہ رسم نے اپنی تصانیف میں کی ہیں، تو حضرت کے فرمان کو صحیح پایا۔ شاید اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے مجھے توفیق دے کہ میں اس کے متعلق ایک مستقل کتاب تصنیف کروں تاکہ ہماری عقلیں ائمہ رسم کے اقوال پر ہی قانع نہ ہو جائیں تاہم ائمہ رسم نے جو کچھ لکھا ہے اس میں بہت ہی کھوڑے الفاظ کی توجیہ بیان کی گئی ہے۔ ہمیں رسم قرآن اور اسے صحابہ کی طرف منسوب کرنے میں کئی اشکال پیش آئے۔ مگر حضرت نے تشریح کر کے اس اشکال کو دور کر دیا۔ خدا آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا دے۔

کچھ محدثین اس طرف گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمتی ہونے کے بعد معجزہ کے طور پر لکھنا اور پڑھنا آگیا تھا چنانچہ ابوالولید باجی نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے (خفاجی نسیم الریاض: ۱: ۱۱۷ نیز ملاحظہ ہو خفاجی: ۲: ۲۲۴) حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبی متوفی ۷۴۸ھ ابن مندہ کی سند سے عبد اللہ بن عتبہ کا یہ اثر نقل کرتے ہیں مَا صَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى قَرَأَ، وَكُتِبَ. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنات سے پہلے پڑھنا اور لکھنا آگیا تھا۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ عبد اللہ بن عتبہ وہی صحابی ہیں جن کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی (تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۲۷۷) خفاجی کہتے ہیں کہ ابوزر، ابوالفتح نسیا پوری اور ابوالولید باجی کی یہی رائے ہے چنانچہ انہوں نے اس بارے میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ ان سے پہلے ابن ابی شیبہ بھی یہی کہہ چکے ہیں۔ ابومحمد بن معوذ نے باجی کے رد میں کتاب لکھی ہے (خفاجی: ۱: ۱۱۷)

اس کے بعد باوجود اس کے کہ مجھے معلوم تھا کہ آپ جواب دینے سے قاصر نہیں ہیں اور باوجود اس کے کہ آپ کو قرآن مجید کا ایک حزب بھی یاد نہیں میں نے بطور امتحان کے آپ سے سوال کیا کہ بآئید میں کونسی ی زائد ہے پہلی یا دوسری۔ فرمایا۔ دوسری۔ میں نے آپ کو شک میں ڈالا مگر آپ نے یقین سے فرمایا کہ دوسری ی زائد ہے۔ ابو عبد اللہ الخزاز نے ہی لکھا ہے کہ بآئید کی دوسری ی امید اور اکاید میں فرق کرنے کے لیے زائد لکھی گئی ہے۔

پھر میں نے ملائیم کے الف زائد کے متعلق سوال کیا کہ یہ کونسا ہے کیا وہ الف جو لام سے ملا ہوا ہے یا ہمزہ جو بصورت ہی مکتوب ہے۔ فرمایا الف زائد ہے۔ اسی قسم کے اور سوالات میں نے کئے اور ان کے اسرار دریافت کئے۔ آپ نے اس طرح صحیح جواب دیے جس طرح کہ ایک ماہر حافظ قرآن دیتا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یہ جواب نے فرمایا ہے کہ رسم قرآن توقیفی ہے اس پر مخالف کہہ سکتا ہے کہ مان لیا کہ یہ رسم توقیفی ہے لیکن قرآن مجید کو قیاسی رسم کے مطابق لکھنا کیوں کر ناجائز ہوا تاکہ جہاں قیاس الف کو لکھنے کا مقتضی ہے وہاں الف لکھا جائے اور جہاں زوائد کو حذف کرنا ہے وہاں انہیں حذف کیا جائے اور اس طرح کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟

حضرت نے فرمایا اللہ کے کلام میں اسرار پائے جاتے ہیں اور ان اسرار میں کتابت کا بھی دخل ہے لہذا جو شخص قرآن مجید کو اسی توقیفی (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے) طرز پر لکھے گا وہی اسے ٹھیک بمع تمام اسرار کے ادا کر سکے گا مگر جو قیاسی طرز پر لکھے گا تو وہ اس کے اسرار کو کم کر دے گا اور جو کچھ وہ لکھے گا وہ خدا کے اتارے ہوئے کلمات نہ ہوں گے۔ پھر آپ نے مثال دے کر سمجھایا کہ فرض کر لیا جائے کہ ایک شخص لفظ کَانَ کہ جو افعال ناقصہ میں سے ہے الف کو الٹا کر لو کے ساتھ کَوْن کی شکل میں لکھتا ہے اور اس میں اس نے کوئی راز رکھا ہو جس کی کسی کو خبر ہو اور کسی کو نہ ہو۔ اس کے بعد ایک ایسا شخص آتا ہے جسے اس راز کا علم نہیں ہے اور وہ کہتا ہے کہ کَانَ کو کَوْن لکھنے سے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے میں تو اسے الف کے ساتھ کَانَ ہی لکھوں گا کیونکہ معنی تو دونوں کے ایک ہی ہیں اور اصل کتابت بھی الف ہی کے ساتھ ہے لیکن جو اس راز سے واقف ہو گا وہ کہے گا کہ تو نے اس کا راز ناقص کر دیا کیونکہ تو نے کوئی اور کَانَ لکھا ہے وہ کَانَ نہیں لکھا جو اصل لکھنے والے کو مقصود تھا کیونکہ اس نے تو داؤ کیساتھ کَوْن کی شکل میں لکھا تھا اور واؤ کے اوپر الف لکھا تھا تاکہ یہ لفظ وجود و ایجاد دونوں مفہوم ادا کرے۔ یوں سمجھو کہ کَوْن لکھنے میں اس نے کَانَ دَرَوْن لفظ لکھ دیا ہے جس کے معنی کَانَ ذِيْدًا دَرَوْنَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ زید کا وجود تھا اور

عہ ابو عبد اللہ الخزاز: ابو محمد عبد اللہ الخزاز۔ ری کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے ان کی وفات ۲۳۵ھ = ۹۲۲ء سے پہلے ہوئی۔



یہ وجود سے اللہ نے بخشا ہے (یہی حال اس شخص کا ہے جو التَّوَلَّى، التَّوَلَّى اور التَّوَلَّى کو بغیر واؤ کے الصَّلَاة، التَّوَلَّى اور التَّوَلَّى کی شکل میں لکھے کیونکہ اس طرح لکھنے سے وہ شخص ان کے اسرار کو ناقص کر رہا ہے۔

قرآن کا رسم الخط میں نے عرض کیا کہ اگر یہ رسم الخط تو قیسی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور وحی تو قیسی ہے کے نازل ہوا ہے اور اس کی حیثیت الفاظ قرآن کی سی ہے تو پھر قرآن کی طرح اسے بھی بطریق تواتر منقول ہونا چاہیے تھا تا کہ الفاظ قرآن کی طرح اس میں بھی کوئی شک و شبہ باقی نہ رہتا اور دونوں کو اطمینان ہوتا۔ کیونکہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف بطریق تواتر منقول ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف وغیرہ نہیں ہے برعکس اس کے رسم قرآن جیسا کہ اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں سے پتہ چلتا ہے خبر واحد کے ذریعہ سے منقول ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے نقل کرنے والوں میں کئی ایک جگہ اختلاف پیدا ہو گیا ہے، ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امت محمدیہ وحی الہی کا ذرا سا حصہ بھی ضائع کر دے؟ حضرت نے فرمایا کہ امت نے وحی کو بال برابر بھی ضائع نہیں کیا اور قرآن بحمد اللہ بلحاظ الفاظ اور بلحاظ رسم الخط ہر طرح سے محفوظ ہے کیونکہ اس عرفان نے جنہیں مشاہدہ حق حاصل ہے، قرآن مجید کے الفاظ اور رسم الخط دونوں کو محفوظ رکھا اور اس میں بال برابر بھی فرق نہیں آئے دیا۔ یہ بات انہیں معاینہ و مشاہدہ سے حاصل ہوئی ہے جو تواتر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور دوسروں نے ان الفاظ کو محفوظ رکھا جو بطریق تواتر ان کے پاس پہنچے۔ رہا بعض الفاظ میں رسم الخط کا اختلاف تو اس سے کوئی دخل پیدا نہیں ہوتا اور نہ امت کو ضائع کنندہ کہا جاسکتا ہے بعینہ اسی طرح جس طرح عوام کی الفاظ قرآن سے جہالت اور ان کا یاد نہ ہونا وحی و قرآن کے لیے مضر نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ شیخ نے جو کچھ فرمایا ہے نہایت عمدہ اور معرفت کا کلام ہے۔ آپ کے کلام میں سے بہت سے اسرار و الوار باقی رہ گئے ہیں۔ جنہیں ہم نے طوالت کے خوف سے درج نہیں کیا۔

حدیث: **إِنَّ فِي الْقُرْآنِ مَعْنًا سَتَقِيمُهُ الْعَرَبُ بِالسِّنِّهَا** یہ حدیث حضرت عثمان سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: **إِنَّ فِي الْقُرْآنِ مَعْنًا سَتَقِيمُهُ الْعَرَبُ بِالسِّنِّهَا** مَعْنًا سَتَقِيمُهُ الْعَرَبُ بِالسِّنِّهَا تو حدیث مُرْسَل ہے۔ اور مُرْسَل ہونے کے علاوہ اس کے اسناد میں اغطراب پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے بعض رجال اسناد کا پتہ نہیں چلتا۔ اور قاضی ابوبکر باقلانی نے خود مذکورہ بالا کتاب میں اس کا رد کیا ہے اور اسی طرح اہل علم کی ایک جماعت نے بھی اس کا رد کیا ہے مثلاً ابو عمر الدانی رحمۃ اللہ نے الْمُقْنَعِ میں جس کا موضوع قرآن مجید کا

علی ابو عمر الدانی: شیخ الاسلام حافظ ابو عمر عثمان بن سعید قرظی۔ دانی کے نام سے اس لئے مشہور ہو گئے کہ انہوں نے دانیہ میں کونٹ اختیار کر لی تھی۔ ۳۶۱ھ = ۹۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ علم قراءت تفسیر وغیرہ کے اماموں میں سے تھے۔ ان کی ایک سو تین تصانیف ہیں ۳۶۲ھ = ۹۷۲ء میں ان کی وفات ہوئی۔



رسم الخط ہے چنانچہ وہ المقنع کے آخر میں لکھتے ہیں۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تمہارے پاس اس حدیث کا جواب ہے تم نے یحییٰ بن یعمر اور ابن عباس کے غلام عکرمہ کی سند سے حضرت عثمانؓ سے روایت کیا کہ جب قرآن مجید لکھے جا چکے اور انہیں حضرت عثمانؓ کے پیش کیا گیا تو آپ نے ان میں غلط تحریر شدہ الفاظ پائے اس پر حضرت عثمان نے فرمایا انہیں اسی طرح رہنے دو کیونکہ عرب انہیں ٹھیک کر لیں گے یا یہ فرمایا کہ عرب اپنی زبان کے ذریعہ سے معلوم کر لیں گے۔ اس روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسم خط میں اغلاط رہ گئے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت بھی ہمارے نزدیک قابل حجت نہیں اور اس سے استدلال کرنا بھی دو طرح سے درست نہیں ہے۔

۱۔ اس کے اسناد میں تخلیط اور الفاظ میں اضطراب پائے جانے کے علاوہ یہ حدیث مُرْسَل ہے کیونکہ ابن یعمر اور عکرمہ دونوں نے نہ تو حضرت عثمانؓ کو دیکھا اور نہ ان سے کوئی حدیث سُنی لہذا حضرت عثمان سے روایت کیسی؟ مزید برآں اس روایت کے الفاظ خود اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت عثمان کی زبان سے نہیں نکلے ہوں گے کیونکہ اس میں حضرت عثمان پر طعن پایا جاتا ہے باوجود اس کے کہ ان کا دین اسلام میں بڑا مرتبہ ہے اور باوجود اس کے کہ وہ امت کی

خیر خواہی میں سخت کوشاں رہتے اور امت کی اصلاح کے لیے بڑا اہتمام کرتے لہذا یہ ناممکن ہے کہ وہ نیک اور پرہیزگار صحابہ کے ساتھ مل کر قرآن کو جمع کرنے کا کام تو اپنے ذمہ لیں تاکہ امت میں بھی قرآن مجید کے بارے میں اختلاف نہ ہو اور پھر اس میں لحن اور اغلاط چھوڑ دیں تاکہ بعد میں آنے والے لوگ جو بلا شک و شبہ حضرت عثمان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان اغلاط کو درست کریں۔ اور یہ بات کہنا یا یہ اعتقاد رکھنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ اس کے بعد اس نے اپنی سند سے یحییٰ بن یعمر اور عکرمہ کا طریق سند نقل کیا ہے جو انہیں دیکھنا چاہے اس کی کتاب میں دیکھ لے۔ نیز ملاحظہ ہو وہ بحث جو الاتصلد میں کی گئی ہے کیوں کہ اس میں زیادہ بسط سے رد کیا گیا ہے۔

علہ یحییٰ بن یعمر: نامی کسی بن یعمر ابوسیدان، مہر کے قاضی تھے۔ انہوں نے ابو ہریرہ ابن عباس وغیرہ ہمارے روایت کی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید پر نقطے لگائے۔ عربی زبان کے فصیح و فہم فقہاء میں سے تھے وفات ۶۹ھ سے پہلے ہوئی۔

علہ ابن عباس: حضرت عبداللہ بن عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ ان کی پیدائش ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی انہیں جبرلاست کہا جاتا ہے۔ بلا کا حافظ تھا حضرت عمران سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ آہر عمر میں ان کی بیانی جاتی رہی تھی اکثر برس کی عمر میں ابن زبیر کے عہد میں ۶۸ھ سے ۶۹ھ میں وفات پائی۔

علہ عکرمہ: یہ حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام تھے۔ دراصل بربری میں سے تھے۔ نامی اور مکہ کے فقیہ تھے۔ اسی برس کی عمر میں ۶۸ھ سے ۶۹ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

نیز ابوالقاسم الشاطبی<sup>علہ</sup> نے العقیلہ میں کہا ہے :  
 وَمَنْ رَوَى سِتُّيْمَ الْعَرَبِ السَّنَا  
 مَحَابِبًا تَوَلَّ عُثْمَانَ فَمَا شَمَرًا  
 (حضرت عثمانؓ سے ستقیم العرب الخ کی روایت ایک غیر معروف روایت ہے) الجعبری نے  
 اس شعر کی شرح میں حدیث نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ مصنف نے اس کا وہی جواب دیا ہے جو جواب القع  
 میں دیا گیا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اس کی سند مضطرب اور منقطع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس  
 روایت کے تو الفاظ بھی مضطرب ہیں کیونکہ آپ کا کنا آخسنتم و اجملتم اسی فیہ شنیثاً من فہن  
 الخ رقم نے بہت اچھا کیا مجھے اس میں کچھ لمن دکھائی دیتی ہے) مدح ہے اور حضرت عثمانؓ کے کام پر  
 کیسے ان کی تعریف کر سکتے ہیں؟ نیز یہ کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ صحابہ آپ کی طرف رجوع کریں اور اگر  
 حضرت عثمانؓ کی صحت کا وارد مدار صحابہ پر ہوتا اور ان کی صحت کا ان پر تو اس سے دور لازم آتا ہے  
 جو محال ہے۔ نیز اگر مصنف سے مراد جنس مصنف ہے تو پھر سارا معاملہ ہی بگڑ جاتا ہے اور اگر مراد ایک  
 خاص مصنف ہے تو اس میں ایسا کوئی بھی فن کا اختلاف دکھائی نہیں دیتا۔ لہذا معلوم ہو گیا کہ قرآن کے  
 کسی ایک نسخے میں بھی کسی قسم کا لمن نہ تھا۔ کتابت اور فصاحت نے قریش میں نشوونما پائی۔ دیگر قبائل  
 تو ان کی ذرع شمار ہوتے ہیں۔ لہذا ہم ذرع کو اصل کیسے قرار دے سکتے ہیں؟ لہذا دیگر قبائل کو اصل قرار دینا خلاف  
 حقیقت ہے۔ یہاں پر الجعبری رحمہ اللہ کا قول ختم ہوتا ہے۔ اور اگر یہ حدیث بھی درحقیقت مروود ہو تو پھر  
 معاملہ آسان ہے۔

خدا ابوالحسن القاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ کو جزائے خیر دے کیوں کہ انہوں نے استاذ

علہ ابوالقاسم شاطبی: صحیح نام ابومحمد قاسم بن فیرہ بن ابوقاسم خلف بن احمد شاطبی متوفی ۶۵۹ھ۔ انہوں نے ابو عمر الدانی کی کتاب  
 المقنع کو نظم کر دیا تھا جس کا نام عقیلۃ انزاب العفائد فی اسنی المقاصد رکھا تھا پھر اس قصیدہ کی شرح جعبری نے کی۔ شاطبی  
 نے علم قراءت میں ایک قصیدہ ایک ہزار ایک سو تتر شعروں میں لکھا جس کا نام سرز الامانی و وجہ التھانی ہے۔ ابن خلکان  
 (ج ۳ : ۲۳۴) نے اس قصیدہ کی بہت تعریف کی ہے۔ شاطبی نابینا تھے۔ انہوں نے ایک اور دلیہ قصیدہ لکھا جس میں ابن عبد البر  
 کی کتاب التھید کو نظم کر دیا۔ ان کی ولادت ۶۵۲ھ میں ہوئی (مزیہ حالات کے لیے ملاحظہ ہو ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۲۳۴)

علہ الجعبری: بران الدین ابولیم بن عمر الجعبری متوفی ۶۳۲ھ = ۲۳۲ھ جنہوں نے شاطبی کے عقیلہ کی شرح کی اور اس کا نام  
 جمیلۃ ارباب المواسد رکھا۔ عقیلہ کی ایک اور شرح اوسید الی کشف العقیدہ ہے جسے علم الدین علی بن محمد بن عبد الصمد السنہ  
 المتوفی ۶۴۳ھ = ۲۴۳ھ نے لکھا۔

علہ ابوالحسن قاسمی: ابوالحسن علی بن محمد بن خلف ۶۲۲ھ = ۹۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ حدیث اور علل حدیث کے واقف و حافظ  
 تھے۔ نابینا ہونے کے باوجود ان کی کتابیں نہایت صحیح ہوتی تھیں۔ ان کی ایک صحیح کتاب ہے۔ انہوں نے بہت سی تصانیف کیں  
 مثلاً التھید، المنقذ، المنب، وغیرہ۔ ان کی وفات ۶۴۳ھ = ۲۴۳ھ میں ہوئی۔

ابوبکر بن زورک رحمہ اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے مشکل احادیث کا جواب دینے کا ذمہ لیا حالانکہ یہ احادیث ہی باطل تھیں۔ قابی فرماتے ہیں کہ کسی حدیث کے اشکال کا جواب دینے کی ضرورت صرف اس وقت پڑتی ہے جب کہ حدیث صحیح ہو۔ باطل حدیث کے جواب میں اس کا باطل ہونا ہی کافی ہوتا ہے۔

قاضی ابوبکر بن زورک رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ نہ کتاب اللہ نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اجماع نہ قیاس میں کوئی بات ایسی پائی جاتی ہے جس سے رسم قرآن کا اتباع واجب قرار دیا جاسکے تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ انہوں نے رسم قرآن کو اصطلاح صحابہ سمجھ کر یہ بات کہی ہے لیکن ہم نے جب رسم قرآن کو توفیقی قرار دیا تو اس کا اتباع بھی واجب ہوا۔ اس کے اتباع کی قرآنی دلیل تو یہ آیت ہے وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوا (سورۃ عشر آیت ۴) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کام کرنے کا حکم دیں اس پر عمل کرو۔) (یا جو کچھ بھی وہ دیں، لے لو) اور جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روکیں، اس سے رُک جاؤ۔) جب کوئی دوسرا رسم الخط پورے طور پر شارع کے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا اس لیے ضروری ہو گیا کہ قرآن مجید کو اسی ہیئت میں لکھا جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی اور اسی ہیئت کا اتباع واجب ہو گیا اور مذکورہ بالا آیت میں فَخُذُوهُ کا فعل امر اس مسئلہ میں دجوب کے لیے ہو گا کیونکہ توفیقی رسم الخط کی طرح کوئی اور رسم الخط پورے معنی ادا نہیں کرتا۔ سنت میں سے اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے اور آپ کا فرمان ہے جو صحابہ کے لیے امر کے معنی رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انہیں ایک خاص ہیئت میں لکھنے کا حکم دیا تھا۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس طرز میں لکھنے کا حکم نہیں دیا تو ہم کہیں گے چلیے اگر آپ یہ نہیں مانتے کہ آنحضرت نے اس طرز میں لکھنے کا حکم دیا تھا تو اس میں تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کے سامنے اس طرح لکھا گیا اور آپ نے اسے برقرار رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی ایسی بات کو برقرار رکھنا جس کی جگہ کسی اور کو نہ رکھ سکیں۔ اس کے واجب ہونے کی دلیل ہے اور وہ بات لازم ہو جاتی ہے۔ مزید برآں امام مالک اور احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ اجتہاد کے صریح فرمان اسی بات کی تائید کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے رسم الخط میں تغیر جائز نہیں۔

حافظ ابو عمرو الدانی نے المقنع میں لکھا ہے حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ ابْنِ مَالِكِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا قَالَ حَدَّثَنَا الْمُقَدَّمُ بْنُ تَلِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْحَكِيمِ قَالَ قَالَ قَالَ أَشْهَبُ مُسَيْلِمَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَعِيلٌ لَنَا أَمَّا آيَةٌ مِنْ اسْتَنْكَتِبَ مُصَحَّفًا الْيَوْمَ أَتَرَى أَنْ يَكْتَسِبَ عَلَى مَا أَخَذَتْ النَّاسُ مِنَ الْعَجَائِزِ الْيَوْمَ فَقَالَ لَا أَرَى ذَلِكَ دَلِكُنْ يَكْتَسِبُ عَلَى الْكِتَابَةِ الْأُولَى (امام مالک سے پوچھا گیا کہ قرآن مجید کی کتابت اگر جدید حروف تہجی کے مطابق کی جائے تو آپ کی رائے میں کیسا ہے فرمایا میں اس کو جائز نہیں سمجھتا لیکن اسے قدیم طرز پر ہی لکھا جانا چاہیے۔ ابو عمر فرماتے ہیں کہ علماء امت

عہدہ : استاد ابوبکر بن زورک : امام ابوبکر محمد بن الحسن بنشاپوری شافعی متوفی ۳۵۰ھ = ۹۵۰ھ یعنی کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر حافظ سے لکھا اور یہ خط اور رسم الخط

میں سے کسی کو بھی امام مالک سے اس بارے میں اختلاف نہیں ہے۔ ابو عمرو نے ایک اور جگہ مذکورہ بالا سند سے روایت کی ہے۔ کہ امام مالک سے سوال کیا گیا کہ واؤ اور الف جو قرآن مجید میں لکھنے میں زائد ہوتی ہیں۔ کیا ان کو تبدیل کر کے واؤ یا الف کے بغیر لکھنا جائز ہے؟ فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔ ابو عمرو کہتے ہیں کہ سائل کی مراد اس واؤ اور الف زائدہ سے تھی جو لکھنے میں کسی معنی کے لیے زائد لکھے جاتے ہیں مثلاً اُولَئِكَ - اُولَىٰ اور اُولَئِكَ وغیرہ میں واو اور لَنْ نَدْعُوا، قَتَلُوا، وَلَا أَدْعُوا، لَا أَذْبَحْنَهُ، مَائَةٌ، مِائَتَيْنِ، لَا تَمِئْتُوا، مَبْدُؤًا، تَفْتُوا، يَغْبُؤًا وغیرہ میں الف اسی طرح نَبِيِّ الْمُرْسَلِينَ، مَلَأْنِيہ، وغیرہ میں ی

الجعبری نے عقیدہ کی شرح میں لکھا ہے ابو عمرو نے امام مالک کا جو قول نقل کیا ہے وہی چاروں اماموں کا مذہب ہے۔ اس نے خصوصیت سے امام مالک کا قول اس لیے نقل کیا ہے کہ ابو عمرو خود مالکی ہے اور امام مالک اس کا امام ہے۔ اور چاروں اماموں کی سند خلفاء اربعہ میں۔

یہ بحث تو بہت لمبی ہے اور اگر ہم اسے بالتفصیل بیان کرنا چاہیں تو اس کے لیے ایک یا دو جلدیں بھی کافی نہ ہوں گی اور اس تفصیل میں پڑنے سے ہم اپنی غرض اصلی سے کہ حضرت کا کلام جمع کرنا ہے دور نکل جائیں گے۔

حركات ثلثہ اور حضرت نے فرمایا کہ انچاس الزوار پر انتیس حروف ہجاء، مدہ کے مراتب اور رسم الخط جزم کے الزوار میں حروف زوائد کی تفریح کا بیان تو ہو چکا اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ ہر حرف کے لیے کون کون سے اجزاء ہیں۔ رہیں حركات ثلثہ (زیر۔ زبر۔ پیش) اور جزم سوان کے الگ الگ الزوار ہیں۔ چنانچہ پیش اور جزم منجملہ قبض کے ہے۔ زبر منجملہ رسالت کے اور زیر منجملہ آدمیت کے۔ پس اگر کوئی حرف جو منجملہ قبض کے ہو، پیش یا جزم والا ہو تو اس میں قبض کے دو جز ہوں گے۔ اور اگر قبض کے حروف میں سے نہ ہو گا تو حرف کو تو اپنے زور کی طرف منسوب کیا جائے گا اور اس حرف کی پیش اور جزم قبض کی طرف منسوب ہوں گی۔ مثال کے طور پر ث، ش، کا قبض کے حروف ہیں اور ان کی پیش یا جزم بھی قبض میں سے ہے اور ی، ب، ت قبض کے حرف نہیں ہیں اور ان کی پیش اور جزم قبض میں سے ہے۔ اسی طرح اگر حرف رسالت زبر والا ہو گا

عہ ابو عمرو دانی۔ ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی متوفی ۱۷۷ھ انہوں نے قرآن مجید کے رسم الخط کے متعلق کتاب لکھی جس کا نام المقنع فی رسم المصحف ہے۔

عہ برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری متوفی ۳۳۳ھ۔ انہوں نے عقیدت اتراب القضاہ فی أسنی المقاصد کی جو قرآن مجید کے رسم الخط کے متعلق ہے شرح کی۔ عقیدہ میں ابو عمرو الدانی کی المقنع کو نظم کر دیا گیا ہے۔ جعبری کی شرح کا نام جمیلۃ ارباب المراصد ہے۔ ان کی تقریباً تمام تصانیف نظم میں ہیں اور وہ بھی زیادہ تر علم قراءت میں۔ چنانچہ ان کی ایک از نظم نزهت البرودۃ فی قراءۃ الائمة العشرۃ ہے (کشف الظنون: ۲: ۳۸۶) اور نہج الدماثۃ فی القراءات الثلاثہ۔ اس کے بعد خود ہی اس کی شرح کی اور اس کا نام خلاصۃ الامتات فی شرح نہج القراءات الثلاثہ لکھا۔



اسی طرح اگر حرف رسالت زبر والا ہوگا تو اس میں رسالت کے دو جزو پائے جائیں گے۔ ایک جزو حرف کا اور ایک زیر کا۔ یہی حال حرف آدمیت کا ہے کہ اگر زیر والے ہوں گے تو ان میں آدمیت کے دو جزو پائے جائیں گے۔ ایک جزو حرف کا اور دوسرا زیر کا لیکن حرف نبوت، حرف بسط، حرف روح اور حرف علم کی حرکات کا ان حروف میں کوئی حصہ نہیں۔ کیونکہ ان کی رنح (پیش) قبض کے لیے ہے۔ نصب زبر رسالت کے لیے اور خفض (زبر) آدمیت کے لیے اور جزم قبض کے لیے۔ یہاں سے واضح ہو گیا کہ قبض رسالت اور آدمیت باقی چاروں پر داخل ہوں گے۔

**رنح کی سات قسمیں ہیں** | رنح (پیش) جو قبض کے لیے ہے اس کی اجزاء قبض کے لحاظ سے سات قسمیں ہیں۔ چنانچہ

جو پیش ہدیٰ۔ لِّلْمُتَّقِينَ۔ يَوْمِنُونَ۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ۔ لَعَبْدٌ أَوْ لَسْتَعِينُ میں ہے وہ اس جس کے لیے ہے جو خیر سے لذت حاصل کرتی ہے اور شر سے ورد محسوس کرتی ہے اور كَفَرُوا، الْكَافِرُونَ اور هُمُ الْكَافِرُونَ اور هُمُ الظَّالِمُونَ کی پیش نفرت از ضد کے لیے ہے۔ أَنْزَلَ وَغَيْرِهِ کی رنح امثال کے لیے اور أُولَئِكَ جہاں بھی آئے اس کی رنح میل بسوی جنس کے لیے۔ حَرَجُوا، أَخْرَجُوهُمْ اور تَنْذِرَهُمْ کی پیش ت پراتی ہے توت القباض کے لیے اور إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ اور اسی طرح کی اور حق باتیں جن میں کوئی نزاع نہیں ہے، ان کی پیش انصاف کے لیے ہے اور قَالَ اللَّهُ وَغَيْرِهِ کی پیش حق گوئی سے شرم نہ کرنے کے لیے۔

**جزم کے اقسام** | جزم کی بھی سات قسمیں ہیں: الْحَمْدُ کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے ہے الْعَلَمِينَ کا جزم انصاف کے لیے التَّحْمَنُ کا امثال امر کے لیے، نَعْبُدُ کا انقباض کے لیے اور اِهْدِنَا كَانْفِرْتَ از ضد کے لیے اور غَيْرُ كَا حَقِّ كُوْنِي سے شرم نہ کرنے کے لیے اور رَتَبَهُمْ وَغَيْرِهِ کا جزم میل بسوی جنس کیلئے **زبر کے اقسام** | زبر کی بھی اجزاء رسالت کے اعتبار سے سات قسمیں ہیں چنانچہ الْحَمْدُ لِلَّهِ میں ہمزہ کا زبر مشاہدہ کے لیے ہے اور ح کا زبر سکینت کے لیے اور الْعَالَمِينَ کے نون کا زبر حیات اہل جنت کے لیے اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ کے م کا زبر اور يَوْمِ الدِّينِ کی ی کا زبر صدق کے لیے آیات کے لٹ کا زبر اور ع کا زبر اور عَلَيْهِمْ کے ل کا زبر علم کا مل کے لیے لَسْتَعِينُ کی ت کا الصراط کی ط کا زبر جسم میں روح کی برضا و رغبت رہائش کے لیے اور أُولَئِكَ، عِبَادِكَ، عِبَادِكَ کے کاف کا زبر موت، بحالت حیات کے لیے۔

**زبر کے اقسام** | زبر کی بھی آدمیت کے اجزاء کے لحاظ سے سات قسمیں ہیں۔ لَشَّرَ کی زبر اور ہر اس ل کی زبر جو پہلے یا بیچ میں آئے کمال حس باطنی کے لیے اور لِلَّهِ کی ہ کی زبر ذکوریت کے لیے اور رَبِّ كَسْب کی زبر عقل کمال کے لیے اور الْعَالَمِينَ کے میم کی زبر کمال حواس ظاہری کے لیے اور التَّحْمَنُ کے ن کی زبر کمال صورت باطنی کے لیے مَلِكِ کے ک کی زبر کمال صورت ظاہری کے لیے اور الدِّينِ کے ن کی زبر نزع حظ شیطان کے لیے۔

جب تو نے یہ سمجھ لیا اور تجھے معلوم ہو گیا کہ تمام حروف، حرکات اور مراتب مد میں سے کوئی بھی الوار سبعہ باطنیہ سے باہر نہیں ہیں تو تجھے حدیث کا مفہوم سمجھ میں آ جاویگا۔ اور آنحضرتؐ کے اس فرمان کہ **إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَافٍ** (یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے کے معنی سمجھ میں

آئے۔ چونکہ اس بحث میں قراءتوں کا ذکر ہے اس لیے میں یہاں قراءت کے متعلق ابن خلدون کا بیان نقل کرتا ہوں:

”قرآن اللہ کی وہ کتاب مقدس ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری اور اب وہ کتابی صورت میں مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ اس کی نقل تو اتارے ہوئی ہے مگر اس کے الفاظ کی ادائیگی اور حروف کی کیفیات کے لحاظ سے صحابہ کرام مختلف روایت ہیں۔ روایات کے اختلاف سے مختلف قراءتیں بن گئیں۔ اب ان میں صرف سات قراءتیں بہت مشہور ہیں جن کی نقل تو اتار کی حد تک پہنچ گئی ہے اور ہر قراءت ایک خاص قاری کی طرف منسوب ہے۔ یہ سات قراءتیں گویا قراءت کے لیے اصول مانی گئی ہیں بعض نے ان پر چند اور قراءتوں کی بھی زیادتی کی ہے۔ لیکن آئمہ قراء کے نزدیک ان کی قراءت سب سے صحیح کی طرح باد ثبوت نہیں۔“

”قراءتوں کے تو اتار اور عدم تو اتار میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض تو اتار سے انکار کرتے ہیں کیونکہ قراءت کیفیات ادا سے عبارت ہے اور وہ ناقابل ضبط ہے۔ البتہ قرآن متواتر ہے۔ بعض تو اتار کے قائل ہیں اور کچھ کہتے ہیں کہ تو اتار بغیر ادا کے ہے یعنی روایت قراءت تو ان کو تسلیم ہے لیکن ادائیگی مثلاً مد و تسیل کا تو اتار تسلیم نہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خالی سُن لینے سے کیفیت ادا سے واقفیت نہیں ہوتی۔ ہمارے نزدیک یہی قول صحیح ہے۔“

”جب تک علوم و فنون کتابی تمدنی شکل میں نہیں آئے قراءت کی تعلیم بھی دیگر علوم کی طرح زبانی جاری رہی اور جب تمام علوم ضبط تحریر ہوئے تو علم قراءت کی تالیف و تصنیف بھی عمل میں آئی اور اس نے ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر لی۔ پھر اس کی نقل ملک در ملک چلتی رہی۔ یہاں تک کہ مشرقی اندلس میں مجاہد مولائی عامر بن بادشاہ ہوا۔ یہ اس علم کی بہت زبردست معلومات رکھتا تھا۔ کیونکہ اس کے آقا منصور بن ابی عامر نے بہت شوق و ذوق اور کوشش سے اس کو اس کی تعلیم دلائی تھی اور اس کے لیے چیدہ قاری جمع کر کے اس علم میں ماہر بنایا تھا۔ چنانچہ جب دانیاد جزائر شرقیہ کا مجاہد امیر قرار پایا تھا تو اس کے اثر سے وہاں علم قراءت کہ بہت فروغ ہوا۔ یوں تو مجاہد کو دیگر علوم سے بھی کافی دلچسپی تھی لیکن علم قراءت کا تو وہ خاص طور سے دلدادہ تھا۔ ابو عمرو الدانی اسی کے عہد میں قراءت کا ماہر بن کر چمکا اور یکتا روزگار ہوا۔ اس نے اس علم میں کئی کتابیں لکھیں جو لوگوں کی مرکز توجہ بن گئیں۔ ان میں کتاب تیسیر نے خاص شہرت حاصل کی اور مرجع خلائی ہوئی۔ پھر اس کے چند روز بعد ابو القاسم بن فیروہ شاطبی اس فن میں چمکا۔ اس نے ابو عمر کی کتابوں کا خلاصہ نظم میں کیا اور یوں کہنا چاہیے کہ سارے علم کو سمیٹ کر گویا سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا۔ قراء سبعہ کے نام و ا ب ج ، د کی شکل میں لکھے۔ لوگوں نے اس کو بہت ہی پسند کیا اور ہر طالب قراءت کے ہاتھ میں وہ دیکھنے لگی۔ مغرب اور اندلس میں وہ داخل نصاب ہوئی اور لوگ اسی کو پڑھنے لگے۔“

”قراءت ہی کے ساتھ فن رسم الخط بھی شامل کر لیا گیا۔ اس میں قرآن کریم کے حروف کے رسم الخط سے بحث ہوئی اور ان کی صحیح رسم الخط متعین کی گئی۔ چونکہ بعض حروف قرآنیہ کی رسم الخط مردجہ رسم الخط سے بہت کچھ مختلف پائی گئی اس لیے اس علم کی تدریس کی ضرورت پیش آئی۔ مثلاً بایبید میں ”یا“ کی زیادتی اور لا اذبحنۃ میں الف کا اضافہ اور جنۃ اللطیفین میں واؤ کی کتابت کٹھنکی غرض اسی طرح بہت سے اختلافات دیکھے گئے۔ لامحالہ رسم الخط کے اصول و قواعد ضبط ہوئے اور کتابی شکل میں



حس ظاہری کے لیے۔ م ذکوریت کے لیے اور اس کی زیر کمال حواس ظاہری کے لیے۔

اس میں قبض کے دو جزو ہیں۔ ہمزة وصل امثال کے لیے اور آل کے ل کا جزم انصاف کے لیے بسط کے بھی دو جزو ہیں۔ ساحن تجاوز کے لیے اور ن فرح کامل کے لیے اور اس میں نبوت کا ایک جزو ہے کیونکہ ع عفو کے لیے ہے۔

اس میں رسالت کے آٹھ اجزاء ہیں۔ س کا زیر سکینت کے لیے اور ب بھی سکینت کے لیے ہمزة کا زیر مشاہدہ کے لیے۔ ل علم کامل کے لیے۔ ع کا زیر سکینت کے لیے۔ ل علم کامل کے لیے ل کا زیر مشاہدہ کے لیے اور ن کا زیر اہل جنت کی سی زندگی کے لیے اور یہ سب اجزاء رسالت ہیں۔ اس میں علم کا ایک ہی جزو ہے اور وہ م کے بعد کا ہی ہے جو جہات کو سامنے کی جہت میں محصور کرنے کے لیے ہے۔

لہذا اس میں حرف کے لحاظ سے م میں بسط ہے اور حرکت کے لحاظ سے رسالت۔ ل ساکن میں حرف کے لحاظ سے رسالت اور جزم کے اعتبار سے قبض۔ ع میں حرف کی نبوت اور حرکت کی رسالت۔ الف میں آدمیت اور ن میں حرف اور حرکت دونوں اعتبار سے رسالت اور میم میں بھی حرف اور حرکت دونوں لحاظ سے آدمیت ہے ی میں علم۔ ن میں حرف کے لیے بسط اور حرکت کی رسالت۔

الذکر ختم اللہ حیو۔ اس میں آدمیت کے پانچ جزو ہیں۔ م ذکوریت کے لیے۔ ن کا زیر کمال صورت باطنی کے لیے۔ ح کا زیر کمال حواس ظاہری کے لیے۔ پھر م ذکوریت کے لیے اور اس کا زیر کمال عقل کے لیے اس میں قبض کے بھی پانچ جزو ہیں۔ ا امثال کے لیے۔ ل کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے۔ ج کا جزم امثال کے لیے اور ا بھی امثال کے لیے اور ل کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے۔

اس میں بسط کے تین جزو ہیں۔ ساحن تجاوز کے لیے۔ ن فرح کامل کے لیے اور دوسرا بھی حن تجاوز کے لیے۔ اس میں نبوت کے دو جزو ہیں۔ پہلا ح اور دوسرا ح دونوں رحمت کاملہ کے لیے۔

اس میں رسالت کے سات جزو ہیں۔ ا کا زیر مشاہدہ کے لیے۔ ل علم کامل کے لیے۔ س مشد کا زیر مشاہدہ کے لیے اور م کا زیر حق گوئی کے لیے ا کا زیر مشاہدہ کے لیے۔ ل علم کامل کے لیے اور س مشد کا زیر مشاہدہ کے لیے۔ اگر فالج میں مدغم ہونے کی وجہ سے دونوں لام ساقط کر دیے جائیں۔ تو پھر پانچ رہ جاتے ہیں۔ اس طرح رسالت اور قبض میں سے دو جزو ساقط ہوں گے۔

اس میں علم کا ایک ہی جزو ہے اور وہ ی محدود ہے جو سامنے کی جہت میں جہات کے محصور ہونے کے لیے ہے۔ م کے بعد کا الف کمال حواس ظاہری کے لیے ہے۔ اس طرح ایک جزو کا آدمیت کے اجزاء میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

ملازمۃ کمال الذکر۔ اس میں رسالت آدمیت کے اجزاء۔ م ذکوریت کے لیے۔ ل کا زیر کمال حواس باطنی کے لیے



ک کا زیر کمال صورتِ باطنی کے لیے۔ ن کا زیر نزع حظ شیطان کے لیے۔ یہ اس صورت میں ہے جب مقصود پڑھا جائے لیکن اگر ممدود پڑھا جائے اور م کے بعد الف پڑھایا جائے یعنی مَالِك پڑھا جائے تو آدمیت کے آٹھ اجزاء ہو جائیں گے کیونکہ الف ممدودہ جسے ایک الف کے برابر لمبا کیا جائے کمالِ حواسِ باطنی کے لیے ہے جب یہ ضمیر مکمل میں نہ ہو۔

اس میں قبض کا ایک جزو ہے اور وہ واؤ کا جزو ہے جو حاسہ ساریہ کے لیے ہے اور ل جو الدین کی دال میں مدغم ہو چکا ہے اس کے جزو کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

اس میں بسط کا بھی ایک ہی جزو ہے اور وہ ن ہے جو فرجِ کامل کے لیے ہے۔

اس میں نبوت کے دو جزو ہیں کیونکہ ک معرفتِ الہی کے لیے اور ح خوفِ تام کے لیے۔

اس میں روح کا ایک جزو ہے اور وہ د ہے جو طہارت کے لیے ہے۔۔۔

اس میں رسالت کے تین جزو ہیں۔ ل علمِ کامل کے لیے ال کا ہمزہ اور ل دونوں ساقط ہیں۔ میم کا زبر

صدق کے لیے۔ اسی طرح ی کا زبر بھی صدق کے لیے۔

اس میں علم کے دو جزو ہیں۔ واڈ موت و رجیات کے لیے۔ اور ہی انحصارِ جہاتِ در اہم کے لیے۔

اَيَّاكَ لَعْنَةُ وَايَّاكَ لَسْتَعِيْنُ۔ اس میں آدمیت کے چھ جزو ہیں۔ ہمزہ کا زیر جو کمالِ عقل کے لیے

ہے۔ الف ممدودہ کمالِ حواسِ ظاہرہ کے لیے اور اَوْلِيٰكَ کے ہمزہ کا کسرہ اور الف ممدودہ اور ت کمالِ

حواسِ ظاہرہ کے لیے۔ ع کا زیر کمالِ حواسِ باطنی کے لیے۔

قبض کے چھ اجزاء ہیں۔ ابتدائی ہمزہ امتثال کے لیے۔ ع کا جزو انقباض کی قوتِ کاملہ کے لیے۔ ب

کا پیش حاسہ ساریہ کے لیے۔ اسی طرح د کا پیش حاسہ ساریہ کے لیے ہے۔ س کا جزو امتثال کے لیے

آخری ن کا پیش حاسہ ساریہ کے لیے۔

اس میں بسط کے چار اجزاء ہیں۔ تینوں ن فرجِ کامل کے لیے۔ س انکساری کے لیے۔

اس میں نبوت کے چھ اجزاء ہیں۔ ح خوفِ تام کے لیے۔ ک معرفتِ الہی کیلئے۔ ع عفو کے لیے اسی

طرح وَايَّاكَ لَسْتَعِيْنُ کی ہی۔ ک اور ع خوفِ تام، معرفتِ الہی اور عفو کے لیے ہیں۔

اس میں روح کا صرف ایک جزو ہے اور وہ د ہے جو طہارت کے لیے ہے

اس میں رسالت کے دس جزو ہیں۔ تی کا زبر ہر ایک سے حق گوئی کے لیے، ک کا زبر علمِ کامل کے

لیے۔ ن کا فتح حیاتِ اہلِ جنت کے لیے۔ ی سکینت کے لیے۔ واڈ موت و رجیات کے لیے۔ واؤ کا زبر

مشاہدہ کے لیے۔ اسی طرح ی کا زبر حق گوئی کے لیے۔ ک کا زبر علمِ کامل کے لیے اور ن کا زبر حیاتِ اہلِ

جنت کے لیے، ی کا زبر برضا و رغبت سکونِ روح و ذات کے لیے۔

اس میں علم کا ایک جزو ہے اور وہ ہی ممدودہ ہے اور یہاں یہ کونین کے حالات کی معرفت کے لیے

ہے۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ - اس میں آدمیت کے نو اجزا ہیں۔ ا کا زیر کمال عقل کے لیے  
د کا زیر کمال صورت باطنی کے لیے ص کمال عقل کے لیے اور ص کا زیر کمال حس باطنی کے لیے اور  
الف ممدودہ بھی کمال حس باطنی کے لیے۔ م ذکریت کے لیے

اس میں قبض کے آٹھ اجزاء ہیں۔ ء امثال کے لیے۔ ه نفرت از صد کے لیے۔ ه کا زیر بھی نفرت از  
صد کے لیے۔ الصاء کا ہمزہ وصل امثال کے لیے۔ اسی طرح المُسْتَقِيمِ کا ہمزہ وصل بھی امثال کے لیے ہے  
ن کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے۔ م کا پیش بھی حاسہ ساریہ کے لیے۔ س کا جزم انصاف کے لیے۔

اس میں بسط کے تین جزو ہیں۔ ن نزع کامل کے لیے۔ ر حن تجادز کے لیے اور س انکساری کے لیے۔  
یہ اس صورت میں جب الصراط کو ص سے پڑھا جائے لیکن اگر س سے پڑھا جائے جو قبل اور اس کے موافقین  
کی قراءت سے تو اس صورت میں اس میں بسط کے چار جزو ہوں گے کیونکہ الصراط کی س کے اضافہ سے چار جزو  
بن جائیں گے۔

اس میں نبوت کا کوئی جزو نہیں ہے۔

اس میں روح کے تین جزو پائے جاتے ہیں۔ د طہارت کے لیے۔ ط تمیز کے لیے اور ک بصیرت  
کاملہ کے لیے۔

اس میں رسالت کے آٹھ جزو ہیں۔ د طہارت کے لیے ط تمیز کے لیے ہے۔ ا الصراط کے ہمزہ کا زیر  
مشاہدہ کے لیے۔ س کا زیر سکینت کے لیے اور ط کا زیر روح کا برضا و رغبت جسم میں قیام کے لیے۔  
المستقیم کا ہمزہ مشاہدہ کے لیے اور ل علم کامل کے لیے ت کا زیر سکینت کے لیے م کا زیر بھی سکینت  
کے لیے ہے۔

اس میں علم کا ایک ہی جزو ہے اور وہ ہی ممدودہ ہے جو یہاں جہات کا سلمنے کی جہت میں محصور ہونے کے  
لیے ہے۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ - اس میں آدمیت کے آٹھ جزو ہیں۔ ص کمال عقل کے لیے۔ ص کا زیر  
کمال حس باطنی کے لیے۔ الف ممدودہ کمال حس ظاہری کے لیے۔ ذ کا زیر کمال حس باطنی کے لیے۔ م ذکریت  
کے لیے۔ ت کمال حواس ظاہری کے لیے۔ ت کا زیر بھی کمال حواس ظاہرہ کے لیے ہے۔ م ذکریت کے لیے۔  
اس میں قبض کے سات اجزاء ہیں۔ اَلْعُسْتِ کا ہمزہ امثال کے لیے۔ ن کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے  
م کا جزم انصاف کے لیے۔ ی کا جزم بھی انصاف کے لیے۔ ه نفرت از صد کے لیے۔ حمزہ اور اس کے

عنه قبل : اصل نام محمد بن عبدالرحمن بن محمد خالد بن سعید بن جرجہ الملکی المخزومی چھیلانوسے سال کی عمر میں ۲۹۱ھ میں دہانت  
پائی۔ یہ ابو سعید عبداللہ بن کثیر کے راوی تھے۔

موافقین کی قراءت کے مطابق ھ کا پیش بھی میل بحسب کے لیے۔ م کا جزم بھی میل بحسب کے لیے اسی طرح ابن کثیر اور اس کے موافقین کی قراءت کے مطابق م کا پیش بھی میل بحسب کے لیے۔

اس میں بسط کے چار اجزاء ہیں۔ تنبل اور اس کے موافقین کی قراءت کے مطابق صراط کا ص لیکن ص کو نہ سے اشام کر کے پڑھنے کی قراءت کی صورت میں حمزہ نے الصراط کے لفظ میں اسے اسی طرح پڑھا ہے اور خلف نے بھی صراط۔ صراطی اور صراطک میں اسی طرح ص کو نہ سے اشام کر کے پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس لفظ میں آدمیت کا جزو ہوگا۔ کیونکہ اس میں ص کا ایک جزو ہے اور وہ آدمیت کے حروف میں سے ہے۔ اور ایک جزو رسالت کا ہوگا کیونکہ اس میں ن کا ایک جزو ہے جو حروف رسالت میں سے ہے۔ مختصر یہ کہ اشام کہے گئے حرف میں کچھ حصہ آدمیت کا ہے اور کچھ رسالت کا۔ بسط کا دوسرا جزو ہے۔ جو حروف تجاوز کے لیے ہے تیسرا جزو پہلان ہے اور چوتھا جزو ثانی جو مزج کامل کے لیے ہے۔

اس میں نبوت کے تین جزو ہیں۔ پہلی ع اور دوسری ع عفو کے لیے ہی ساکن اللہ سے خوف تام کے لیے۔ اس میں رسالت کے بارہ جزو ہیں۔ تا کا زیر سکینت کے لیے۔ ط کا زیر برضا و غبت روح کا جسم میں قیام کے لیے۔ ہمزہ وصل کا زیر مشاہدہ کے لیے۔ ل علم کامل کے لیے۔ ن کا زیر مشاہدہ کے لیے۔ ن کا زیر حیات اہل جنت کے لیے۔ ہمزہ کا زیر مشاہدہ کے لیے۔ ع کا زیر سکینت کے لیے۔ ت کا زیر علم کامل کے لیے اسی طرح علیہم کے ع اور آل کا زیر حروف ل سب علم کامل کے لیے ہے۔

اس میں علم کے دو جزو ہیں۔ ذ معرفت لغات کے لیے۔ ی ممدہ انحصار حیات در انام کے لیے۔ اس میں روح کا ایک جزو ہے اور وہ ط ہے جو تمیز کے لیے ہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ اس میں غ کمال صورت ظاہرہ کے لیے جو آدمیت کا جزو ہے اور غ کا زیر سکینت کے لیے ہے جو اجزاء رسالت میں ہے۔ ی ساکن اللہ سے خوف تام کے لیے جو اجزاء نبوت میں سے ہے۔ ہی کا جزم حق گوئی سے نہ شرمانے کے لیے جو قبض کے اجزاء میں سے ہے۔ تر حروف تجاوز کے لیے ہے جو بسط کا جزو ہے۔ سا کا زیر کمال صورت باطنہ کے لیے جو آدمیت کا جزو ہے۔ ہمزہ وصل امتثال کے لیے ہے جو قبض کا جزو ہے۔ ہمزہ کا زیر مشاہدہ کے لیے ہے جو رسالت کا جزو ہے۔ ل ساکن علم کامل کے لیے جو رسالت کا جزو ہے۔ ل کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے جو قبض کا جزو ہے۔ م ذکر بیت کا ہے اور یہ آدمیت کا جزو ہے۔ م کا زیر سکینت کے لیے اور یہ رسالت کا جزو ہے۔ غ کمال صورت ظاہرہ کے لیے جو آدمیت کا جزو ہے۔ غ کا جزم انقباض کی قوت کاملہ کے لیے جو قبض کا جزو ہے

خلف: خلف بن ہشام بن ثعلب البصری در اصل فم الصلح کا رہنے والا تھا مگر بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اسی لیے بغدادی شمار کیے گئے۔ شریک، ابو عوانہ اور حماد بن زید سے حدیث سنی اور سلیم سے قراءت سیکھی حمزہ کی صحبت میں بھی رہے مگر بہت سی قراءتوں میں حمزہ سے اختلاف کیا۔ ۲۲۹ھ = ۲۳۳ھ میں وفات پائی۔

ض حق گوئی کے لیے جو اجزاء نبوت میں سے ہے۔ حق کا پیش حاسہ ساریہ کے لیے جو قبض کا جزو ہے۔  
 واد ممدودہ حق گوئی سے نہ شرمانے کے لیے جو قبض کا جزو ہے۔ تب سکینت کے لیے جو رسالت کا جزو  
 ہے۔ تب کا زیر عقل کامل کے لیے جو آدمیت کا جزو ہے۔ ع عفو کے لیے جو نبوت کا جزو ہے۔ ع کا زیر علم کامل  
 کے لیے جو رسالت کا جزو ہے۔ آل علم کامل کے لیے جو رسالت کا جزو ہے۔ آل کا زیر بھی علم کامل کے لیے ہے جو  
 رسالت کا جزو ہے۔ ہی اللہ سے خوف تمام کے لیے اور وہ اجزاء نبوت میں سے ہے۔ ہی کا جزم انصاف کے لیے  
 ہے جو قبض کا جزو ہے۔ ہ نفرت کے لیے جو قبض کا جزو ہے۔ ہ کا زیر کمال حس ظاہری کے لیے جو جزو  
 آدمیت ہے۔ لیکن ہ پر پیش پڑھیں تو اس قراءت کے مطابق ہ کا پیش مندر سے نفرت کے لیے اَلْعَنْتِ  
 عَلَيْهِمْ میں عَلَيْهِمْ کے پیش کے برعکس کیونکہ وہاں یہ میں بحس کے لیے ہے۔ اس لیے کہ جن  
 پر اللہ کا انعام ہو، ان کی طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے۔ اور جن پر اللہ کا غضب ہو، ان سے نفرت ہوتی  
 ہے۔ م ذکوریت کے لیے جو جزو آدمیت ہے اور ان کثیر اور اس کے موافقین کی قراءت کے مطابق م کا پیش ضد  
 سے نفرت کے لیے جو قبض کا جزو ہے۔ دو سرور کی قراءت کے مطابق م کا جزم اس نفرت پر زور دینے کے  
 لیے جس کا مفہوم ابن کثیر کی قراءت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ پیش اصل ہے جزم اس پر بعد میں واقع ہوئی  
 واؤ موت در حیات کے لیے جو جزو رسالت ہے۔ واؤ کا زیر مشاہدہ کے لیے جو رسالت کا جزو ہے اور  
 لا علم کامل کے لیے جو جزو رسالت ہے۔ لا کا زیر بھی علم کامل کے لیے جو جزو رسالت ہے۔ الف وصل امتثال کے لیے  
 جو قبض کا جزو ہے۔ اس کا زیر مشاہدہ کے لیے جو جزو رسالت ہے۔ الف ہوائی ممدودہ جو یہاں ضمیر حکم میں نہیں ہے  
 لندا مدہ کے چھ کے چھ مراتب آئیں گے۔ اگر اسے ایک الف جتنا لمبا کریں تو یہ کمال صورتِ باطنی کے لیے ہے۔ اگر  
 دو الف کے برابر لمبا کریں تو یہ کمال صورتِ باطنی اور روح کے برضا اور غبت جسم میں قیام کے لیے۔ اگر تین الف  
 کے برابر لمبا کریں تو یہ کمال صورتِ باطنی سکون اور برضا اور غبت اور قوت ساریہ کے لیے ہے۔ اگر چار الف جتنا  
 لمبا کریں تو کمال صورتِ باطنی سکون اور برضا اور غبت، قوت ساریہ اور کمال حسِ باطنی کے لیے ہے۔ اگر  
 پانچ الف جتنا لمبا کریں تو یہ کمال صورتِ باطنی، سکون اور قوت ساریہ، کمال حسِ باطنی اور بغضِ باطل کے لیے  
 ہے اور اگر چھ الف جتنا لمبا کریں تو یہ کمال صورتِ باطنی، سکون اور قوت ساریہ، کمال حسِ باطنی، بغضِ باطل  
 اور مع سکون خیر در ذات کے لیے ہے۔ اور تو یہ معلوم کر چکا ہے کہ کمال صورتِ باطنی جزو آدمیت ہے۔ سکون  
 رسالت کا۔ قوت ساریہ قبض کا۔ کمال حسِ باطنی آدمیت کا۔ بغضِ باطل نبوت کا اور سکون خیر در ذات بسط  
 کا جزو ہے۔ پس جب مد الف کے برابر ہو تو اس میں صرف آدمیت ہوگی۔ بقدر دو الف ہو تو آدمیت اور رسالت۔ بقدر  
 تین الف ہو تو آدمیت، رسالت اور قبض۔ بقدر چار الف ہو تو آدمیت، رسالت، قبض اور آدمیت۔ بقدر پانچ  
 الف ہو تو آدمیت، رسالت، قبض، آدمیت اور نبوت۔ بقدر چھ الف ہو تو آدمیت، رسالت، قبض،  
 آدمیت، نبوت اور بسط۔ زیر والام مشدود علم کامل کے لیے جو رسالت کا جزو ہے۔ آل کا زیر کمال حس



باطنی کے لیے جو آدمیت کا جزو ہے۔ ہی محدودہ اگر ن پر وقف کریں اور اسے ساکن پڑھیں تو یہاں بھی چھ مراتب ہوں گے۔ چنانچہ اگر بقدر ایک ہی کے لمبا کریں تو یہ سامنے کی جہت میں جہات کے انحصار کے لیے۔ اگر دو ہی جتنا لمبا کریں تو یہ انحصار جہات اور ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت کے لیے ہے۔ اگر بقدر تین ہی لمبا کریں تو یہ انحصار جہات، ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت اور اہل جنت کی سی زندگی کے لیے ہے۔ بقدر چار ہی لمبا کریں تو انحصار جہات، ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت، اہل جنت کی سی زندگی اور انجام کی معرفت کے لیے ہے۔ بقدر پانچ ہی لمبا کریں تو انحصار جہات، ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت، اہل جنت کی سی زندگی۔ انجام کی معرفت اور عدم تضحیح کے لیے ہے۔ بقدر چھ ہی لمبا کریں تو انحصار جہات، ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت کے لیے ہے اور تو یہ معلوم کر چکا ہے کہ انحصار۔ معرفت علوم متعلقہ باحوال ثقلین۔ انجام کی معرفت، معرفت علوم متعلقہ باحوال کونین اور عدم تضحیح سب اجزاء علم میں سے ہیں۔ اور ان چھ میں سے صرف اہل جنت کی سی زندگی جزو رسالت ہے لہذا اس میں جو ایک ہی کے برابر ہو علم کا ایک جزو ہے بقدر دو ہی دو جزو، بقدر تین ہی میں دو جزو علم کے اور ایک جزو رسالت کا۔ بقدر چار ہی میں تین جزو علم کے اور ایک جزو رسالت کا۔ بقدر پانچ ہی میں چار جزو علم کے اور ایک جزو رسالت کا۔ بقدر چھ ہی میں پانچ جزو علم کے اور ایک جزو رسالت کا۔ ن مفتوحہ فزح کامل کے لیے جو نسبت کا جزو ہے۔ ن کا زبر اہل جنت کی سی زندگی کے لیے جو رسالت کا جزو ہے۔ عام قراءت کے مطابق سورہ فاتحہ سے جو متعلقہ باتیں تھیں سب ذکر کر دی گئیں اور تو نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ سات حروف میں سے زیادہ آنے والے تین حرف ہیں آدمیت، قبض اور رسالت اور یہ حروف اور حرکات سب میں آتے ہیں۔ چنانچہ ہر رفع اور جزم قبض کے لیے ہے۔ ہر زبر رسالت کے لیے۔ ہر زیر آدمیت کے لیے لہذا جس کلام میں زبر زیادہ آئے اس میں نور رسالت بھی زیادہ ہوگا اور جس میں زیر زیادہ آئے اس میں

نور آدمیت زیادہ ہوگا۔ اور جس میں پیش یا جزم زیادہ ہو اس میں قبض زیادہ ہوگا۔  
 سورہ فاتحہ کی مختلف جوبات میں سورہ فاتحہ کے متعلق سات قراءتوں کے علاوہ اور قراءتوں کے اعتبار  
 قراءتوں کے معانی سے ہیں ان کے متعلق جان لینا چاہیے کہ ان میں بہت سا اختلاف ہے۔ چنانچہ  
 ان میں سے زید بن رُوَیہ بن العجاج اور العتکی نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْکَرِیْمِ سے پڑھا ہے۔ اظہار اس کی توجیہ  
 یہ ہے کہ یہاں فعل محذوف ہے اور اَلْحَمْدُ اس کا مفعول مطلق ہے یعنی یہ دراصل اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ  
 تھا۔ پھر اسے اس خاص ترکیب میں بدل دیا گیا اور پیش کی قراءت کی توجیہ یہ ہے کہ اَلْحَمْدُ مبتدا ہے

(۱) العتکی: عباد بن عباد بن حبیب بن المہلب بن ابی صغیر الامام الصدوق العتکی۔ ابی حمزہ ضعیفی اور ہشام بن عروہ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی اور ان سے احمد بن حنبل وغیرہ نے کی۔ ان کی وفات ۱۸۱ھ = ۷۹۷ء میں ہوئی۔

باطن کے لحاظ سے اس کی توجیہ پیش اور زبر کی حرکات کے راز کے تابع ہے۔ چنانچہ پیش کی قراءت کے لحاظ سے اس میں اللہ کی تعریف کا ذکر ہوگا اور ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں حمد کی ایک ایسی کیفیت پیدا ہوگی جو آپ کی تمام ذات میں سرایت کر جائے گی کیونکہ اس سے وال کے پیش کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو حاسہ ساریہ کے لیے ہے۔ یوں سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نے اللہ کی حمد بیان کرنے کے بعد اس کے معنی کو بھی محسوس کیا اور وہی کیفیت آپ میں پیدا بھی ہو گئی چنانچہ آپ کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس نے ایک بات کہی ہو اور پھر اس کے مطابق عمل کر کے بھی دکھا دیا ہو۔ یہ خلاف وال پر زبر کی قراءت کے کیونکہ وال کا نصب تو یہ بتانا ہے کہ آنحضرت کو اللہ کے متعلق علم کامل تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ خدا حمد کا مستحق ہے لیکن اس بات کے بیان کرنے سے آیت بالکل خاموش ہے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ کی ذات میں یہ کیفیت بھی پیدا ہوئی یا نہ۔ اسی وجہ سے پیش والی قراءت زیادہ درست، زیادہ مشہور اور زیادہ کثرت سے پائی جاتی ہے۔

اگر آپ اس پر یہ اعتراض کریں کہ ل اور م کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے ہے جو تکلیف کا فائدہ دیتا ہے لہذا پیش اور جزم کی دونوں قراءتیں ایک جسی ہوں گی۔ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ یہ جسیا تم نے کہا کہ حاسہ ساریہ تکلیف کا فائدہ دیتا ہے لیکن اگر یہ تکلیف لفظ کے پورا ہو جانے سے پہلے ہی پیدا ہو جائے مثلاً ل اور م کا جزم تو اس صورت میں تکلیف کا تعلق محض لفظ کے ساتھ ہوگا۔ بالفاظ دیگر یہ کہ ذات اس لفظ سے تکلیف ہوئی اور اس نے اس کے حرف کی لذت اٹھائی لیکن اگر تکلیف کلمہ کے ختم ہو جانے کے بعد ہو جس طرح وال کا پیش تو تکلیف کا تعلق معنی کے ساتھ ہوگا اور یہ بات وال کی زبر والی قراءت میں نہیں پائی جاتی اور پیش والی قراءت میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیش والی قراءت بہتر و افضل ہے۔

یا قراءت شاذہ میں امام حن بصری (رحمہ اللہ) کی قراءت ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ - وال اور لام دونوں پر زبر اس کی ظاہری توجیہ تو یہ ہے کہ لام کو وال کے زبر کی اتباع میں زبر دیا گیا ہے (نصب جوار) اور باطنی توجیہ تو یہ ہے کہ زبر تو کمال حن باطنی کے لیے بھتی جس سے کمال وجدان حاصل ہوتا ہے لہذا زبر والی قراءت کا مفہوم یہ ہوگا کہ خدا کی طرف حمد کی نسبت کو وجدان نے بھی محسوس کیا ہے اور اس کی کیفیت بھی حاصل کی ہے برخلاف زبر زبر والی قراءت کے کہ وہ علم کامل کے لیے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ذات کو علم کامل حاصل ہے کہ حمد خدا کے لیے ہے۔ لیکن تکلیف اور تاثر کا ذکر نہیں اور کسی شئی کا احساس اس کے علم کے مقابلہ زیادہ ذی ہونا ہے اسی لیے زبر والی قراءت زیادہ صحیح، زیادہ مشہور اور افضل ہے۔

یا مثلاً الکسائی سے روایت کرتے ہوئے قتیبہ کی قراءت لِلّٰہِ جس میں ل کے اوپر کے الف کو ہی کی طرف املہ کیے

علہ قتیبہ، قتیبہ بن سعید محدث خراسان ۱۲۹ھ = ۷۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ ثقہ اور عالم تھے۔ ان کی وفات ۲۲۲ھ = ۸۳۷ء

میں ہوئی۔

پڑھا گیا ہے۔ (اللہ) اور امالہ میں زیر کا جزو پایا جاتا ہے اور ہر زیر جو درمیانی لام یا ابتدائی لام کے نیچے ہو وہ کمال حس باطنی کے لیے ہوتی ہے۔ لہذا امالہ میں مفہوم کے احساس کا شعور پایا جاتا ہے جو تعظیم اور تبلیغ معنی کے لیے ہے۔

اسی الکسائی سے روایت کی ہوئی تفسیر کی دوسری روایت ہے جس میں الْعَالَمِیْنِ - الرَّحْمٰنِ اور مَا لِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ تین میں امالہ کیا گیا ہے لیکن یہ احساس چونکہ لفظ کے مکمل ہونے اور معنی کے ظہور سے پہلے پیدا ہوتا ہے اس لئے اس احساس کا تعلق محض لفظ کے ساتھ ہوگا اسی وجہ سے امالہ زیر سے افضل نہیں ہے کیونکہ امالہ سے جو احساس لفظی حاصل ہوتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کبھی ہوتا یعنی صرف اس وقت ہوتا جب آپ کو نشاط ہوتا اور صرف اپنی ذات کے لیے قرآن مجید پڑھتے۔ لہذا آپ باطنی معنوں کو نکال کر اپنی قراءت میں ظاہر کرتے۔ لیکن جب آپ امت کی تبلیغ اور تعلیم کے لیے قرآن مجید پڑھتے تو اغلب حالات میں آپ الفاظ کو اس کیفیت میں مشغول کرنا نہیں چاہتے تھے جس میں آپ کا باطن مشغول ہوتا۔ اسی وجہ سے زبردالی قراءت زیادہ مشہور اور افضل ہے کیوں کہ یہ آپ کی عام عادت کے مطابق ہے۔

اسی طرح رَبُّ الْعَالَمِیْنِ ، الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ کی ابو زید الانصاری کی پیش والی قراءت ہے۔ انہیں زبر سے بھی پڑھا گیا ہے۔ ان قراءتوں کی ظاہری توجیہ یہ ہے کہ زیر تو ان پر اللہ کا تابع ہونے کی وجہ سے آئی ہے اور پیش اور زبر اس لحاظ سے آئے ہیں کہ یہ پہلے جملہ سے منقطع ہیں۔ اور پیش کی صورت میں مبتدا محذوف ہے اور زبر کی صورت میں فعل ناصب۔ اور باطن کے اعتبار سے تینوں حرکات کے اسرار کے اختلاف کے مطابق توجیہ ہنگی زیر عقل کے لیے ہے جو جزو آدمیت ہے اور آدمیت ہم تن تو واضح اور با ادب ہونا ہے لہذا یہاں عقل کامل متکلم میں اپنے رب کے لیے تو واضح کا زیادہ شعور پیدا کرتی ہے تاکہ وہ یہ مشاہدہ کرے کہ وہ مفعول اور پروردہ ہے اور یہ زیر کا ایک راز ہے۔ زبردالی قراءت کا زبر علم کامل کے لیے ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ متکلم اشیاء کی حقیقت کو جان لے چنانچہ وہ رب کو رب جانتا ہے اور عالمین کو پروردہ رب۔ یہ الگ بات ہے کہ آیا اس کی ذات نے اپنے رب کے سامنے تواضع کی یا با ادب رہی یا نہ پیش والی قراءت میں پیش حاسہ ساریہ کے لیے ہے لیکن یہ حاسہ مفہوم مکمل ہونے سے پہلے ہی حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ مضاف الیہ کے ذکر سے پہلے مضاف کے معنی مکمل نہیں ہوتے۔ لہذا یہاں پر حاسہ نے یہ معلوم تو کر لیا کہ ذات نے لفظ رب سے تاثر حاصل کیا اور اس سے

علیہ ابو زید انصاری : ابو زید عمرو بن اخطب بن رفاعہ الانصاری - صحابی ہیں۔ ننگڑے تھے۔ انہوں نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ جنگوں میں شرکت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا کی کہ خدا اسے خوبصورت بنا دے۔ اس کے بعد ان کا کوئی بال سفید نہیں ہوا۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ نبوی نے ابو زید عمرو بن اخطب اور ابو زید انصاری کو الگ الگ شخص شمار کیا ہے (تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۸)

سطح اٹھایا اسی لیے زیرِ والی قراءت معنی کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے۔ اسی واسطے یہ زیادہ مشہور بھی ہے۔  
 یا مثلاً مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ کی قاریوں نے کئی ایک قراءتیں بیان کی ہیں۔ جمہور نے اسے مَلِكِ بغير الف کے پڑھا ہے۔  
 کسائی، ناصم اور ان کے موافقین نے مَلِكِ ميم کے بعد الف سے پڑھا ہے۔ اس کی ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ  
 مَلِكِ بغير الف کے پڑھنے کی صورت میں یہ صفت مشبہ ہے جیسے مَلِكِ النَّاسِ میں اور مَلِكِ الف کے ساتھ  
 پڑھنے کی صورت میں مَلِكِ الف کی طرح اسم فاعل ہے۔ اور باطن کے لحاظ سے اس کی بناء مددِ والی قراءت  
 میں الف مدہ کے راز پر ہوگی جو کمالِ صورتِ باطنی کے لیے اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ مخبرِ عنہ نے ایک کام کیا  
 ہے لہذا الف کا اشارہ اس طرف ہوگا کہ اللہ تعالیٰ صفت کی صفت سے موصوف ہے جو اس کے افعال میں سے  
 ایک فعل ہے نیز یہ قراءت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس کلام کے سننے والے حاضرین کو اس امر  
 عظیم سے متنبہ کر دیا جائے۔ چنانچہ الف کی آواز کمالِ صورتِ باطنی سے بھی ہے اور اس آواز کے دو مقصد ہیں  
 ایک مقصد مخبرِ عنہ کے متعلق ہے کہ جو بات اس کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ مخبرِ عنہ کے افعال میں سے  
 ہے اور دوسرا مقصد سامعین کے لیے ہے کہ غصہ بت کی نیند سے بیدار ہو جائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ معنی بغير الف  
 والی قراءت (مَلِكِ) میں نہیں پائے جاتے اس قراءت میں ایک اور راز پایا جاتا ہے وہ اضافت کا راز ہے  
 یعنی صِدْقِ يَوْمِ الدِّينِ کی طرف اضافت اور مفہوم مَلِكِ کی قراءت میں بہت کم پایا جاتا ہے۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ یہ قواعد نحویہ کے ضمن مطابقت سے کہیں تک اسم فاعل حدود اور تہجد کے لیے  
 آتا ہے۔ الف سابق کا ہی راز ہے اور اس کی اضافت بہ نیت انفصال ہے۔ حضرت کے فرمان کہ یہ مفہوم پیش والی  
 قراءت میں کمزور ہے کا یہی مطلب ہے۔ خدا اس امام کو جزاء خیر دے۔

اور بیانی کی قراءت مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ہے (یا عذافہ عن بعد لام) اور یہاں یہی انجام کی معرفت  
 کے لیے ہے کیونکہ اگر یہ بھی ہو تب بھی بنا حروف میں کوئی فرق نہیں آتا اس لیے یہ انجام کی معرفت کے لیے  
 ہوئی۔ ورنہ یہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق ہوگی۔ چنانچہ ہی نائد میں نفسِ شکم کی طرف اشارہ کا سر پایا جاتا  
 ہے۔ لہذا اگر وہ انجام سے واقف ہوگا تو اپنے نفس کو متنبہ کرے گا اور یہ قراءت اس لیے ضعیف ہے کہ  
 تشبیہ نفس میں جس پر سی دلالت کرتی ہے۔ یہ بات بتاتی ہے کہ کلام کا مفہوم کچھ ایسا ہے جس سے کبھی غفلت  
 بھی برتی جاسکتی ہے اور اس مقام پر اس بات کی کہیں بھی روایت نہیں ملتی کیونکہ ہر ایک اس سے خود بخود آگاہ  
 ہو جاتا ہے اسی لیے ہی کے بغير (مَلِكِ) کی قراءت بہتر ٹھہری۔

علاء بیانی : الیمان بن معادیر الاسود : حاملین قرآن میں سے تھے۔ ان کی بیانی جاتی رہی تھی مگر جب قرآن مجید  
 کو ہاتھ میں لیتے تو دکھائی دینے لگ جاتا مگر ادھر قرآن مجید کو اللہ کیا تو بیانی پھر دیسی کی دیسی  
 ہو گئی۔ (شعرانی ص ۵۳)



حضرت علی کی قراءت | اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قراءت مَلَائِكِ يَوْمِ الدِّينِ میں مَلَائِكِ  
بصیغہ مبالغہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس قراءت کے معنی پہلی قراءتوں کے  
معانی کی نسبت بہت مخصوص معنی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس کا یہ مفہوم بن جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے  
دن تمام مخلوقات کو چھوڑ کر خاص طور پر مکلف لوگوں کی گردنوں کا ٹانگ ہوگا اس مفہوم کی وجہ یہ ہے کہ  
کے نیچے کا زیر کمال صورت ظاہری کے لیے ہے اور صورت ظاہری انسانوں کی صورت ہے جو کہ نیچے  
سے سر نکالے ہوئے دکھائی دیتی ہے اور الف مدہ سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کا تشبیہ یہ کہہ رہی ہے۔ ل کال  
میں ادغام اور اس کا مکرر آنا اس کی اور بھی تاکید اور تحقیق معنی کر رہا ہے اور تاکید و تحقیق دوسروں کو خوار کرنے  
کے متقاضی ہیں۔ برخلاف قراءت مشہورہ کے کہ اس میں تاکید و تحقیق نہیں پائی جاتی لہذا وہ غیر کے اخراج  
کی بھی متقاضی نہیں۔ مختصر یہ کہ ادغام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ غیر بنی آدم کے لیے دروازہ بند کر دیا جائے۔ یہی  
وجہ ہے کہ غیر بنی آدم اس قراءت میں داخل نہیں ہیں لہذا یہ قراءت بھی تفسیر ٹھہری۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ فَعَال کے صیغہ پر مَلَائِكِ سے جو اسم مبالغہ بنتا ہے اس کا یہی تقاضا ہے۔ کیونکہ  
مَلَائِكِ وہ ہے جو صاحب تصرف ہو اور عذاب و ثواب کے ساتھ تصرف بھی آدم میں دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ  
ہوتا ہے کیونکہ مقصود بالذات تو انسان ہیں اور دوسرے مقصود بالتبع، اسی واسطے مَلَائِكِ اسی معنی کا زیادہ  
تر مفہوم ادا کرے گا۔ لہذا قراءت متواتر زیادہ مشہور ہوئی کیونکہ اس قراءت میں بنی آدم اور ان کے علاوہ

اور اشیاء بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ عملہ  
الوجیوة کی قراءت | اور الوجیوة کی قراءت مَلَائِكِ يَوْمِ الدِّينِ کی قراءت سے اس خیال سے کہ یہ یا تو منادی  
مَلَائِكِ يَوْمِ الدِّينِ مضاف ہے یا اس کا فعل محذوف ہے۔ اطن کے لیاظ سے لٹ کا زیر علم کامل کے  
لیے ہے۔ لہذا جس نے لٹ پر زیر پڑھا اس نے نہ اپنے آپ کو غمہ کی غلامی میں داخل کیا نہ اور کو۔ برخلاف  
اس کے جس نے لٹ کے نیچے زیر پڑھا کیونکہ زیر آدمیت کے لیے ہے اور آدمیت میں شکم کی طرف سے ادب  
اور عاجزی پائی جاتی ہے۔ مزید برآں آدمیت کا ادب آدمیت کے ساتوں اجزا سے پیدا ہوتا ہے۔ اور  
یہاں آدمیت کا جزو کمال صورت ظاہری ہے جس پر زیر دلالت کرتا ہے۔ لہذا زیر میں جو ادب پایا جاتا ہے اس  
کی وجہ ایک تو آدمیت پر اللہ کا احسان ہے اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی صورت اچھی طرح سے  
بنائی ہے اور مشکم اور غیر مشکم کا خدا کی مالکیت کا اعتراف کرنے سے یہی مراد لی جاتی ہے لیکن زیر والی قراءت  
میں یہ معنی نہیں پائے جاتے۔ اسی لیے یہ قراءت مشہور نہیں ہے۔

عملہ الوجیوة: شرح بن یزید الوجیوة الحمصی، موزن اور قاری بقیے۔ ابن حبان نے انہیں لفظ شمار کیا ہے۔ ان کی دقات

۲۰۳ = ۱۸۱۸ میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۱)

عمر بن عبدالعزیزؓ کی قراءت مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ جس میں ل کو ساکن پڑھا گیا ہے۔  
 قراءت مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ اس کی ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ ل کے زیر کو تخفیف کی غرض سے ساکن کر دیا گیا ہے،  
 جس طرح کِتَفَہ کے ت کو تخفیف کے کَتَفْ پڑھ لیتے ہیں۔ اور اس کی باطنی توجیہ یہ ہے کہ یوں سمجھو  
 کہ یہ الفاظ حق تعالیٰ کی زبان سے نکلے ہیں اور متکلم باوجود طاقت نہ رکھنے کے اللہ تعالیٰ کا نائب بن کر ان الفاظ  
 کو لڑکھڑانے ہوئے ادا کرتا ہے اور اس مفہوم کو ل کا جزم ادا کرتا ہے جو قراءت کے بدلنے کا سبب ہے۔ ان معنوں  
 پر اس کے دلالت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حرف رسالت کو مثلاً ل جو علم کامل کے لیے ہے جب ساکن کیا جائے  
 تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے ماقبل کی حرکت بھی علم کامل کے لیے ہے اور اگر ماقبل کی حرکت جزم  
 کے ساتھ نہ آئے تو علم کامل کے لیے نہیں۔ لہذا ضروری ہوا کہ جب وہ جزم کے ساتھ آئے تو علم کامل کے لیے  
 ہو جیسا کہ یہاں ہے کیونکہ جب لام پر حرکت تھی۔ تو م کی حرکت صدق کے لیے تھی۔ لیکن جزم کے ساتھ یہ علم  
 کامل کے لیے ہو گئی کیونکہ جزم ماقبل کی تاکید کرنے والے کی تختیق کے لیے ہے جس کی وجہ سے جزم ماقبل کی  
 حرکت کو اپنے معنی سے خارج کر دیتی ہے اور حرف کو بھی اپنی حرکت سے نکال دیتی ہے کیونکہ اگر ل پر زبر  
 ہو تو وہ علم کامل کے لیے ہے اور اگر زیر ہو تو کمالِ حسنِ باطنی کے لیے۔ لفظ میں تغیر اور اس میں لرزہ صرف اسی صورت  
 میں پیدا ہوا ہے جب متکلم کی ذات میں اضطراب اور زلزلہ پیدا ہوا۔ اور یہ اضطراب اور زلزلہ اس لیے پیدا ہوا  
 کہ اس نے وہ الفاظ بولے ہیں جن کے بولنے کی اس میں طاقت نہ تھی۔ یعنی یہ کہ اس نے مَلِكِ کی نسبت  
 اپنی ذات سے کر دی جس کی قدرت محض ذاتِ قدیم کو ہے۔ اسی لیے متکلم کی ذات عبودیت کی طرف ہوتی  
 جس طرف ک کا زیر جو آدمیت کے لیے اشارہ کرتا ہے۔ لہذا ل کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے ہے لیکن جب  
 اس سے لفظ میں اضطراب پیدا ہو گیا تو۔

اس نے یہ بھی بتا دیا کہ متکلم کی ذات میں بھی اسی قسم کا اضطراب پیدا ہو گیا ہے اور متکلم کی ذات  
 میں اضطراب اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے اس کی مثال ایک بچے کی سی ہو جو اپنی طاقت سے بڑھ کر  
 اٹھالے۔ اسی واسطے جمہور کی قراءت بہتر اور زیادہ مشہور ہے کیونکہ اس قراءت کے مطابق ذاتِ متکلم اس درجہ  
 تک نہیں گری کہ وہ ناقابل برداشت چیز کو اٹھائے۔ وَاللّٰعَلَمُ

مذکورہ بالا قراءتوں کے کچھ اور قراءتیں رہ گئی ہیں۔ ان میں سے ایک مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ کی قراءت ہے۔ اس  
 علاوہ اور قراءتیں طرح مَلِكِ فعل ماضی ہے اور يَوْمِ الدِّينِ اس کا مفعول اور یہ علی بن ابی طالبؓ کی  
 قراءت ہے۔ اور مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ک پر تنوین والا پیش اور یوم پر زبر اور یہ عاصم جحدریؒ کی قراءت

علی عمر بن عبدالعزیز خلفاء بنی امیہ میں سے ایک خلیفہ ہیں۔ انہیں عمر ثانی کہا جاتا ہے۔ نہایت متقی عابد و  
 زاہد تھے۔ ان کی وفات ۳۵ برس کی عمر میں ۱۰۱ھ = ۷۱۹ء میں زہر دیے جانے کی وجہ سے ہوئی۔ ان کی

مدتِ خلافت دو سال چودہ دن ہے۔ ۱۲

ہے۔ اور مَالِكُ يَوْمَ الدِّينِ ک پر پیش (تنوین کے بغیر) اور یوم کی میم کے نیچے اصناف کی وجہ سے زیر  
ان قراءتوں کے اسرار ان کے حرکات کے اسرار سے معلوم ہو سکتے ہیں اور ان غیر مشہور قراءتوں میں سے کسی ایک  
میں بھی وہ اسرار نہیں پائے جاتے جو دونوں متواتر قراءتوں کے معانی و اسرار کو ادا کر سکیں۔

**آيَاكَ کی مختلف** | سورہ فاتحہ کی قراءتوں کے اختلاف میں ایک اختلاف آیَاكَ میں ہے۔ جمہور نے اسے ہمزہ  
کی زیر پڑھا ہے۔ سفیان ثوری نے آیَاكَ ہمزہ کی فتح (زبر) سے پڑھا ہے۔ اس کی ظاہری

وجہ تو یہ ہے کہ آیَاكَ اور آیَاكَ دونوں لغتیں ہیں لیکن باطنی وجہ یہ ہے کہ زیر کار زاد ہے اور زبر کار زاد اور  
زیر میں اللہ کے سامنے ادب اور انکساری اور اس امر مطلوب میں تواضع پائی جاتی ہے اور متکلم کی اللہ تعالیٰ کی  
عبادت کرنے میں یہی نسبت ہوتی ہے۔ زیر سے یہ معانی یوں مستفاد ہوئے کہ زیر عقل کامل کے لیے ہے  
اور کمال عقل تواضع اور انکساری کا متقاضی ہے کیونکہ اسے علم ہوتا ہے کہ بندہ کا مرتبہ کیسا ہونا چاہیے اور رب  
کا مرتبہ کیسا۔ زبر کار زاد مشاہدہ کاملہ سے حاصل ہوتا ہے جو رسالت کا جزو ہے اور یہ مشاہدہ خدا سے وصل اور  
اجتماع کا احساس دلاتا ہے اور ان دونوں میں ایک قسم کا عاجز کرنا پایا جاتا ہے مگر زیر میں عاجزی پائی جاتی ہے  
اور یہی بات عام مخلوقات کے لیے مناسب بھی ہے۔ اسی وجہ سے زیر والی قراءت زیادہ مشہور اور افضل ہے۔  
اسواری کی | سواری کی قراءت آیَاكَ ہے جس میں ہی پر تشدید نہیں پڑھی گئی بلکہ اسے محقق کیا گیا  
قراءت آیَاكَ ہے۔ قراءت جمہور اور اس قراءت میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف اتنا  
کہ جمہور کی قراءت (آيَاكَ) میں اللہ سے ڈرنے کی تاکید اور اس خوف کے اندر حق گوئی کی تاکید ہے اور یہ  
دونوں امور اللہ سے مضبوط تعلق اور سخت خوف کا تقاضا کرتے ہیں اور یہ بات تخفیف والی قراءت میں نہیں پائی  
جاتی کیونکہ اگرچہ اس میں بھی خوف اور سچائی پائی جاتی ہے اس لیے کہ یہی خوف کے لیے ہے اور اس کا زبردستی  
کے لیے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ پھر بھی تشدید والی قراءت میں زیادہ تاکید پائی جاتی ہے۔

**بعض اہل مکہ کی قراءت لَعْبُدًا** | قراءت کے اختلافات میں سے ایک قراءت اہل مکہ کی ہے کہ انہوں نے دال کو ساکن  
کی قراءت لَعْبُدًا کر کے لَعْبُدًا پڑھا ہے۔ تخفیف کی وجہ وہی ہے جو ابو عمر نے يَأْمُرُكُمْ کی را کو ساکن  
کرنے کی بیان کی ہے۔ باطن کے اعتبار سے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ پیش کار زاد اس مقام پر جزم کے راز کے  
قریب ہے کیونکہ پیش اور جزم دونوں حاسہ ساریہ کے لیے ہیں پھر بھی ان دونوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اس طرح کہ جزم میں پیش  
کار زاد شامل ہوتا ہے اور اس میں اسی قدر زیادتی بھی ہے۔ کیونکہ پیش تو اصل ہے اور جزم اس پر عارضی طوعہ پر واقع ہوتی  
ہے اور اصلی راز عارضی چیز کے پیدا ہونے سے زائل نہیں ہو سکتا اس لیے جزم میں پیش کے مقابلہ میں زیادہ تاکید پائی  
گئی، لیکن چونکہ جزم تو ایک عارضی چیز ہے کبھی آئے گی اور کبھی نہیں اسی لیے پیش زیادہ مشہور اور افضل ٹھہری مزید

(۱) سفیان بن سعید ثوری: انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا ہے۔ نہایت ہی متقی اور عابد و زاہد تھے۔ ان کی پیدائش ۱۲۰ھ

میں کوفہ میں ہوئی اور وفات بمصر میں ۱۸۰ھ میں ہوئی۔



برآں اصلی راز تمام مومنین کے لیے عام ہے اور عارضی راز خاص الخواص ہے۔ اس لیے پیش کی قراءت میں عوام کے لیے قبض عام ہے اور جزم کی قراءت میں خاص لوگوں کے لیے قبض خاص ہے۔

آيَاتُ يُعْبَدُ | ایک اور قراءت آیاتُ يُعْبَدُ کی ہے جس میں يُعْبَدُ کو مجہول پڑھا گیا ہے۔ صیغہ مخاطب کی قراءت سے صیغہ غائب کی طرف التفات کی وجہ سے۔ باطن کے اعتبار سے اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہی کا پیش القباض کے لیے ہے اور جس چیز سے القباض پیدا ہوا ہے وہی اور ع کے معنی کی ضد ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ سے خوف کھنے ہے جس کی ضد عدم خوف یعنی خدا کی نامرمانی ہے۔ ع عنو کے لیے ہے جس کی ضد ظلم اور مبرا برتاؤ ہے۔ لہذا یہ متکلم دونوں جہوں کے معنوں سے منصف ہونے کے بعد ان دونوں برے معنوں سے منقبض ہوا اور یہ القباض اس قدر مضبوط ہوا کہ متکلم کی حالت یہاں تک پہنچی کہ وہ ان عاریتوں میں سے ہو گیا جو اہل جنت کی سی زندگی بسر کرتے ہیں اور یہ حال ان اہل باطن کا ہوتا ہے جو اللہ کی بر مخلوق کی عبادت اور تسبیح کا مشاہدہ کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَرَأَى مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ۔ ہم نے جو یہ نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے جو اہل جنت کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ اس لیے کہا گیا کہ ع کے بعد کہ اہل جنت کی سی زندگی کے معنوں کو ادا کرتا ہے۔ لہذا یہ قراءت صرف عارف لوگ ہی ادا کرتے ہیں۔ حضرت سے فرمایا سعید بن جبیر اس آیت کو اسی طرح پڑھا کرتے تھے کیونکہ وہ اکابر عارفين میں سے تھے لَقَدْ لَعْنَتُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ یہی وجہ ہے کہ اس قراءت والے کو اس بات کی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ اپنے آپ کو اس عبادت میں شامل کرے کہ وہ تو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے کہ کوئی شخص بھی اللہ کی عبادت سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ برعکس قراءت جمہور کے جو ان اور مضارع معرف سے ہے۔ کیونکہ اس صورت میں متکلم اپنے آپ کو عبادت میں شامل کرتا ہے اور اس قراءت میں عارف و غیر عارف سب شامل ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ مشاہدہ ہی کیوں نہ کرے کہ کوئی شخص اللہ کی عبادت سے باہر نہیں رہ سکتا۔ تو اس صورت میں اس کا اپنے آپ کو عبادت میں شامل کرنا لذت حاصل کرنے کے لیے ہوگا اور اگر وہ مشاہدہ نہ کر رہا ہوگا تو تاریخی غیر عارف ہوگا۔ اس کے باوجود جمہور کی قراءت بہتر ہے کیونکہ جب قاری قراءت میں مشغول ہو جائے تو حروف کے معانی کے انوار چمک اٹھتے ہیں اور متکلم کی ذات کو ان انوار سے سیراب کرتے ہیں لہذا اگر وہ ان سے پڑھیں تو اس نے اپنے آپ کو عبادت میں شامل کر لیا اور وہ ان کے معنی سے سیراب ہوگا۔ اور اگر وہ پڑھے گا اور پڑھنے والا غیر عارف ہے تو وہ تو نہیں پان دلالت کرتا ہے اس سے چھوٹ جلتے

علہ سعید بن جبیر: ۳۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ستائیس سال کی عمر میں ۳۷۵ھ میں ابن اشعث کی بغاوت میں جہاج نے انہیں قتل کیا جب اہل کوفہ کو خبر ہوئی اور حضرت عبداللہ بن عباس سے مشاہدہ پوچھتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں؟ وہ کہیں کو اپنے پاس غیبت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ قتل ہونے سے پہلے انہوں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ جہاج کو میرے بعد کسی پرسلطنت نہ ہونے دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جہاج ان کے پندرہ دن بعد مر گیا۔ اس عرصہ میں جہاج کو زندہ آتی تھی۔ جب سونا اور حضرت سعید بن جبیر کے خواب میں آکر پاؤں کو کھینچنے اور اٹھا دیتے۔



گا۔ حالانکہ سورہ فاتحہ کے پڑھنے سے ہماری غرض اسے تمام اوار کے ساتھ پڑھتے سے ہے۔ عارف سے اوار نہیں چھوٹ سکتے کیونکہ وہ خود دیکھ رہا ہوتا ہے کہ کوئی شخص بھی اللہ کی عبادت سے خارج نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ ن والی قراءت تمام امت کے مناسب ہے خواہ وہ عارف ہو یا غیر عارف، برخلاف ہی کی قراءت کے کیونکہ اسے پڑھنے والا ضروری ہے کہ عارف ہو کیونکہ اس کی قراءت میں وہ معافی پائے جاتے ہیں جو یہ ظاہر کرتے کہ اس نے خدا کا حق بھی ادا کیا ہے یعنی اسے خدا سے خوف تا قہ حاصل ہے اور یہ مفہوم ہی سے مستفاد ہوتا ہے اور خلق کا حق بھی ادا کیا ہے یعنی انہیں معاف کرنا، درگزر کرنا اور ان سے برائی نہ کرنا اور یہ مفہوم ع سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر عارف جب ان دو بڑے اہم اخلاق سے مزین ہو چکتا ہے تو ان کی ضد سے منقبض ہوتا ہے اور یہ مفہوم ہی کے پیش اور ع کے جزم سے سمجھ میں آتا ہے اور یہ کیفیت بہت اعلیٰ درجہ کی کیفیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان اوار سے سیراب ہوتا ہے جن سے اہل جنت سیرات ہوتے ہیں تاکہ وہ ان کی سی زندگی بسر کر سکے۔

**قراءت نَعْبُدُ** | اسی طرح بعض نے **تَعْبُدُ** وال کے بعد و کی زیادتی سے پڑھا ہے۔ یہ نافع کی روایت ہے جسے اصہبانی نے درش سے روایت کیا ہے۔ اس کی ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ وال کی پیش کو اشباع کر کے واؤ پڑھا گیا لیکن باطن کے لحاظ سے اس قراءت میں جمہور کی روایت پر واؤ زیادہ کی گئی ہے اور یہاں واؤ حق گوئی سے نہ سترمانے کے لیے اور عدم حياء کے معنی یہ ہیں کہ بندہ نے اپنے الفاظ میں تصریح کر دی تاکہ جب وہ اللہ کے سامنے ہو اس معنی کی تحقیق ہو جائے اور اس کی اس حد تک تاکید کر دی جائے کہ اس میں کوئی شبہ نہ رہے۔ یہ مفہوم اگرچہ ایک اچھا مفہوم ہے مگر اس سے بھی اچھی بات یہ ہے کہ بندہ یہ خیال کر لے کہ اس نے کوئی عمل کیا ہی نہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ خدا ہی اس کا اور اس کے حرکات و سکنات کا خالق ہے۔ یہی وجہ ہے جمہور کی قراءت سے واؤ گرا دی گئی ہے کیونکہ اس مقام پر جیسا کہ عدم حياء سے بہتر ہے کیونکہ اس میں اپنے عمل کو دیکھنا اور اللہ سے بے ادبی پائی جاتی ہے۔ حضرت نے فرمایا واؤ کی قراءت صحیح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جمہور کی قراءت کو ترجیح صرف اس لیے ہے کہ اس کی نسبت ہم سے ہے۔ آنحضرت کے ساتھ نہیں کیوں کہ آنحضرت کی نسبت سے جو قراءتیں آتی ہیں۔ ان کے پیچھے اتنے اوار آتے ہیں، جتنے اللہ چاہتا ہے۔

حضرت نے فرمایا اس قراءت میں واؤ کے بعد الف اس لیے نہیں لکھا جاتا ہے کہ واؤ تو یہاں صرف کلمہ کے معنی کو ثابت کرنے کے لیے آئی ہے، اس لیے اس کے بعد الف زائد نہیں لکھا گیا۔

عاصم اصہبانی: اصہبانی پانچ مشہور بزرگ ہمامے ہیں۔ غالباً یہاں مراد ابراہیم بن اور سے ہے۔ یہ حافظ حدیث اور عالم تھے۔ معرفت اور حافظہ کے اعتبار سے یہ اپنے زمانہ میں اپنی نظیر رکھتے تھے پچیس برس کی عمر میں ۲۶۶ھ = ۸۷۹ء میں وفات پائی۔

یحییٰ بن وثاب کی ان قراءتوں میں سے ایک قراءت یحییٰ بن وثاب کی ہے جنہوں نے لَسْتَعِينُ ن کے نیچے قراءت لَسْتَعِينُ زیر سے پڑھنے سے اس کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ یہ ایک لغت ہے۔ اگرچہ مشہور لغت نون کی زیر سے ہے۔ باطن کے اعتبار سے اس کی وجہ یہ ہے کہ زیر کا راز الگ ہے اور زیر کا الگ۔ اس لیے کہ زیر کی قراءت میں غیر متکلم کو خارج کر دیا جاتا ہے اور یہ بات زیر میں نہیں پائی جاتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زیر جس باطنی کے لیے ہے جو آدمیت کا جزو ہے اور تو معلوم کر چکا ہے کہ آدمیت میں ادب اور انکساری پائی جاتی ہے لہذا زیر کا اشارہ خود اس متکلم کی طرف ہے جس نے عاجزی کی اور با ادب رہا اور چونکہ اس نے اشارہ اپنی طرف ہی کیا ہے اس لیے غیر کو اس سے خارج کرنا لازم ٹھہرا۔ اسی وجہ سے جمہور کی قراءت بہتر ہے کیونکہ وہ زیادہ عام اور زیادہ فائدہ مند ہے۔

حضرت عمر کی قراءت انہی میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قراءت غَيْرُ الْمَغْضُوبِ ہے۔ بعضوں نے غَيْرُ الْمَغْضُوبِ زیر کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور یہ ابن کثیر کی سند سے خلیل بن احمد کی قراءت ہے۔ خلیل سے جمہور کی زیر والی قراءت بھی مروی ہے۔ نحوی اعتبار سے اس کی توجیہ ظاہر ہے اور باطن کے اعتبار سے ان کی توجیہ تینوں حرکات کے راز کے مطابق ہوگی۔ پتا نہچہ زیر آدمیت کے لیے ہے جو یہاں کمال صورت باطنی کے لیے ہے اور اس میں بہت ادب پایا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زیر کی صورت میں مغضوب علیہم کی تعبیر پائی جاتی ہے اور ایک اور اشارہ یہ ہے کہ وہ ہماری ہی جنس میں سے ہیں نہیں بلکہ ہمارے ہی رشتہ داروں اور اصل میں عمزادوں میں سے ہیں۔

کو زیر سے پڑھا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جن پر تیرا غضب ہوا مثلاً یہودی اور وہ ہمارے اقارب میں سے ہیں لیکن اس کے باوجود خدا یا تو نے ہم کو ان پر فضیلت اور ہدایت دے کر ان سے ممتاز کر دیا لہذا ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں۔ لہذا اس میں بڑا بھاری ادب پایا جاتا ہے۔ اسی واسطے جمہور نے اسی طرح پڑھا ہے۔ پیش کی قراءت میں بھی مغضوب علیہم کی تعیین اور تخصیص ایک معین قوم سے کی گئی ہے اور ساتھ ہی ان سے نفرت، ان سے دُوری اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے اور یہ پیش کا راز ہے کیوں کہ ضمت قبض، ضد سے نفرت اور بیزاری کے لیے ہے۔ لہذا اس میں وہ انکساری نہیں پائی جاتی جو زیر میں پائی جاتی ہے۔

زیر کی قراءت (غیر) میں مغضوب علیہم کی تعیین نہیں اور کلام اپنے عموم پر قائم رہتا ہے اور

علیٰ یحییٰ بن وثاب: اسدی کوئی تھے۔ یہ مشہور قاری ہیں۔ ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ سے روایت کی۔ جب مسجد میں قرآن مجید پڑھنے آتے تھے ناچھا جاتا۔ ان کی وفات ۳۱ھ = ۶۴۱ء میں ہوئی۔

علیٰ خلیل بن احمد فراہیدی: مشہور نحوی اور لغوی گذرے ہیں۔ ان کی کتاب العین عربی لغت کی پہلی کتاب خیال کی جاتی ہے۔ خلیل علم عروض عربی کے بھی موجد ہیں۔ ان کی وفات ۱۵۱ھ = ۷۶۹ء میں ہوئی۔

پہلی دو قراءتوں میں عام سے مراد وہ عام ہو گا جس سے خاص مراد لیا جاتا ہے۔  
**الوایوب سختیانی کی** ان میں ایک قراعت **الوایوب سختیانی** کی قراعت **وَلَا الضَّالِّینَ** کی قراعت ہے۔  
**قراعت وَلَا الضَّالِّینَ** جس میں الف کو ہمزہ ساکن میں تبدیل کر دیا گیا ہے اس کی وجہ ظاہری یہ ہے کہ یہ  
 ایک نہایت شاذ لغت ہے۔ باطنی وجہ یہ ہے کہ ہمزہ بھی امتثال کے لیے ہے۔ اور اس کا جزم بھی امتثال  
 کے لیے ہے چنانچہ اس میں دو قبض پائے گئے۔ ایک ہمزہ کا اور دوسرا حرکت کا اور یہ قبض امتثال کا قبض ہے۔  
 اور امتثال سے مراد یہ ہے کہ ہم اس قول کو مان لیں کہ گمراہ لوگ ہمارے دشمن ہیں لہذا اس ہمزہ کی مثال ایسی ہوئی جیسے  
 کہ کوئی کہے نہ گمراہ لوگوں کی اور وہ ہمارے دشمن ہیں۔ ہمزہ ساکن یہاں پر اس جملہ کے قائم مقام بٹھری۔ اس کے  
 بلو جو دھبہ کی قراعت اس سے بہتر ہے کیونکہ الف محدودہ اور اس کے مراتب میں وہ معانی پائے جاتے ہیں  
 جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے جن کے ایک حصہ کو بھی یہ قراعت ادا نہیں کر سکتی۔

یہ تمام اس کلام کا خلاصہ ہے جو ہم نے شیخ سے ان قراءتوں کی تفسیر اور ان کی توجیہ کے بارے میں سنا۔ ان  
 کے علاوہ اور قراءتیں بھی ہیں جن کا ذکر آئمہ قراء نے کیا ہے اور شیخ نے ان کے علاوہ اور قراءتوں کا بھی ذکر کیا  
 تھا جن کا ذکر میں نے اس خیال سے نہیں کیا کہ کہیں لوگ اکتانہ جائیں کیوں کہ اگر میں اس مسئلہ کی تفصیلات  
 میں جاتا اور جو معلومات حضرت کے بطن میں تھیں، ان کو تمام کو لکھنا چاہتا تو وہ کئی جلدوں میں بھی سما نہیں  
 سکتی تھیں۔

شیخ کے مذکورہ بالا بیان میں کئی ایک نکات پائے جاتے ہیں جن کا ہم ذیل میں ذکر کیے دیتے ہیں۔  
 ۱۔ مقام نبوی صلی پہلی بات جس سے مطالعہ کنندہ کو آگاہ ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ حضرت کے منور کلام  
**اللہ علیہ وسلم** میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کی تشریح اور آپ کے قلب و جسم مبارک کے اسرار کے  
 بلند مقام کے متعلق تنبیہ پائی جاتی ہے۔ اور اسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ مقام کا پتہ چلتا ہے کیونکہ  
 انہیں اجزاء کے نور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف میں پائے جاتے ہیں۔ کسی اور میں نہیں پائے  
 جاتے۔ اس لیے آپ کی ذات میں ان کے حقائق و الوار مکمل طور پر پائے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے  
 کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے اور زیادہ محبت ہو جائے تو اسے چاہیے کہ ان انچاس اجزاء کو ایک ایک  
 کر کے آپ کے پہلو میں رکھے، پھر ان سب الوار کو مرکب کر کے ایک ہی نور بنا دے تو اُسے بہت بڑا نور دکھائی دے گا

علہ ابو بکر ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی مگر کتاب میں **الوایوب** دیا ہے۔ تابعی ہیں۔ بہت پایہ کے  
 عالم تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے حدیث کی روایت  
 حسن بصری، سعید بن جبیر وغیرہ سے کی اور ان سے شعبہ، سفیان ثوری، سفیان عیینہ، حماد بن زید  
 حماد بن سلمہ وغیرہم نے روایت حدیث کی۔ ۶۶۵ھ = ۶۸۵ھ میں ان کی پیدائش ہوئی اور ۱۳۱ھ =  
 ۷۴۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔



جس کی نہ کیفیت بیان کی جاسکتی ہے۔ اور نہ کوئی دوسرا شخص ان کو برداشت کرنے کی طاقت رکھ سکتا ہے۔ پھر ان الوار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن میں رکھے تو اسے بالضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت زیادہ ہو جائے گی۔ اور اس طرح اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری اور باطنی صورت کی تشریح بھی ہو جائے گی۔

۲۔ شرح حال روح | آپ کے بیان میں جو دوسری بات پائی جاتی ہے۔ وہ رُوح کے حال کی تشریح

اس کے خصال حمیدہ اور عجیب و غریب اوصاف کا بیان ہے۔ رُوح کے اوصاف یہ ہیں۔ ذوق، تمیز، بصیرت، عدم غفلت، قوتِ سر بیان اور حیم کا آزار رساں اشیاء کو محسوس نہ کرنا۔ لہذا جو شخص ان اوصاف کو جان لے اور ان معانی کو اچھی طرح سمجھ لے تو اسے رُوح کے متعلق بمعہ اس کے لوازمات اور خواص کے بہت سی معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ لوگوں میں رُوح کے متعلق مسخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ میں تو اس بحث میں پڑنا ہی نہیں چاہتا لہذا اس نے اس بحث کا دروازہ ہی بند کر دیا۔ اور کچھ لوگ اس کی بحث میں پڑتے ہیں اور اس بات کے مدعی ہیں کہ رُوح کے متعلق انہیں معلومات حاصل ہیں، اس کے باوجود انہوں نے رُوح کے خواص کا ذکر نہیں کیا، جس کی وجہ سے لوگوں کی عقلیں حیران رہ گئیں مگر حضرت کا کلام رُوح کے خواص اور لوازمات کو نہایت عمدہ طور پر بیان کرتا ہے لہذا جو شخص اس بحث میں پڑنا چاہے تو اسے بھی شیخ کا مسدک اختیار کرنا چاہیے۔ اب رہی یہ بات کہ رُوح کیا چیز ہے؟ اس کی ماہیت کیا ہے؟ رُوحوں کا ہم جنس یا مخالف ہونا کیسے

ہوتا ہے اور اجسام میں داخل ہونے سے پہلے ارواح کی کیا کیفیت تھی؟ تو ان کے متعلق ہم نے شیخ سے نہایت عجیب و غریب باتیں سنی ہیں جن میں سے ہم بعض کا ذکر کتاب میں کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ

۳۔ معارف اولیا | آپ کے کلام میں جو تیسری بات پائی جاتی ہے وہ اولیاء اللہ کے معارف کی تشریح ہے۔

کی شرح | جس سے دلایت اور عرفان کا پتہ چلتا ہے کہ یہ کیا ہیں؟ کیونکہ ولی اور غیر ولی میں اس وقت تک فرق معلوم نہیں ہو سکتا جب تک کہ ولی کی ذات اور رُوح کا درمیانی پردہ نہ اٹھ جائے لہذا جس کی ذات پر رُوح کے اسرار کھل جائیں اور ان کے درمیان کا پردہ زائل ہو جائے وہی ولی عارف اور صاحبِ فتح کہلائے گا۔ اور جس کی ذات رُوح سے حجاب میں رہے تو وہ ایک عامی شخص ہے خواہ وہ ہوا میں ہی کیوں نہ اڑ سکتا ہو یا پانی پر ہی کیوں نہ چل سکتا ہو مگر میں ان تمام باتوں کا ذکر کروں جو میں نے حضرت سے اس بارے میں سنی ہیں تو کلام طول پکڑ جائے گا۔ شاید ہم آئندہ چل کر کچھ باتیں کتاب میں درج کریں۔ وَاللَّهُ اعْلَمُ۔

۴۔ شرح حدیث انزل | جو تھی بات حدیث شریف کی شرح ہے، جسے حضرت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

الْقَلْبُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَافٍ کے الوار باطنی اور اسرار قلبی کے مطابق بیان فرمایا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نبی کریم اور رسول عظیم ہیں۔ آپ کا باطن بھی بہت بڑا باطن ہے اور آپ کا قلب مبارک الوار سے مالا مال

ہے اور قرآن مجید آپ کے اس بڑی صفت والے دل پر نازل ہوا ہے چنانچہ حضرت کی بیان کردہ تفسیر ان تمام



اسرار کو پورا کر رہی ہے اور ان تمام اوزار پر شامل ہے۔

اب رہی حدیث کی ظاہری شرح اور اسے ظاہری عبارت اور عربی زبان کے مطابق پیش کرنا، تو یاد رکھنا چاہئے کہ اس قسم کی شرح کو مقام نبوت اور مقام رسالت کے ساتھ کوئی نسبت نہیں کیونکہ اسرار باطن کے اختلاف کے بغیر لفظی اختلافات صرف اس باطن میں پیدا ہوتے ہیں جو اسرار سے عاری ہو۔

اس سے بھی زیادہ عجیب تفسیر اس شخص کی تفسیر ہے جس نے سات حرفوں کی تشریح حلال، حرام، وعدہ، وعید، استخبار اور ندا سے کی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا۔ لہذا تم جتنا آسانی سے پڑھ سکو، پڑھ لو۔ اور نہ ہی صحابہ کے لیے یہ مناسب تھا کہ وہ ان معانی میں آپس میں جھگڑتے۔ اسی طرح جنہوں نے اس کی تشریح امر۔ نہی وعدہ، وعید وغیرہ سے کی ہے، وہ بھی درست نہیں۔ الغرض عاقل و ذکی آدمی پر حق بات مخفی نہیں رہ سکتی۔

۵۔ آئمہ قراء اور حضرت اگر آئمہ قراء کی بیان کردہ سات قراءتوں کی توجیہ اور حضرت کے بیان کا غور سے مطالعہ کے بیانات میں فرق کیا جائے تو دونوں میں نمایاں فرق ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ جو کچھ آئمہ قراء نے بیان کیا ہے اگرچہ وہ اپنی جگہ پر درست ہے لیکن وہ تو ایک عام بات ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمارے نبی ہونے کی حیثیت میں کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ مَلِكٌ يَوْمَ الدِّينِ میں لام کی جزم والی قراءت میں جو توجیہ انہوں نے بیان کی ہے کہ لام کی جزم عَضُد اور كَتَف کی طرح تخفیف کے لیے ہے وہ تو تمام عربی کلام میں پائی جاتی ہے چنانچہ یہی بات عَضُد اور كَتَف میں موجود ہے، حالانکہ یہ دونوں لفظ قرآن مجید میں نہیں پائے جاتے۔ کجا یہ توجیہ اور کجا حضرت کے بیان کردہ اسرار۔

اسی طرح اِيَّاكَ يُعْبَدُ جہاں يُعْبَدُ مضارع مجہول ہے، اسی جو قراء نے توجیہ کی ہے کہ یہاں التفات ہے مخاطب سے غائب کی طرف تو سب جانتے ہیں کہ التفات عام عربوں کے کلام میں پایا جاتا ہے لہذا یہ توجیہ حضرت کے بیان کردہ اسرار کا کیسے مقابلہ کر سکتی ہے جہاں انہوں نے ی اور اس کی مخصوص حرکت ع اور اس کی مخصوص جزم کاراز بیان کیا ہے اس کے بعد ب اور اس کے مخصوص زبر اور دال اور اس کی مخصوص حرکت کاراز بیان کیا ہے۔

۶۔ کہیں کوئی یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ قرآن مجید کی تفسیر انہی سات باطنی حروف سے ہو سکتی ہے اور اس میں علوم اولیٰ و آخرین مندرج ہیں اور یہ سات باطنی حروف ان معانی کے لیے

بمنز للباس کے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ معنی ایک الگ چیز ہے اور اس کا لباس الگ۔ سورۃ فاتحہ کی مذکورہ بالا تشریح میں غور کرنے سے اس کا ہتھوڑا سا نقشہ ذہن میں آجائے گا۔ اور قرآن مجید کی اس کے حقیقی معنوں میں تفسیر کی جائے تو قرآن مجید کے ظاہری اور باطنی دونوں معنی معلوم ہو جائیں گے اور اس کے باطن سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا

کہ جسم میں داخل ہونے سے پہلے ارواح کی کیا کیفیت تھی، اور جسم سے مفارقت کے بعد اس کی کیا کیفیت ہو جائے گی۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ قرآن مجید سے ان تمام علوم کا استخراج کیسے ہو سکتا ہے جن پر زمین و آسمان کے رہنے والوں کے علوم مشتمل ہیں اور اس سے شریعت محمدیہ نہیں بلکہ تمام شرائع کا استخراج کس طرح ہو سکتا ہے اور اسی طرح ان تمام معارف کا استخراج جن کی طرف ہم نے اجزاء علم میں اشارہ کیا ہے مثلاً انجام کی معرفت، علوم متعلقہ باحوال کونین کی معرفت، علوم متعلقہ باحوال ثقلین کی معرفت اور تمام لغات کا جاننا وغیرہ وغیرہ اور یہ سب کچھ آنحضرت کے باطن کے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ اگر قرآن کریم کو اس طریقے پر سمجھا جائے، پھر اس تعبیر کو ان سات حروف کے انوار سے ملا دیا جائے اور معانی کو ان کا لباس پہنا دیا جائے تو ایسی باتیں ظاہر ہوں گی جن کے سننے سے عقلمندان ہوجائیں گی۔ تب جا کر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اگر زمینوں اور آسمانوں کے لوگ مل کر قرآن کی سی ایک سطر بھی پیش کرنے کی کوشش کریں تو نہ کر سکیں گے لہذا پاک ہے وہ خدا جس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اسرار کے ساتھ مخصوص کیا جن کی نہ کیفیت بیان کی جاسکتی ہے اور نہ ان کی کوئی شخص طاقت رکھ سکتا ہے۔ حروف ملفوظہ کے اسرار کا قرآن کے حروف تملظیہ کے اسرار کا علم اور ہر حرف کا ایک سر خاص سے مخصوص ہونے علم سوائے اصحاب کشف کی وجہ مثلاً امثال کے لیے ہے اور یہ سکینت کے لیے ادرت کمال جس ظاہری کے کسی کو نہیں ہو سکتا کے لیے وغیرہ بجز اہل فتح اور صاحب عرفان اور ارباب شہو کے کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اعرابی حرکات کا خاص خاص اسرار کیساتھ متصف ہونا بھی بغیر فتح و عرفان کے ناممکن ہے کیوں کہ اگر ان اسرار و تخصیصات کا کوئی ضابطہ ہوتا تو لوگ ان اسرار کو مسلماً کر لیتے لہذا اگر کوئی ان سے واقف ہونا چاہے تو وہ ارباب شہو و عرفان سے بلاشبہ گفتگو کرے اور ان سے ہر حرف اور ہر حرکت کا راز دریافت کرے انشاء اللہ جس تک سائی ہوگی۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

۴۔ قرآن مجید کا رسم الخط | اخصواں یہ کہ قرآن مجید کا رسم الخط توقیفی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسی طرح توقیفی ہے۔ اصطلاحی نہیں لکھا گیا تھا اور اس کے خاص اسرار ہیں جن سے رسم قرآن کے متعلق اشکالات رفع ہو جاتے ہیں۔ جب اکثر لوگوں نے اسے صحابہ کی اصطلاح سمجھ لیا تو وہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ اصطلاح درست ہے اور اس میں اسرار رکھے ہوئے ہیں جن میں بعض کو ہم سمجھتے ہیں اور بعض کو ہم نہیں سمجھتے۔ پس جن کو ہم سمجھتے ہیں وہ ان آیات و احکام کی طرح ہیں جن کے معانی سمجھ میں آسکتے ہیں اور جن کو ہم نہیں سمجھتے وہ ہنر دانوں درست ہیں لیکن ان کے ذہن سے یہ خیال نکل گیا کہ اتباع تبعی صرف احکام الہیہ میں ہی ہوتا ہے لوگوں کی تجویز کردہ اصطلاح میں اتباع تبعی نہیں ہوا کرتا اور اتباع تبعی جس کا ذکر انہوں نے کیا ہے۔ وہ صرف رسم خط کو توقیفی ماننے کی صورت میں ہے۔ مذکورہ اصطلاح ماننے کی صورت میں ایک جماعت نے اسے اصطلاح قرار دینا صحیح نہیں سمجھا اور علماء تبعی وہ امور ہیں جن کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں مگر بلا چون و چرا ان پر عمل کرنے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ عرب کتابت سے واقف نہ تھے اس لیے انہوں نے غلطی سے الفاظ کو جس طرح چاہا لکھ لیا اور فراء کے مذکورہ بالا قول کا مطلب بھی یہی ہے۔ ابو اسحق ثعلبی مفسر نے الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا کے تحت فراء کے اس قول کو نقل کیا ہے۔ ولی الدین ابن خلدون نے اپنی تاریخ کبیر کے مقدمہ میں بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔

۹۔ دو اعتراض اور انوں تکنتہ دو سوالوں میں پایا جاتا ہے جو میں نے حضرت سے کیے۔

### ان کا جواب

پہلا سوال تو یہ تھا کہ میں نے عرض کیا آپ نے فرمایا ہے کہ ہم نے حروف کو انوار باطنیہ پر تقسیم کیا ہے چنانچہ ان میں سے مثلاً ث، ظ، م، ص، ع، آد میت کے لیے نکلے۔ ث، ش، ہ، قبض کے لیے اور ث، م، س، لبس کے لیے اور ج، ح، ک، ص، ع، ت، نبوت کے لیے اور خ، ذ، ط، ق، لا روح کے لیے اور ذ، ف، علم کے لیے اور ب، ن، ل، و، رسالت کے لیے۔ مگر یہی حروف عام لوگوں کے کلام میں بھی تو پائے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کے ساتھ مخصوص نہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ جس کلام میں بھی یہ حروف پائے جلتے ہوں اس میں یہ سات انوار بھی پائے جائیں گے، حالانکہ یہ شان تو صرف قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہے، عام کلام کا تو ذکر ہی کیا۔ دیگر آسمانی کتابوں کی بھی یہ شان نہیں ہو سکتی کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ دیگر کتب سماویہ ایک دروازے سے اور ایک حرف پر اترا کرتی تھیں مگر قرآن مجید سات دروازوں سے سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ الخ

حضرت نے اسکے جواب میں فرمایا کہ حروف کی یہ تقسیم صرف قرآن مجید کے حروف کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی اور کلام کے حروف کے لیے ثابت نہ ہوگی۔ لہذا ہر ہمزہ قبض کے لیے نہیں ہے اور نہ ہر ب سکینت کے لیے اور نہ ہر ت کمال حواس ظاہرہ کے لیے اور نہ ہر ج صبر کے لیے اور نہ ہر ح رحمت کے لیے اور نہ ہر خ ذوق انوار کے لیے بلکہ ان حروف کے لیے ان انوار کے ہونے کی شرط یہ ہے کہ یہ حروف قرآن مجید میں

ع۱۔ ابو اسحق ثعلبی مفسر: ابو اسحق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی نیشاپوری۔ ان کی وفات ۳۲۶ھ = ۹۳۵ء میں ہوئی ان کی تفسیر کا نام الکشف والبیان فی تفسیر القرآن ہے۔

ع۲۔ فراء: الکسانی عمار شاگرد ادب مشہری۔ بہت بڑا مخوی اور لغوی تھا۔ اس نے ۸۲۲ھ = ۴۲۰ء میں وفات پائی۔

ع۳۔ ولی الدین ابن خلدون مشہور مورخ جس کے مقدمہ نے دنیا میں بہت شہرت حاصل کی ہے ۸۳۲ھ = ۱۴۳۰ء میں پیدا ہوا اور ۸۳۲ھ = ۱۴۳۰ء میں وفات پائی۔

ع۴۔ ابن مسعود: اصل نام عبداللہ، یہ مشہور عبادہ میں سے ہیں اور صحابی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زاد تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلیہ، مسواک، نعین اور وضو کے پانی کا انتظام سفر میں انہیں کے سپرد تھا۔ آنحضرت حجرت مبارک میں آتے تو پہلے یہ داخل ہوتے۔ آپ کے پاؤں سے جو اتار کر بازو میں ڈال لیتے۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں ۳۲ھ = ۶۵۲ء میں ان کی وفات ہوئی۔



پائے جائیں، تب ان کے یہ الزاموں کے لیکن اگر یہ حروف قرآن مجید کے علاوہ کسی اور کلام میں ہوں گے تو اس صورت میں ان کی تقسیم اور طرح سے ہوگی۔ اس طرح کہ انتہی کے انتہی حروف آدمیت کے سات اجزاء میں محصور ہوں گے چنانچہ کمال صورت باطنی تو ہر حرف کے لیے۔ اسی پر وہ نور نکلیں گے اور اسی کے نور سے ان کی آوازیں پیدا ہوں گی اور ذکر و تہ پیش کے لیے اور کمال صورت ظاہری زبر کے لیے اور کمال عقل نہیر کے لیے اور کمال حس باطنی حزم کے لیے اور الف ممدودہ کے لیے نزع حظ شیطان اور ی ممدودہ کے لیے کمال حواس ظاہرہ۔ رداد کا ممدودہ کچھ حصہ نزع حظ شیطان کا لبتا ہے اور کچھ حصہ کمال حواس ظاہرہ کا۔ یہ ان حروف کی تقسیم ہے جو قرآن مجید کے علاوہ دیگر کتب سماویہ، احادیث قدسیہ وغیرہ اور دیگر لوگوں کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ باقی چھ حروف یعنی قبض، بسط، نبوت، رزح، علم، رسالت کے الزاموں میں راکد وساکن ہوں گے اور وہ چمکتے نہیں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ چھ الزام تو تمام پیغمبروں کی ذات میں موجود ہوتے ہیں۔ لہذا جب کوئی کتاب ان پر نازل ہوگی تو یہ ضرور ہوگا کہ وہ کتاب ان الزام کے ساتھ نازل ہو۔ اس صورت میں وہ کتاب بھی سات حروف پر نازل ہوئی ہوگی۔

حضرت نے جواب دیا کہ یہ درست ہے کہ یہ چھ الزام دیگر پیغمبروں کی ذات میں بھی اسی طرح موجود ہوتے ہیں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جب آپ احادیث قدسیہ یا دیگر احادیث بیان فرماتے ہیں مگر ان الزام کے وجود سے ان کا شتمل ہونا اور اسرار کا پایا جانا لازم نہیں آتا۔ ان کے الزام صرف اس وقت چمکتے ہیں جب یہ قرآن مجید میں ہوں کیونکہ ان میں ایک راز اس حکم کا ہوتا ہے جس کے متعلق آیت نازل ہوئی ہوتی ہے اور دوسرا راز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ہوتا ہے۔ مگر دوسری کتب سماویہ ستر ثانی کا مرتبہ رکھتی ہیں کیونکہ ان میں آنحضرت کی ذات نہیں پائی جاتی اسی لیے احادیث نبویہ کا مرتبہ ستر اول کا مرتبہ ہے اس طرح دوسرے ستر میں حضرت نے ستر اول اور ستر ثانی کی ایسی تشریح کی تھی جس کا علم کشف اور علم لدنی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضرت نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے جس کا مقابلہ نہ اس کی نظم میں، نہ ترکیب میں اور نہ معانی میں ہو سکتا ہے، برخلاف دیگر کتب سماویہ کے کہ ان کا مقابلہ نظم اور ترکیب میں ہو سکتا ہے۔ مگر معانی میں نہیں ہو سکتا جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام قدیم میں سے ہیں۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

کلام شیخ اور احادیث | دوسرا سوال حضرت کی بیان کردہ تفسیر اور ان احادیث میں تطبیق دینے کے متعلق میں تطبیق

کو بیان کرتے ہیں پھر ان میں تطبیق دینے کی طرف رجوع کریں گے۔

ان میں سے ایک حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے جو ہشام بن حکیم کے ساتھ پیش آئی اور یہ حدیث متفق

علیہ ہے اور اس کا قصہ بھی مشہور ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے

عہ ہشام بن حکیم: ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ۲۵۴ میں اپنے باپ کی زندگی میں وفات پائی۔ صحابی ہیں۔



ابن حجر کہتے ہیں کہ طبری کے ہاں اسمعیل بن عبداللہ بن ابی طلحہ عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی ہے کہ ایک شخص نے قرآن مجید پڑھا اور حضرت عمرؓ نے اس کی اصلاح کی۔ پھر دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فیصلہ کے لیے حاضر ہوئے۔ اس شخص نے عرض کیا: یا رسول کیا آپ نے مجھے اس طرح نہیں پڑھایا؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں رادی کتا ہے کہ حضرت عمر کے دل میں پریشانی سی پیدا ہو گئی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کے چہرہ سے پہچان گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی چھانی پر ہاتھ مار کر کہا "شیطان کو نکال دو"۔ یہی الفاظ تین مرتبہ فرمائے۔ اس کے بعد فرمایا: اے عمر قرآن سب ٹھیک ہے۔ جب تک کہ رحمت کے الفاظ کو عذاب اور عذاب کے الفاظ کی رحمت نہ بنا دیا جائے۔

دوسری حدیث ابی بن کعبؓ کی ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا ایک اور آدمی آیا اور اس نے سورہ نخل پڑھنی شروع کی مگر اس کی قراءت میری قراءت سے مختلف تھی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو میں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس نے یہ سورت پڑھائی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ رسول اللہ نے پھر ایک اور آدمی نے آکر نماز پڑھنی شروع کی۔ اس نے بھی سورہ نخل پڑھنی شروع کی۔ اور اس کی قراءت ہم دونوں کی قراءت سے مختلف تھی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو میں نے پوچھا تجھے یہ سورت کس نے پڑھائی۔ اس نے بھی یہی جواب دیا کہ رسول اللہ نے۔ اس پر میرے دل میں اس قدر سخت شک و شبہ پیدا ہو گیا کہ جاہلیت میں پیدا نہ ہوا تھا۔ پھر میں ان دونوں کو پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان سے سورہ نخل پڑھوئیے۔ آپ نے ایک کو پڑھنے کے لیے فرمایا۔ جب اس نے پڑھ کر سنایا، تو آپ نے فرمایا: "بہت خوب!" اس پر میرے دل میں اس قدر شک و شبہ پیدا ہو گیا کہ جاہلیت میں پیدا نہ ہوا تھا۔ پھر آپ نے دوسرے کو پڑھنے کے لیے فرمایا۔ جب اس نے پڑھا تو اسے فرمایا "بہت خوب" اس پر میرے دل میں اور شک پیدا ہو گیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مار کر فرمایا "اے ابی میں تمہیں اس شک سے

عہ ابن حجر الحسقلانی مشہور محدث اور شارح بخاری، ان کی بخاری کی شرح جو فتح الباری کے نام سے مشہور ہے۔ اہل علم کے ہاں بہت مقبول ہوئی۔ ان کی دوسری مشہور کتاب اصحاب فی تمییز الصحابہ ہے۔ ان کی وفات ۴۲۹ھ = ۱۰۳۳ء میں ہوئی۔

عہ طبری: ابو جعفر محمد بن جریر الطبری مشہور محدث مفسر اور مورخ، ان کی پیادش آل میں ۲۳۹-۲۳۸ھ = ۸۵۲ء میں ہوئی۔ اور وفات ۳۲۰ھ = ۹۳۱ء میں ہوئی۔

عہ اسمعیل بن عبداللہ انصاری مدینہ کے معتبر تابعین میں سے تھے۔ امام مالکؒ انہیں بہت ہی زیادہ معتبر سمجھتے تھے۔ ان کی وفات ۱۳۲ھ = ۷۴۹ء میں ہوئی۔

عہ ابی بن کعبؓ مشہور صحابی اور تابعی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ کے حکم سے سورہ بقرہ اول سے آخر تک پڑھ کر سنائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے اور ان صحابہ میں سے تھے۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ کے عہد میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ ان کی وفات ۱۹ھ = ۶۴۰ء میں ہوئی۔

خدا کی پناہ میں لے جاتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے آکر کہا کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو حکم ہے کہ قرآن کو ایک ہی حرف پر پڑھا جائے۔ میں نے کہا: خدا یا میری اُمت سے تخفیف کر دی جائے۔ جبرئیل پھر آئے اور کہا کہ اللہ کا حکم ہے کہ قرآن کو دو حرفوں پر پڑھا جائے۔ میں نے پھر کہا: خدا یا میری اُمت سے تخفیف کر دی جائے۔ جبرئیل پھر آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ قرآن کو سات حرفوں پر پڑھا لیا جائے اور ہر حرف کے عوض میں آپ کی ایک درخواست منظور کی جائے گی۔ (الحديث)

اس حدیث کو حارث بن اسامہ نے ان الفاظ میں اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ اس کا تذکرہ ابن الجزری نے النشر میں کیا ہے۔ ابی بن کعب سے مسلم کی روایت یوں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفار (رضین کے لیے زیبا اور فخریہ) کے تالاب کے پاس کھڑے تھے کہ جبرئیل آپ کے پاس آئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ اپنی اُمت کو ایک حرف پر قرآن مجید پڑھا لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: میں خدا سے عافیت اور مدد کی درخواست کرتا ہوں کیونکہ میری اُمت یہ برداشت نہ کر سکے گی۔ پھر جبرئیل نے دوبارہ آکر دو حرفوں پر پڑھنے کی اجازت دی۔ آپ نے وہی پہلے الفاظ دہرائے۔ پھر جبرئیل تیسری بار تین حرفوں کی اجازت لے کر آئے آپ نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔ جبرئیل چوتھی مرتبہ آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ قرآن کو سات حرفوں پر پڑھا جائے۔ آپ کی اُمت جس حرف پر بھی پڑھے ٹھیک ہے۔

صحیح مسلم میں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کے سلسلہ سے ابی بن کعب کی ایک روایت اس طرح ہے۔  
ابی بن کعب کہتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک آدمی نے آکر نماز پڑھنی شروع کی اور اس طرح قرآن مجید کی قراءت کی جسے میں نے ناپسند کیا۔ پھر ایک اور آیا اور اس نے کسی اور طرز میں پڑھنا شروع کیا۔ نماز پڑھنے کے بعد ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص نے قرآن کو اس طرح پڑھا جسے میں نے پسند نہیں کیا۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے پہلے سے بھی مختلف قراءت پڑھی۔ آنحضرت نے دونوں کو پڑھنے کے لیے فرمایا اور آپ نے دونوں کی قراءت کو پسند فرمایا۔ ابی کہتے ہیں کہ میرے دل میں جاہلیت کے زمانہ سے بڑھ کر

حارث بن اسامہ: کتب میں ان کا نام اسی طرح دیا گیا ہے مگر دراصل ان کا نام حارث بن محمد بن ابی اسامہ ہے۔ کشف الظنون میں بھی یہی نام دیا ہے۔ یہ حافظ حدیث اور مؤلف مسند ہیں۔ ان کی پیدائش ۳۷ھ = ۶۵۷ء میں ہوئی اور ستائیس سال کی عمر میں ۶۷ھ = ۶۸۶ء میں وفات پائی۔ یہ محتاج کھنے اور ان کی بہت بیٹیاں تھیں اس لیے روایت حدیث کی اجرت میں پیسے لیا کرتے تھے جس کی وجہ سے بعض نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ (ذہبی ج ۲: ۱۷۶)

مسلم: مسلم بن حجاج ۳۷ھ = ۶۵۷ء میں پیدا ہوئے اور ۶۷ھ = ۶۸۶ء میں وفات پائی۔ ان کی صحیح مسلم کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔  
حارث بن اسامہ: حارث بن ابی لیلیٰ: ان کا پاپا ابو لیلیٰ کا بیٹا تھا۔ بعض نے کہا ان کا نام اسامہ ہے۔ ان کی اپنی کنیت ابو عیسیٰ تھی۔ ان کی وفات ۶۷ھ = ۶۸۶ء میں ابن اشعث کے واقعہ میں ہوئی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ بصرہ کی نبر میں غرق ہو گئے تھے۔

شکوہ پیدا ہو گئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر دست مبارک مارا جس سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں خوف کے مارے اللہ کی طرف دیکھ رہا ہوں پھر فرمایا "اے ابی! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کو سات حروف پر پڑھوں۔"

اس حدیث میں طبری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: میرے دل میں شیطانی دوسوسہ داخل ہو گیا یہاں تک کہ میرا چہرہ سُرخ ہو گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا: خدا یا! شیطان کو اس سے دُور کر دے۔

طبری کی ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اُبی اور ابن مسعود کے درمیان پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم دونوں خوب ہو اور تم دونوں ٹھیک پڑھ رہے ہو" اُبی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ہم دونوں تو ٹھیک ہو سکتے تھے اس پر آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا۔ الخ۔

اسی طرح عمرو بن العاص کی حدیث کہ ایک شخص نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی تو عمرو نے کہا یہ آیت تو اس طرح ہے۔ پھر بعد میں اس نے اس کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آنحضرت نے فرمایا کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے ان میں سے جو بھی پڑھ لو ٹھیک ہے۔ لہذا اس میں جھگڑا نہ کیا کرو۔ اس حدیث کو احمد نے سند حسن سے روایت کیا ہے۔

احمد۔ ابی عبید اور طبری میں ابو جہیم کی یہ حدیث ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں دو شخصوں کا اختلاف ہو گیا۔ ان میں سے ہر ایک یہی کہتا تھا کہ اس نے یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی تھی۔ اس کے بعد اسی طرح ذکر کیا جس طرح عمرو بن العاص کی حدیث میں گزر چکا۔

عمر بن العاص: مشہور صحابی ہیں۔ قریش میں سے تھے۔ فتح مکہ سے چند ماہ پہلے ۶۲۹ھ = ۶۲۹ء میں ایمان لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذات السلاسل کی فوج پر امیر بنا کر بھیجا تھا۔ ان کی وفات مصر میں ۶۴۲ھ = ۶۴۲ء میں ستر برس کی عمر میں ہوئی۔

عہد: احمد بن حنبل اہل سنت کے چوتھے امام تھے۔ ان کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ ان کی وفات ۲۴۱ھ = ۸۵۷ء میں اکتالیس برس کی عمر میں ہوئی۔

عہد: ابو عبید: ابو عبید بن سلام بغدادی۔ فقیہ اور قاضی تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ان کی وفات ۲۲۷ھ = ۸۳۵ء میں ہوئی۔ یہ ۲۱۲ھ = ۸۲۷ء میں یحییٰ بن معین کے ساتھ مصر آئے۔ ابو قتادہ کا قول ہے کہ یہ لغات عرب کے بہت ماہر تھے۔ حافظ ابن حجر نے ان پر ایک طویل مقالہ لکھا ہے۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۱۵ تا ۳۱۸۔

عہد: ابو جہیم بن الحارث بن الصمتہ الانصاری صحابی ہیں۔ ان سے ابن الخضر کے آزاد کردہ غلام بسر بن سعید نے اور ابن عباس کے آزاد کردہ غلام عمیر نے روایت کی ہے۔

طبری اور طبرانی نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ابن مسعود نے مجھے ایک سورت پڑھائی جو پہلے زید سے پڑھ چکا تھا اور ابی بن کعب نے بھی وہی سورت پڑھائی ہے مگر ان کی قراءتوں میں اختلاف ہے۔ اب میں کس کی قراءت کو اختیار کروں؟ آنحضرت خاموش رہے۔ حضرت علیؓ آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے فرمایا جس طرح تمہیں پڑھایا گیا ہے۔ اسی طرح پڑھو۔ وہی اچھا ہے۔

ابن حبان اور حاکم نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سورۃ آل عمران کی کچھ آیتیں پڑھائیں۔ اس کے بعد میں مسجد میں گیا تو ایک شخص کو پڑھنے کے لیے کہا تو وہ کسی اور طرح پڑھ رہا تھا اور وہ بھی یہی کہتا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتیں پڑھائی ہیں۔ پھر ہم دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اور فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کو اسی اختلاف نے تباہ کیا ہے۔ پھر آپ نے حضرت علیؓ کے کان میں کچھ فرمایا تو حضرت علیؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس طرح تمہیں پڑھایا گیا ہے۔ اسی طرح پڑھا کرو۔ پھر ہم چلے گئے اور سہرا ایک وہ قراءت پڑھتا تھا جو دوسرا شخص نہیں پڑھتا تھا۔

ایک اور طریقہ سے ترمذی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے جبریل مجھے ایک امی قوم کی طرف بھیجا گیا ہے جن میں بڑھیا، بوڑھا، لڑکا، لڑکی اور وہ آدمی بھی ہے جس نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی، تو جبریل نے کہا: انہیں کہہ دیں کہ قرآن کو سات حروف پر پڑھ لیا کریں۔ اس حدیث کے کئی اور طریقے ہیں۔ اگر ہم ان سب کا بالتفصیل ذکر کریں تو بات طول پکڑ جائے اور ان تمام احادیث کی ظاہری عبارت اس بات کی گواہ ہے کہ حروف سے لفظی اختلافات مراد ہیں۔ جس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "وہ جس حرف پر بھی پڑھ لیں ٹھیک ہے۔ اور یہ قول بھی کہ ہم چلے

طبرانی: ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی حافظ حدیث تھے ۲۶۰ھ = ۸۷۳ء میں ان کی پیدائش ہوئی۔ ذہبی نے ان کی کتابوں کی ایک طویل فہرست دی ہے یہاں پر ان کی معجم کا ذکر ہے۔ انہوں نے تین کتابیں تالیف کی ہیں جن کا نام معجم تھا۔ ایک معجم کبیر، دوسری اوسط اور تیسری صغیر ان کی وفات ۲۶۰ھ = ۸۷۳ء میں ایک سو سال اور دس ماہ کی عمر میں ہوئی۔

عہ زید بن ارقم: ابو عمر زید بن ارقم انصاری خزرجی صحابی ہیں۔ ان کا شمار کوفیوں میں ہوتا ہے اور وہیں انہوں نے روایتیں اختیار کر لی تھیں۔ انہوں نے ہی عبداللہ بن ابی بن سلول کا نفاق ظاہر کیا تھا۔ اور انہی کی تصدیق کے لیے سورۃ منافقون نازل ہوئی تھی۔ مختار کے الام میں عبدالملک بن مردان کے عہد میں ۲۶۰ھ = ۸۷۳ء میں وفات پائی۔

عہ ابن حبان: ابوحاتم محمد بن حبان یربوعی بن حزمیہ کے شاگرد تھے۔ نہایت عقلمند تھے اور علم لغت اور حدیث کے بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے حدیث کی کتاب صحیح ابن حبان تالیف کی۔ ان کی وفات ۳۵۵ھ = ۹۶۵ء میں ہوئی۔

عہ حاکم: ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری۔ انہوں نے حدیث کی کتاب مستدرک لکھی جس میں ان صحیح احادیث کو درج کیا جنہیں مسلم اور بخاری نے چھوڑ دیا تھا۔ ان کی وفات ۴۰۵ھ = ۱۰۱۲ء میں ہوئی۔



گئے اور ہر کوئی دوسرے سے الگ حروف پڑھتا تھا۔ پھر مادی کا یہ کہنا کہ جبریل پہلی بار ایک حرف لے کر آئے پھر دوسری بار دو حرف اور تیسری بار تین حرف اور چوتھی بار سات حرف لے کر آئے اور یہ صرف لفظی اختلافات میں ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ باطنی حروف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طبیعت ہیں لہذا یہ کتنا درست نہیں کہ ایک بار تو جبریل ایک لے کر آئے ہوں، پھر دوسری بار دو حرف اور اسی طرح سات تک کیونکہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن میں پہلے ہی سے موجود تھے بالخصوص اس لیے بھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید کو سات حروف میں اتارنے کی درخواست مدینہ میں کی تھی جیسا کہ ابی بن کعب کی حدیث میں ذکر ہو چکا۔ حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ لفظی اختلافات کی مثال سایہ کی سی ہے۔ اور انوارِ باطنی جسم کی طرح ہیں۔ تو جو شخص سایہ کا قائل ہو اسے جسم کا منکر نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ درحقیقت جسم کا قائل ہے کیونکہ سایہ جسم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جہی تو ایک سایہ ایک جسم کا مقتضی ہوگا اور متعدد سائے متعدد جسموں کے۔ لہذا جب جبریل سایہ کا کوئی حرف لے کر آئیں تو درحقیقت وہ جسم کا حرف لے کر آئے ہوں گے یعنی یہ کہ اسے قراءت کے لیے متعین کر دیا اگرچہ وہ پہلے سے موجود تھا اور جب ظل کے دو حرف لے کر آئیں تو دراصل جسم کے دو حرف لے کر آئے ہیں یعنی یہ کہ انہیں قراءت کے لیے متعین کر دیا ہے اگرچہ وہ دونوں پہلے ہی سے آپ کی طبیعت میں موجود تھے اور جب سایہ کے سات حروف لے کر آئے تو آپ کو تمام ساتوں انوارِ باطنیہ پر پڑھنے کی اجازت دے۔

اس پر میں نے عرض کیا ہم سات باطنی حروف کو تو آپ کی برکت سے سمجھ گئے۔ یہ سات لفظی اختلافات کیا ہیں؟ کیا یہ اختلافات لغات ہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے اور پھر ان اختلافات کی تعیین میں ان کے کئی فرقے بن گئے یا کیا یہ اختلاف اختلافِ احکام ہے جیسا کہ ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے اور ان کی دلیل ابن مسعود کی یہ حدیث ہے کہ پہلی کتابیں ایک دروازے سے ایک حرف پر نازل ہو کر تھیں اور قرآن مجید سات دروازوں سے سات حروف نازل ہوا ہے۔ یعنی زجر، امر، حلال، حرام، محکم، منشاہ اور امثال لہذا تم اس کے حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل کرو اور متشابہات پر ایمان لاؤ۔ اور کہو آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا (ہم اس پر ایمان لے آئے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے)

ان کے مخالفین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن اور عبداللہ بن مسعود کا درمیانی حلقہ منقطع ہے اس لیے کہ ابوسلمہ کی عبداللہ بن مسعود سے تو ملاقات ہی نہیں ہوئی اور وہ ابن مسعود سے روایت کر رہے ہیں۔ یا کیا یہ مختلف قراءتوں کا اختلاف ہے اور اس کی تعیین میں بھی ان کے کئی فرقے ہو گئے ہیں۔ سات قراءتوں سے معین تعداد مراد نہیں ہے۔ سات سے مراد وسعت اور سہولت ہے۔

علہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن؛ بعض نے اس کا نام عبداللہ بتایا ہے اور بعض نے اسمعیل اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی کنیت ہی

اس کا نام ہے۔ بہت بڑا فقیہ اور امام تھا۔ ابن سعد نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ مدینہ میں بہتر سال کی عمر میں ۷۹ھ

۱۲۷ھ میں وفات پائی۔

کہ تعداد معین۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کہ قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے کا یہ مطلب ہے کہ اسے سہولت و وسعت اور آسانی کے لیے اتارا گیا ہے لہذا جن طرح کسی کو آسان معلوم ہو پڑھ لیا کرے۔ چنانچہ بعض لوگوں کی یہی رائے ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ اختلاف قراءت ہی مراد ہے مگر ہم انہیں کیا کہیں کیونکہ انہوں نے تو ہمیں بچپن میں قراءت سکھائی ہی نہیں کیونکہ جس حد تک قراءت میں اختلاف ہوا ہے وہ سب میری نظر میں ہے لیکن مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں اسے کس طرح بیان کر دوں۔ پھر حضرت جو کچھ کہ دیکھ رہے تھے اس کی طرف اشارہ کرتے رہے اور اس کے اخراج اور تعبیر کے لیے مثالیں دیتے رہے یہاں تک کہ ہم آپ کی مراد سمجھ گئے۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ۔ ہم نے بار بار یہ مفہوم آپ کے پیش کیا آپ نے ہی فرمایا کہ میری مراد یہ ہے۔

**اختلاف قراءت سات قسم کا ہے | اختلاف قراءت سات قسم کا ہے :-**

(۱) حرکات و سکون و وجہ اعراب کے اعتبار سے قراءت کا اختلاف مثلاً لَمْ يَدْخُلُوا مِنْ رِجْبِ الْيَمِّ مِيمَ کے نیچے زیر اور پیش کے ساتھ بھی۔

(۲) اختلاف قراءت بحاظ حرفوں کی کمی اور بیشی کے جیسے دَسَّ رِعْسُوْا اور سَارِعُوْا جیسے دَقَالُوْا اَتَّخَذَ اللّٰهُ دَلًا اور ذَلُّوا تَمَّخَذَ اللّٰهُ دَلًا

(۳) اختلاف قراءت بحاظ لہجہ کی کمی یا بیشی کے جیسے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ کہ ایک قراءت میں هُوَ کا لفظ ہے اور دوسری میں نہیں ہے۔

(۴) اختلاف قراءت بنا بر تقدیم و تاخیر۔ جیسے وَقْتَلُوْا اَوْ قَاتَلُوْا پہلا فعل مجہول اور دوسرا معروف اور اس کا عکس (یعنی دَقَاتَلُوْا اَوْ قَتَلُوْا) یا جیسے فَيَقْتُلُوْنَ وَيَقْتُلُوْنَ دَعْدًا عَلَيَّ حَقًّا کیونکہ اسے بھی دو لوہا طرح پڑھا گیا ہے۔ یا جیسے دَجَاءَتْ سَكْرَةٌ الْمَرَاتِ بِالْحَقِّ اَسْكَرَةٌ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ بھی پڑھا گیا ہے اور یہ ابو بکر الصدیقؓ۔ طلحہ ابن مطرف اور زین العابدینؓ کی قراءت ہے۔

(۵) مخارج حروف کے اعتبار سے اختلاف قراءت جیسے الصِّرَاطُ کو اشٹام کے ساتھ پڑھنا کیونکہ اشٹام کا مخرج ص کا مخرج نہیں ہے یا جیسے قبیل میں زیر اور اشٹام کے ساتھ ق کا مخرج اسی طرح حیثیل جیٹیٰ سیٹیٰ اور سینیق میں۔ اسی طرح الصَّلَاةُ میں لام کو تفخیم یا ترقیق کے ساتھ پڑھنے میں۔ اسی طرح مُنْذِرٌ

عہ زیر اس لیے کہ ساجسز کی صفت ہے اور پیش اسلئے کہ عَدَابٌ کی صفت ہے۔

عہ سورہ آل عمران کا آخری کوع۔

عہ طلحہ بن مطرف: اصل کتاب میں یہ نام اسی طرح دیا ہے مگر ابن حجر (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۵۵) نے طلحہ بن مصرف صمد کے ساتھ دیا ہے۔ یہ اہل کوفہ کے سب سے بڑے تاری تھے۔ ان کی وفات ۳۱۲ھ = ۳۳ھ میں ہوئی۔

عہ زین العابدینؓ: علی بن الحسینؓ المعروف بزین العابدینؓ۔ مشہور امام اور زاہد متقی ہیں۔ انہی کو علی اصغرؓ کہا جاتا ہے۔ ان کے مناقب بے شمار ہیں۔ اٹھادہن برس کی عمر میں ۳۹ھ = ۳۱۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

جیسے کلمات میں س کو مخم یا مرقق کی کے پڑھنے میں ۔

(۶) زبر اور امالہ اظہار اور ادغام کے اعتبار سے اختلاف قراءت ۔

(۷) تیزی اور آہستگی سے پڑھنے کے اعتبار سے اختلاف قراءت کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کبھی ترتیل سے پڑھتے اور کبھی تیزی سے (یعنی رواں جس کو حد رکھتے ہیں) ۔

حضرت نے فرمایا ان مختلف وجوہ کو الوار باطنیہ سے مربوط کیا جاتا ہے اور یہ الوار ان الوار سے علاوہ ہیں جن کا ذکر حروف و حرکات کی تقسیم میں کیا جا چکا ہے چنانچہ ترتیل اور آہستگی روح سے پیدا ہوتی ہے اور روانی بشرطیکہ حروف درست ادا ہوں ۔ قبض سے پیدا ہوتی ہے ۔ امالہ نبوت سے پیدا ہوتا ہے ۔ زبر رسالت سے اور اشمام ہر قسم کا روح کے لیے ہے ۔ اور عدم اشمام نبوت کے لیے ہے ۔ حروف کی زیادتی قبض کے لیے ہے اور کمی روح کے لیے ۔ اور کلمات کی زیادتی رسالت کے لیے اور کمی علم کے لیے اور تقدیم آدمیت کے لیے اور تاخیر علم کے لیے اور وہ حرکات جن میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے بسط کے لیے ہیں ۔

یہ تمام تشریح حضرت کی بیان کردہ ہے ۔

ابن قتیبہ نے الْمُشْکِل میں وجوہ قراءت کو شمار کیا ہے اور ابن الجزری نے النشس میں اور ابن حجر نے شرح (بخاری) میں اس کا کلام نقل کیا ہے ۔ قاسم بن ثابت نے الدلائل میں اس پر اعتراض کیا ہے ۔ ابو الفضل رازی نے اور پھر ابن الجزری نے بھی النشس میں ان قراءتوں کو شمار کیا ہے اور ان کے بیانات میں بہت معمولی اختلاف پایا جاتا ہے ۔ اسی طرح قاضی ابوبکر نے بھی کتاب الانتصار میں قراءتوں کا شمار کیا ہے ۔ اگر ان کے شمار کردہ اختلافات کا حضرت کے بیان کردہ اختلافات سے مقابلہ کیا جائے تو انشاء اللہ حق بات ظاہر ہو جائے گی ۔ بالخصوص اس لیے بھی کہ حضرت کے بیان کا منبع کشف صحیح ہے کیوں کہ آپ کو تو انہی قراءت کا علم ہے جن کا آپ نے کشف صریح میں مشاہدہ کیا خاص طور پر اس لیے بھی کہ آپ کی بیان کردہ وجوہ قراءت کا ربط الوار باطنیہ کے ساتھ ہے جیسا کہ گذر چکا ۔ یہاں پر اس مسئلہ کی بحث ختم ہوتی ہے ۔ خدا ہمیں اس سے دنیا اور آخرت میں نفع پہنچائے ۔ اِنَّمَا سَمِعْتُمْ قُرْبَيْبٌ وَحَسْبُنَا اللَّهُ وَكَفَىٰ بِهٖ وَكِيلًا ۔

ابن قتیبہ: مشہور لغوی اور ادیب جس کی بہت سی تصانیف ہیں ۔ یہ اصل میں مرد کا کہنے والا تھا ۔ اور کچھ عرصہ دیوبند میں قاضی بھی رہا ۔ اس کی چند تصانیف یہ ہیں: کتاب المعاریف، کتاب الشعر المشعر، ادب الکاتب اور عمیون الاخبار ۳۸۹ھ = ۹۹۷ء میں اس کی وفات ہوئی ۔

قاسم بن ثابت: ابو محمد قاسم بن ثابت سرسپٹی ۔ ان کی وفات ۳۸۹ھ = ۲۰۰ء میں ہوئی ۔ ان کی کتاب دلائل حدیث کی کتاب ہے ۔

ابو الفضل رازی: ان کا حال معلوم نہ ہو سکا ۔

نشر فی القراءات العشریہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور اس الدین ابو الخیر محمد بن محمد الجزری کی تالیف ہے ۔

## تفسیری حدیث

میں نے حضرت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے متعلق دریافت کیا کہ  
 الْرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النَّبُوَّةِ - نیک  
 آدمی کی نیک خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں کا ایک جزو ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب الردیہ: ۳۹۴) امام بخاری  
 نے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے۔ مسلم میں ابو ہریرہ کی روایت سے سینتالیس میں سے ایک جزو ہے۔  
 طبری اور امام احمد، عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی روایت سے انچاس میں سے ایک جزو ہے اور قرطبی کی شرح  
 میں سینتالیس میں سے ایک جزو ہے۔ طبری نے عبادہ کی روایت سے چوبیس میں سے ایک جزو۔ ابن ابی حمزہ  
 کی شرح میں پچیس میں سے ایک جزو۔ اسی میں ستائیس میں سے ایک جزو کی بھی روایت ہے۔

یہ نو روایتیں ہیں۔ پانچ اربعین کی، چار بیس کی۔ ان کے علاوہ اور روایتیں بھی ہیں۔ ستر کی، ہتر کی۔  
 چھتر کی، پچاس کی۔ چالیس کی اور بیالیس کی۔ یہ کل پندرہ روایتیں ہیں۔ ان میں صحیح ترین چھیالیس اور پھر  
 سینتالیس کی روایت ہے۔ باقی روایتوں میں کلام ہے ماسوائے ستر کی روایت کے کیونکہ اسے مسلم نے اپنی صحیح  
 میں ابن عمر سے روایت کیا ہے۔

**سوال** میں نے حضرت سے سوال کیا اجزاء نبوت سے کیا مراد ہے؟ اور ان روایات کے اختلافات میں کیا حکمت  
 ہے؟ اور کیا ان تمام احادیث میں تطبیق ہو سکتی ہے؟ تاکہ ان سب کے مطابق حدیث کی روایت ہو سکے،  
 کیوں کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں بڑے بڑے محدثین کی عقلیں حیران ہیں اور انہوں نے کوئی نتیجہ  
 خیز بات نہیں کہی۔

ع۱ ان کے نام میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ نودی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح ترین عبد الرحمن بن صخر ہے۔ انہیں  
 حافظ صحابہ کہا جاتا ہے۔ یہ اسی سال اسلام لائے جس سال خیبر فتح ہوا۔ ان کی وفات ۶۵۶ھ = ۶۷۶ء میں ہوئی۔  
 امام شافعی کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ کو اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ احادیث یاد تھیں۔

ع۲ قرطبی، ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی، سنونی ۶۵۶ھ = ۶۷۶ء۔ ان کی شرح مسلم مختصر سی ہے (کشف الظنون) ۲۸۷، جس  
 کا نام المفہوم لما اشکل من تلخیص کتاب مسند ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے جس کا نام جامع احکام  
 القرآن ہے (کشف الظنون: ۱: ۲۷۴) ان کی تفسیر بہترین تفسیروں میں سے شمار کی جاتی ہے۔

ع۳ عبادہ بن صامت مدنی صحابی ہیں۔ عقبہ اولیٰ دثانیہ پر یہ موجود تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام جنگوں میں  
 شریک ہوئے۔ ان کی وفات امیر معاویہ کی خلافت میں شام میں ہوئی۔

ع۴ ابن ابی حمزہ: عارف باللہ عبد اللہ بن سعد بن ابی حمزہ الاندلسی۔ یہ مدینہ جو فقہ مالکی کی مشہور کتاب ہے کے حافظ تھے۔ ان کی  
 وفات ۵۹۷ھ = ۱۲۰۶ء میں ہوئی۔ انہوں نے بخاری کی شرح کی جس کا نام بھجتہ النفوس وغایتها بمعرفتنا  
 مالہا دملعلیہا، رکھا۔



جواب حضرت نے فرمایا اجزاء نبوت سے مراد وہی آدمیت، قبض، بسط اور خود نبوت کے اجزاء ہیں۔ چنانچہ آدمیت کے اجزاء۔ کمال صورت ظاہری، کمال حواس ظاہری، کمال صورت باطنی۔ کمال حواس باطنی، ذکریت، نزع خط شیطان اور کمال عقل اور قبض کے ساتھ اجزاء حواسہ ساری، انصاف، نفرت عن الصد، حق گوئی سے نہ شرمانا، انتہا امر میل الی الجنس، قوت انقباض، بسط کے اجزاء، فرج کمال، ذات میں خیر کا قیام، نفع حواس ظاہرہ، نفع حواس باطنہ مقام رفعت، عین تجاؤز اور انکساری۔ نبوت کے ساتھ اجزاء۔ حق گوئی، صبر، رحمت کاملہ، معرفت الہیہ، خودتہام بغض باطل اور عفو کمال اٹھائیں ہوئے۔ ان اجزاء کی شرح بیان کی جا چکی ہے، اگر چاہو تو اس کو دیکھ لو۔ پھر ذکریت اس سے خارج ہو جاتی ہے کیوں کہ مرد اور عورت دونوں کو خواب آتی ہے لہذا ستائیس رہ گئے اور ابن ابی حمزہ کی ستائیس والی روایت اسی پر محمول کی جائے گی اور اگر کمال صورت ظاہرہ کو بھی خارج کر دیں کیوں کہ اگرچہ یہ اجزاء نبوت میں سے ہے مگر خواب سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں ہے، تو باقی چھبیس رہ جائیں گے، تو ابن عبدالبر کی مذکورہ چھبیس والی روایت کو اسی پر محمول کریں گے اور اگر اسی وجہ سے کمال صورت باطنہ کو بھی نکال دیں تو چھبیس باقی رہ جائیں گے۔ ابن ابی حمزہ کی مذکورہ بالا چھبیس والی روایت کو اسی پر محمول کریں گے اور کمال حواس ظاہرہ کو بھی اسی سبب سے نکال دیں تو چھبیس باقی رہ جائیں گے اور نووی کی مذکورہ بالا چھبیس والی روایت کو اسی پر محمول کریں گے۔

حضرت نے فرمایا یہ تو اس صورت میں ہے جب بغیر رسالت کے صرف نبوت کے اجزاء لیے جائیں گے۔ درجہ روح و علم اور رسالت تینوں کے ساتھ ساتھ اجزاء جن کی تفصیل و شرح گذر چکی ہے اس پر اضاذ ہوں گے اور نبوت کے مجموعہ اجزاء انچاس ہو جائیں گے۔ اس پر طبری اور احمد کی عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت محمول ہوگی۔ ادا اگر ذکریت اور کمال صورت ظاہرہ کو خارج کر دیا جائے تو سینتالیس باقی بچیں گے اور اس پر قرطبی کی روایت محمول ہوگی اور اگر کمال صورت باطنی کو بھی خارج کر دیں تو چھبیس رہ جائیں گے اور یہی بخاری کی صحیح متفق علیہ روایت ہے اور اگر کمال حواس ظاہرہ کو بھی خارج کر دیا جائے تو باقی پینتالیس رہ جاتے ہیں جس پر مسلم کی روایت محمول ہوگی۔

حضرت نے فرمایا یہ ان سات روایتوں کی توہمات ہیں اور باقی روایات کی صحت کی مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی لہذا ان کی توجیہ کرنی بیجا ہے۔

میں نے عرض کیا یہ توجیہ جو آپ نے بیان کی ہے اس میں خواب کو اجزاء نبوت میں سے شمار کرنے کا

عہ ابن عبدالبر: اسف بن عمر بن عبدالبر علماء اندلس کے شیخ اور اپنے زمانہ میں وہاں کے بہت بڑے محدث تھے۔ انہوں نے کتاب الاستذکار تصنیف کی انہوں نے ۳۳۵ھ = ۹۴۷ء میں وفات پائی۔

عہ نووی: ابو زکریا محمد بن یحییٰ بن شرف نووی۔ اپنے زمانہ کے امام تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً رد المحتار، الریاض، اذکار اور شرح مسلم۔ نووی دمشق میں ایک گاؤں کا نام ہے جس کی طرف نووی کی نسبت ہے۔ انہوں نے پینتالیس برس کی عمر میں ۳۶۶ھ = ۹۷۷ء میں وفات پائی۔

ذکر نہیں ہے اور حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ خواب نبوت کے اجزاء ہیں سے ہے، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ نیک خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء ہیں سے ایک جزو ہے جس سے لازم آتا ہے کہ خواب ان اجزاء میں سے ایک جزو ہے اور آپ نے تو اسے اجزاء میں سے شمار نہیں کیا۔ حضرت نے فرمایا: نیک خواب اور نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو یعنی نزع حظ شیطان سے اور پھر اجزاء روح میں سے ایک جزو بصیرت سے مدلیتی ہے۔ لہذا جب بصیرت کا نزول شیطانی حصہ کے نکل جانے پر ہو تو ان کے مجموعہ سے اچھی خوابیں پیدا ہوں گی۔

میں نے عرض کیا اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حدیث میں اجزاء نبوت میں سے دو جزوں کا ذکر ہوتا کیونکہ نزع حظ شیطان اور بصیرت دو جزو ہیں۔ ایک نہیں لہذا ردیا بھی دو جزو ہونی چاہیے تھی نہ کہ ایک جزو حضرت نے فرمایا کہ درحقیقت خواب کا دار و مدار نزع حظ شیطان پر ہے۔ روح کا جزو صرف تابع اور مددہ رہنے کی حیثیت سے ہے۔ لہذا جس سے اللہ تعالیٰ شیطانی حصہ نکال دے تو اس کے تمام افکار نیک ہوں گے اور وہ جب سوئے گا تو وہی خیالات دیکھے گا جن میں بیداری کی حالت میں سوچا کرتا تھا۔ لہذا اس کا خواب بھی نیک ہوگا اور جس سے شیطانی حصہ نکلا نہ گیا ہو، اس کے خیالات اس کے برعکس ہوں گے لہذا اس کا خواب بھی بد ہوگا۔

مؤلف کتاب لکھتا ہے کہ جو کچھ شیخ نے فرمایا ہے وہ محض کشف اور صفائی معرفت کی وجہ سے ہے کیونکہ علماء نے تو ان میں سے ایک جزو کا بھی ذکر نہیں کیا اور انہوں نے ان کے شمار کی ذمہ داری حقائق نبوت کے عارفین کے ذمہ ڈال دی۔ امام حلیمی نے بڑے تکلف سے کام لیتے ہوئے کچھ باتیں بیان کی ہیں جن کا ذکر میں یہاں کر رہا ہوں تاکہ تو حقیقت حال سے واقف ہو جائے۔

شیخ علاء الدین قولوی فرماتے ہیں اس مقام پر حلیمی نے رؤیائی صالہ کو چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں انبیاء کے خصائص علیہ کی کئی وجوہ بیان کی ہیں جن میں سے بعض میں تکلف سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ ان اجزاء کو چھیالیس تک پہنچا دیا ہے تاکہ رؤیا ان اجزاء میں سے ایک جزو بن جائے چنانچہ نبوت کا بلند ترین ریزو اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کرنا ہے۔ اس کے بعد

علاء حلیمی: شرح امام ابو عبد اللہ حسین بن الحسن البیہی الجرجانی الشافعی متوفی سنہ ۳۵۵ھ = ۹۶۵ء ان کی کتاب "مفتاح القلوب فی تہذیب الایمان" ہے۔ یہ تین جلدوں پر مشتمل کتاب ہے جس میں اصول ایمان پر بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کا اختصار قاضی علاء الدین ابوالحسن علی بن اسمعیل تبریزی قولوی متوفی ۷۲۹ھ = ۱۳۲۸ء نے کیا۔ مصنف کشف الظنون سے ان کے بیٹے محب الدین ابوالثناء محمد بن شیخ علاء الدین علی قولوی ثم القاهری الشافعی المتوفی ۷۵۵ھ کا ذکر کیا ہے کہ اس نے منتهی السؤل والاصول فی علمی الاصول بالمجدل کی شرح کی ہے۔ ۱۲ علاء الدین قولوی نے التصرف فی التصوف بھی لکھی جو حاجی خلیفہ کے خیال میں التصوف کی شرح ہے۔

الہام جس میں کلام نہ ہو۔ سووم وحی بزبان فرشتہ۔ چہارم فرشتہ کا دل میں القاء، پانچواں کمال عقل چھٹا قوت حافظہ کا کمال کہ ایک بار سننے سے پوری سورت یاد ہو جائے۔ ساتواں اجتہاد میں خطا سے معصوم ہونا۔ اٹھواں ذکاوت فہم تاکہ کئی قسم کے مسائل کا استنباط کر سکے۔ نواں کمال بصیرت تاکہ دنیا کے بعید ترین حصوں میں ان اشیاء کو دیکھ سکے جو دوسروں کو دکھائی نہیں دے سکتیں۔ دسواں کمال سماعت تاکہ دنیا کے بعید ترین علاقوں کی وہ باتیں سن سکے جن کو دوسرے نہ سن سکیں۔ گیارھواں کمال قوتِ شامہ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ یوسف علیہ السلام کی قمیص کا واقعہ پیش آیا۔ (کہ انہوں نے دور سے ہی قمیص کی بو سونگھ لی) بارھواں جہانی طاقت کہ ایک ہی رات میں ایک ماہ کی مسافت طے کر سکے۔ تیرھواں آسماؤں پر عروج۔ چودھواں وحی کا گھنٹی کی سی آواز میں آنا۔ پندرھواں بکری کا کلام کرنا۔ سولھواں نباتات کو گویا کرنا۔ سترھواں کھجور کے تنہ کا گویا کرنا۔ اٹھارواں پتھر کو گویا بنانا۔ انیسواں بھیڑیوں کے چیخنے کو سمجھنا کہ وہ آپ سے کوئی چیز کھانے کو مانگ رہا ہے۔ بیسواں آپ کا اونٹوں کے بلبلائے کی آواز کو سمجھنا۔ اکیسواں ایسی آواز کا سنا جس کا بولنے والا دکھائی نہ دے رہا ہو۔ بائیسواں جنات کے مشاہدہ کی قدرت رکھنا۔ تیسواں نظر سے ادھمل چیزوں کا سامنے آجانا جیسے شب معراج کی صبح کو بیت المقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا رکھا گیا۔ چوبیسواں ایسے واقعہ کا پیش آنا جس سے انجام کو علم حاصل ہو۔ مثلاً جب آپ کی ادنیٰ حدیثیے کے مقام پر بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا کہ ہاتھیوں کو رد کرنے والے نے اسے بھی آگے جانے سے روک دیا ہے۔ پچیسواں نام سے کسی معاملہ پر استدلال کرنا چنانچہ جب صلح حدیبیہ میں سہیل بن عمرو آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارا معاملہ آسان ہو گیا چھیسواں کسی آسمانی چیز کو زمین کے کسی واقعہ پر استدلال کرنا، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادل کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ بنی کعب کی فتح کی خوشخبری دے رہا ہے۔ ستائیسواں پشت کی طرف سے دیکھنا۔ اٹھائیسواں کسی مرنے والے کے متعلق ایسے معاملہ کی اطلاع پانا جو اس کے مرنے سے پہلے واقع ہوا تھا مثلاً آپ کا حنظلہ الغیبیہ کے متعلق

عہ سہیل بن عمرو: صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ تشریف لے کر مکہ کی طرف سے مدینہ کی طرف تھے۔ ان کے بیٹے ابوبکر اس وقت اسلام لائے تھے۔ یہ جنگ بدر میں مشرکوں کے ساتھ ہو کر لڑے اور قید ہوئے۔ یہ قریش کے بہت بڑے خطیب تھے۔ جب جنگ بدر میں قید ہو کر آئے تو حضرت عمر نے عمر من کیا، اس کے اگلے وقت کمال دے گئے۔ تاکہ آئندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریر نہ کر سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے اسی طرح رہنے دو۔ یہ آئندہ جا کر ایسا کام کرے گا جس سے خوش ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جب مکہ کے لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور کچھ لوگ مزید بھی ہو گئے تو اس وقت ان کی تقریر نے لوگوں کو دہم کیا تھا۔ ان کی وفات عموماً کی طاعون میں ۳۱ھ = ۶۳۹ء میں ہوئی۔

عہ حضرت حنظلہ بن مالک مشہور صحابی ہیں جن کا لقب غیبی الملائکے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نئی نئی شاری ہوئی تھی ہوی کے پاس گئے ہی تھے کہ اعلان جنگ ہو گیا۔ اسی حالت میں نکل آئے اور اڑتے اڑتے جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ اب چونکہ غیبی تھے اور شہید کو غسل نہیں دیا جاتا ایسے انیس فرشتوں نے غسل دیا۔ یہاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ایک صحابی کا نام بھی حنظلہ ہے مگر ان کے والد کا نام ربیعہ کا سید ہی ہے۔



فرمانا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ملائکہ اسے غسل دے رہے ہیں اور حنظلہ مرنے سے پہلے جُنُبی تھے۔ انتیسواں ایسے امور کا ظہور جس سے آئندہ ہونیوالی فتوحات پر استدلال ہو سکے جیسا کہ خندق کے دن کا واقعہ ہوا۔ تیسواں دنیا کے اندر ہی جنت و دوزخ پر اطلاع پانا۔ اکتیسواں فراست، بتیسواں درخت کا آپ کی اطاعت کرنا یہاں تک کہ وہ نہنیوں اور جڑوں سمیت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گیا۔ تینتیسواں ہرنی کا واقعہ اور اپنے چھوٹے بچے کی ضرورت کا شکایت کرنا۔ چونتیسواں خواب کی تعبیر کو جاننا اور اس میں کبھی بھی غلطی نہ کھانا۔ پینتیسواں کسی چیز کا اندازاً معلوم کر لینا اور اس کا ٹھیک اسی طرح نکلنا۔ چھتیسواں مخلوقات کو اسلام کی طرف ہدایت کرنا۔ سینتیسواں مخلوق کو دینی و دنیاوی سیاست کی راہ دکھانا۔ اڑتیسواں نیکی اور ہدایت کے راستوں کی طرف مخلوق کی ہدایت کرنا۔ اثنالیسواں طبی طریقوں سے اصلاحِ جہانی کی تعلیم۔ چالیسواں قرب الہی حاصل کرنے کی راہ دکھانا۔ اثنالیسواں مفید صنعتوں کی تعلیم۔ باالیسواں مغیبات کا علم جن کا ذکر پہلے کسی نے نہ کیا ہو تینتیسواں آئندہ پیش آنے والے فتنات کا علم۔ چوالیسواں لوگوں کے مخفی معاملات اور اسرار سے واقفیت۔ پینتالیسواں استدلال کے طریقوں کی تعلیم۔ چھیالیسواں معاشرہ میں ہر مافی کے طریقوں کا علم۔

اس طرح عالیٰ نبوی خصائص کی تعداد چھیالیس ہو جاتی ہے۔ ان میں سے ہر دو دریاہی صانع کے دل جلنے کے قابل ہے تاکہ وہ چھیالیس اجزاء نبوت ہیں کہ ایک جزو بن جسے اور اگر چہ ان میں سے بہت سے خصائص غیر نبی میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن نبی سے ان میں کوئی غلطی واقع نہیں ہوتی۔ اور دوسروں کو کبھی غلطی لگ جاتی ہے۔ واللہ اعلم مؤلف کتاب کہتا ہے کہ حلیمی کے بیان پر اعتراض ہے کیوں کہ اس کا مقصد محض اجزاء نبوت کا شمار کرنا تھا اور جن وجوہ کا ذکر ہوا ان میں سے اکثر ایسی خصائص ہیں جو صرف ذاتِ محمدی کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً بکری کا کلام کرنا۔ پتھر کا سلام کرنا۔ کھجور کے تنے کا رونا۔ بھیریے اونٹ اور ہرنی کی زبان سمجھنا۔ بیت المقدس کا آنکھوں کے سامنے آجانا۔ اور یہ فرمانا کہ ہاتھیوں کو روکنے والے نے لے بھی روکا ہے اور آپ کا فرمانا "تمہارا کام تمہارے لئے آسان ہو گیا" اور آپ کا فرمانا "یہ بادل بنی کعب کی فتح کی خبر دے رہا ہے۔ حنظلہ کی جنابت کا علم اور جو کچھ خندق کے ٹھوڈے میں پیش آیا۔ درخت کا آپ کی اطاعت کرنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جانا۔ وغیرہ وغیرہ کیوں کہ یہ تو اجزاء نبوت ہیں شامل نہیں کی جا سکتیں کیونکہ یہ تو ایسی جزئیات ہیں جو واقع ہوئیں اور منقطع ہو گئیں مزید برآں ان میں سے پہلے چھ اجزاء تو معرفتِ لغات میں شامل ہیں۔ جس طرح آنحضرت کا فرمانا کہ حَبَسْمَا هَا لَيْسَ الْفَيْلُ رَا سَ اِسِي خَلَا لِنَ رُو كَا هَے جس نے ہاتھیوں کو روکا تھا اور اس کے اگلے چار اور اجزاء بہ سب انجام کی معرفت میں شامل ہیں۔ یہ گیارہ خصلتیں تو محض دو خصلتیں رہ گئیں۔ پھر یہ تمام چھیالیس خصلتیں جن کے متعلق اس نے کلمے کا وجود علم میں سے ہیں تمام کی اصل رسالت کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے یعنی غائبانہ حالت میں اور موجودگی میں علم کامل کا وجود ہے جیسا کہ اس کی شرح میں گذر چکا ہے۔ چنانچہ اس طرح بھی رسالت کی خصلتوں اور اجزاء کے لحاظ سے بھی یہ سب لوٹ کر ایک خصلت بن گئیں۔ علامہ حلیمی رحمۃ اللہ نے صرف اتنا لکھا ہے کہ اس نے ان معجزات میں سے جو آنحضرت کے ہاتھوں



ظاہر ہوئے تھے کچھ معجزات لے لیے ہیں جن کو اس نے نبوتِ مطلقہ کے ان اجزاء میں سے شمار کر لیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے۔ پھر ان معجزات میں سے بہت سے معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ادلیا کی کرامت ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک نبی کا سجزہ ایک دلی کے لیے کرامت بن سکتا ہے، جیسا کہ اس ائسنت والجماعت کا عقیدہ ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا معجزات غیر نبی کے لیے بھی ہو سکتے ہیں۔ لہذا یہ کسی صورت میں بھی اجزاء نبوت میں سے نہیں ہو سکتے۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث کی وہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ مقدار آپ کی شرح جو امام غزالی زبان پر محض اتفاقاً طور پر آجاتی تھی بلکہ آپ کو صحیح حقیقت بیان کیا کرتے تھے مثلاً آپ کا نے کی ہے یہ فرمانا کہ صالح آدمی کا رُو یا ٹی صالحہ نبوت کے چھبالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے کیوں کہ یہ ایک صحیح تخمینہ ہے لیکن دوسرے لوگوں کو طاقت نہیں

کہ وہ اسے تخمینہ کے بغیر سمجھ سکیں۔ کیونکہ نبوت اس مرتبہ کا نام ہے جو نبی کے ساتھ مخصوص ہے جس سے نبی وغیر نبی میں امتیاز ہو سکے۔ اور اس کے چند خواص ہیں تاکہ نبی کو اللہ اور اس کی صفات، ملائکہ اور دارِ آخرت سے متعلق حقیقی معرفت حاصل ہو مگر اس طرح کی معرفت نہیں جس طرح اوروں کو حاصل ہوتی ہے بلکہ نبی کے پاس کثرتِ معلومات اور یقین و تحقیق اس قدر ہو کہ کسی اور کو حاصل نہ ہو۔ نبی میں ایک صفت یہ ہوتی ہے کہ ملائکہ اور عالم ملکوت کو اس طرح دیکھتا ہے کہ اس میں اور دوسروں میں وہی فرق ہوتا ہے جو اندھے اور بینا میں۔ اس میں ایک اور قوت ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ آئندہ آنے والے مغیبات کو معلوم کر لیتا ہے اور اسی قوت کے ذریعے وہ لوح محفوظ کا بھی مطالعہ کر سکتا ہے اور اس قوت کی مثال بعینہ اس قوت کی سی ہے جس سے دلی اور کند ذہن کا امتیاز ہو سکتا ہے۔

نبی میں ایک اور قوت بھی پائی جاتی ہے جس سے وہ خارق عادت افعال کو بعینہ اس طرح کر جاتا ہے جس طرح ایک عامی انسان اختیاری افعال کو کرتا ہے۔ یہ تمام صفات تحقیقی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھیں جن میں سے ہر ایک کو کئی مزید قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے چنانچہ ہو سکتا ہے کہ ہم ان کی چالیس قسمیں بنا لیں۔ یا پچاس یا اس سے بھی زیادہ۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم انہیں چھبالیس جزوں میں اس طرح تقسیم کر لیں کہ نیک خواب اس کا ایک جزو بن جائے مگر ہماری تقسیم محض اندازہ اور تخمینہ

علہ امام غزالی: ابوحامد محمد الغزالی اپنے زمانہ کے بہت بڑے امام، فلسفی اور صوفی گذرے ہیں۔ مدرسہ نظامیہ بغداد میں درس دیتے رہے۔ مگر آخر عمر میں درس و تدریس چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ ان کی کئی ایک تصانیف ہیں جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں: مناقب الفلاسفہ، تہافت الفلاسفہ، کیمیاء سعادت، جواہر القرآن وغیرہ۔ ان کی پیدائش طوس میں ۳۵۰ھ سے ۱۰۵۹ھ میں ہوئی اور وفات ۵۰۵ھ سے ۱۱۱۱ھ میں ہوئی۔

ہوگی نہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد درحقیقت یہی تھی۔ یہ امام کی تشریح کا خلاصہ ہے۔ ہم نے اس لیے یہاں نقل کر دیا ہے تاکہ تجھے حضرت کی بزرگی کا پتہ چل جائے اور ان کے علم و عرفان کا اندازہ ہو سکے اور یہ کہ اللہ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔

**مازری کی تشریح** | مازری کہتے ہیں کہ یہ سنواری نہیں کہ غلاف کو ہر چیز کا پورا اور تفصیلی علم ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم کے لیے بھی ایک حد مقرر کر دی ہے جہاں پہنچ کر وہ ٹھہر جاتا ہے اور آگے نہیں چل سکتا۔ چنانچہ بعض ایسے امور ہوتے ہیں جن کا نہ اجمالی علم ہوتا ہے نہ تفصیلی۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جن کا اجمالی علم تو ہو جاتا ہے مگر تفصیلی علم نہیں ہوتا۔ یہ حدیث اسی زمرہ میں سے ہے۔ اھ۔ اس سے ان کی مراد چھیا لیس جزو والی حدیث ہے۔

**ابن بطلال**، ابن العربی اور النعمانی وغیرہ کا بھی یہ بیان ہے۔  
**ابو سعید سفاقی** | ابو سعید سفاقی کی سند سے ابن بطلال نے بیان کیا ہے کہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے چھ ماہ تو خواب میں وحی نازل فرمائی پھر باقی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے بیداری میں آپ پر وحی نازل فرمائی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحیح روایت کے مطابق اس کے بعد تیس سال زندہ رہے۔ اس طرح وحی منامی کی بیداری سے جو نسبت ہے وہ ایک اور چھیا لیس کی ہے۔  
**اس پر اعتراض** | اس پر کئی طریقوں سے اعتراض کیا گیا ہے۔

**مازری**، ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عمر اقبی المازری الصنفی، ابن ازرقہ اور اس کے علاوہ مغرب کے امام تھے۔ وہ سب سے آخری شخص تھے جو تحقیق نقطہ میں مشغول تھے اور اجتہاد اور وقت نظر رکھتے تھے۔ مسم اور قاضی عبد الوہاب کی کتاب التلقین کی شرح کی نیز امام الحرمین کی مصنفان کی شرح کی اور اس کا نام محصول من بردان الاصول رکھا۔ انہوں نے ۳۵۵ھ = ۹۶۶ء میں وفات پائی۔

**ابن بطلال**، ابو الحسن علی بن خلف المعروف بابن بطلال مغرب مالکی۔ انہوں نے بھی بخاری کی شرح کی ہے۔  
**ابن العربی**، ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی المعافری الاشعری۔ اپنے شہر میں ادب حاصل کیا۔ پھر بلاد مشرق کا طویل سفر کیا اور بہت سے علماء سے جن میں امام غزالی بھی تھے ملاقات کی۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً احکام القرآن، کتاب المسائل فی شرح مؤلف امام مالک۔ انہوں نے ۳۵۳ھ = ۹۶۴ء میں وفات پائی۔ یہ وہ ابن العربی نہیں ہیں جو مشہور صوفی ہیں۔

**الخطابی**، امام ابو سعیدان محمد بن محمد الخطابی اپنے زمانہ کے امام تھے معالم السنن، اعلام السنن اور غریب الحدیث ان کی تصانیف میں سے ہیں۔ ان کی وفات ۳۵۸ھ = ۹۶۶ء میں ہوئی۔ انہوں نے صحیح بخاری کی بھی شرح کی ہے جس کا نام اعلام السنن رکھا ہے۔

**ابو سعید سفاقی**، امام عبد الواحد بن تین سفاقی شارح بخاری۔ ان کی تفسیر بھی ہے۔ ان کے ایک بھائی محمد بن سفاقی نے سنہ ۳۵۸ھ میں بخاری کی شرح کی ہے۔ انہوں نے بخاری کی بھی شرح کی ہے۔

۱۔ وحی منامی کے بعد جو وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس کی مدت میں اختلاف ہے۔ تیس سال کی مدت پر سب کا اتفاق نہیں ہے۔

۲۔ اگر چھیا میں کی روایت صحیح بھی ہو تو پھر یہ توجیہ کرنے والا باقی روایات کے متعلق کیا کہے گا مثلاً ہینتالیس، انچاس، ستر اور پچاس جن کا اد پر ذکر ہو چکا۔

۳۔ یہ کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وحی منامی کی مدت چھ ماہ ہے۔ اگر ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟

۴۔ یہ کہ وحی منامی کی مدت کے بعد جو وحی نازل ہوئی وہ صرف بیداری ہی میں نہیں نازل ہوئی بلکہ بعض اوقات خواب میں بھی وحی نازل ہوئی اور نیک خواب بھی آئے جنہیں چھ ماہ کے ساتھ ملا دینا چاہیے تو اس طرح وحی منامی کی مدت چھ ماہ سے بڑھ جائے گی۔

تیسرے اعتراض کا جواب | تیسرے اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ابن اسحاق وغیرہ کے بیان کے مطابق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی ابتدا چالیس سال کے شروع میں ربیع الاول میں ہوئی۔ پھر غار حرا میں جبرئیل ماہ رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان کا درمیان عرصہ چھ ماہ کا ہے۔

جواب الجواب | اس جواب کا پہلا جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ اس پر اتفاق نہیں کہ وہ مہینہ رمضان کا ہی مہینہ تھا۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ رجب کا مہینہ ہے۔ ایک اور جماعت کہتی ہے کہ یہ ربیع الاول کا مہینہ تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم یہ بات تسلیم بھی کر لیں کہ یہ مدت چھ ماہ کی مدت تھی پھر بھی اس میں یہ تصریح نہیں پائی جاتی کہ اس عرصہ میں وحی خواب میں ہوئی۔

چوتھے اعتراض کا جواب | چوتھے اعتراض کا یہ جواب ہے کہ خواب سے ہماری مراد متواتر خواب ہیں نہ کہ مطلق خواب۔ لہذا ان میں توفیق پیدا کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

دوسرے اعتراض کا جواب | دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ روایات میں تعداد کا جو اختلاف پایا جاتا ہے

وہ اس وقت کے اعتبار سے ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان فرمائی مثلاً وحی آنے کے بعد تیرہ سال مکمل کرنے کے بعد جب آپ نے بیان فرمایا کہ نیک خواب ہوتے ہیں جو ان حصہ ہے اور یہ وقت ہجرت کا وقت تھا۔ بس سال مکمل کرنے کے بعد فرمایا کہ چالیسواں جزو ہے اسی طرح بائیس سال کے بعد چالیسواں اور آخر عمر چھالیسواں جزو فرمایا ہو۔ ان کے سوا دوسری تمام روایات ضعیف ہیں پچاس کی روایت ممکن ہے کہ کسر کو پورا کرنے کے لیے ہو۔ اور ستر کی روایت مبالغہ کے لیے۔ ان کے سوا دوسری روایات صحیح ثابت نہیں ہو سکیں۔ ان روایات میں جو مناسبت پیدا کی گئی ہے ان کا ذکر صرف حافظ ابن حجر نے کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا ہے کہ اس مناسبت میں بھی ایک اعتراض رہ جاتا ہے۔

عنہ ابن اسحاق: محمد بن اسحاق سب سے پہلا شخص ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری لکھی۔ یہ منصور کے عہد

میں ۱۵۰ھ سے ۱۶۶ھ میں مرا۔

ابن حجر کے بیان | اس حدیث سے جو معنی متبادر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد مومن پر اعتراض | صالح کے خواب کی فضیلت بیان کرنا ہے اور مناسبت مذکورہ اس بات کی متعاضی ہے کہ یہ جز صرف اس خواب کے متعلق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آئی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مدت جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں وحی نازل ہوئی اس مدت کا چھیا لیسواں حصہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں وحی نازل ہوئی اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر نیک آدمی کی خواب میں بھی یہی نسبت پائی جائے۔ مزید برآں ابن ابی حمرہ نے اس تاویل کو پسند نہیں کیا کیونکہ اس تاویل سے مقصد حل نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں اللہ تعالیٰ نے کمال فصاحت و بلاغت عطا کی تھی ان کے ان الفاظ سے اس قسم کے معنی مراد لینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ شاید اس کے قائل کا یہ مقصد ہو کہ روایتی صالحہ اور نبوت کے درمیان ایک قسم کی مناسبت پیدا ہو جائے اور اجزاء کی تعداد میں جو اختلاف ہے اسے اسی میں کھپا دیا جائے۔

اس مذکورہ بالا اختلاف میں مناسبت پیدا کرنے کی کئی ایک علماء نے کوشش کی ہے۔

ابو جعفر طبری کا بیان | امام ابو جعفر طبری نے لکھا ہے کہ ستر والی روایت ہر مسلمان کی بھی خواب کے متعلق ہے۔ اور جالیس والی روایت سچے اور دین دار مومن کی خواب کے بارے میں ہے اور ان کے درمیان والی روایتیں عام مومنین کے حالات کے اعتبار سے ہوں گی۔

ابن بطال کا بیان | امام ابن بطال فرماتے ہیں: تعداد اجزاء میں کمی یا بیشی کے اعتبار سے جو اختلاف پایا جاتا ہے تو ان میں صحیح ترین روایت چھیا لیس اور ستر والی روایتیں ہیں۔ کیونکہ خواب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک صاف اور واضح خواب مثلاً اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ اسے پھل دیا گیا ہے اور پھر بیداری میں وہی واقعہ پیش آئے اور اسے اسی قسم کا پھل دیا جائے، اس قسم کی خواب کی تعبیر میں نہ کوئی دقت پیش آتی ہے اور نہ اس کی تفسیر میں کوئی رمز یا اشارہ ہوتا ہے اور دوسری مخفی جو ظاہر نہ ہو۔ اس قسم کی خواب کی تعبیر ایک ماہر ہی کر سکتا ہے کیونکہ اس میں بہت دور کی مثال دی گئی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ہو سکتا ہے کہ خواب کی دوسری قسم ستر میں سے ایک جز ہو۔ اور پہلی قسم چھیا لیسواں جز ہو۔ کیونکہ جس قدر اجزاء کم ہوں گے۔ اسی قدر خواب سچائی کے زیادہ قریب ہوگی اور اسی قدر اس کی تعبیر میں غلطی کا کم احتمال ہوگا۔ اس کے برخلاف جس قدر اجزاء زیادہ ہوں گے اس کی تعبیر میں غلطی کا زیادہ احتمال ہوگا۔ ابن بطال کہتے ہیں کہ میں نے یہ جواب کسی ایک لوگوں کو سنایا تو انہوں نے اسے پسند کیا۔

ایک اور بیان | کسی اور نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ نبوت اسی قسم کے دو حصوں پر مشتمل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کے ذریعہ سے اپنی دو طرہ تقویں پر نبوت حاصل کی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ کبھی آپ کو وحی آتی تو آپ جبرئیل سے بے تکلفی سے باتیں کرتے اور بعض اوقات جبرئیل آنحضرت صلی اللہ علیہ



دسلم کو کچھ جملے اور جوامع کلمات پڑھاتے جو آپ کو شدید معلوم ہوتے یہاں تک کہ آپ کو لرزہ طاری ہو جاتا اور آپ سے پسینہ بہنا شروع ہو جاتا۔

مازنی نے اس کا خلاصہ یوں کیا ہے کہ خواب میں اصل واقعہ پر کئی ایک دلائل پائی جاتی ہیں چنانچہ بعض دلائل واضح ہوتی ہیں اور بعض خفی۔ مگر حلی میں دلائلوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے اور خفی میں زیادہ اور ان کے درمیان دیگر درمیانی مدارج ہیں۔

امام ابو محمد ابن ابی امام ابو محمد ابن ابی جبرہ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت تو واضح امور لے کر آئی ہے چنانچہ جمرہ کا بیسان بعض وجوہ میں اجمال ہوتا ہے کسی دوسری جگہ واضح کر دیا گیا ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض خواب بھی صریح ہوتی ہیں جن کی تاویل کی ضرورت نہیں ہوتی اور بعض میں تاویل کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا اس خواب میں سے جس قدر حق بات کو عارف سمجھ جائے وہ اجزاء نبوت میں سے ایک جزو ہوتا ہے اور یہ جزو عارف کی سمجھ کے مطابق کبھی کم ہوتا ہے کبھی زیادہ۔ چنانچہ بلند ترین عارف وہ ہوگا جس کے فہم اور نبوت کے درجہ کے درمیان کم سے کم اجزاء کی تعداد ہو اور ادنیٰ ترین عارف وہ ہوگا جس میں تعداد زیادہ ہوگی اور ان کے علاوہ کے لیے درمیانی مدارج ہیں۔

مؤلف کتاب کتا ہے کہ اس کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس قدر عارف زیادہ فہم والا ہوگا تو اس میں اجزاء کی تعداد بھی کم ہوگی اور سب سے زیادہ اجزاء کی تعداد ضعیف الفہم عارف کی تعبیر میں ہوگی اور درمیانی فہم والے کے لیے درمیانی حالت اور اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں تعداد کے اختلاف کو معتبر کے فہم سے متعلق کیا گیا ہے حالانکہ خواب تو کسی اور کو آئی ہوتی ہے نہ کہ معتبر کو۔ اگر بات اسی طرح ہوتی تو حدیث کے الفاظ یوں ہونے چاہئیں تھے نیک آدمی کی نیک خواب کا سمجھنا نبوت کے چھبالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ لہذا یہ عارف کے فہم کی خوبی ہوئی نہ کہ خواب کی۔ اور یہ حدیث کے مفہوم کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

رحمانی و شیطانی خوابیں | میں نے حضرت سے رحمانی اور شیطانی خواب کے متعلق دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ذات انسانی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ہر وقت حق میں مشغول ہوتی ہے اور ان کا تعلق حق کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوم وہ جو ہر وقت باطل میں لگی رہتی ہے اور ان کا تعلق بھی باطل سے ہوتا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو وہی چیز مل

علم امام ابو محمد بن ابی جبرہ: شیخ ابو محمد بن سعد بن ابی جبرہ الازدی اندلسی متوفی ۵۲۵ھ۔ یہ بہت بڑے ولی گذرے ہیں۔ شریعت کی بڑی تعظیم کیا کرتے اور بیداری میں انہیں دیدار نبوی حاصل ہوتا۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ جن میں سے بخاری کی شرح سہی بہجة النفوس و غایبہا بمعرفۃ مالہا و ماعلیہا، تفسیر قرآن مجید و جمع النہایت، بداء الخیر و غایبہا حدیث میں ایک مختصر کتاب ہے۔ امام شعرانی نے ان کا حال لکھا ہے۔ (رواج: ۱: ۱۳۸) کشف الظنون (ج ۱: ۹۳) میں ان کی ایک اور کتاب شرح حدیث عبانہ بن الصامت بھی دی ہے۔ وہ ان کی تاریخ فوات ۶۶۵ھ دی ہے۔

جاتی ہے جو اس کے مناسب ہوتی ہے اور جو ہمیشہ سے اس کی حالت رہی ہوتی ہے۔ پھر آپ نے اس کی تشریح اس طرح کی کہ فرض کر دو مسائل ہیں۔ ہر ایک نے دس دینار مانگے جو انہیں دے دیے گئے۔ اور وہ بہت ہی خوش ہوئے مگر ایک کی خوشی کا تعلق عطیہ دینے والے کے ساتھ ہے یہاں تک کہ اس خوشی کی شعا میں اس کے باطن پر پر بھی پڑیں اور باطن بھی اس سے مسرور ہوتا آئے۔ یہ اس کی دن رات کی عادت بن گئی۔ یہ تو وہ شخص ہے جو حق پر قائم ہے اور حق سے وابستہ ہے۔ دوسرے کی خوشی دیناروں کے ساتھ ہے کہ ان سے حاجت پوری کرے گا۔ چنانچہ دینار ملنے کے بعد اس کا خیال ان حاجتوں کی طرف جائے گا۔ جنہیں وہ ان سے پورا کرے گا لیکن اپنی حاجتیں پورا کرنے اور مراد حاصل کر لینے کے بعد وہ پھر بانگنا شروع کرے گا اور کہے گا خدا یا مجھے دس دینار اور دے اس شخص کا دل تو حاجتوں میں مبتلا ہے اور اس کی نظر بھی انہی کی طرف لگی رہتی ہے اور اس کا یارب کتنا محض بلائے نام ہوتا ہے دل اس سے بالکل خالی ہوتا ہے کیونکہ وہ خدا سے بے تعلق اور حجاب کے پردے میں ہوتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جو باطل میں لگا رہتا ہے اور اسی سے اس کا تعلق ہوتا ہے چنانچہ پہلے کے خواب اللہ نے تعلق ہونے کی وجہ سے اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور دوسرے کے شیطان سے تعلق ہونے کی وجہ سے شیطان کی طرف سے۔ درحقیقت دونوں خواب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ دوسرے قسم کے خواب کو شیطان کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا کہ شیطان اس سے خوش ہوتا ہے اور بنی آدم کے لیے اسے پسند کرتا ہے کیونکہ یہ ان ظلمتوں سے پیدا ہوتی ہیں جنہیں شیطان پسند کرتا ہے بعینہ اس طرح جس طرح ایک فرخ اپنی اصل کو پسند کرتی ہے کیونکہ شیطان کی اصل تاریکی ہے۔

(مولف کہتا ہے) ائمہ حدیث مثلاً ابن حجر، ابن العربی، ابن بطلال اور ابن ابی جبرہ وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ خوابیں خواہ کسی قسم کی بھی ہوں اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ شیطان کی طرف انہیں صرف اس لیے منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ ان سے خوش ہوتا ہے۔

**پسچی اور جھوٹی خواب** | پھر میں نے سچی اور جھوٹی خواب کے متعلق سوال کیا۔

حضرت نے جواب دیا کہ سچی خواب وہ ہے جس کے دیکھنے والے کا دل سوتے ہوئے بھی معاینہ و مشاہدہ حق میں لگا ہوا ہو جیسا کہ اکثر جگتے میں رہتا ہے۔ اور جھوٹی خواب اس کے برعکس حالت دالے کی ہوتی ہے کہ اس کا دل سوتے میں الیا ہوتا ہے جیسے عام لوگ کہا کرتے ہیں وہم لے کر گیا اور دم لے کر واپس آیا۔ اسی لیے جس طرح وہ بیداری میں معاینہ حق سے محجوب ہوتا ہے اسی طرح خواب میں بھی محجوب ہوتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ بعض اہل ظلام کی خوابیں کبھی کبھی سچی ہوتی ہیں اور خواب دالے کے دل کو محجوب نہیں کرتیں حالانکہ آپ نے فرمایا ہے کہ اہل ظلمت کے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور جو شیطان کی طرف سے ہو اس میں حجاب کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ عزیز مصر نے خواب دیکھا جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ (الْأَيُّهَا) (سورہ یوسف)**

حضرت نے فرمایا یہ اس لیے ہوا کہ اس میں یوسف علیہ السلام کا راز اور حق شامل تھا اور یہی خواب

حضرت یوسف علیہ السلام کی شہرت، اُن کے قید خانہ سے نکلنے اور ملک پر تسلط کا باعث ہوا۔ اس کے علاوہ بھی کبھی کافر کی خواب سچی نکل آتی ہے جب اس کے ساتھ کسی اور کا تعلق ہو اور اس خواب کا تعلق بادشاہ کے تمام معاصرین کے ساتھ ہے۔ اسی لیے یہ خواب اوروں کے لیے تھا، خواص بادشاہ کے لیے نہ تھا۔

میں نے عرض کیا تو کیا قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دو ساتھیوں کی خواب انہی کے متعلق نہ تھی کیونکہ ہر ایک کی خواب واقعہ کے مطابق نکلی تھی، لہذا غیر کا تعلق کہاں رہا۔

حضرت نے فرمایا: اس میں بھی یوسف علیہ السلام کا حق تھا اور یہی اُن کی شہرت، اُن کے قید سے نکلنے اور ملک پر قابض ہونے کا سبب بنا۔ مختصر یہ کہ اہل ظلمت کی خواب اسی وقت سچی نکلتی ہے جب اس میں اور کا حق شامل ہو یا اس میں خواب دیکھنے والے کے لیے اس مذہب حق کے حق ہونے کی شہادت ہو جس مذہب پر خواب دیکھنے والا خود نہیں ہے۔ یا یہ خواب اس کی توبہ کا سبب ہو وغیرہ۔

(مولف کتا ہے) فتح الباری میں اسی طرح دیا ہے۔ حافظ ابن حجر بے حیا، مفسدہ پرواز اور مشرکوں کی خواب کے باب میں لکھتے ہیں کہ مُعَبَّرین کا کتنا ہے کہ اگر کوئی عائشہ یا ناسق کوئی نیک خواب دیکھے تو یہ خواب بعض اوقات اس کے ایمان لے آنے کی خوشخبری ہوتی ہے۔ یا توبہ کرنے کی یا اس میں اس کے کفر و فسق پر قائم رہنے کی اطلاع پائی جاتی ہے اور بعض اوقات یہ خواب اوروں کے لیے ہوتی ہے مثلاً اُن اہل نفل لوگوں کے لیے جن کے ساتھ اسے نسبت ہوتی ہے اور بعض اوقات انہیں ایسی خواب آتی ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ درست ہے حالانکہ یہ ایک قسم کی آزمائش دھوکا اور فریب ہوتا ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ (میں کہتا ہوں) جب وہ ایسی خواب دیکھے جس میں کفر پر رضامندی پائی جائے تو یہ نیک خواب نہیں کیوں کہ نیک خواب تو سچی خواب ہوتی ہے یا اس سے بھی خاص جیسا کہ اس سے پہلے مذکور ہو چکا۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت کا ذہن نیک خواب کی بجائے کافر کی مطلق خواب کی طرف چلا گیا ہو۔

ضرر رسال اور غیر | پھر میں نے حضرت سے سوال کیا کہ کون سی پریشان کن خواب ضرر رسال ہوتی ہے اور کونسی ضرر رسال خوابیں | غیر ضرر رسال اور اس سے پہلے عورت کا قصد بھی سنا دیا جس نے خواب میں دیکھا کہ اس کے گھر کا ستون گر گیا ہے اور اس نے ایک کانا بٹیا جلا ہے اور خواب کے وقت اس کا خاوند تجارت کے لیے دُور سفر میں گیا ہوا تھا۔ اس عورت نے آکر یہ خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سنایا تو آپ نے فرمایا: تمہارا خاوند ان شاء اللہ صبح سلامت واپس آجائے گا اور تیرے ہاں ایک صالح بچہ پیدا ہوگا۔ اس کے بعد ہی عورت پھر ایک بدائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت تشریف فرما نہ تھے۔ اس لیے اس نے اپنی خواب حضرت عائشہ سے

عائشہ: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ حضرت البرکہ صدیقہ کی بیٹی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی شادی مکہ ہی میں حج میں کی عمر میں ہو گئی تھی گو یہ آنحضرت کے گھر مدینہ میں جنگ بدر کے بعد سن ۶ ہجری میں گئی۔ جب کہ اُن کی عمر نو سال کی تھی۔ آپ سے بے شمار لوگوں نے حدیث کی روایت کی ہے۔ ان کی وفات ۵۷ھ = ۶۶۶ء یا ۵۸ھ = ۶۶۷ء میں ہوئی۔



بیان کی۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اگر تمہاری خواب سچی ہے تو تمہارا خاوند سفر میں مرجائے گا اور تیرے ان ایک بدکار بچے پیدا ہوگا۔ جب آنحضرتؐ تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ نے ان سے خواب اور تعبیر کا ذکر کیا۔ آنحضرتؐ کو ناگوار گذرا اور فرمایا۔ اے عائشہ جب کسی مسلمان کی خواب کی تعبیر کرو تو اچھی تعبیر کیا کرو کیونکہ خواب اپنی تعبیر کے مطابق واقع ہوتی ہے۔

ابن حجر مکتے ہیں کہ دارمی نے اس حدیث کو سلیمان بن لیسا کی سند سے حضرت عائشہؓ سے بسند حسن روایت کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ پریشان کن خواب اللہ کی طرف سے ہندہ کے لیے تنبیہ اور آزمائش ہوتی ہے کہ آیا۔ اس خواب کے دیکھنے کے بعد بھی وہ اپنے رب کے ساتھ رہتا ہے یا نہیں۔ لہذا اگر ہندہ کا تعلق اللہ کے ساتھ ہو اور وہ پریشان کن خواب دیکھے تو وہ نہ اس کی طرف توجہ دے گا اور نہ پرواہ کرے گا کیونکہ اسے علم ہے کہ یہ خواب اس خدا کی طرف منسوب ہے جس کے قبضہ میں تمام معاملات اور ان کا رد و بدل ہے اور یہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اختیار کر لیا ہے وہ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اسلئے وہ خواب سے نہیں ڈرے گا اور نہ اس کی طرف توجہ دے گا اور انشاء اللہ یہ خواب اسے نقصان دہ نہ ہوگی۔ مگر جب ہندہ کا تعلق اللہ سے نہ ہوگا اور اسے پریشان کن خواب آئے گی تو وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے گا اور اس کا باطن ہمہ تن اسی کی طرف مشغول ہوگا۔ اور وہ اپنے رب سے منقطع ہو جائے گا اور وہ۔۔۔ سمجھے گا کہ یہ خواب ضرور پوری ہو کر رہے گی اور وہ اس سے غافل ہو جائے گا کہ اللہ نے اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے اور جو کس چیز سے ڈرتا ہے وہ اس پر مسلط ہو جاتی ہے۔ لہذا خواب اس قسم کے آدمیوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔

جب خواب نقصان دہ نہیں تو میں نے عرض کیا جب خواب نقصان نہیں دے سکتی تو پھر دیکھنے والے پھر تَعَوُّذ کا کیوں حکم دیا گیا؟ کو کیوں حکم دیا گیا کہ وہ اس خواب اور شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور بائیں جانب تین بار کھٹو کے۔

حضرت نے فرمایا کہ مومنین کے دل اللہ کے نام پر سوتے ہیں اور اسی کے نام پر بیدار ہوتے ہیں۔ لہذا جب وہ سوتے ہیں تو اللہ ان کے دل میں ہوتا ہے اور جب بیدار ہوتے ہیں تب بھی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ہوتا ہے۔ لہذا جب ان میں سے کوئی شخص پریشان کن خواب دیکھتا ہے اور بیدار ہوتا ہے تو اس کا دل اس حالت سے متزلزل ہو جاتا ہے جس پر سویا تھا۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی حالت پر لوٹ

دارمی: ابو عمر عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی۔ حافظ سمرقندی۔ انیس اپنے زمانہ کا امام سمجھا جاتا تھا ۱۸۱ھ = ۷۹۹ء میں پیدا ہوئے اور چالیس برس کی عمر میں ۲۳۵ھ = ۸۴۸ء میں وفات پائی۔

سلیمان بن لیسا: ابو ایوب سلیمان بن یسار الصلالی المدنی۔ اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ زہری کہتے ہیں کہ یہ علماء میں سے تھے۔ نسائی کہتے ہیں کہ امام تھے۔ اور ابو زرہ انہیں ثقت کہتے ہیں۔ تہذیب میں کی عمر میں ۱۸۱ھ = ۷۹۹ء میں وفات پائی۔



جانے کا حکم دیا۔ اس طرح کہ وہ اللہ کی طرف لوٹے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے اور پریشان کن خواب کے درمیان رکھے۔ استعاذہ سے یہی مراد ہے۔ اس طرح اس کا تعلق اللہ سے ہو جائے گا اور پریشان کن خواب سے منقطع ہو جائے گا اور چونکہ شیطان تو یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرے اس لیے اُسے اللہ کی پناہ لینے کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کو اپنے اور اس لعین (یعنی شیطان) کے درمیان کر دے اور اس کا تعلق لعین سے منقطع ہو کر اللہ سے ہو جائے۔ اور تھوکنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ جس حالت سے رجوع کر رہا ہے اس کو بلید (استقذاراً) سمجھے اس لیے کہ اس حالت میں وہ اللہ سے منقطع ہو چکا ہے اسی لیے اس حالت کو حقیر سمجھتے ہوئے وہ بائیں جانب تین بار تھوکتا ہے۔

**بائیں طرف تھوکنے** | حضرت نے فرمایا کہ بائیں طرف تھوکنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ شیطان جب کسی کے پاس آتا کا حکم کیوں دیا گیا ہے تو بائیں جانب سے آتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہر طرح کی بھلائی وائیں جانب سے ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ حافظ کتاب فرشتہ جس کا نور قوی ہوتا ہے وائیں طرف ہوتا ہے اور جس کا نور کمزور ہوتا ہے وہ بائیں طرف ہوتا ہے۔ جنت وائیں طرف ہے اور جہنم بائیں طرف۔ جبرئیل جب کبھی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو وائیں جانب سے آتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہداء کی ارواح کو وائیں جانب سے ہی دیکھا کرتے تھے کیونکہ بدر اور اُحد وغیرہ میں ان کی شہادت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کی وجہ سے پریشان ہوتے تو آپ وائیں طرف دیکھتے اور انہیں گھوڑوں پر سوار کفار کے خلاف جہاد کرتے ہوئے دیکھتے۔ عرش وائیں جانب ہے اور فرشتہ (زمین) بائیں جانب زمین کے جس حصہ میں بنی آدم کے مومنین آباد ہیں وہ وائیں جانب ہی ہے اور جس حصہ میں جن آباد ہیں وہ بائیں جانب ہے۔ وائیں جانب کی رگیں کثرت سے اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ برخلاف اس کے بائیں جانب کی رگیں خاموش ہیں۔ نور حق وائیں طرف سے آتا ہے اور باطل بائیں سے۔ مختصر یہ ہے کہ خیر وائیں جانب سے آتی ہے اور شر بائیں جانب سے۔

**وائیں جانب سے** | میں نے عرض کیا کہ وائیں جانب سے کیا مراد ہے؟

**کیا مراد ہے؟** | حضرت نے فرمایا جسے اللہ کی طرف سے فتح (شرح صدر) نصیب ہو، اُسے ہر طرح

کی بھلائی وائیں جانب سے ہی حاصل ہوتی ہے اور ہر طرح کی شر بائیں جانب سے۔ پھر جب وہ رُخ بدلتا ہے تو صورت حال بھی بدل جاتی ہے۔ چنانچہ اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ مشرق کی طرف جا رہا ہے تو ہر قسم کی بھلائی مثلاً جنت، عرش، ارواح شہداء کو وائیں جانب یعنی جنوب کی طرف دیکھے گا اور اپنی بائیں جانب یعنی شمال کی جانب جہنم، شیاطین اور اشقیاء کی ارواح وغیرہ ظلمانی چیزیں دکھائی دیں گی۔ اسی طرح اگر وہ پلٹ کر مغرب کی جانب رُخ کرے اور اس کا وایاں ہاتھ شمال کی جانب ہو اور بائیں جنوب کی جانب تو اسے مذکورہ بالا خیرات وائیں جانب دکھائی دیں گی اور ہر قسم کی مذکورہ بالا شر وغیرہ بائیں طرف علیٰ ہذا القیاس۔ جب وہ کسی اور جانب رُخ پھیرے تو صورت حال بھی اسی کے مطابق پھر جائے گی۔

حضرت نے فرمایا کہ اس کا راز یہ ہے کہ عارف کے دو آئینے ہوتے ہیں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ ایک نورانی جس سے صرف نور ہی نظر آتا ہے اور دوسرا ظلمانی جس سے صرف تاریکیاں ہی دکھائی دیتی ہیں۔ نورانی اشیاء اس کی دائیں جانب ہوتی ہیں اور یہ دراصل اس کا نورِ ایمان ہوتا ہے اور ظلمانی اس کی بائیں جانب اور یہ دراصل نفسِ خبیثہ کی شہوات اور ان کا جث ہے جو بمقابلہ نورِ ایمان کے ہے۔ لہذا جب وہ دائیں جانب دیکھے گا تو اس کا دیکھنا نورِ ایمان کے ساتھ ہوگا۔ اسی لیے اسے نورِ ایمان کے مشابہ اشیاء جو حق و نور ہیں دکھائی دیں گی۔ اور جب وہ بائیں جانب دیکھے گا تو شہواتِ نفس کی ظلمتوں کو دیکھے گا۔ اسی لیے اسے اس کی ہم شکل اشیاء دکھائی دیں گی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا دیکھنا طبیعتِ ذات کی نگاہ سے ہوتا ہے کیونکہ اس میں روح اور ذات دونوں کام کر رہی ہوتی ہیں لہذا جب روح ایمان کے ہوتے ہوئے ذات میں محبتِ رضا اور قبول سے قرار پائے گی تو ان دونوں کے ساتھ نور برقرار رہے گا۔ اور یہ نور اس کا نورِ ایمان ہی ہوتا ہے جو اس کی ذات سے مل کر ایک ہو گیا ہوتا ہے اور دیکھنے والی چیز عقل ہوتی ہے چنانچہ جب یہ عقل نورِ روح کے آئینہ سے دیکھتی ہے تو اسے پاکیزہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں لیکن جب نورِ ذات کے آئینہ سے دیکھتی ہے تو اسے تاریک اور اسی قسم کی دیگر اشیاء نظر آتی ہیں۔ وہ حدیث اسی پر مبنی ہے۔ ان اشکال کا ذکر آتا ہے جو آدم علیہ السلام کی دائیں جانب تھے اور جنہیں دیکھ کر وہ ہنستے تھے اور ان اشکال کا جو آدم علیہ السلام کی بائیں جانب تھیں اور جنہیں دیکھ کر وہ روٹ پڑتے تھے۔ پہلی قسم کی شکلیں نیک لوگوں کی روحیں تھیں اور دوسری قسم کی شکلیں بد بختوں کی روحیں تھیں۔

حضرت نے فرمایا کہ تین بار تھنکارنے کا حکم اس لیے دیا کہ پہلا ذات کی طرف سے۔ دوسرا **میں حکمت** روح کی طرف سے اور تیسرا بندہ کا حق تعالیٰ سے مدد چاہنے کے لیے۔ تین بار تھنکارنے میں بھی راز پایا جاتا ہے اور پھر یہ جو حکم ہے کہ آنکھ کھلنے پر کروٹ بدلے تو یہ اس لیے ہے کہ پہلی نیند کا معاملہ ختم ہو جائے اور وہ ایسا ہوگا جیسا کہ اس نے از سر نو اللہ کے ذکر سے تیند شروع کی ہو بخلاف اس کے اگر کروٹ نہ بدلے گا تو یوں سمجھا جائے گا کہ وہ ابھی پہلی نیند ہی سو رہا ہے۔

پریشان خواب دیکھنے کے حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار تو نماز پڑھنے کو فرمایا بعد نماز پڑھنے کا حکم (مؤلف کہتا ہے کہ یہ روایت صحیح مسلم کی ہے) اور دوسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر نہیں کیا۔ (مؤلف کہتا ہے کہ یہ بخاری کی روایت ہے) لہذا جس کا دل چاہے نماز پڑھے اور جس کا دل چاہے اپنی حالت پر رہے۔ اور نہ پڑھے۔ نماز پڑھنے کے حکم میں یہ راز ہے کہ جو ظلمت پریشان خواب کی وجہ سے اس کی ذات میں داخل ہو گئی ہے وہ مٹ جائے اور وہ نماز سے ذات کو اس ظلمت سے نکال کر پاک کر لے۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ پریشان خواب کے آداب یہ ہیں۔ اس کے شر سے اللہ کی پناہ چاہنا۔ شرِ شیطان سے پناہ مانگنا۔ تین بار بائیں طرف تھنکارنا۔ جس کروٹ خواب آئی ہو اسے بدلنا۔ اور نماز کے لیے کھڑا ہونا۔ پہلی چار باتیں ضروری ہیں اور پانچویں کے متعلق ایک روایت میں حکم دیا گیا ہے اور دوسری میں نہیں۔ ان کے علاوہ علماء نے

دو اور آداب کا ذکر کیا ہے ایک یہ کہ آیت الکرسی پڑھے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن مجھے اس کی کوئی سند معلوم نہیں ہو سکی۔ حضرت نے فرمایا کہ بات اسی طرح ہے جس طرح کہ ابن حجر نے فرمایا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ دوسرے یہ کہ اس خواب کا کسی سے تذکرہ نہ کرے اور یہ بخاری میں مذکور ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ خواب کے شر سے اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق ایک صحیح روایت آئی ہے جس کی روایت سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے ابراہیم نخعی سے صحیح سندوں سے کی ہے کہ جب تم سے کوئی شخص بُری خواب دیکھے تو بیدار ہونے پر یہ الفاظ پڑھے :-

اَعُوذُ بِمَا اَعَاذَتْ بِهَا مَلَائِكَةُ اللّٰهِ وَرُسُلُهُ مِنْ شَرِّ رُؤْيَا هَذِهِ اَنْ يَّصِيْبَنِي مِنْهَا مَا اَكْرَهْتُ فِي دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ [ترجمہ: میں اس خواب کے شر سے اسی ہستی کے پاس پناہ لیتا ہوں جس کے پاس اللہ کے فرشتے اور رسول پناہ لیتے رہے ہیں تاکہ مجھے اس خواب سے دین و دنیا کی کوئی تکلیف نہ پہنچے]

ڈراونی خواب دیکھ کر استعاذہ کے بارے میں امام مالک کی ایک اور روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خواب میں ڈرا کرتے تھے۔ انہوں نے اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آپ نے فرمایا جب خواب میں ڈرو تو یہ کلمات پڑھ لیا کرو اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التّٰمَّاتِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَعَذَابِہٖ وَ مِنْ شَرِّ عِبَادِہٖ وَ مِنْ هَمِّ اَتِ الشَّيْطٰنِ وَ اَعُوذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔ [ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے علم تام کے ساتھ اللہ کے غضب، اس کے عذاب، اس کے بندوں کے شر اور شیطانی دساد سے پناہ لیتا ہوں۔ خدا یا میں تیرے پاس پناہ لیتا ہوں۔ تاکہ یہ شیاطین وغیرہ میرے پاس نہ آسکیں]۔

ع ۱ سعید بن منصور: سعید بن منصور بن شعبہ خراسانی ۱۰۰۰ کی پیدائش جو زجھان میں ہوئی بلخ میں نشوونما پائی اور مکہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔ یہ آئمہ حدیث میں سے تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ان کی وفات ۲۲۶ھ = ۸۴۱ء میں ہوئی۔

ع ۲ ابن ابی شیبہ: ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ حافظ کوئی ۲۔ انہوں نے عبداللہ بن ادیس اور ابن مبارک وغیرہ سے روایت کی۔ ان کی وفات ۲۳۵ھ = ۸۴۹ء میں ہوئی۔

ع ۳ عبدالرزاق: عبدالرزاق بن ہمام ابوبکر بڑے پایہ کے عالم تھے۔ انہوں نے پچاسی برس کی عمر میں ۲۱۱ھ = ۸۲۶ء میں وفات پائی۔

ع ۴ ابراہیم نخعی: حضرت ابراہیم بن یزید النخعی نقیہ العراق۔ علقمہ، مسردق اور اسود وغیرہ سے روایت کی اور حماد بن ابی سلیمان نقیہ کے شیخ ہیں، وہ مخلص علماء میں سے تھے۔ شہرت سے بچتے تھے۔ ۹۵ھ = ۷۱۳ء میں وفات پائی۔

ع ۵ خالد بن الولید: خالد بن ولید بن مغیرہ مخزومی جو سیف اللہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ مشہور صحابی ہیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے۔ انہوں نے غزوہ موتہ میں شرکت کی اور انہی کے ہاتھوں فتح ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یہ اہلِ روم سے جنگ کرنے پر مامور ہوئے۔ پھر انہوں نے عراق و شام کی جنگوں میں فتوحات حاصل کیں۔ ۲۱۱ھ = ۸۲۶ء

میں حصص میں وفات پائی۔ ۱۲



نسائی نے عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے اسے یوں روایت کیا ہے کہ خالد بن الولید خواب میں ڈر جایا کرتے تھے۔ پھر باقی روایت اسی طرح ہے لیکن اس کی ابتدا میں یہ الفاظ زائد دیے ہیں کہ جب تو سونے لگے تو یہ الفاظ پڑھ لیا کرو۔ اور وہی پہلی دعا ذکر کی ہے۔ اصل حدیث ابو داؤد اور ترمذی میں ہے۔ حاکم نے اسے حسن اور صحیح کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نے حضرت سے اس خواب کے متعلق سوال کیا جس کی تعبیر ابو بکر صدیق کی موجودگی میں حضرت ابو بکر کی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ ٹھیک بتائی ہے اور کچھ غلط۔ امام بخاری نے

اس قصہ کا مفصل ذکر دیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُوسُفَ بْنِ إِسْحَابٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثَيْبَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ ظِلَّةً تَنْطَفِئُ السَّمَنَ وَالْعَسَلَ فَأَرَى النَّاسَ يَتَلَفَّفُونَ مِنْهَا فَالْمَسْتُكَرَّ وَالْمُسْتَقِرَّ وَإِذَا سَبَبُ وَاصِلٌ مِنَ الْأَرْضِ إِلَى السَّمَاءِ فَأَرَاكَ أَخَذْتَ بِهَا فَعَلَوْتَ ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرَ فَعَلَا بِهِ ثُمَّ أَخَذَهُ رَجُلٌ آخَرَ فَعَلَا بِهِ ثُمَّ أَخَذَهُ رَجُلٌ آخَرَ فَانْقَطَعَتْ ثُمَّ وَصَلَ [ترجمہ: ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میں نے آج رات خواب میں ہایک سایہ دار بادل دیکھا جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا تھا۔ دیکھا تو لوگ ہاتھ پھیلائے اسے لے رہے ہیں چنانچہ کسی نے زیادہ لے لیا اور کسی نے کم۔ پھر ایک رستی دیکھی جو زمین سے آسمان تک پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپ اس کو پکڑ کر اوپر چڑھ گئے پھر اسے ایک اور شخص نے پکڑا اور وہ بھی اوپر چڑھ گیا، پھر تیسرے نے پکڑا اور وہ بھی چڑھ گیا پھر چوتھے نے پکڑا اور سی ٹوٹ گئی لیکن پھر چڑھ گئی]۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ مجھے اس

علم نسائی: مشہور محدث ہیں جن کی سنن النسائی مشہور حدیث کی کتاب ہے۔ انہوں نے ۵۳۳ھ = ۹۱۵ء میں وفات پائی۔

علم عمرو بن شعیب: عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔ ان کی اکثر احادیث کی روایت اسی طرح آئی کہ عن ابیہ عن جدہ۔ اسی لیے بخاری اور مسلم نے ان کی کوئی حدیث اپنی کتاب میں نہیں دی کیونکہ اس طرح بعض اوقات گڑبڑ پڑ جاتی ہے۔

علم ابو داؤد: ابو داؤد سہستانی مشہور محدث اور مؤلف سنن ابی داؤد ہیں۔ انہوں نے ۲۶۶ھ = ۸۸۹ء میں وفات پائی۔

علم ترمذی: ابو عیسیٰ محمد الترمذی۔ جامع الترمذی کے مؤلف اور مشہور محدث ہیں۔ انہوں نے ۲۶۹ھ = ۸۹۲ء میں وفات پائی۔



کی تعبیر بیان کرنے دیں۔ آنحضرت نے فرمایا: بہت اچھا! اس کی تعبیر بیان کرو۔

الو بکر نے کہا سایہ دار بادل تو اسلام ہے اور جو گھٹی اور شہد اس سے ٹپک رہا ہے۔ وہ قرآن ہے، جس کی مٹھاس ٹپک رہی ہے کوئی اس میں سے زیادہ لے رہا ہے کوئی کم۔ اور جو رسی زمین سے آسمان تک پہنچی ہوئی ہے وہ وہ طریق ہے جس پر آپ قائم ہیں۔ آپ اسے پکڑے ہوئے ہیں اور اللہ آپ کو اُپر چڑھا رہا ہے پھر آپ کے بعد کوئی اور اسے بٹھانے گا اور وہ بھی اُپر چڑھ جائیگا۔ پھر تیسرا تھا میگا اور اُپر چڑھا جائے گا پھر چوتھا تھا مٹھائے گا تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ پھر اُسے جوڑا جائے گا اور وہ اُپر چڑھ جائے گا۔

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے بتلائیں کیا میں نے درست تعبیر کی یا غلط؟ آنحضرت نے فرمایا کچھ ٹھیک ہے کچھ غلط۔ پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو قسم ہے اللہ کی مجھے ضرور بتائیے کہ میں نے کیا غلطی کی۔ آنحضرت نے فرمایا: قسم ہے دو۔

حدیث کے الفاظ کی اَوَاذِ السَّبْكِ وَاصِلٌ کی بجائے ابن وہب کی روایت میں وَرَأَى سَبْكًا وَاصِلًا روایت میں اختلاف ہے۔ اور وَرَأَى الَّذِي يَنْطَلِقُ مِنَ الْعَسَلِ وَالسَّمَنِ کی بجائے سلیمان بن کثیر کی روایت میں وَرَأَى الْعَسَلِ وَالسَّمَنِ فَالْقَوْلُ الَّذِي حَذَّرَ فِي الْعَسَلِ وَرَأَى اللَّبْنَ مَعَادِرَ لَا تَقْسِمُ کی بجائے ابن ماجہ میں لَا تَقْسِمُ يَا أَبَا بَكْرٍ ہے۔

الو بکر کی غلطی کے بارے میں علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تعبیر میں کہاں غلطی کھائی میں علماء کا اختلاف ہے۔ اہلبیت اور اس کے متبعین کا قول ہے کہ ابو بکر نے سَمَّ وَصَلَ لَهٗ کے الفاظ میں غلطی کھائی ہے اس لیے کہ حدیث میں صرف سَمَّ وَصَلَ ہے لَهٗ کا لفظ اس میں نہیں ہے۔ انہیں دہریہ ٹھہر جانا چاہیے تھا جہاں خواب ختم ہوتی اور جس کے لیے رسی جوڑی گئی تھی اس کا تذکرہ نہ کرتے اس صورت میں معنی یوں ہوئے کہ حضرت عثمان کے لیے رسی ٹوٹی اور پھر کسی اور کے لیے جوڑی گئی یعنی خلانت کسی اور کے پاس پہنچی۔ قاضی عیاض کی رائے [قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ کسی نے کہا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خطا "وَصَلَ لَهٗ"

عہد ابن وہب: ابو محمد عبد اللہ بن وہب: انہوں نے امام مالک اور امام لیت سے فقہ کی تعبیر حاصل کی ۱۲۸ھ = ۷۶۵ء میں امام مالک کے پاس آئے اور وفات تک ان کی خدمت میں رہے ۱۲۵ھ = ۷۴۲ء میں پیدا ہوئے ۱۹۶ھ = ۸۱۱ء میں وفات پائی۔

عہد سلیمان بن کثیر: ابو داؤد سلیمان بن کثیر بعدی: ذہبی کہتے ہیں جائز الحدیث لا باس بہ۔ ان کی وفات ۲۳۲ھ = ۸۴۷ء میں ہوئی ابن ماجہ: ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ مشہور محدث ہیں۔ ان کی کتاب سنن ابن ماجہ کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔ ان کی وفات ۲۴۳ھ = ۸۵۶ء میں ہوئی۔

عہد محمد بن عتبہ: محمد بن ابی صفرة الازدی، انہوں نے بخاری کی شرح لکھی ہے اور ان کے شاگرد ابو عبد اللہ محمد بن خلف بن مراد نے اس شرح کو مختصر کیا ہے۔ (كشف الظنون: ۱۱: ۲۸۰)

عہد قاضی عیاض: ابو الفضل عیاض بن موسیٰ: مغرب میں سنیہ کا قاضی رہنے کی وجہ سے انہیں بالعموم قاضی عیاض کہا جاتا ہے۔ ان کی تفسیر کے قریب تفسیریں ہیں جن میں مسلم شریف کی شرح اور تفسیر قرآن میں المشارق اور الشفاقی تشریفات جنوق الاسطی زیادہ مشہور ہیں ۳۸۸ھ = ۹۹۹ء میں پیدا ہوئے اور ۵۲۵ھ = ۱۱۲۹ء میں وفات پائی۔

کننے میں تھی حالانکہ حدیث میں صرف "دَصَلَ" کا لفظ ہے "لَه" کا نہیں ہے۔ اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے رسی نہیں جوڑی گئی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے جوڑی گئی یعنی ان تک خلافت پہنچی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ "لَه" کا لفظ اُصیلی اور کریمہ کے نزدیک لیث کی روایت میں سے ساقط ہو گیا ہے لیکن اس کے تینوں استادوں کی روایت سے ابوذرؓ کی حدیث میں "لَه" کا لفظ موجود ہے۔ اسی طرح نسفیؓ کی روایت میں بھی یہ لفظ موجود ہے اور مسلم کے ہاں بھی یونسؓ سے ابن دھب وغیرہ کی روایت میں یہ لفظ پایا جاتا ہے اور ترمذی کے ہاں معمرؓ کی روایت میں۔ اسی طرح نسائی اور ابن ماجہ کے ہاں ابن عیینہ سے سلیمان کی روایت میں۔ امام احمد کے ہاں ابن حسین کی روایت سے۔ دارمی اور ابی عوانہ کے ہاں سلیمان بن کثیر کی روایت سے۔ ان سب نے زہری سے روایت کی ہے۔ سلیمان بن کثیر کی روایت میں اَنْصَلَ كَمَا صَافَهُ سے "دَوَّصَلَ لَه" فَانصَلَ کے الفاظ ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ "لَه" کا لفظ حدیث میں موجود ہے۔ اس صورت میں معنی یوں ہوئے "کہ حضرت عثمانؓ ان امور کے سبب جو ان کی خلافت میں واقع ہوئے اور لوگوں نے انہیں ناپسند کیا، قریب تھا کہ اپنے ساتھیوں تک نہ پہنچ سکتے پھر جب ان کی شہادت واقع ہوئی تو رسی بڑا گئی اور وہ بھی ان تک پہنچ گئے۔"

- ع۱ اُصیلی: حافظ علامہ ابو محمد عبداللہ بن ابی ہاشم بن محمد اللاندلسی: قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہ مالکی مذہب کے حافظوں میں سے تھے۔ حدیث، رجال اور عدل حدیث سے واقف تھے۔ ان کی کتاب الدلائل فی اختلاف العلماء مشہور ہے۔ ان کی وفات ۳۹۲ھ میں ہوئی۔
- ع۲ کریمہ: ان کا سال معلوم نہ ہو سکا۔
- ع۳ لیث: لیث بن سعد: انہیں نقیہ اہل مصر کہا جاتا ہے۔ مصر میں ۹۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۰ھ میں وفات پائی۔
- ع۴ ابوذر: ابوذر غفاریؓ جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں۔ یہ جاتا ہے کہ یہ پانچویں اسلام لانے والے تھے۔ بعثت سے پہلے ہی اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔
- ع۵ نسفی: ابوالبرکات نسفی مشہور نقیہ میں ۱۷۰ھ میں وفات پائی۔
- ع۶ یونس: یونس بن یزید ابلی انہوں نے قاسم، عکرمہ، زہری سے روایت کی۔ ان سے عبداللہ بن مبارک اور ابن دھب نے روایت کی ہے۔ ثقہ راوی اور تابعی تھے۔ ۱۵۹ھ میں وفات پائی۔
- ع۷ معمر: ابو عمرو مہم بن راشد اللادری۔ عالم مین۔ زہری اور حاکم نے ان سے روایت کی ہے اور ان سے ثوری اور ابن عیینہ نے روایت کی ہے۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دس ہزار حدیثیں سنیں۔ اٹھاون برس کی عمر میں ۱۵۳ھ میں وفات پائی۔
- ع۸ ابن عیینہ: سفیان بن عیینہ ان کمال پہلے گزر چکا ہے پیدائش ۱۷۰ھ میں وفات ۱۹۸ھ میں۔
- ع۹ ابن حسین: ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔
- ع۱۰ دارمی: ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی حافظ حدیث سمرقندی ہیں ۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔
- ع۱۱ ابو عوانہ: یسقط بن اسحق ابو عوانہ اسفرائنی۔ ان کی سند ہے۔ حافظ حدیث اور ثقہ تھے۔ ان کی وفات ۳۱۶ھ میں ہوئی۔
- ع۱۲ زہری: ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری مشہور محدث گذرے ہیں۔ ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے ۳۲۵ھ میں وفات پائی۔ تابعی ہیں۔

قتیبہ بن سعید وغیرہ کی رائے اور اس کا جواب | قتیبہ بن سعید، ابو محمد بن ابی زید، ابو محمد الاصبلی، ابو بکر الاسماعیلی، احمد بن نصر الداودی وغیرہم کی رائے ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے پیشتر اس کے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خواب کی تعبیر بیان کرنے کا حکم فرماتے تعبیر کرنے میں جلدی کی۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہوا کہ تو نے تعبیر تو ٹھیک کی ہے لیکن عجلت کرنے میں غلطی کھائی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر بیان کرنے کی اجازت طلب کر لی تھی۔ اور اپنے اجازت بھی دے دی تھی لہذا عجلت نہ ہوئی کیونکہ انہوں نے اجازت حاصل کرنے کے بعد تعبیر بیان کی ہے۔ مزید برآں آنحضرت صلعم کے فرمان **أَصْبَحْتُ بَعْضًا وَأَخْطَأْتُ بَعْضًا** سے جو فوراً مفہوم سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ ان کی تعبیر کا کچھ حصہ صحیح اور کچھ غلط ہے۔

امام طحاوی وغیرہ | امام طحاویؒ، خطابیؒ، ابن العربیؒ، ابن الجوزیؒ اور کچھ جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سمن (گھی) اور غسل (شہد) دونوں کی قرآن سے تعبیر کی ہے حالانکہ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ ان کی تعبیر بھی دو چیزوں سے کی جانی۔ جیسا عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث میں ہے جس کی روایت امام احمد نے کی ہے۔ عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری ایک انگلی میں گھی اور دوسری میں شہد ہے اور میں دونوں کو چاٹ رہا ہوں۔ صحیح ہوئی تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر خواب کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا تم قرآن اور آیتوں پر پڑھو گے۔ چنانچہ بعد میں یہ دونوں کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھی اور شہد کی تعبیر دو چیزوں سے دی۔ اسی طرح اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھی اور شہد

عقۃ قتیبہ بن سعید: قتیبہ بن سعید الثقفی۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ ان کا اصلی نام یحییٰ ہے اور قتیبہ لقب ہے۔ انہوں نے مالک، بیہق وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ترمذی وغیرہ نے کی۔ لسانی کہتے ہیں کہ یہ ثقہ اور سچے تھے۔ ان کی وفات ۲۳۵ھ = ۸۵۰ء میں ہوئی۔

عقۃ ابو محمد بن ابی زید: ان کا حال نہ معلوم ہو سکا۔

عقۃ ابو محمد الاصبلی: ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

عقۃ ابو بکر الاسماعیلی: محمد بن مہران ابو بکر نسیا پوری جو اسماعیلی کے نام سے مشہور ہیں جاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث کے ایک رکن تھے۔ ان کی وفات ۲۹۵ھ = ۹۰۷ء میں ہوئی۔ انہیں آخر عمر میں نقوہ ہو گیا تھا۔ زہری کی احادیث کو انہوں نے نہایت عمدگی سے جمع کیا۔

عقۃ احمد بن نصر الداودی: ابن جریر نے چار شخصوں کا نام احمد بن نصر دیا ہے مگر ان میں سے کوئی بھی داودی نہیں ہے۔ میرے خیال میں احمد بن نصر کی بجائے احمد بن سعید داودی ہونا چاہیے جنہوں نے بخاری کی شرح کی تھی۔ ابن تین نے داودی کی شرح کے حوالہ دیے ہیں۔

عقۃ طحاوی: ابو جعفر احمد بن محمد بن سلام ازدی طحاوی۔ متاخرین کے امام گذرے ہیں۔ ۳۲۵ھ = ۹۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ پہلا امام شافعی کے شاگرد ترمذی۔ تعلیم حاصل کی۔ جوان کے ماموں تھے اس کے بعد تافعی احمد بن ابی عمر ان کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور ان سے علم فقہ حاصل کیا۔

عقۃ خطابی: ابو سلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب البستی الخطابی۔ متوفی ۳۳۵ھ = ۹۴۷ء۔ انہوں نے بخاری کی شرح لکھی ہے جس کا نام اعلام السنن رکھا۔ اس سے پہلے انہوں نے بلخ میں معالم السنن لکھی تھی۔ یہ فقہ اور حدیث میں کیمائی روزگار تھے۔



کی تعبیر و چیزوں سے دی۔ اسی طرح اس حدیث میں بھی ان دونوں کی تعبیر کتاب اور سنت یا علم اور عمل یا حفظ اور فہم وغیرہ کے ساتھ کرنی چاہیے۔

**ایک اور قول** | بعض کی رائے ہے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے "سایہ دار بادل" کی تعبیر "اسلام" سے دینے میں غلطی کھائی۔ حالانکہ اس کی تعبیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی چلبیے تھی۔ اور گھٹی اور شہد کی تعبیر کتاب اور سنت سے ہونی چاہیے۔

**ایک اور قول** | بعض نے کہا ہے کہ خطلہ سے بہاں مراد ترک ہے یعنی تو نے کچھ حصہ تعبیر کیے بغیر ہی چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے تین آدمیوں کی تعیین نہیں کی۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کے قسم والے کی پڑاہ نہ کی اور اس کو پورا کیا کیونکہ قسم کو پورا کرنے کا مطالبہ اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے جب اس قسم کے پورا کرنے میں کوئی سزا ہی نہ ہو۔ بہرے مشقت نہ پائی جاتی ہو لیکن اگر پائی جاتی ہو پھر اس کو پورا کرنا ضروری نہیں۔ ہر کتاب ہے کہ اس کی خوابی یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان کی رستی ٹوٹنے کا سبب معلوم تھا جو ان کے قتل اور جنگوں اور فتوں کے اشتعال کا باعث بنا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈر سے کہ کہیں خبر لوگوں میں پھیل نہ جائے اس کا ذکر کرنا پسند نہ لیا۔ مزید یہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر کی قسم کو پورا کرتے تو آنحضرت کو تینوں آدمیوں کی تعیین کرنی پڑتی اور اگر تعیین کر دیتے تو یہ ان کی خلافت کا صریح حکم ہوتا۔ حالانکہ شہادت بیزدی میں یہ بات قرار پا چکی تھی کہ خلافت اسی طرح بشیر تعیین کے ہوگی۔

اسی لیے آپ نے سادے سادے خوف سے ان کی تعیین نہ کی۔ یہ ساری تشریح محی الدین نووی کی ہے۔

**ابن العربی** | ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ ابو بکر صدیق کی تعظیم کو مد نظر رکھتے ہوئے اس بحث میں پڑا ہی نہ جائے کی رائے | چنانچہ ابو بکر ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عارف سے جو خواب کی تعبیر کے فن سے واقف تھے پوچھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا غلطی کی تھی؟ فرمایا بھلا یہ کس کو معلوم ہے؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوجاگی میں حضرت ابو بکر صدیق کا تعبیر کرنے میں پیش قدمی کرنا غلطی ہے تو حضرت ابو بکر کی غلطی تعیین کرنے میں پیش قدمی کرنا اس سے بھی بڑھ کر غلطی ہے۔ لہذا دانش مندی اور دینداری یہی ہے کہ اس بحث میں پڑا ہی نہ جائے۔

**حضرت سید عبد العزیز دبلخی** | حضرت نے فرمایا سایہ دار بادل اسلام ہے اور جو شہد اور گھٹی اس سے ٹپک کی بیان کردہ تشریح | رہا ہے وہ لوگوں کے صرف۔ وہ اعمال میں جو مقبول اعمال ہیں۔ یہ محض تلاوت

علم محی الدین نوویؒ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تعظیم کے لیے لکھی۔ اپنے زمانہ کے اہم تھے۔ فاضل پر پیرگار فقیہ، محدث اور ثقہ آدمی تھے۔ انہوں نے سادے سادے ہی تصانیف لکھی ہیں مثلاً ریاض الذاکار، تشریح مسلم وغیرہ۔ ان کا نام نووی کی طرف منسوب ہے جو دمشق کی ایک بستی ہے۔ ۵۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۸۰ھ میں وفات پائی۔

ابو بکر ابن العربی: یہ مشہور صوفی محی الدین ابن العربی نہیں بلکہ اشتریبیہ کہ ایک مشہور عالم ہیں۔ جو زیادہ تر قاضی ابو بکر ابن العربی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی زندگی ۳۸۰ھ = ۹۹۰ھ میں ہوئی۔



قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام مقبول اعمال پر مشتمل ہے مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، غلام آزاد کرنا۔ مومن کی حاجت براری کرنا، شرکت جنازہ کرنا، قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے ان کو رہا کرانا، وغیرہ وہ ظاہری اعمال جن سے ذات حرکت میں آتی ہے اور یہی ظاہری اعمال برزخ کو چڑھتے ہیں اور انہیں برزخ کی روحیں دیکھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں کی نیکی ہے جو ہمارے پاس فلاں فلاں دن آئے گا چنانچہ اس کا باپ اور اس کا دادا وغیرہ اس کے نیک عمل کو دیکھتے ہیں اور اس مشاہدہ میں سب روحیں یکساں ہیں خواہ وہ زمین پر انزکر پھر برزخ کی طرف لوٹ گئی ہوں یا اعمال کے بعد زمین پر نہ اتری ہوں، یہاں تک کہ اگر اللہ تعالیٰ چھوٹے بچے کو نفع نصیب کر دے تو وہ لوگوں کو ان کے نیک اعمال سے واقف کر سکتا ہے اور وہ کہہ سکتا ہے کہ اے فلاں! تمہارا فلاں عمل فلاں دن ہمارے پاس برزخ میں پہنچا تھا۔ اگر تو اے فلاں تمہارا مقبول عمل اس سے پہلے یا بعد ہمارے پاس آیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں پوشیدہ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے اس لئے اجسام میں داخل ہونے کے بعد انہیں یہ باتیں بھلا دی جاتی ہیں۔

پھر ان ظاہری اعمال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو محض اللہ سے ہوتی ہیں اور ان سے مخلوقات کو لبطاظر کوئی فائدہ نہیں پہنچتا مثلاً اللہ کے لیے سجدہ یا کسوع کرنا۔ نماز روزہ سے اس کی عبادت کرنا۔ اس سے ڈرنا۔ اس کی طرف رغبت کرنا وغیرہ تمام وہ اعمال جن کا تعلق صرف بندے اور رب کے ساتھ ہوتا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس سے مخلوق کو نفع پہنچے مثلاً غلام آزاد کرنا۔ صدقہ۔ قیدیوں کو رہا کرنا، لوگوں کی حاجت روانی کرنا اور تمام وہ نیک اعمال جن میں مخلوقات کا نفع ہو۔ اللہ کی طرف سے پہلی قسم کے اعمال کی جزا یہ ہے کہ وہ اسے اور نور عطا کرے جس سے اس کا ایمان بڑھے اور اس کے عرفان کو قوت حاصل ہو۔ اس سے اس کے دل سے دوسرے مٹ جائیں گے اور شکوک رفع ہو جائیں گے اور دنیا ہی میں اس کا ایمان صاف ہو جائے گا اور آخرت میں اسے مشاہدہ عظیم حاصل ہوگا۔ لہذا اس قسم کی جزاء نور محض اور قوت ایمان ہے۔ دوسری قسم کے اعمال کی جزاء اصلاح ذات سے دی جاتی ہے جیسے کثرت رزق اور اترنے والی مصیبتوں کو دور کرنا۔ اس طرح ذات کو بہت نفع حاصل ہوتا ہے کیونکہ جب اُس سے مصائب دور ہو جائیں اور وہ مصائب سے محفوظ ہو جائے اور اسے رزق کثیر حاصل ہو، تو ذات ان سے فائدہ اٹھائے گی اور اس دنیا میں خوب پیسے بچولے گی لیکن آخرت میں یہی صدقات جن سے اس نے مخلوقات کو فائدہ پہنچایا ہوتا ہے اس کے لیے اس کی پسند کی نعمتیں بن جاتی ہیں مثلاً پلاؤ، کیک، وہ پرندے جن کا گوشت حلال ہے اور مجامعت کے لیے بیویاں وغیرہ اشیاء جن کا نفس خواہش مند ہوتا ہے اور جن سے آنکھیں لذت یاب ہوتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قسم اول کی جزا ایسی ہوتی ہے جو ایمان کے لیے مفید ہو اور قسم ثانی کا ثواب اصلاح ذات کے لیے نافع ہے۔ لہذا اس ثواب میں شہد کا اشارہ قسم اول کی طرف ہے اور گھی کا اشارہ قسم ثانی کی طرف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہد ذات کے لیے تقویت کا سبب ہوتا ہے اور جو اشیاء تقویت کے منافی ہوں، ان کے صزر کو رد کرتا ہے لیکن نہ ہی ہم کو موٹا کرتا ہے اور نہ گوشت ہی پیدا کرتا

ہے لہذا یہ قسم اول کے مشابہ ہوا جو ذات کے لیے قوتِ ایمان کا سبب بنتی ہے مگر رزق میں وسعت نہیں ہوتی اور یہ قسم شکوک و شبہات کو دور کر کے اور ایمان کو صاف کر دیتی ہے یہی خاصہ شہد کا ہے کہ وہ بھی جسم کو تقویت دیتا ہے اور اسے کمزوری اور سستی سے بچاتا ہے، لیکن گھی جسم کو تازہ کرتا ہے گوشت پیدا کرتا ہے اور جسم کو موٹا کرتا ہے لیکن اس سے وہ قوت پیدا نہیں ہوتی جو شہد سے پیدا ہوتی ہے۔ لہذا گھی دوسری قسم کے اعمال کے مشابہ ہوا جن سے رزق میں وسعت حاصل ہوتی ہے اور جسم کی بیرونی مصائب دور ہوتی ہیں لہذا اس خواب میں شہد اور گھی سے یہی دونوں قسم کے اعمال مراد ہیں پس شہد مفقوتی ہے اور گھی نشوونما دینے والا۔ اسی طرح پہلی قسم کے اعمال ایمان کو تقویت دیتے ہیں اور دوسری قسم کے رزق میں وسعت۔ لہذا شہد سے مراد قسم اول کی عباد ہوئی اور گھی سے قسم ثانی کی۔

میں نے عرض کیا ان دونوں قسم کے اعمال میں سے کون سی قسم افضل ٹھہری؟

حضرت نے فرمایا تیرے نزدیک کونسی صورت بہتر ہے آیا یہ کہ تم گھاس کی طرح پتلے ڈبے ہو مگر تجھ میں چالیس آدمیوں کی طاقت ہو یا یہ کہ تم اس قدر موٹے ہو جاؤ کہ چلنے سے بھی عاری ہو جاؤ۔ اور جسم میں طاقت بھی نہ ہو۔

میں نے عرض کیا مجھے تو یہی پسند ہے کہ میں گھاس کی طرح ڈبلا پتلا ہوں مگر مجھ میں چالیس آدمیوں کی طاقت ہو۔

حضرت نے فرمایا یہی حال ان اعمال کا ہے۔ جو اور ایمان کو زیادہ کرتے ہیں اور ان اعمال کا جو رزق میں وسعت دیتے ہیں۔

پھر میں نے عرض کیا کہ یہ ظاہری اعمال جو دو قسموں پر منقسم ہیں۔ زمین سے آسمان کو چڑھتے ہیں۔ اور شہد اور گھی تو خواب میں نیچے اتر رہا تھا۔ لہذا ان دونوں سے اعمال مذکورہ مراد لینا کیسے درست ہوا؟

حضرت نے فرمایا کہ چڑھنا اور اترنا تو امرِ اصنافی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز جسے ہم اُپر چڑھتی ہوئی سمجھ رہے ہیں دوسرے کے نزدیک نیچے اتر رہی ہو لہذا ہو سکتا ہے کہ خواب دیکھنے والے کی روح آسمان

میں ہمارے مقابل جہت میں ہو یعنی سر ہماری طرف ہو اور پاؤں آسمان کی جانب، اور اس جہت میں نہ ہو جو دوسرے آسمان کے بالمقابل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں کے چہرے ہماری طرف ہیں ان کے سر

ہماری طرف ہیں اور پاؤں دوسری طرف۔ لہذا جب ان کے سر ہماری طرف ہوں گے تو جو چیز زمین سے آسمان کو چڑھ رہی ہوگی وہ اسے اترتی ہوئی ہی سمجھیں گے۔ مزید برآں خواب کا مقصد تو صرف یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والا

اسے سمجھ جائے۔ اور اگر اسلام کا سا ثابان زمین پر ہمارے سروں کے اوپر رکھا جاتا تو خواب دیکھنے والے کو چڑھنے والے امور دکھائی نہ دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ چڑھنے کو اترنے کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ پھر یہ کہ

”نزدل“ میں بھی تاویل و تعبیر کرنے کی ضرورت ہے نہ یہ کہ ”نزدل“ حقیقی معنوں میں ہے۔

حضرت نے فرمایا جو رسی آسمان سے زمین تک ٹکی ہوئی تھی اس سے مراد ایمانِ کامل ہے لیکن اس سے ہر ایمانِ کامل مراد نہیں ہے بلکہ اس کے لیے یہ شرط ہے کہ یہ ایمانِ کامل ان حکام میں پایا جائے جو شریعت کے حدود کو اپنی رعایا پر کامل طور قائم رکھتے ہیں کیونکہ یہ رسی سائبان سے ملی ہوئی ہے اور یہی گھی اور شہد برسائے کا سبب بھی ہے یہاں تک کہ یہ لوگوں پر بھی اترا اور انہوں نے اس سے ہاتھ بھر لیے۔ بعض نے زیادہ اور بعض نے تھوٹے اور ایمانِ کامل۔۔۔ ان کے اعمال کی مقبولیت کثرتِ عبادت اور ان پر نزلِ برکات کا اس وقت تک سبب نہیں ہو سکتا جب تک صاحبِ ایمانِ کامل کا مومنین پر پورا اختیار نہ ہو اس طرح کہ وہ کمزوروں کی مدد کرے اور طاقتوروں کو کمزوروں پر ظلم کرنے سے روکے اور حدودِ شریعت کو کامل طور پر قائم کرے۔ تب جا کر بندگانِ خدا میں نیکیاں زیادہ ہوں گی اور گناہ کم ہوں گے چنانچہ وہ نہ تو زنا کریں گے نہ چوری کریں گے اور نہ ناجائز طور پر کسی کو قتل کریں گے۔ اور اس وقت تمام اُمت نیک ہوگی۔ اور امیر بمنزلہ اس شخص کے ہوگا جو لوگوں کے لیے اسلام کا ستون مضبوط کر رہا ہو اور ان پر نیکیوں اور برکات کا مینہ برسا رہا ہو۔ اور یہ حالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں درجہ کمال پر تھی۔

امراءِ ثلاثہ سے حضرت نے فرمایا کہ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواب میں جن امراءِ ثلاثہ کا ذکر ہے وہ کون کون مراد ہیں؟ ہیں؟ اولیاءِ عازنین کا اس میں اختلاف ہے چنانچہ اولیاء کا ایک گروہ جنہیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متبعین ہونے کی وجہ سے صدیقیہ کہا جاتا ہے اور میرے شیوخ بھی انہی میں سے ہیں۔ اس طرف گیا ہے کہ ان سے مراد خلفاءِ ثلاثہ یعنی ابو بکرؓ، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم ہیں اور حضرت عثمان کی رسی ٹوٹنے سے مراد وہ اعتراض ہیں جو ان پہ کیے گئے اور اس کے جڑ جانے سے مراد آپ کی شہادت ہے۔ اولیاء کے ایک اور گروہ کی جنہیں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے متبع ہونے کی وجہ سے حسینیہ کہا جاتا ہے یہ رشتے ہے کہ ان امراء سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے وہ اشراف مراد ہیں جن میں سے دو پر تو اُمتِ اسلامیہ کا اتفاق ہوگا اور پھر تیسرے پر پہلے تو سب متفق ہوں گے پھر اختلاف پڑ جائے گا اور اس کے بعد پھر سب متفق ہو جائیں گے رسی کٹنا اور اس کے جڑ جانے سے یہی مراد ہے۔ پھر فرمایا کہ خواب کا مقصد وہی ہے جو اس گروہ نے بیان کیا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ کے مقام پر وہی شخص قدم رکھ سکتا ہے یا آپ کی سیڑھی پر وہی چڑھ سکتا ہے جو یا تو نبی ہو یا نبی کی اولاد میں سے ہو۔ اور جب خواب میں نظر آنے والی رسی ایک ہی تھی اور اس پر تینوں امراء اسی طرح چڑھے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چڑھے تھے تو اس میں اس امر کا اعلان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان امراء میں مجالست ہے۔ اور یہ بات تو پہلے معلوم ہو چکی کہ کوئی شخص بھی ایمانِ کامل میں آپ کا ہم جنس نہیں ہو سکتا لہذا اب صرف نبی مجالست باقی رہ گئی اور یہ مذکورہ بالا اولادِ نبی کے امراء کے لیے ثابت ہے کیونکہ کسی آدمی کی جگہ اور گھر میں یا وہ خود داخل ہوتا ہے یا اس کی اولاد۔ مزید

علم یاد رہے کہ یہاں پر بحث خواب کی تعبیر پر ہو رہی ہے۔ امرِ خلافت پر نہیں۔ حضرت کا یہ فرمانا کہ خواب دیکھنے والا



براں خواب دیکھنے والا شخص ایک صحابی ہے جو ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کو پہچانتا ہے۔ اگر خواب میں یہی لوگ مراد ہوتے تو وہ ان کو پہچانتا ہوتا اور آنحضرت کے ذکر کے بعد یوں کہتا کہ میں نے ابو بکرؓ کو دیکھا جنہوں نے رسی کو پکڑا اور چڑھ گئے پھر عمرؓ نے اور پھر عثمانؓ نے لیکن جب اس نے ان کا ذکر نہیں کیا اور ان کی بجائے یوں کہا کہ میں نے ایک آدمی دیکھا، پھر ایک اور پھر ایک اور تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ایسے اشخاص کو دیکھا جنہیں وہ پہچان نہیں رہا تھا لہذا وہ خلفاء ثلاثہ نہیں ہیں۔

(مؤلف کہتا ہے) کہ میں نے شیخ سے اس بارے میں کئی بار بحث کی اور ان سے کئی بار جھگڑا مگر حضرت نے یہی فرمایا کہ حق بات دی ہے جو میں کہ رہا ہوں، یعنی یہ کہ ان سے مراد اشراف ہیں نہ کہ خلفاء ثلاثہ۔ پھر مذکورہ بالا رو دلیلیں دے کر مجھے تسکین کر دی۔ اور فرمایا کہ میں تو صدیقیہ طائفہ میں سے ہوں لیکن حق بات کہنی ہی پڑتی ہے پھر میں نے شیخ سے عرض کی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اور تو خواب کی تعبیر سمجھ جائے مگر ابو بکرؓ پر مخفی ہے۔ اگر یہ یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے مگر ہر عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکرؓ صدیق رضی اللہ عنہ تمام اہل سنت کے سید العارفين اور امام اللویاء ہیں۔ اور ہم کئی بار آپ کی زبان مبارک سے یہ بھی سُن چکے ہیں کہ اہل سنت مجتہدین میں کوئی شخص معرفت الہیہ میں ابو بکرؓ کی برابری نہیں کر سکتا اور ادیاء اور صالحین میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کی طرح باطن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتا ہو۔ اور وہی سید العارفين اور امام المحبتین ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اس خواب کی تعبیر کو جانتے تھے بلکہ اس سے بھی دس ہزار گنا زیادہ جانتے تھے۔ مگر اُس وقت اس خواب کی تعبیر آپ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کی وجہ سے مخفی رہی۔ اس لیے کہ

(بقیہ حاشیہ) چونکہ صحابی تھا، اس لیے اسے رسی پکڑنے والے ابو بکرؓ اور عثمانؓ رضی اللہ عنہم ہوتے تو وہ انہیں پہچان لیتا اور یوں کہتا کہ ابو بکرؓ نے پھر عمرؓ اور پھر عثمانؓ رضی اللہ عنہم نے رسی کو پکڑا۔ مگر حضرت کا یہ خیال درست نہیں کیونکہ خواب میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محض شیخ (ش ج) ہی دکھائی دیتا ہے اور میندہ پہچان نہیں سکتا۔ چنانچہ اس نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح طور پر خواب میں دیکھا۔ مزید برآں حضرت کا یہ فرمانا کہ ان امراء ثلاثہ سے مراد اہل بیت میں سے تین شخص ہیں، بھی قرین قیاس نہیں اور پھر مزہ یہ کہ حضرت نے بھی ان کی تعبیر نہیں کی کہ وہ امراء ثلاثہ کون ہیں۔ امراء فاطمیہ کا دعویٰ تھا کہ وہ خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن وہ شیعہ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق مَا اَنَا عِیْبًا وَاَصْحَابِیْ سِیِّئَاتٍ مَعْرُوفَاتٍ تھے۔ لہذا وہ طریق حق پر نہ ہوئے اور جب طریق حق پر نہ ہوئے تو منہام نبوی پر قدم رکھنا ناممکن ہوا اور ان پر قرآن کی اس آیت اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اٰہْلِکَ ، اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضرت کشف وفتح سے کلام فرما رہے تھے۔ اور آیت محمدیہ کے اندر مختلف اذکار گزر چکے ہیں جن میں طرح طرح کے امراء بھی شامل ہیں کیا اتنے عرصہ کے اندر وہ امراء جو اس خواب میں دیکھے گئے تھے پائے نہیں گئے؟ خواب اس قدر لمبے عرصہ کے امور کے متعلق نہیں آیا کرتی۔ بہر حال یہ خواب آپ بھی غیر منغل ہی رہ گئی۔ بلکہ حضرت کے ظاہری الفاظ نے اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق اس میں اور زیادہ الجھن پیدا کر دی ہے۔ ۱۲

”مترجم“



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حاضرین کے علمی الوار غایب ہو جاتے تھے اور ان میں روشنی نہیں رہتی تھی کیونکہ ان کا انعکاس نورِ محبت پر پڑتا تھا جس سے شوق کی آگ بھڑک اٹھتی اور اس کے انکار اسی محبت میں مشغول ہو جاتے اور باطن بھی اسی میں مستغرق ہو جاتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب الوارِ علم غائب ہو جاتے ہیں اور محبت اور شوق کے الوار مشتعل ہو جاتے ہیں تو جو شخص بھی اس حالت میں گفتگو کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کہ ایک لاعلم انسان کیونکہ قلب کی توجہ ایک ہی طرف ہو سکتی ہے لہذا جب ایک چیز کی طرف متوجہ ہوگا تو دوسری چیزوں سے منقطع ہو جائے گا اور عارفین کے لیے جن کے سردار ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی مقصودِ اصلی اور امیدِ حقیقی ہے لہذا جب آپ کی ذات ان کے سامنے ہوگی تو نہ وہ کسی علم کی طرف متوجہ ہوں گے اور نہ کسی اور چیز کی طرف کیونکہ علم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا ایک نور ہے لہذا جب ذاتِ نظروں سے اوجھل ہوتی ہے تو ان کا تعلق اس کے الوار سے ہو جاتا ہے تاکہ وہ صاحبِ الوار ذات تک پہنچا دیں مگر جب خود ذات موجود ہو تو تمام وسائل ساقط ہو جاتے ہیں اور اس ذات کی طرف توجہ واجب ہو جاتی ہے اور دل اس کی طرف پھرجاتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف توجہ کس طرح حاصل ہوتی ہے؟ حضرت نے فرمایا: "تین باتوں سے۔ محبت، تعظیم اور ان کمالات سے تعجب کرنے سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں۔ جب یوسف علیہ السلام کے متعلق عورتیں یہ کہہ سکتی ہیں کہ *مَا هَذَا بَشَرًا اِنْ هَذَا اِلَّا مَدَنٌ كَيْسِمْ ه* (خدا پاک ہے یہ تو انسان نہیں۔ یہ تو بڑی خوبیوں والا فرشتہ ہے)۔ تو خیال فرمائیں کہ عارفین سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہوں گے اور ان تینوں کی تکمیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف صحیح توجہ صرف اسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب عارف کی طرف سے سات امور پورے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی مرکوز ہو جائیں۔ اور ان تمام ساتوں کا مقصد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ شریفہ ہی ہو۔ لہذا اگر ان میں سے کسی ایک میں بھی خلل پیدا ہوگا تو توجہ میں بھی خلل پیدا ہو جائے گا۔ یہ سات امور یہ ہیں: فکرِ نفس، خیال یعنی نظرِ نفس، عقل، مثال یعنی نظرِ عقل، ذات، روح اور علم۔ چنانچہ عارف کی توجہ کاملہ کے لیے یہ شرط ہے کہ ان سات امور کے تصور کا انحصار آنحضرت کی ذاتِ شریفہ میں ہو۔ اور جب ان ساتوں کے الوار آنحضرت کی ذات پر مرکوز ہوں گے تو محبت، تعظیم اور تعجب کے ساتھ توجہ حاصل ہوگی اور ماسویٰ کی آرزو نہ رہے گی۔ حضرت نے فرمایا کہ جب عارف اس حالت میں ہو اور اس سے اگر اس کے فرزند کا رنگ پوچھا جائے کہ سفید ہے یا نہیں تو وہ حیران ہو جائے اور کچھ نہ بتا سکے گا۔ اور اگر کچھ جواب بھی دے گا تو بے خبری کے عالم میں دے گا اور فرض کر لیں کہ جواب درست دیا گیا ہے تو وہ صرف اس لیے ہوگا کہ اسے درست بات کہنے کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ابوبکر صدیقؓ سے خواب کی تعبیر میں خطا ہوئی۔ اور اگر مسائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی خلافت کے زمانہ میں آتا اور خواب کی تعبیر دریافت کرتا تو

آپ سے اس بارے میں عجیب و غریب باتیں سنتا اور یہ تعبیر بھی ہمیں تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے معلوم ہوئی ہے لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک بات کو ہم تو جانتے ہیں اور ابو بکر صدیق نہ جانتے ہوں۔ یہ ناممکن ہے لیکن اصل راز وہی ہے جس کا ذکر ہم کر چکے۔ واللہ اعلم۔

(مؤلف کہتا ہے) یہ سب کچھ ہم نے اپنے اُمّی پیر سے سنا۔ غایات اللہ کے ہاتھ میں ہیں، جس پر چاہے کیے۔ مجھے کئی سال گذر گئے تھے کہ میں اس خواب کی تسلی بخش تعبیر دریافت کرنا چاہتا تھا۔ مگر یہ مجھے حضرت کے سوا نہ کسی کتاب میں اور نہ کسی انسان سے حاصل ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ شیوخ متقدمین کا مذکورہ بالا بیان اصل مقصد سے بہت دور ہے۔ واللہ اعلم۔

خواب کیا ہے اور میں نے حضرت سے سوال کیا کہ خواب کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کیا چیز ہے؟ اور کیسے کیسے نظر آتی ہے | واقع ہوتی ہے؟ کیونکہ لوگوں کا اس میں بہت سا اختلاف ہے۔ اطبباء کا خیال ہے کہ اخلاط اربعہ کی وجہ سے خوابیں آتی ہیں چنانچہ ہنس آدمی کے مزاج میں بلغم کا غلبہ ہو تو وہ خواب میں یوں دیکھتا ہے جیسے کہ وہ پانی میں تیر رہا ہے وغیرہ اس لیے کہ پانی کی بلغم سے متاسبت ہے اور جس پر صدف کا غلبہ ہو وہ خواب میں آگ، ہوا میں بلند ہونا یا اسی قسم کی پریشانیوں کو دیکھتا ہے جس پر خون کا غلبہ ہو وہ شیریں چیزیں اور خوش کن باتیں دیکھتا ہے اس لیے کہ خون سٹپٹا اور معرق ہے اور جس پر سودا کا غلبہ ہو وہ سردی باتیں اور ترش چیزیں دیکھتا ہے۔

مارزی کی رائے | علامہ مارزی کہتے ہیں کہ یہ سب غلط ہے کیونکہ گو عقل اسے جائز قرار دیتی ہے مگر اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی اور نہ ہی اس پر قیاس آرائی ہو سکتی ہے۔ جواز اور امانت کی صورت کو قطعی قرار دینا درست نہیں ہے۔

فلاسفہ کی رائے | فلاسفہ کی یہ رائے ہے کہ زمین پر جو واقعات کی صورت پیش آتی ہے، وہی صورتیں عالم بالا میں نقوش کی طرح منقش ہوتی ہیں۔ لہذا ان میں سے جو صورت بھی نفس کے سامنے آجاتی ہے اس کا نقش نفس میں اتر آتا ہے۔

علامہ مارزی کہتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور نقش قبول کرنا اجسام کی صفت ہے حالانکہ اکثر چیزیں جو عالم علوی میں واقع ہوتی ہیں وہ از قسم اعراض کے ہیں اور اعراض کا نقش نہیں ہوتا۔ معتزلہ کی رائے | معتزلہ کی یہ رائے ہے کہ یہ محض بے حقیقت خیالات ہوتے ہیں۔ اور ان کا اس سے مقصد خواب کو بالکل باطل قرار دینے سے ہے اسی طرح وہ عذابِ قبر کا بھی انکار کرتے ہیں۔

ابن عربی کی رائے | ابن العربی اپنی کتاب قبس میں فرماتے ہیں کہ معتزلہ عوام کے ساتھ اپنی چال بازی کے اصولوں

علیہ ابن عربی سے یہاں مراد حافظ ابو بکر بن العربی المالکی ہیں جنہوں نے ۳۵۲ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے موطا امام مالک کی شرح لکھی ہے جس کا نام قبس ہے۔

پر قائم رہے چنانچہ انہوں نے جنوں اور ان کے کلام کرنے، فرشتوں اور ان کے کلام کرنے کے متعلق اصول شریعت کا ہی انکار کر دیا یہاں تک کہ یوں کہہ دیا کہ اگر جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باواز کلام کرتے تو حاضرین بھی اسے ضرور سنتے۔

صالح معتزلی | صالح معتزلی کی رائے ہے کہ خواب سر کی آنکھوں سے دکھی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ ابن العربی کہتے کی رائے ہیں کہ یہ بات جمہور کے قول کے خلاف ہے۔

ایک اور رائے | اردوں کی یہ رائے کہ دل میں دو آنکھیں ہوتی ہیں جن سے دل دیکھتا اور دو کان ہوتے ہیں جن سے دل سنتا ہے چنانچہ خواب انہی دل کی نگاہوں اور دل کے کانوں کا سنا اور دیکھا ہوا منظر ہوتا ہے۔

خواب کے متعلق اہل اہل سنت کی یہ رائے ہے کہ خواب ایسے اعتقادات اور ادراکات ہوتے ہیں جنہیں سنت کی رائے | اللہ تعالیٰ سونے والے کے دل میں پیدا کر دیتا ہے بعینہ اسی طرح جس طرح کہ بیدار آدمی کی آنکھوں اور دل میں پیدا کرتا ہے اور جب انہیں پیدا کر چکتا ہے تو انہیں ان امور و اشیاء کی علامت بناتا ہے جو بعد میں پیدا ہونے والی ہوتی ہیں۔ کبھی ان اعتقادات کے پیدا ہونے کے وقت فرشتہ موجود ہوتا ہے تو یہ خواب اچھی خواب ہوتی ہے اور کبھی شیطان حاضر ہوتا ہے تو یہ خواب پریشان کن ہوتی ہے۔

ایک اور رائے | بعض کا خیال ہے کہ ایک فرشتہ ان مناظر پر مقرر ہوتا ہے جو انہیں سوئے ہوئے آدمی کے سامنے پیش کرتا ہے، لہذا وہ کبھی انہیں ایسی صورتیں پیش کرتا ہے جو آئندہ ہونے والے واقعات کے مطابق ہوتی ہیں اور کبھی یہ معانی معقولہ کی مثالیں ہوتی ہیں۔

قرطبی کہتے ہیں یہ قول بھی مردود ہے کیونکہ یہ قول بھی دلیل کا محتاج ہے۔ ایک اور قول | بعض کا خیال ہے کہ ان مناظر کا سبب روح کا عرش کی طرف چڑھنا ہے۔ انہیں سوئے ہوئے آدمی کو جو باتیں پیش آتی ہیں وہ انہیں دیکھتا ہے۔ اگر روح کے عرش تک پہنچنے تک وہ بیدار نہ ہو تو خواب سچی ہوگی اور اگر اس سے پہلے ہی بیدار ہو جائے تو خواب جھوٹی ہوگی اس قول کے قائل نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے حاکم، عقیلی نے محمد بن عجلان عن سالم بن عبد اللہ بن عمر بن ابیہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ

عہ صالح معتزلی : ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

عہ عقیلی : محمد بن عمرو بن موسیٰ عقیلی مصنف کتاب الضمائم الکبیرہ جلیل القدر عالم و محدث ہوئے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ان کی وفات ۲۲۳ھ = ۸۳۳ء میں ہوئی۔

عہ محمد بن عجلان : ابو عبد اللہ محمد بن عجلان المدنی : ابن عیینہ نے انہیں ثلثہ قرار دیا ہے۔ ان کی والدہ کی عادت تھی کہ انہیں چار سال تک حمل رہنا تھا۔ چنانچہ ان کا حمل بھی چار سال تک رہا تھا۔ ان کی وفات ۱۲۸ھ = ۷۴۵ء میں ہوئی۔

عہ سالم : سالم بن عبد اللہ بن عمر : ابو عمر کنیت، مدینہ کے فقہاء میں سے تھے۔ علماء تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی وفات مدینہ میں ۱۲۵ھ = ۷۴۲ء میں ہوئی۔

(بقیہ بر صفحہ ۱۸۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت علیؓ کے والد جہ سے ملاقات ہوئی تو کمالے ابو الحسن آدمی خواب دیکھتا ہے تو بعض سچی نکلتی ہے اور بعض جھوٹی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں کہ جو بندہ یا عورت بھی سوتا ہے پھر اسے گہری نیند چب آتی ہے تو اس کی روح عرش پر چڑھ جاتی ہے۔ لہذا جو شخص روح کے عرش تک پہنچنے سے پہلے بیدار نہیں ہوتا۔ اس کی خواب سچی ہوتی ہے اور جو عرش پر پہنچنے سے پہلے ہی بیدار ہو جاتا ہے۔ اس کی خواب جھوٹی ہوتی ہے۔

اس حدیث کے متعلق امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب تہذیب میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اور حاکم نے بھی اسے صحیح قرار نہیں دیا۔ شاید اس نے جو گرفت کی ہے وہ اس راوی پر ہے جس نے ابن عجلان سے روایت کی ہے اور اس راوی کا نام عبداللہ الازدی خراسانی ہے۔ عقل نے اس کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ غیر معتد ہے۔ پھر اس نے ایک طریقے سے حسن اسد اشیل بن ابی اسحق عن الحریث عن علیؓ کی روایت میں اس کے ایک حصہ کی روایت کی ہے اور اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے کے متعلق اختلاف بیان کیا ہے۔

ایک اور اسے اور بعض کی یہ رائے ہے کہ خواب ایک قسم کا کلام ہے اور اس طریقے سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بند سے کلام کرتا ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **رُؤِيَ بِالْمَوْصِيِّ كَلَامٌ يَكَلُمُ بِهِ الْعَبْدُ رَبَّهُ** اور خواب کے ذریعہ سے اپنے رب سے کلام کرتا ہے۔ اس حدیث کی روایت حکیم ترمذی نے بخاریہ بن الصامت کی سند سے کی ہے۔ اور زاد الاصول کی مشہور ترین نسخوں میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس نسخے کی روایت اپنے استاد عمر بن ابی عمر سے کی ہے جو ضعیف ہے۔ مزید برآں اس سند میں ایسے لوگ ہیں جنہیں محدثین پسند نہیں کرتے۔

حکیم ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض مشاہیر نے کہا **لَا يَأْتِي بِشَيْءٍ إِلَّا وَجِبَازٌ مِنْ دَرَمٍ** رجباً میں من و درم اور حجاب کی تشریح فی المنام (خواب میں) کی ہے۔ کچھ اور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

رؤیہ ما شہد بہ (عبداللہ بن عمر: حضرت عمر کے بیٹے بختے شہور زاد دعا ہتھے کہ میں نے اپنے باپ کے ساتھ ایمان لائے۔ سب سے پہلے جنگ میں انہوں نے شہادت کی نذر وہ خندق ہے۔ ان کی پیدائش وقتا تک ایک سال پہلے ہوئی اور سنہ ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔  
ذہبی: نفس الدین ذہبی مؤلف جہاد دال الامام ۶۰۰ھ = سنہ ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔  
عبداللہ الازدی خراسانی: غالباً یہاں مراد عبداللہ بن فرخ خراسانی سے ہے یہ سنہ ۶۰۰ھ = سنہ ۶۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۶۰۰ھ میں وفات پائی خطیب نے ان کو منکر الخوارج کہا ہے (تہذیب التہذیب ج ۵: ۲۵۶)  
حکیم ترمذی: ابو جہاد عماد بن علی بن شہر موذن حکیم ترمذی کہ یہ سنہ ۶۰۰ھ = سنہ ۶۰۰ھ میں شہید ہوئے۔ ان کی کتاب زاد الاصول میں اس کا بیان پخت کی گئی۔

عبارہ میں صاف ہے۔ ان کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔  
عمر بن ابی عمر: ابو جہاد عماد بن علی بن شہر موذن حکیم ترمذی کہ یہ سنہ ۶۰۰ھ = سنہ ۶۰۰ھ میں شہید ہوئے۔ ان کی کتاب زاد الاصول میں اس کا بیان پخت کی گئی۔  
عبارہ میں صاف ہے۔ ان کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔



نے خواب پر ایک فرشتہ کو مقرر کر رکھا ہے جو لوح محفوظ سے بنی آدم کے حالات معلوم کر کے کچھ حالات لکھ لیتا ہے اور پھر ہر انسان کے واقعات کی مثال بیان کرتا ہے۔ چنانچہ جب وہ سو جاتا ہے تو اسے یہ مثالی اشیاء حکمت کے طرز میں لے پیش کرتا ہے تاکہ یہ اشیاء اس کے لیے بشارت دینے والی ہوں یا ڈرانے والی یا عتاب کرنے والی۔ بعض اوقات شیطان انسان کی سخت عداوت کی وجہ سے اس پر مسلط ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی چالیں اس سے چتا ہے اور اس کے معاملات کو ہر طرح سے خراب کرنا چاہتا ہے لہذا یا تو وہ اس کی خواب کو گڑبڑ ڈال کر تلف کر دیتا ہے یا اسے خواب سے غافل کر دیتا ہے۔

**خواب کی دو قسمیں ہیں** | حکیم ترمذی فرماتے ہیں خواب کی دو قسمیں ہیں۔ **خواطر اور ادراکات**، بعینہ اسی طرح جس **خواطر اور ادراکات** | طرح بیداری میں ہوتا ہے کیونکہ بیداری میں انسان کے دل میں کئی قسم کے خیالات گزرتے ہیں اور اسی طرح بیداری میں کئی قسم کے علوم کا ادراک کرتا ہے یا اپنے حواس کے ذریعہ اشیاء کو محسوس کرتا ہے۔ یہی حال سوئے ہوئے انسان کا ہوتا ہے کہ کبھی اسے خواب ان خواطر کی وجہ سے آتی ہے جو اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور کبھی کسی شے کے ادراک اور اس کے مشاہدہ کی وجہ سے۔ لہذا خواب کی دو قسمیں ہوتی ہیں **ادراکات اور خواطر**۔

**پہلی قسم: ادراکات** | پہلی قسم ادراکات ہیں۔ اور ادراکات کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو روح کی طرف منسوب ہیں۔ کیونکہ درحقیقت دیکھنے والی شے تو روح ہی ہے۔ اور اس کا دیکھنا بصیرت کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور ہم اجزاء روح میں **إِنَّ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْزِلَ عَلَى سُبْعَةِ أَحْرَافٍ** کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے بصیرت پر بحث کر چکے ہیں۔ لہذا اگر روح اپنی بصیرت کے ذریعہ سے دیکھے گی تو اسے روح کی طرف منسوب کریں گے اور اگر ذاتِ انسانی اور قلب کے ذریعہ سے ایسی اشیاء کو دیکھے گی جنہیں انسان دیکھنے کا عادی ہے مثلاً گھر، مسجد، باغ وغیرہ تو اس خواب کو ذات کی طرف منسوب کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح روح کے دوکان ہیں ایک وہ جس کی طرف روح ذات میں بند ہونے سے پہلے منسوب ہوتی ہے اور وہ دنیا کے مشرق اور مغرب تک کی اشیاء سن لیتے ہیں اور دوسرے وہ کان ہیں جن کی طرف ذات میں منسوب ہونے کے بعد منسوب ہوتی ہے اور وہ صرف یہی کان ہیں جن سے انسان سنتا ہے۔ اسی طرح روح کی دو بصارتیں ہیں۔ ایک محبوب ہونے سے پہلے جو مشرق اور مغرب تک جا پہنچتی اور ساتوں طبقات کو بھی چیر کر نکل جاتی ہے اور دوسری محبوب ہونے کے بعد کی بصارت اور یہ صرف آنکھ کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اور وہ مشیتیں ہیں۔ ایک محبوب ہونے سے پہلے اور یہ وہ مشیت ہے جس کے ذریعہ سے روح مشرق اور مغرب کو ایک قدم اٹھانے سے لے کر لیتی ہے اور دوسری محبوب ہونے کے بعد اور یہ محض پاؤں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کی دو نظریں ہوتی ہیں۔ ایک محبوب ہونے سے پہلے اور یہ وہ نظر ہوتی ہے جو روح کی بصیرت کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور یہ اس کے تمام جواہر کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور روح اس کے ذریعہ سے اپنے تمام معاملات کو ایک لحظہ کے اندر دیکھ لیتی ہے

اور اس کے لیے قریب و لیب کوئی نہیں بیان تک کہ جس ذات میں یہ ہوتی ہے اور دوسری طرف عرش ہو تو اس کے نزدیک دونوں برابر ہوں گے۔ اور دوسری محبوب ہونے کے بعد کی اور یہ صرف دل میں ہوتی ہے۔ لہذا جب کوئی شخص سو جانا ہے اور خواب میں کوئی چیز دیکھتا ہے تو کبھی اُسے روح کی نظر سے دیکھتا ہے اور کبھی ذات کی نظر سے اور ان کے درمیان صرف صفائی اور پاکیزگی کا فرق ہے کیونکہ جو نظر روح کی طرف منسوب ہے اس میں صفائی اور پاکیزگی ہوتی ہے اور جو ذات کی طرف منسوب ہوتی ہے وہ اس کے برعکس ہوتی ہے۔ اسی لیے پہلی قسم کے خواب کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی یا اگر ہوتی بھی ہے تو بہت قریب کی تعبیر ہوتی ہے لیکن دوسری قسم میں اس میں دور کا اور شنی اشارہ ہوتا ہے۔ مثلاً فرض کر دکھ کر کوئی شخص نے زخمی کر دیا پھر زخم کو لیا جائے کہ واقعہ سے پہلے میں واقعہ اس نے خواب میں دیکھا پس اگر اُس نے روح کی نظر سے دیکھا ہے تو تعبیر ہی صورت پیش آئے گی لیکن اگر بنظر ذات دیکھا ہو گا تو اس طرح دیکھے گا کہ وہ راستہ میں جا رہا ہے اور کوئی کڑی لگی جس سے ٹکرا گیا پہلو خواب میں چونکہ صفائی اور پاکیزگی پائی جاتی ہے اس لیے کہ بر لوہو روح سے دیکھی جاتی ہے اور نہ اس سے تعبیر ہوتا ہے اور وہ ہر چیز کی حقیقی صورت پیش کرتا ہے برخلاف ثانی کے کہ وہ لڑ ذات سے دیکھی جاتی ہے اور نہ اس سے تعبیر ہوتا ہے اور باطل کسی چیز کی حقیقی صورت پیش نہیں کرتا بلکہ اس کو متغیر و متبدل کر دیتا ہے لہذا خواب میں اور مثلاً بصورت میں بندگ اور پند بصورت پتھر اور انسان بصورت لکڑی دکھائی دے گا اور چونکہ بجز نبی کے کہہ کر اللہ کی ذات معلوم ہوتی ہے اور کوئی ذات ظلمت سے خالی نہیں ہے (اس لیے اُنہی کے ہر خواب میں کہ پیش تعبیر ہوتی ہے۔ مثلاً تعبیر کی صورت پیش آتی ہے)

**ظلامِ ظلمت کے** قریب و لیب کے اشارے سے ظلمت سے مراد ہے۔

**دس درجے ہیں** پہلا درجہ پہلا درجہ ہے جو نیک کردہ کے سوا مرتکب ہونے سے ذات پر آتی ہے جیسا کہ کوئی شخص سہواً باہر سے کوئی چیز لکھائے یا اسی قسم کی کوئی مکر وہ بات کا مرتکب ہو۔ لہذا جب اس قسم کا سہو بندہ سے سرزد ہو تو اس سے اس کی ذات میں ہلکی سی تاریکی داخل ہو جاتی ہے اور جب وہ شخص سوئے گا اور یہ تاریکی اس کی ذات میں ہوگی تو سب خواب دیکھے گا تو یہ اس کو کسی قدر پلٹ دے گی۔ مثال کے طور پر اس قسم کا آدمی اگر خواب میں جنت دیکھے اور اس میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس نے ایک غیر واجب نیکی کرنی چاہی مگر پھر اس سے رجوع کر لیا۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ نیکی جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے، اسی لیے خواب میں جنت کے واقع ہونے سے مراد نیکی ہے اور جنت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ اس نیکی کام سے کہنے سے رُک گیا ہے اور بغیر پلٹنے کے خواب کی حقیقت یہ ہے کہ وہ یوں دیکھے کہ اس نے ایک نیکی کام کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر اس سے رُک گیا، اسی لیے خواب میں کھوڑا سا رُڈ بدل ہو گیا جس کا سبب تاریکی ہے۔

**دوسرا درجہ** : دوسرا درجہ اس ظلمت کا ہے جو ایک حرام بات کو سہواً کرنے سے ذات کے اندر داخل ہو جاتی ہے۔

مثلاً یہ کہ کوئی شخص روزہ رکھ کر سہواً کچھ کھلے یا اسی قسم کی کوئی اور حرام بات جو انسان سے سہواً سرزد ہو جائے مگر اس سہو کی وجہ سے اسے گناہ گار نہ کہا جاسکتا ہو کیونکہ یہ ظلمت میں اس ظلمت سے جو مکروہ میں سہو واقع ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے، زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس میں خواب کو اس صورت سے زیادہ پلٹ دیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص خواب میں حبت دیکھے اور اس میں داخل ہونے کا ارادہ بھی کرے مگر اسے داخل ہونے سے روک دیا جائے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ ایک فرض کفایہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے مگر پھر نہیں کرتا۔ اس تعبیر کی وہی وجہ ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ اس خواب میں تاریکی اس قدر قوی ہو گئی ہے کہ خواب میں اسے اس شخص کی طرح دکھایا گیا ہے جسے سنت میں داخل ہونے سے روکا گیا ہو کیونکہ یہ تاریکی فرض کفایہ سے روکتی ہے اور یہ حرام چیز کو سہواً کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف مذکورہ بالا خواب کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**تیسرا اور چہارم درجہ** اس ظلمت کا ہے جو ذات میں مکروہ چیز کو عمداً کرنے سے داخل ہو جاتی ہے مثلاً کسی نے عمداً بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا وغیرہ۔ لہذا جب کبھی اس قسم کا فعل کسی انسان سے عمداً سرزد ہوگا تو اس میں اس قدر ظلمت داخل ہو جائے گی جو حرام فعل کو سہواً کرنے سے زیادہ ہوگی۔ لہذا اس کی خواب پھٹی صورت کے مقابلہ میں زیادہ بدل کر آئے گی۔ مثلاً کسی سے خواب میں دیکھا کہ شیاطین اس کے منہ میں گھس آئے ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس کی بیوی زانیہ ہے اور لوگ اس کے پاس آتے رہتے ہیں۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں شیاطین کو دیکھنے سے مراد زانی لوگ ہیں۔ کیونکہ ان میں آپس میں مشابہت ہے۔ اور شیاطین کے گھس جانے سے مراد زنا ہے اور گھر سے مراد بیوی ہے۔ اور اس تعبیر میں بعد پایا جاتا ہے مگر اس میں خواب کو زیادہ نہیں پلٹا گیا لیکن جو چیز خواب سے مفقود ہے اس میں خبث اور تاریکی کی زیادتی پائی گئی۔ اس لیے کہ اس میں عار بے عزتی اور آبروریزی سب پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ یہاں جس شخص کے متعلق تعبیر بیان کی جاتی ہے اس میں تاریکی قوی ہے۔ یہاں سے معلوم ہو جائے گا کہ تاریکی بعض اوقات تعبیر میں قوی ہوتی ہے اور کبھی خواب میں دیکھی ہوئی چیز میں۔

**چوتھا درجہ** ادہ تاریکی ہے جو حرام کو ارادہ کرنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نے ارادہ زنا کیا یا ارادہ روزہ رکھ کر پھر توڑ دیا وغیرہ۔ لہذا جب اس قسم کا فعل انسان سے قصداً سرزد ہوگا تو اس سے انسان میں پہلے درجوں سے بڑھ کر ظلمت داخل ہو جائے گی مثلاً کسی نے دیکھا کہ وہ ایک بوڑھے مسلمان کے آگے آگے چل رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ صاحبِ معصیت ہے لیکن اس کا ایمان صحیح ہے کیونکہ بوڑھے مسلمان سے مراد اس کا ایمان ہے کیونکہ بڑھاپا اور کبر سن اس پر ڈال میں کہ وہ بصیرت پر ہے لہذا اس کے ایمان کی پختگی معلوم ہو گئی لیکن اس کے آگے آگے چلنا گناہوں پر دلالت کرتا ہے کیونکہ صاحبِ ایمان ایمان کی نالعداری نہیں کرتا بلکہ اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کے آگے آگے جا رہا ہے۔ لہذا اس خواب کی تعبیر میں تاریکی قوی ہوگی کیونکہ بوڑھے آدمی سے ایمان صحیح مراد لینے میں کافی بعد ہے۔ اور اسی طرح اس سے آگے چلنے سے معصیت مراد لینے میں بھی



کافی بعد پایا جاتا ہے۔ اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ اس درجہ کی ظلمت پہلے درجات کی نسبت زیادہ قوی ہے اور خواب میں بھی ظلمت قوی ہے کیونکہ معصیت کا معاملہ اور ان کا خطرہ کوئی معمولی چیز نہیں۔

**پانچواں درجہ** | پانچواں درجہ اس ظلمت کا ہے جو خفیف عقیدہ میں جہل بسیط کی وجہ سے داخل ہو جاتی ہے کیونکہ عقیدہ دو قسم کا ہے۔ عقیدہ خفیف اور ثقیلہ۔ خفیف وہ ہے جس کی وجہ سے صاحب عقیدہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا مگر اس پر سزا ضرور ملے گی۔ مثلاً یہ ایک عقیدہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ پر ہرگز واجب نہیں۔ یعنی نیک اعمال پر ثواب اور برے اعمال پر عذاب دینا واجب نہیں بلکہ ثواب اس کی مہربانی سے ملے گا اور اگر وہ عذاب دے گا تو یہ اس کا عدل ہوگا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں کسی واسطہ کا محتاج نہیں اور تمام واسطے اور وہ اشیا جو ان سے پیدا ہوتی ہیں سب اللہ تعالیٰ کے افعال میں شامل ہیں۔ چنانچہ آگ اور اس کا جہننا اور کھانا اور اس کا پیٹ کو بھر دینا۔ تنوار اور اس کا کاٹنا یہ سب اللہ کے افعال میں سے ہے۔ نیز یہ بھی ایک عقیدہ ہے کہ جنت اب بھی موجود ہے اور دوزخ بھی اس وقت موجود ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نہ دنیا میں کسی پر ظلم کرتا ہے نہ آخرت میں کرے گا۔ یہ تمام امور عقائد خفیفہ ہیں۔ جس کا یہ عقیدہ ہوگا وہ صحیح مومن ہے اور اس کا ایمان کامل ہے اور جو ان سے بے خبر ہے مثلاً یہ کہ اس کا عقیدہ ہوگا اللہ کا دیدار نہ ہوگا یا یہ کہ اللہ پر ہرگز سزا دینا واجب ہے یا یہ کہ اللہ اپنے افعال میں واسطہ کا محتاج ہے یا یہ کہ جنت اور دوزخ موجود نہیں تو اس قسم کے عقائد رکھنے والوں کو قیامت کے دن اس قدر عذاب ہوگا جو غیر اعتقادی گناہوں سے زیادہ ہوگا۔

عقیدہ ثقیلہ وہ ہے جس سے جہالت کی وجہ سے اعتقاد رکھنے والے کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جانا پڑے گا۔ مثلاً یہ ایک عقیدہ ثقیلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اس کا وجود ازلی اور ابدی ہے اور یہ کہ وہ جو کام کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے اور اس کے افعال طبیعی طور پر ہرگز ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی علت یا سبب کی وجہ سے اور یہ کہ وہ ہمارے افعال کا خالق ہے اور ان میں ہمارا نقشہ کوئی اختیار نہیں اور یہ کہ اس کے ملک میں نہ دنیا کا کوئی بڑا انسان مثلاً بادشاہ یا وزیر اور نہ ہی آسمان کا مثلاً سورج چاند ستارے اور تمام فرشتے کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سنتے اور دیکھنے والا ہے اور یہ کہ وہ علیم ہے۔ یہ سب عقائد ثقیلہ ہیں۔ لہذا جب کوئی بندہ عقائد خفیفہ کے ساتھ ان کا بھی عقیدہ رکھے تو اس کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے لیکن اگر ان سے عدم واقفیت ہو یا ان میں سے کسی ایک سے بھی ناواقف ہو تو اس کے لیے خلود فی النار واجب ہے۔ خدا ہمیں اس سے بچائے۔ جب تو نے یہ بات سمجھ لی تو اب ہم عقیدہ خفیفہ میں جہل بسیط کی طرف لوٹتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان عقائد سے ذاتِ انسانی پر اس قدر ظلمت طاری ہو جاتی ہے جو مذکورہ بالا تارکیوں سے زیادہ ہوتی ہے اور اس سے اس کی خواب میں رد و بدل بھی بہت زیادہ ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص خواب میں کوئی مردہ دیکھے اور اسے علم بھی ہو کہ وہ مردہ ہے اور وہ اس سے اس کا حال پوچھے اور پوچھے کہ اللہ تعالیٰ نے



تم سے کیا برتاؤ کیا اور میت اپنی حالت کی شکایت کرنے لگ جائے اور اپنی بد اعمالیوں کا ذکر کرے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ یہ دیکھنے والے کے دیندار ہونے کی دلیل ہے۔ اور یہ کہ اس کی آخرت اچھی ہوگی اور وہ عنقریب اپنے بُرے اعمال سے توبہ کرے گا۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں نصیحت کرنے کا ضرور اثر ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے زبرد تو بیخ کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ اور جو بات اللہ کی طرف سے ہو تو وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ بندہ کی طاقت نہیں کہ وہ میت سے ملاقات کر سکے اور اس سے اس کی حالت کی بابت سوال کرے، بلکہ یہ اللہ ہی کی طرف ہے کہ اس نے خواب دیکھنے والے اور میت کو اکٹھا کر دیا تاکہ وہ جو کچھ بھی سُن سکے سن لے تاکہ اس پر اللہ کی رحمت ہو اور اگر اللہ چاہتا تو وہ اس شخص کو اپنی گمراہی میں حیران چھوڑ دیتا۔ پس اس تعبیر میں ظلمت قوی ہوئی کہ اشارہ بہت خفی اور تعبیر بہت زیادہ دقیق ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**چھٹا درجہ** | وہ ظلمت جو ذاتِ انسانی پر جہل مرکب کے طور پر عقیدہ خفیہ میں جہالت کی وجہ سے طاری ہو جاتی ہے مثلاً یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہوگا۔ یا یہ کہ اللہ کے لیے جزا دینا واجب ہے اور سزا دینا ہی یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کا یہ عقیدہ درست ہے۔ لہذا جو ظلمت اس جہل مرکب عقیدہ کے رکھنے سے ذاتِ طاری ہوگی وہ اس ظلمت سے زیادہ ہوگی جو اس مرتبہ سے پہلے مرتبہ میں طاری ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ دوزخ کا تھوہر کھا رہا ہے اور دوزخ کا گرم پانی پی رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ہر طرح سے حرام میں داخل ہو گا خواہ روپیہ جمع کرنے کے اعتبار سے خواہ حرام سے منع رہنے کے اعتبار سے چنانچہ دوزخ کا تھوہر دوزخ کا تھوہر جمع کرے گا اور اسے حقداروں پر صرف نہ کرے گا اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ حرام دوزخ میں لے جانے، دوزخ کا زقوم کھانے اور اس کا گرم پانی پینے کا سبب ہے۔ اور تعبیر کے اعتبار سے اس کی ظلمت یہ ہے کہ زقوم اور گرم پانی دونوں طبعاً مکروہ چیزیں ہیں اور مال و نذر طبعاً محبوب ہے لہذا مکروہ و محبوب ہونے میں دونوں میں فرق ہوا۔ لہذا یہ تعبیر بار بار ہوتی۔ مزید برآں جس بات سے تعبیر دور کی ہو جاتی ہے، یہ ہے کہ جس کی تعبیر کی جائے وہ تو دنیا کی چیز ہو اور جس سے تعبیر کی گئی ہو وہ آخرت کی چیز ہو یا بالعکس کیونکہ دونوں گھروں (دنیا و آخرت) میں بعد ہے۔ اور ان کے درمیان کے اشارہ میں بھی بعد ہے کیونکہ جہنم تھوہر اور گرم پانی مکروہ چیزیں ہیں لہذا یہاں تین وجہ سے ظلمت قوی ہوگئی ہے جو مذکورہ ظلمتوں میں سے کسی ظلمت میں نہیں پائی جاتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سالتواں درجہ** | وہ ظلمت جو ذات پر عقیدہ ثقیدہ میں جہل بسیط کی وجہ سے داخل ہوتی ہے مثلاً کوئی شخص عقیدہ مذکورہ میں بیان کردہ اعتقادات کے منافی عقیدہ رکھتا ہو مگر اگر کوئی اسے بتا دے تو وہ اس عقیدہ سے باز آجائے۔ لہذا یہ ظلمت پہلے ذکر کردہ ظلمتوں سے بڑھ کر ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ جہنم میں داخل ہوا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ والدین کا نافرمان ہے یا اسی قسم کے کسی کبیرہ گناہ میں مبتلا ہے۔ اس تعبیر کی وجہ ظاہر ہے اور ظلمت کی قوت تعبیر کے لحاظ سے ہے، اس لیے

کہ یہاں دونوں جہانوں میں اختلاف ہے کیونکہ خواب میں مرئی شئی دارِ آخرت میں ہے اور جس چیز سے اس کی تعبیر کی گئی ہے وہ دنیا میں ہے اور خواب کے لحاظ سے بھی ہے کہ جہنم میں داخل ہونا اور والدین کی نافرمانی و دلوں کی بری چیزیں ہیں اور ان کی ظلمت کسب حرام کی ظلمت سے زیادہ ہے اسی لیے اس مرتبہ کی ظلمت زیادہ قوی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**آٹھواں درجہ** | وہ ظلمت جو ذات پر عقیدہٴ ثقیلہ میں جہل مرکب کی وجہ سے داخل ہوتی ہے مثلاً یہ عقیدہ رکھنا کہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے اور پھر یہ سمجھتا ہو کہ اس کا یہ عقیدہ درست عقیدہ ہے لہذا یہ ظلمت اوپر والی ظلمت سے بھی زیادہ ہوگی اور اس سے خواب میں اس سے بھی زیادہ رد و بدل ہوگا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کسی شخص نے دیکھا کہ اسے ایک فرشتے نے پکڑ لیا اور جہنم میں ڈال دیا ہے تو اس کی تعبیر یوں ہوگی کہ تقدیر الہی اسے معصیت کی طرف لے جائے گی اور اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ یہاں فرشتہ کا اشارہ تقدیر کی طرف ہے اور جہنم کا اشارہ معصیت کی طرف ہے اور اس میں ظلمت کی وجہ یہ ہے کہ فرشتہ سے مراد تقدیر لی گئی ہے اور یہ بہت خفی اور دقیق اشارہ ہے اور ساختہ ہی خواب بھی گھناؤنی ہے کیونکہ فرشتہ کا بندہ کہ جبراً پکڑنا اور اُسے دوزخ میں ڈالنا نہایت ہی مکروہ بات ہے، برخلاف اس کے کہ جس نے دیکھا کہ وہ جہنم میں داخل ہو گیا ہے یا یہ کہ اس نے زقوم کھایا ہے اور دوزخ کا گرم پانی پیا ہے کیونکہ وہاں کسی قسم کا جبر نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے کہا ہے کہ اس مرتبہ کی ظلمت مذکورہ بالا مراتب سے بڑھ کر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**نواں درجہ** : وہ ظلمت جو ذات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق جہل بسیط کی وجہ سے داخل ہوتی ہے مثلاً یہ کہ کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی صفات کا عقیدہ رکھنا جو درحقیقت آپ میں نہیں پائی جاتیں۔ مگر یہ عقیدہ ایسا ہو کہ اگر اسے علم ہو جائے تو اس سے باز آجائے۔ لہذا یہ ظلمت ماقبل کی ظلمت سے زیادہ ہوگی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا دروازہ ہیں اور جو دروازے سے ناواقف ہوگا اور اس سے بھٹک جائے گا تو وہ گھر میں کبھی بھی داخل نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو نہ تو ہمارا ایمان باللہ درست ہوتا اور نہ ہی دنیا اور آخرت کی کوئی بھلائی درست ہوتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ جوان ہو گیا ہے حالانکہ وہ دراصل بوڑھا تھا تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اسے بہت سی دنیا حاصل ہوگی جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہ کرے گا۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ بڑھاپے کی حالت کا اشارہ فقر کی طرف ہے اور جوانی جس کی طرف وہ لوٹ کر گیا ہے اس کا اشارہ مالدار کی طرف ہے اور اس میں ظلمت کی قوت تبسیر کی وجہ سے ہے کیونکہ شباب سے حصول دنیا مراد لینا نہایت ہی خفی امر ہے اور خود خواب میں بھی ظلمت قوی ہے کہ دنیا ہر گناہ کی اصل ہے بالخصوص جب کہ بکثرت سے جیسے کماں خواب میں۔ اور اس لیے بھی کہ وہ مالدار ہی میں نیک کام نہ کرے گا۔ واللہ اعلم۔

**دسواں درجہ** وہ ظلمت جو ذات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق جہل مرکب کی وجہ

سے داخل ہو۔ مثلاً یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسی صفات کا عقیدہ رکھے جو درحقیقت آپ میں نہیں ہیں اور پھر یہ بھی عقیدہ رکھے کہ اس کا عقیدہ صحیح ہے لہذا یہ ظلمت جو ذات پر مذکورہ بالا جہل مرکب کی وجہ سے داخل ہوگی، ہر پہلی ذکر کردہ ظلمت سے بڑھ کر ہوگی مثلاً کوئی یہ دیکھے کہ وہ ایک نوجوان کے پیچھے چل رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ لوطیوں والا کام کرے گا اور اس میں تعبیر کی وجہ ظاہر ہے اور ظلمت کی قوت نفسِ خواب میں ہے کہ لواطت بہت بڑا گناہ ہے۔ لَسَّأَلُ اللّٰهُ السَّلَامَةَ مِنِّيَّ، وَ كَسَّرَ صِدْقًا  
حضرت نے فرمایا یہ ظلمت کے دس درجے نگاہ ذات کی طرف منسوب ہیں۔

**درجاتِ طہارت** | اسے درجاتِ طہارت جو روح کی طرف منسوب ہیں وہ بھی دس ہیں اور یہ مذکورہ بالا درجات کا عدم اور ان کی ضد ہیں اسی لیے درجاتِ طہارت کا حال ثقل اور خفقت کے اعتبار سے درجاتِ ظلمت کے برعکس ہوگا۔ کیونکہ مذکورہ بالا دس درجوں میں سے ثقل ترین اور آخری درجہ بارگاہِ محمدیہ میں جہل مرکب کا ہر سارہاں درجاتِ طہارت میں جہل مرکب سے پاک ہونا۔ پھر جہل بسیط سے پاک ہونا۔ پھر عقیدہ خفیہ میں جہل مرکب سے پاک ہونا۔ پھر جہل بسیط سے پاک ہونا پھر حرام چیز کا عمداً نہ کرنا۔ پھر مکروہ بات کا عمداً نہ کرنا۔ پھر حرام میں سہو کا واقع نہ ہونا پھر مکروہ میں سہو کا واقع نہ ہونا اور یہ ثقل ترین امر ہے کیونکہ مکروہ میں سہو کے نہ ہونے کے ساتھ ساتھ جہل مرکب یا بسیط بھی ہو سکتا ہے جس کی مثالیں ہم عنقریب بیان کریں گے۔

پھر یاد رکھیں کہ جب روح اپنی بصیرت اور صاف نگاہ سے خواب دیکھتی ہے تو اصلی حالت پر دیکھتی ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا تعبیر نہیں ہو سکتی۔ پھر جب روح لستہ ذات کے حوالہ کرنے لگتی ہے تو ذات کی طرف دیکھتی ہے پس اگر ذات ظلام سے پاک اور ہر لحاظ سے معصوم ہو تو وہ اس خواب کو روح تک بغیر تبدیلی اور تعبیر کے جیسا اس نے دیکھا ہوتا ہے ادا کر دیتی ہے لیکن اگر ذات میں ظلمت ہوگی تو اسے ادا کرتے وقت خواب میں رد و بدل ہوگا اور تعبیر اس کی ظلمت کے مقدار کے مطابق ہوگی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ روح جب ذات تک خواب پہنچاتی ہے تو اس کا پہنچانا اپنی دو قسموں میں منقسم ہو جاتا ہے لہذا خواب کی ادائیگی کے وقت خواب میں ذاتِ طاہرہ کے لیے کسی قسم کا رد و بدل نہیں ہوتا یہ رد و بدل تو صرف ظلمتوں کی وجہ سے ہوتا ہے اور ہم نے ذات کو پاک فرض کیا ہے مگر غیر طاہر ذات کے لیے ظلمت کی مقدار کے مطابق رد و بدل واقع ہوتا ہے کیونکہ اگرچہ اس میں صفائی ہوتی ہے مگر ظلمت کسی اور وجہ سے ہوتی ہے مختصر یہ کہ صفائی یا تو کلی صفائی ہوتی ہے اور وہ صرف انبیاء معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں ہوتی ہے یا جزئی ہوتی ہے اور ایک جہت سے ہوتی ہے اور دوسری جہت سے نہیں ہوتی۔ اسی لیے اس کے بھی دس درجے ہیں اور ان کی ترتیب مذکورہ بالا دس درجوں کی ترتیب سے برعکس ہے۔

**طہارت کا پہلا درجہ** | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی نسبت جہل مرکب کا نہ ہونا۔ اس قسم کے جہل سے پاک ہونا ہر طرح کی دوسری صفائی سے بڑھ کر ہے، اسی لیے اس صفائی کے ہوتے ہوئے جو خواب آئے گی۔ اس



کی تعبیر کی گویا کوئی ضرورت ہی نہیں۔ مثلاً کوئی شخص یہ دیکھے کہ حق تعالیٰ اس سے راضی اور خوش ہیں اور تبسم فرما رہے ہیں تو اس کی تعبیر یہی ہے کہ اللہ اس سے راضی ہے اور اس کے اعمال اللہ کے نزدیک پاک ہیں۔  
دوسرا درجہ | بارگاہ عالیہ رسالت مآب کے بارے میں جہل بسیط سے پاک ہونا۔ اس صفائی کا درجہ مذکورہ بالا صفائی کے درجہ سے کم ہے مگر اس کے بعد اس کا درجہ آتا ہے اسی لیے اس صفائی والے آدمی کی خواب میں تھوڑی تعبیر کی ضرورت ہے مثلاً کوئی دیکھے کہ وہ فرشتوں سے لڑ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے یا تو پھنسیاں نکلیں یا کھجلی لاحق ہوگی۔ یا کسی عادی سبب کے بغیر اس کے کسی عضو کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ دیکھنے والی تو روح ہے اور جو فرشتے دکھائی دیے ہیں وہ ذات کے فرشتے ہیں جو اس کی حفاظت پر مقرر ہیں اور روح ان سے جھگڑ رہی ہے کیونکہ جب روح نے دیکھا کہ عنقریب ذات میں پھوڑے پھنسیاں وغیرہ نکلنے والی ہیں تو ذات کے محافظ فرشتوں سے جھگڑنا شروع کر دیا تو گویا وہ یوں کہہ رہی ہے کہ یہ تمہاری حفاظت میں کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لہذا یہ خواب اس کلام کی طرح ہے جس میں کچھ حذف کیا گیا ہو۔ پس جب اس محذوف کلام کو مقدر مان لیا تو کلام صحیح اور مطلب واضح ہو گیا۔ یہی حال اس جگہ ہے کہ اگر جھگڑنے کا سبب ذکر کر دیا جاتا تو خواب واضح ہو جاتی اور تعبیر کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

تیسرا درجہ | تیسرا درجہ عقیدہ ثقیلہ میں جہل مرکب سے پاک ہونا ہے۔ اس درجہ کی صفائی کا درجہ گذشتہ درجہ کی صفائی کے بعد آتا ہے اسی لیے اس کی خواب میں تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً کوئی یوں دیکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خوف زدہ اور محبوب حالت میں کھڑا ہے، تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسے نجات بخئے گا۔ اور اس میں اسے اجر عظیم ملے گا۔ اور اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے لوگ صرف قیامت کے دن کھڑے ہوں گے اور وہ بھی مومن لوگ۔ اگر اس مومن کی ذات ظلمت سے پاک نہ ہوتی تو اسے خواب میں ڈانٹ ضرور پڑتی۔ پھر انجام کار اسے نجات ملے گی اور وہ ہمیشہ کے لیے جنت میں جائے گا۔ لہذا جب اس نے دیکھا کہ وہ اس حالت میں (یعنی گھبراہٹ کے عالم میں) اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہے تو اس کی تعبیر وہی ہے جو مذکور کی گئی درحقیقت دیکھنے والی تو روح ہے اور تعبیر کی ضرورت تو اس وقت پڑی جب روح نے یہ خواب جسم کے حوالہ کی نہ اس لیے کہ روح کی نگاہ میں کوئی ظلمت تھی اور اگر اس خواب کا دیکھنے والا کوئی ولی یا عارف یا نبی یا رسول ہوتا تو اس کی تعبیر کسی اور طرح ہوتی جس کا ذکر بہت لمبا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چوتھا درجہ | چوتھا درجہ عقیدہ ثقیلہ میں جہل بسیط سے پاک ہونے کا ہے اس صفائی کا درجہ ماقبل کے درجہ سے بعد آتا ہے مثلاً کسی نے عزرائیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اسے دیکھ کر ہنس رہے ہیں اور خوش ہو رہے اس کی تعبیر درازی عمر ہے۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کے لیے بزرگ فرشتہ کے ساتھ خوش ہونے کا مطلب سوائی درازی عمر کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر ذات کے حوالہ کرتے وقت اس میں ظلمت آئی اور تعبیر میں دقت واقع ہوئی۔ اس لیے کہ ملک الموت کی ہنسی سے درازی عمر مراد لینا ایک خفی اور دقیق اشارہ ہے۔ واللہ



تعالیٰ اعلم۔

پانچواں درجہ | پانچواں درجہ عقیدہ خفیہ میں جہل مرکب سے پاک ہونا ہے۔ یہ عدم اور صفائی ماقبل سے بھی نیچے درجے کی ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی نے ابو بکر صدیق کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ دیکھنے والے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سخت محبت ہے اور اس میں ذات کو حوالہ کرنے میں جو ظلمت آئی وہ یہ ہے کہ ابو بکر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ لیا گیا حالانکہ دونوں میں کوئی تلازم نہیں۔ اسی لیے یہ اشارہ بہت خفیہ ہوا اور ذات کے حوالہ ہونے وقت ظلمت کی وجہ سے خفاء لاحق ہوا۔ اس لیے اس کی ظلمت پہلے سے زیادہ ہوئی۔

چھٹا درجہ | چھٹا درجہ عقیدہ خفیہ میں جہل بسیط سے پاک ہونا ہے کہ اس عدم کا درجہ ماقبل کے بعد آتا ہے۔ مثلاً کسی نے فرشتوں کو کسی ایک جگہ دیکھ لیا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس مقام پر ایک مسجد بنے گی، جس میں اللہ کی عبادت اور اس کی تسبیح و تقدیس ہو کرے گی اس تعبیر کی وجہ تو ظاہر ہے اور اس میں ذات کے حوالہ ہونے وقت جو ظلمت آئی وہ یہ ہے کہ کہاں عالم الوار کے فرشتے اور کہاں عالم اغیار کی مسجد۔ برخلاف ماقبل کے کہ وہاں اگرچہ حضرت صدیق اور محبت محمدیہ میں کوئی تلازم نہ تھا مگر عالم تو ایک تھا۔

ساتواں درجہ | ساتواں درجہ یہ ہے کہ حرام کا قاعداً ارتکاب نہ کیا جائے مثلاً کسی نے اسرائیل کو کسی جگہ دیکھ لیا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس جگہ سخت فتنہ بپا ہوگا یا بڑی خوشی واقع ہوگی۔ وجہ تعبیر یہ ہے کہ حضرت اسرائیل فتنوں اور خوشی کے معاملات پر متعین ہیں اور اس میں حوالہ ذات ہونے کے وقت کی ظلمت ماقبل سے زیادہ قوی اس اعتبار سے ہے کہ فتنہ دسروں کے ساتھ حضرت اسرائیل کا تعلق اتنا مشہور نہیں جتنا حضرت عزرائیل کا تعلق عمر و زندگی کے ساتھ معروف و مشہور ہے۔ مزید برآں اس میں عالم الوار اور عالم اغیار کا بعد بھی موجود ہے لہذا اس میں ماقبل والی ظلمت کے ساتھ مزید ظلمت بھی پائی گئی۔ واللہ اعلم۔

آٹھواں درجہ | آٹھواں درجہ مکروہ بات کا عمداً نہ کرنے کا ہے مثلاً کسی نے دیکھا کہ شیاطین اسے ٹھیکے ہوئے ہیں پس اس کی تعبیر یوں ہوگی کہ چوروں کا گروہ اس پر حملہ آور ہوگا یا اس کا مال چوری جائے گا یا لوگ اس کی بلا و غیبت کریں گے۔ وجہ تعبیر ظاہر ہے اور ظلمت قویہ نفس خواب میں ہے کہ مال چوری جانا اور غیبت ہونا اس خواب دیکھنے والے کے لیے پریشان کن اور ناگوار امر ہے جو کہ پہلی صورت میں نہ تھا۔

نواں درجہ | نواں درجہ عدم سوچا ہے مثلاً دیکھا کہ کسی مقام پر قیامت بپا ہو گئی ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس جگہ کی حالت بدل جائے گی۔ اگر عدل ہو رہا تھا تو ظلم ہونے لگے گا یا بالعکس۔ اس میں ظلمت ذات کے حوالہ ہونے وقت تعبیر میں آئی ہے کیونکہ حقیقی قیامت اور تبدیل حالت میں بہت بعد پایا جاتا ہے۔ پھر قیامت سے عدل سے ظلم کی طرف منتقل ہونا تو اور بھی زیادہ بعید ہے کیونکہ قیامت کے دن کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔ لہذا اس میں اسرائیل علیہ السلام کو دیکھنے کے مقابلہ میں زیادہ ظلمت پائی گئی

تلازم درجہ ہونا

کیونکہ ان کا تعلق فتنہ و فرج کے ساتھ یکساں تھا مگر یہاں قیام قیامت کا تعلق عدل و نظم کے ساتھ ایک جیسا نہیں۔ واللہ اعلم۔

**سوال درجہ اول** | سوال درجہ عدم سہو مکروہ کا ہے۔ یہ درجہ سب سے زیادہ ثقیل اور ذات کو حوالہ کرتے وقت سب سے زیادہ ظلمت والا ہے۔ مثلاً یہ دیکھنا کہ وہ شیطانوں کا دوست ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے دوست و احباب بُرے لوگ ہیں۔ وجہ تعبیر ظاہر ہے۔ اب اس کی ظلمت کو دیکھو کہ یہ اس ظلمت جتنی ہے جو ذات کی نگاہ میں ہے۔ کیونکہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہذا جب ہمنشینوں میں کوئی بھلائی نہیں تو ہمنشین بھی ویسا ہی ہوگی۔ لہذا یوں سمجھنا چاہیے کہ اس خواب کی ظلمت خست ذات اور اس کی بد اعمالی کی طرف اشارہ کر رہی ہے، بعینہ ان ظلمتوں کی طرح جو ذات کی طرف منسوب کردہ دس قسموں میں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اگرچہ ان کے مراتب مختلف ہیں، خست ذات کی طرف اشارہ کرتی ہے جیسا کہ گذر چکا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال** | میں نے عرض کیا حضرت اس تعبیر کا تو یہ مطلب نکلا کہ تعبیر کا سبب وہ ظلمت ہے جو ذات میں پائی جاتی ہے اگرچہ صورت مختلف ہوتی ہے کہ رُوح کے دیکھے ہوئے میں تعبیر کی ضرورت ذات کو حوالہ کرتے وقت ہوتی اور ذات کے دیکھے ہوئے میں تعبیر کی ضرورت نفس خواب میں ہوتی جیسا کہ ذکر ہو چکا۔ مگر جب کسی ذات میں اس کے ہر لحاظ سے معصوم ہونے کی وجہ سے کوئی ظلمت نہ ہو مثلاً انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات تو وہاں تعبیر کی حاجت نہ ہونی چاہیے کیونکہ جو تعبیر کا سبب تھا یعنی ظلمت وہ ان میں مفقود ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء کے بہت سی خوابوں کی تعبیر کی گئی مثلاً یوسف علیہ السلام کا خواب جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے۔ اِنِّیْ رَاٰیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كُوْبًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاٰیْتُھُمْ لِیْ سَاجِدِیْنَ (سورہ یوسف پہلا رکوع) کیونکہ درحقیقت جنہوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا وہ ان کے بھائی اور والدین تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَخَرُّوْا لَہٗ سُجُوْدًا (وہ سجدے میں گر گئے) وَقَالَ یَا اَبْنَتُ هٰذَا تَاوِیْلُ رُؤْیَا یَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلْنَا رُبِّیْ حَقًّا ط (سورہ یوسف) (ابا جان یہ میرے خواب کی تعبیر ہے۔ میرے رب نے میرے خواب کو سچ کر دکھایا) اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا خواب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَا بُنَّیْ اِنِّیْ اَرَاۤہِیْ فِی الْمَنَامِ اِنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانظُرْ مَاذَا تَرٰی (سورہ صافات آیت ۱۰۲) (بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب دیکھ لے کہ تمہاری کیا رائے ہے) کیونکہ درحقیقت ذبح تو مینڈھے کو کیا گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَفَدَّیْنَا لَہٗذِکَ ثُمَّ عَلَّیْمِیْ (ہم نے اس کے فدیے میں ایک بڑا ذبیحہ دیا) اسی قسم کا خواب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب ہے کہ آپ نے دیکھا کہ گائے ذبح کی جا رہی اور آپ کی تلوار کی دھار دندانہ دار ہو گئی ہے اور ایک مضبوط زرہ پہلے جس میں آپ داخل ہو گئے ہیں، تو آپ نے گائے ذبح کیے جانے سے یہ اشارہ سمجھا کہ آپ کے گھرانے کا ایک فرد شہید

ہوگا اور مضبوط زور سے مراد مدینہ لی۔ اور یہ کہ اگر آپ مدینہ سے باہر نکلتے تو آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ اسی طرح آپ کی یہ خواب ہے کہ لوگ تمہیں پہنے آپ کے پیش ہو رہے ہیں بعض کی تمہیں پستانوں تک ہیں اور بعض کی اس سے نیچے اور پھر عمر کو دیکھا کہ ان کی تمہیں اس قدر لمبی ہے کہ وہ اسے گھسیٹتے ہوئے چلے آ رہے ہیں اس پر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے۔ فرمایا: دین۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر کثیر التعداد خواب ہیں جن میں تعبیر کی گئی۔

**جواب** | انبیاء کی خوابیں دو قسم کی ہیں، معاینہ اور وحی: اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ انبیاء علیہ السلام کی نیند عام لوگوں کی طرح نہیں ہوتی کیونکہ وہ خواہ سوئے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں، مشاہدہ حق میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی آنکھیں تو سوئی ہوتی تھیں مگر دل بیدار ہوتے تھے اسی لیے ان کی خوابیں بھی دو قسم کی تھیں: معاینہ اور وحی۔ معاینہ یہ ہے کہ نبی خواب میں ایک چیز کا مشاہدہ کرے اور بیداری میں وہ چیز بغیر کم و کاست کے بعینہ اسی طرح نکل آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواب کہ آپ اور آپ کے صحابہ بڑے امن سے سرمنڈا کر یا کترا کر مسجد حرام میں داخل ہوں گے، اسی قسم کی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت امدی نَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَكُمْ آلَتُؤْيَابِ بِمُحَقِّقٍ (سورہ فتح آیت ۲۷) (اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی خواب سچی کر دی) چنانچہ اس جگہ خواب کو نہ تو محض روح کی طرف اور نہ محض ذات کی طرف منسوب کیا جائے گا بلکہ دونوں کی طرف منسوب کیا جائے گا کیونکہ صفائی اور طہارت دونوں میں یکساں ہے۔ اسی قسم میں وہ تمام امور ہیں جو آنحضرت صلی اللہ معراج دو مرتبہ ہوئی۔ ایک | علیہ وسلم نے معراج کی رات دیکھے کیونکہ ایک بار تو معراج روحانی طور پر ہوئی جیسے مرتبہ روحانی، دوسری مرتبہ جسمانی | کہ دوسری بار آپ کی ذات شریف کو معراج کرائی گئی چنانچہ پہلی بار جو معراج روح کے ساتھ ہوئی وہ روایتی منامی تھا۔ چنانچہ اس وقت آپ کی ذات سو رہی تھی اور جو کچھ بھی دیکھا روح نے دیکھا اور اس میں کسی قسم کی تاویل یا تعبیر نہ کی گئی۔ مختصر یہ کہ اس قسم کی خواب آنکھوں دیکھی بات کی مانند ہوتی ہے چنانچہ جیسے بعیرت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح اس خواب میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔

**خواب وحی** | اب رہی خواب کی دوسری قسم یعنی خواب بطور وحی کے تو وہ انبیاء کی ہر ایسی خواب ہے جس کی تعبیر کی جاسکتی ہو۔ اس کی تحقیق یوں ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس قسم کی خواب میں کسی خارجی وجود والی چیز کو نہیں دیکھا ہوتا اور نہ اس کی طرف آپ کی ذات یا روح نے توجہ کی ہوتی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ جو بھی حکم یا ممانعت یا کسی بات کی خبر دینا چاہتے ہیں فرمادیتے ہیں مگر اپنے کلام کی بجائے کچھ امور پیدا کر کے دکھا دیے جاتے ہیں اور وہ وحی الہی

عمل ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی بار خواب میں معراج کرانے کا مقصد یہ ہو کہ آپ کا دل ان احوال و مناظر کو بہشت کرنے کے قابل ہو جائے جو بعد میں مشاہدہ کے طور پر بیداری میں دکھائے گئے۔



کے معلوم کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اس کی صورت یوں سمجھیں کہ کوئی شخص دوسرے کو راز اور اشارہ سے حکم کر رہا ہو یا منع کر رہا ہو یا کسی چیز کی خبر دے رہا ہو۔ لہذا یہ چیزیں جو ان کی خوابوں میں واقع ہوتی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نبی کے ساتھ مخاطب ہونے کے لیے وضع فرماتا ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام ان اشاروں کو سمجھ جاتے ہیں اسی لیے وہ ان کی اطاعت کرتے ہیں اور انہیں اس وحی کے قائم مقام سمجھتے ہیں جو انہیں بیداری میں ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا ان مذکورہ بالا خوابوں میں موجودہ اشیاء کا راز یہ ہے کہ صرف مشاہدہ کی چیزوں میں بیان اور خطاب ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام تو ہر وقت مشاہدہ حق میں ہوتے ہیں۔ خواہ وہ خواب کی حالت میں ہی کیوں نہ اور اللہ کی مخلوق کو دیکھ کر بھی وہ مشاہدہ حق کر رہے ہوتے ہیں۔ بعینہ اس طرح جس طرح کہ ایک پرندہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتا۔ چنانچہ تو دیکھتا ہے کہ وہ کبھی اس ٹہنی پر ہوتا ہے کبھی اس ٹہنی پر۔ اور کبھی اس درخت پر اور کبھی اس درخت پر۔ یہی حال انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے۔ کبھی انہیں مشاہدہ حق آسمانوں اور زمینوں کو دیکھ کر حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھ کر۔ لہذا جب وہ ان چیزوں کو دیکھتے ہیں تو خالق سبحانہ کی عظمت ان کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور انہیں اس قدر عظیم الشان مشاہدہ حاصل ہوتا ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ پس جب حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس مشاہدہ کی حالت میں انہیں کسی اجنبی چیز پر مطلع فرمائے تو وہ چیز ان کو اسی شئی میں دکھلاتا ہے جس میں ان کو مشاہدہ حق ہو رہا ہے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کی خواب میں یہی بات واقع ہوئی کہ انہیں خواب میں ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھ کر مشاہدہ حق حاصل ہوا اس لیے کہ جب آپ کی روح آسمانوں کو چڑھی تو اسے مشاہدہ مذکورہ حاصل ہوا۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ بتلانا چاہا کہ ان کے والدین اور بھائی انہیں سجدہ کریں گے تو یہ سجدہ انہیں ستاروں، سورج اور چاند میں دکھلایا جن میں کہ مشاہدہ حق ہو رہا تھا۔ کیونکہ باطن بغیر ارادہ کے جس مشاہدہ میں مشغول ہے، اسی میں مشغول رہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا ارادہ و قصد کسی اور چیز کی طرف نہ جائے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ کی اس نعمت کو دیکھا کہ ان کو بیٹا عطا کیا گیا ہے اور خیال آیا کہ کتنا بڑا العوام ہے تو انہیں مشاہدہ حق حاصل ہوا۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ انہیں اس میزے کے ذبح کرنے سے مطلع کیا جائے جو بیٹے کا ذبیح ہو گا تو انہیں اسی بیٹے کا ذبح کرنا دکھایا گیا جس میں مشاہدہ حق ہو رہا تھا۔ یہی حال مذکورہ بالا تمام خوابوں کا ہے (جن میں تجیر کی ضرورت پڑی) واللہ اعلم۔

الحاصل یہ تمام تفصیل قسم اول کے متعلق ہے جن کو اور کات کہتے ہیں۔ رہی دوسری قسم جسے خواطر کہتے ہیں تو میں نے حضرت سے اس قسم کے خواب کا سبب پوچھا تو آپ نے اس قسم کا بیان بھی فرمایا۔

**سوال** میں نے ایک دن حضرت سے ان امور کے متعلق دریافت کیا جنہیں خواب دیکھنے والا دیکھتا

ہے۔

**جواب** حضرت نے فرمایا کہ خوابوں کے اختلاف اور ان کی نوعیت کے بدلنے کا سبب ذات کے خواطر کا



خواطر کا اختلاف اور ان کا تنوع ہے۔ اور خواطر کے اختلاف اور تنوع کا سبب ایک امر غیبی ہے جس پر اکثر مخلوقات کو اطلاع نہیں ہوتی۔

میں نے عرض کیا کہ وہ امر غیبی کیا چیز ہے؟

فرمایا: وہ بندے کے دل میں اللہ کا فعل ہے اور اللہ کا فعل بندہ کے دل میں جاری رہتا ہے اور کسی حالت میں خواہ خواب کی ہو، خواہ بیداری کی بند نہیں ہوتا تا آنکہ روح بدن سے نہ نکل جائے اور انسان کے وجود میں آنے سے لے کر موت تک دل کی ہر حرکت اللہ کے فعل کا نتیجہ ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کو ایک معین اور مخصوص امر مقصود ہوتا ہے لہذا اس امر کا دل پر گذر ہوتا ہے اور جب دل کی دوسری حرکت ہوتی ہے تو دوسرا امر معین دل پر گذرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تیسرا اور چوتھا وغیرہ۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو دل کی پہلی حرکت کا خیال نیک ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری اور تیسری وغیرہ حرکات کا خیال بھی نیک ہی ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو پہلی حرکات کا خیال بھی بُرا ہوتا ہے اسی طرح باقی حرکات کا حال ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کرم فرمائے اور اس سے بھلائی کا ارادہ فرمائے تو خواطر بھی خیر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ لہذا بندوں کے تمام اعمال ان خواطر کے تابع ہوتے ہیں اور ان کے خواطر ان کے دل کی حرکات کے تابع ہوتے ہیں اور یہ حرکات ان کے خواطر کے تابع ہوتے ہیں۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ اس حدیث کا کیا یہی مطلب ہے کہ بندوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح وہ چاہتا ہے پلٹ دیتا ہے؟

حضرت نے فرمایا۔ ہاں یہی مراد ہے۔

اس پر مجھے حرکات قلب اور ان کے تغیرات کے خیال سے سخت خوف طاری ہو گیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ تمام سعادت یا شقاوت کا دار و مدار انہی حرکات پر ہے۔ خدا سے ہماری درخواست ہے کہ ان حرکات کو اس طرح چلائے جس طرح کہ وہ پسند کرتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ ان حرکات قلبیہ کے ثمرہ کی مدت خواہ خیر ہو یا شر سات دن ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ حرکت قلب سے حق تعالیٰ کی جو مراد ہوتی ہے اسے یا تو بندہ فوراً پا جاتا ہے یا کھوٹی دیر کے بعد۔ بعض اوقات اس میں تاخیر بھی واقع ہو جاتی ہے لیکن سات دن سے زیادہ نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایسا ہوتا ہے کہ بندہ ایک دن کوئی کام کر رہا ہوتا ہے اور اس کی حرکت ایک دن یا زیادہ پہلے سے ہو چکی ہوتی ہے۔ اس کی مثال نباتات کی سی ہے کہ باوجود اس کے کہ بیج ایک ہی ہوتا ہے مگر کچھ حصہ ایک دن میں ظاہر ہوتا ہے اور کچھ بعد میں آتا ہے اور کچھ پہلے۔ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔

(حضرت نے فرمایا) کہ جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ خواطر کا دار و مدار قلب میں ارادہ الہی پر ہے، تو اب

یاد رکھیں کہ انسان کی دو حالتیں ہیں۔ حالتِ بیداری اور حالتِ نوم۔ بیداری کی حالت میں ذاتِ حکم کرے گی اور روح تابع ہوگی اور ذاتِ حکم جہالت اور اشیاء کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر ہوتا ہے لہذا اگر بیداری کی حالت میں بندہ پر حج کا خیال گزرے تو نقطہ حج ہی کا گزرے گا۔ کوئی اور زاویہ چیز ساتھ نہ ہوگی۔ یا اگر آسمان یا جنت یا دوزخ وغیرہ کا خیال آئے گا تو اسے صرف ان چیزوں کا شعور آئے گا مگر حالتِ نوم میں حواس معطل ہو جانے میں اور اعضا کو سکون و آرام ملتا ہے اور اللہ کا فعل دل پر بدستور جاری رہتا ہے، نہ بیداری میں بند ہوتا ہے نہ نیند کی حالت میں۔ لہذا جب دل کسی ایک چیز کے خیال سے متحرک ہوگا تو روح اس کی طرف دیکھے گی کیوں کہ ذاتِ حکم تو منقطع ہو چکا ہے اور روح ہر شئی سے واقف پیدا کی گئی ہے لہذا جب وہ ان اشیاء کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو ان کا اس طرح ادراک کر لیتی ہے جس طرح آنکھ سے دیکھ لیا۔ پس اگر کوئی اپنے آپ کو آسمانوں کے اوپر یا حج میں یا کسی خاص جگہ دیکھے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ کا خیال دل پر گزرا اور روح اس کے پیچھے پیچھے ہوئی اور اس کا ایسا ادراک کر لیا جیسا کہ آنکھ سے دیکھ لیا۔ خواہ اور ادراک میں فرق صرف اتنا ہے کہ اگرچہ ادراک دونوں قسموں میں پایا جاتا ہے مگر اگر کسی چیز کا خیال ادراک سے پہلے دل پر گزرا ہوگا تو خوابِ اضعافِ احوال میں سے ہے اور ان کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی اور اگر ادراک سے پہلے دل پر کوئی خیال نہیں گزرا بلکہ ذاتِ یارِ روح کی توجہ اس طرف ہوئی تب اس کے خوابوں میں حرکت پیدا ہوئی ہو تو خوابِ درست ہوگی اور اس کی تعبیر ہو سکے گی اور اس کی ہیں قسمیں ہیں جنہیں ہم بیان کر چکے۔ واللہ اعلم۔

جناب سید الوجود علیہ الصلوٰۃ حضرت نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے والسلام کو خواب میں دیکھنا لے تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس میں تعبیر کی ضرورت نہیں اور وہ یہ ہے کہ وہ ذاتِ محمدی کو بعینہ اسی حالت میں دیکھے جس حالت میں وہ دنیا میں تھے اور جس حالت پر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو دیکھا کرتے تھے۔ مزید برآں اگر بینندہ اہل فتح یا اہل عرفان و شہود و عیان میں سے ہو تو جو کچھ اس نے دیکھا ہوگا وہ حقیقتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہوگی اور اگر دیکھنے والا اہل فتح میں سے نہیں ہے تو کبھی تو اس کی خواب اسی قسم کی ہوگی اور یہ بہت شاذ و نادر ہی واقع ہوتا ہے اور کبھی انسان آپ کی ذاتِ شریف کی صورت دیکھ لیتا ہے نہ آپ کی حقیقی ذات کیونکہ آپ کی ذاتِ شریف کی کئی

بزرگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے متعلق بھی کتابیں لکھی ہیں چنانچہ شیخ یوسف بن یعقوب خلوتی شیخ الحرم النبوی نے تہذیب الغیبی فی رؤیة النبی لکھی اور شیخ جمال الدین بن علی بسطامی نے غایب الامم فی رؤیة النبی علیہ السلام لکھی۔ (کشف الظنون: ۲: ۲۸) اور شیخ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد الطعانی الحلبي نے تحفة الطالب [الطالب] المسماة فی رؤیة النبی علیہ السلام لکھی۔ (کشف الظنون: ۱: ۲۰۲)

صورتیں ہیں جو خواب اور بیداری میں بہت سے مقامات پر دکھی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی ذات سے ایک نور نے دنیا کو بھر دیا ہے چنانچہ دنیا کی کوئی جگہ نہیں جہاں یہ نور شریف نہ ہو۔ اور اس نور میں آپ کی ذات اس طرح ظاہر ہوتی ہے جس طرح چہرے کی شکل آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے چنانچہ یہ تمام نور بمنزلہ ایک آئینہ کے ہے جس نے تمام دنیا کو بھر ہوا ہے اور اس میں آپ کی ذات کریمہ کی شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ایک شخص مشرق میں اور ایک مغرب میں اور ایک جنوب میں اور ایک شمال میں اور اسی طرح لاتعداد لوگ ایک ہی آن میں مختلف مقامات میں دکھ لیتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک آپ کو اپنے پاس دیکھتا ہے کیونکہ وہ نور کریم جس میں آپ کی ذات کی تصویر آتی ہے، ہر ایک کے پاس موجود ہوتا ہے اور صاحبِ فتح جب آپ کی صورت دیکھتا ہے جو اس کے پاس ہوتی ہے تو اپنی باطنی بصیرت سے اس کا پیچھا کرتا ہے اور اس بصیرت کے نور سے چیرتا ہوا آپ کی ذات کریمہ تک جا پہنچتا ہے بعض اوقات یہ غیر صاحبِ فتح کیلئے بھی واقع ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے آپ کی ذات کریمہ دکھا دیتا ہے اور یہ اس طرح کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کا کمالِ محبت اور کمالِ صدق معلوم ہوتا تو آپ بنفس نفیس اس کے پاس تشریف لے آئیں۔ لہذا اس بات کا مدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، جسے چاہیں اپنی ذات کریمہ دکھادیں۔ اور جسے چاہیں اپنی صورت دکھادیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صورتوں میں بھی ظاہر ہوتے ہیں اور ان صورتوں کی تعداد اسی قدر ہے جس قدر انبیاء اور مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد تھی۔ اور ان صورتوں میں بھی جو آپ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک آپ کی امت کے اولیاء کی ہوں گی۔ صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورتوں کی تعداد معلوم نہیں ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے لہذا جن صورتوں میں آپ ظاہر ہوتے ہیں ان کی تعداد بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوتی۔ اسی قدر تعداد آپ کی امت کے اولیاء کی ہے لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور دو لاکھ اڑتالیس ہزار صورتوں میں ہوا۔ کیونکہ یہ سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے فیضیاب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض مرید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شیخ کی شکل میں دیکھتے ہیں۔

(مؤلف کہتا ہے کہ) میں نے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شیخ کی شکل میں دیکھا اور میں نے آپ کو بغل میں لے لیا۔ اور چاہا کہ آپ کو اپنے باطن میں لے لوں اس پر مجھے حضرت نے فرمایا کہ یہ بات ایک ہی بار نہ ہو سکے گی بلکہ بتدریج کھوڑا کھوڑا کر کے ہوگی اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ دیکھنے والے کے باطن میں آنحضرت کا داخل ہونا بتدریج ہو سکتا ہے۔ میں نے یہ الفاظ شیخ کی طرف اس لیے منسوب کیے ہیں کیونکہ انہوں نے دراصل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا، کیونکہ انہوں نے ایک اور پہلو سے بات کی تھی اور جس ذات کو میں نے بغل میں لیا تھا، اس نے صرف تبسم فرمایا تھا اور مجھ سے خوشی کا اظہار کیا تھا۔



یہ بات میرے دل میں کھٹکتی رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

**خواب کی دوسری قسم** | اس قسم کے خواب کی دوسری قسم وہ ہے جس میں تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں تعبیر ظلمت کے درجات کی بناء پر ہوتی ہے۔ خواب کی تاویل کی بنا پر نہیں کیونکہ دراصل تو اس میں کوئی تاویل ہو ہی نہیں سکتی اس لیے کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو درحقیقت اس نے آپ ہی کو دیکھا۔

اب ہم ظلمت کے ان درجات کا ذکر کرتے ہیں جو ان خوابوں میں واقع ہوتے ہیں لہذا اگر کوئی آپ کو یوں دیکھے کہ آپ اُسے دنیا کی ترغیب دے رہے ہیں تو اس کی ذات کی ظلمت پہلے درجہ کی ہے یعنی اس میں سوکرہ پایا جاتا ہے اس خواب میں ظلمت اس لیے پائی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تو حق تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرنا ہے نہ کہ دنیا کی فانی کی طرف۔

اور اگر کوئی یوں دیکھے کہ آپ نے اسے مال دیا ہے تو اس کی ظلمت دوسرے درجہ کی ہوگی یعنی سو حرام کی۔ یہاں ظلمت تو یہ اس لیے ہوئی کہ آپ نے فانی چیز عطا کی اور دوسرے کو اس کا جو قابض کھڑا تو اس کی دلالت ترغیب دلانے کے مقابلہ میں زیادہ توی کھڑی۔

اور اگر کوئی آپ کو نوجوان اور چھوٹی عمر کی حالت میں دیکھے تو اس کی ظلمت چوتھے درجہ کی ہوگی اور یہ عمد حرام ہے۔

اور اگر کوئی آپ کو بڑی عمر کا مگر بغیر داڑھی کے دیکھے تو اس کی ظلمت پانچویں درجہ کی ہوگی یعنی عقیدہ خفیفہ میں جہل بسیط کی۔

اور اگر کوئی آپ کو سیاہ رنگ والا دیکھے تو اس کی ظلمت چھٹے درجہ کی ہوگی یعنی عقیدہ خفیفہ میں جہل مرکب کی۔

تعبیر روایا ایک وہی علم ہے | خدا تمہیں توفیق دے۔ یاد رکھو کہ خواب کے متعلق تمام تر تحقیق اور اس کے جو کسب سے حاصل نہیں ہو سکتا | عجائبات کی تحقیق علم تعبیر کے جاننے پر موقوف ہے اور علم تعبیر ایک وہی اور مستور علم ہے یعنی اس کا چھپانا واجب ہے۔

میں کئی سال سے حضرت سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھتا تو آپ ہمیشہ یہی فرماتے کہ تو جو کچھ چاہے پوچھ میں جو کچھ جانتا ہوں تمہیں بتلاؤں گا، لیکن خواب کے متعلق سوال نہ کر کیونکہ یہ ان اشیاء میں سے ہے جن کا چھپانا واجب ہے۔ کئی بار آپ سے درخواست کی اور کئی بار یہی سوال دہرایا مگر آپ وہی ایک جواب دیتے یہاں تک کہ اللہ کی عنایت سے انہوں نے چند سوالوں کے جواب دیے اور میں نے انہیں ضبط تحریر کر لیا۔ اور یہ وہی خواب ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ آپ نے ان مسائل پر بادلِ سخاوتہ بحث کی اور فرمایا کہ جو کچھ تو پوچھ رہا ہے ان کی صیح تحقیق کا مدار علم تعبیر کے جاننے پر ہے اور یہ سیکھنے اور پڑھنے سے نہیں آتا کیونکہ اس میں دیکھنے والے کے خارجی احوال کا جاننا بھی ضروری ہوتا ہے کہ آیا وہ شہری ہے یا گاؤں کا رہنے والا اور اہل



علم میں سے ہے یا عوام میں سے۔ نیز یہ کہ اس کا پیشہ کیا ہے آیا سبزی فروش ہے یا تاجر ہے یا کاریگر۔ اور کیا وہ مال دار ہے یا تنگ دست وغیرہ وغیرہ اور پھر اس کے باطنی حالات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ آیا روح نے ذات کو اپنے تمام اجزاء عطا کر دیے ہیں جن کی تعداد تین سو چھیاسٹھ ہے یا کچھ اجزاء دیے ہیں اور کچھ نہیں دیے۔ مزید برآں عطا کردہ اجزاء کم ہیں یا زیادہ۔ اور ذات میں سر عقل کس طرح رکھا گیا ہے اور خواب دیکھنے والے کے افکار و تخیلات کس امر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ اگر ہم فرض کر لیں کہ علم تعبیر کے ماہر کے پاس ایک سو آدمی آئیں اور ہر ایک یہی کہے کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں شہدنی رہا ہوں تو وہ ماہر ہر ایک کو جدا تعبیر دے گا جو ایک دوسرے سے میل نہ کھائے گی۔ اس کا سبب یہی ہے کہ تعبیر جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے ظاہری اور باطنی حالات پر موقوف ہے اور ان میں دو شخص بھی ایک جیسے حالات والے نہ نکلیں گے۔ تبصرے کا تو ذکر ہی کیا۔ حالات معلوم ہونے سے یہی فائدہ ہے۔ والسلام۔

۶۔ حدیث الْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ | میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے: الْإِحْسَانُ أَنْ  
كَأَنَّكَ تَرَاهُ | تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ۔ (احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت

کے جیسے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہوتا ہے (مشکوٰۃ کتاب الایمان ص ۱۱)

حدیث کی تشریح | حضرت نے اس حدیث کی تشریح ایک مثال دے کر بیان کی کہ فرض کرو ایک شخص ایک کھلے میدان میں آتا ہے جہاں اسے کوئی شخص بھی دکھائی نہ دیتا ہو اور وہ کسی سخی کو جو دہاں موجود نہیں، پکار رہا ہو کہ اے میرے آقا مجھے فلاں چیز دے۔ مجھ سے یوں برتاؤ کر۔ مجھے فلاں چیز درکار ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو اسے کھیل اور مذاق کرنے والا سمجھا جائے گا نہ کہ سائل۔ اور جو بھی اسے دیکھے گا اس کا مذاق اڑائے گا اور ہنسے گا۔ اور اگر اس کا یہ خیال ہو کہ یہ کھیل کر لینا ہی درخواست کرنا ہے اور یہ خیال کرنا کہ وہ اس مالدار کے دروازے پر کھڑا ہے تو یہ بھی دہاں کا سبب اور گمراہی پر گمراہی ہوگی۔

پھر فرمایا کہ اگر اس غنی کے سامنے کھڑے ہو کر زبان سے درخواست کرے تو اس وقت نہ صرف زبان سے درخواست کرے گا بلکہ اس کا بدن بھی جھک جائے گا اور اس کے اعضاء میں بھی عاجزی پائی جائے گی۔ اور جہاں تک اس سے ہو سکے گا عاجزی کرنے میں زمین بوسی تک کر جائے گا اور ہر طرح سے اپنے اعضا کے ذریعہ سے عاجزی کا اظہار کرے گا۔ تب جا کر وہ غنی اس کی طرف بنظر رحمت دیکھے گا اور اس کی درخواست منظور کرے گا۔ خیال کرنے والے یہی خیال کرے گا کہ غنی نے اُسے جو کچھ دیا ہے، اس کے زبانی سوال کی وجہ سے دیا ہے حالانکہ اس نے جو کچھ بھی دیا ہے اسے اس باطنی خشوع و خضوع کی وجہ سے دیا ہے جو اس کے تمام اعضا میں ظاہر ہوا تھا اور یہ ناممکن ہے کہ اس وقت اس کے باطن میں اس غنی کے علاوہ کسی اور کا دھیان جاگزیں ہوا ہو۔

حضرت نے فرمایا پس اس مثال میں دیے ہوئے مفہوم اور دلوں حالتوں کے فرق کی طرف آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر اشارہ فرمایا کہ **أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ** (کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے) یعنی جس نے اللہ کے سامنے حضوری کی صورت میں اللہ کی عبادت کی تو اس نے اچھی طرح عبادت کی اور جس نے ایسا نہ کیا یعنی عبادت کو غفلت سے ادا کیا تو اس کی عبادت اچھی نہ ہوگی اور حضور اور غفلت کی عبادت کی پہچان اس طرح ہے کہ عبادت کے وقت عبادت گزار کے باطن کی طرف نظر جائے، اگر اس کے باطن کو دنیاوی امور اور ان دنیاوی حاجات نے مشغول کر رکھا ہو جو اللہ سے غافل کر دیتے ہیں تو اس کی مثال پہلے شخص کی سی ہے لیکن اگر اس کا باطن ماسوی اللہ سے خالی ہو اور کُلّی طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہو تو ایسی حالت والا انسان دوسری قسم کے شخص کی طرح ہوگا۔

**سوال** میں نے عرض کیا کہ مسلم اور بخاری کی حدیثوں میں تھوڑا سا اختلاف ہے کیونکہ بخاری نے پہلے ایمان کا ذکر کیا ہے اور پھر اسلام کا اور تیسرے درجہ پر احسان کا اور مسلم نے پہلے اسلام کا ذکر کیا ہے پھر ایمان کا اور تیسرے درجہ پر احسان کا۔

**جواب** حضرت نے فرمایا میرے نزدیک جو بخاری نے ذکر کیا ہے وہی بہتر ہے کیونکہ اسلام تو ایمان کے لیے بمنزلہ لباس کے ہے لہذا ایمان پہلے آئیگا اور بعد میں اسلام۔

**سوال** میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کہ **قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ نُؤْمِنُوا وَ لَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ** (سورہ حجرات آیت ۱۴) رہدوی اوگ کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ آپ انہیں کہہ دیں تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے کیونکہ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، اسلام ایمان پر مقدم ہے۔

**جواب** حضرت نے فرمایا ہم اس حقیقی اسلام کی بات کر رہے ہیں جس کا ذکر جبرئیلؑ والی حدیث میں آیا ہے کہ وہ گویا ایمان کا لباس ہے اور شیخین (مسلم اور بخاری) کا اختلاف بھی اسی کے متعلق ہے لیکن جو شخص محض زبانی اور ظاہر سے اسلام لایا ہو وہ تو نہایت ہی کھوکھلا اسلام ہے۔ ایسے اسلام لانے والے کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں، اس کی مثال اس شخص کی ہے جو لوگوں کو بندوقین چلاتا اور گولیاں برساتا دیکھے اور دیکھے کہ وہ بندوقوں کو نشانہ لگانے کے لیے گاڑ رہے ہیں اور آنکھوں کی سیدھ لگا رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ وہ کس طرح گولی چلائیں اور کیا ان کی گولی بھی نشانہ پر لگے گی یا نہیں۔ اس پر یہ دیکھنے والا اگر ان ہی کی نقل اتارنے لگے اور ایک ہاتھ پھیلائے اور دوسرے کو سمیٹ لے اور اسے بندوق کے قائم مقام سمجھے پھر آنکھ کو کمان کی طرح بنائے اور دیکھے کہ آیا اس کا نشانہ ٹھیک لگے یا نہیں لہذا جب ان لوگوں کی بندوقیں چلیں گی تو اس کی بندوق (جو اس نے ہاتھوں سے بنائی تھی) نہ چلے گی کیونکہ درحقیقت تو اس کے پاس کوئی بندوق نہیں ہے یہی حال اس شخص کا ہے جو محض زبان سے اسلام لایا ہو۔ لہذا جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کا باطن کہتا ہے کہ تیری نماز نہیں ہوئی۔ روزہ رکھتا ہے تب بھی اس کا باطن کہتا ہے کہ تیرا کوئی روزہ نہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ، حج، جہاد وغیرہ سب کچھ بھی کر جائے مگر اس کا باطن یہی شہادت دے رہا

ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی تو نے کیا محض ظاہری طور پر کیلئے ہے لہذا اس کے ظاہر و باطن میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے اور جیسے وہ نقال سمجھتا ہے کہ اس کے پاس درحقیقت کوئی بندوق نہیں اور وہ محض ایک کھیل کر رہا ہے، یہی حال منافقوں کا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ لکھے پاس اسلام ہے مگر درحقیقت ان کے پاس اسلام کی کوئی بات نہیں۔

(میں کتابوں) حضرت نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کا یہی حال بیان فرمایا ہے وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شِيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِؤْنَ (جب وہ اپنے شیطان دوستوں اور ہم مذہبوں کے پاس علیحدگی میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو ان سے محض مذاق کر رہے ہیں) (سورہ بقرہ آیت ۴) اس مثال سے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بڑے ارادوں اور خبیث باطن کو فاش کر کے انہیں انتہا درجہ کا رسوا کر دیا۔ اس مثال کو سننے سے پہلے میں خیال کیا کرتا تھا کہ ان کی نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ قلب اور باطن سے ہے مگر انہیں ان کے کفر کی وجہ سے قبول نہیں کیا گیا لیکن یہ مثال سن کر ان کا معاملہ میرے لیے بھی کھل گیا اور واضح ہو گیا کہ انہیں تمام کافروں سے بڑھ کر خبیث کیوں کہا جاتا ہے۔

۹۔ سوال میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا جسے مطلب بن حنظل نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی اُمت کے گناہوں کی طرف دیکھا تو مجھے کوئی گناہ اس قدر عظیم نظر نہ آیا جس قدر کہ یہ گناہ ہے کہ ایک آدمی کو قرآن مجید کی ایک آیت دی گئی ہو اور وہ اسے بھلا بیٹھے اور میں نے عرض کیا کہ امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث معلول ہے کیونکہ مطلب بن حنظل نے یہ حدیث انس بن مالک سے نہیں سنی لہذا یہ حدیث مطلب اور انس کے درمیان سے قطع ٹھہری۔ امام احمد بن حنبل سے بھی یہی مروی ہے۔ ترمذی بخاری اور امام احمد بن حنبل ان تینوں نے مذکورہ بالا القطار کی وجہ سے اسے معلول کہا ہے۔ اس قول کو امام ابو محمد عبد الحق اشبیلی نے الاحکام الکبریٰ میں اور حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں اور شیخ عبد الرؤف المناوی نے شرح

عہ حدیث معلول: یا معلول وہ حدیث ہوتی ہے جس کے اسناد میں ایسے دقیق عمل و اسباب پائے جائیں جو حدیث کی صحت کے متانی ہوں اور انہیں سوائے ماہرین حدیث کے دوسرے شخص نہ سمجھ سکے مثلاً موصول حدیث میں ارسال کرنا یا مرفوع حدیث میں وقف لانا۔ ۱۲۔ (مقدمہ اصطلاحات حدیث مشکوٰۃ)

عہ مطلب بن عبد اللہ بن حنظل المخزومی المدنی۔ البزرعہ اور داؤد بن ابی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے مگر ابن سعد کہتے ہیں کہ ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

عہ انس بن مالک: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ انہوں نے دس سال آپ کی خدمت کی ۹۳ھ = ۶۱۱ء میں ان کی وفات ہوئی۔

عہ ابو محمد عبد الحق اشبیلی: ابو محمد عبد الرحمن المازنی الاشبیلی۔ ان کی وفات ۵۸۲ھ = ۱۱۸۶ء میں ہوئی۔ ان کی کتاب احکام الکبریٰ فی الحدیث تین جلدوں میں ضمیمہ کتاب ہے۔ یہ کتب احادیث کا انتخاب ہے۔

عہ شیخ عبد الرؤف المناوی: شمس الدین محمد عبد الرؤف المناوی الشافعی متوفی ۸۳۳ھ = ۱۴۳۰ء تقریباً۔ انہوں نے سیوطی کی جامع الصغیر کی پہلے مختصر شرح کی پھر ایک ضمیمہ شرح کی جس کا نام فیض القدر رکھا۔ ان کی متعدد تصانیف کا حاجی خلیفہ نے تذکرہ کیا ہے ایک کتاب الکواکب الدنیاء فی مناقب الصوفیۃ بھی لکھی ہے۔ (کشف الظنون: ۲: ۱۹۴)



جامع الصغیر میں نقل کیا ہے۔

**جواب** | حضرت نے فرمایا کہ حدیث تو صحیح حدیث ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اس میں موجود ہے مگر یہ حدیث ان لوگوں کے بارے میں نہیں جنہوں نے ایک آیت حفظ کی اور پھر اسے بھول گئے ہوں یعنی اس کے لفظ بھول گئے ہوں خواہ اس آیت پر وہ عمل کرنے والا ہو۔ یہ حدیث تو صرف ان لوگوں کے متعلق ہے جن کے پاس قرآن پہنچا مگر انہوں نے بے رنجی برتی اور اپنے آپ کو اس کے نور سے محروم رکھا اور اس نور کے بدلے میں ظلمت کو اختیار کیا اس طرح کہ اس نے جس امر حق کا قرآن میں ذکر ہے اُسے چھوڑ کر گمراہی کی تابعداری کی حالانکہ گمراہی وہ ظلمت ہے جو بندہ کو دنیا اور آخرت میں اللہ سے دور کرنے والی چیز ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منافقین کا حال تھا۔ پس یہ حدیث انہیں کے بارے میں وارد ہوئی، انہیں پر پوری اترتی ہے اور اس کا اشارہ بھی انہیں کی طرف ہے کیوں کہ بظاہر تو ان کا شمار اُمتِ اجابت میں ہے جو خاص اُمتِ خیال کی جاتی ہے اور اس اُمت میں منافقت اور باطنی کفر سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔

میں نے عرض کیا جس نور قرآن کی طرف آپ کا اشارہ ہے وہ کونسا نور ہے؟  
فرمایا: قرآن میں تین قسم کے نور ہیں۔ پہلا اللہ کی طرف ہدایت کا نور۔ دوسرا احکام کی تعمیل کا نور اور تیسرا لوہی

علم ہو سکتا ہے کہ حدیث کا مطلب وہی ہو جو حضرت عبدالعزیز دبلغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مگر جو بات کہ ظاہر حدیث سے متبادر ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ قرآن کی ایک آیت کا بھی بھول جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ ذرا سوچیں کہ اسلام کا ابتدائی زمانہ ہو جب کہ ایک آیت کی حفاظت نہایت اہمیت رکھتی ہو، کیونکہ ایک آیت کا کھو جانا گویا تمام قرآن کا کھو جانا سمجھا جاتا ہو اس وقت قرآن کی ایک آیت کا بھی بھولنا واقعی بہت بڑا جرم کیوں نہ ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی حفاظت میں شدت سے اہتمام کرتے اور اگرچہ آپ کے سینہ میں وحی محفوظ ہوتی تھی مگر پھر بھی وحی کو ضبط تحریر کر لیتے تاکہ قرآن میں کسی قسم کا نقص پیدا نہ ہو۔ ابتدا میں حفاظ قرآن کی تعداد بہت کم تھی۔ کسی کو ایک سورت یاد تھی، کسی کو دو اور کسی کو صرف چند آیتیں۔ لہذا اس زمانہ میں جب حفاظت قرآن کا دار و مدار صرف حافظ پر تھا، آیت کا بھول جانا یقیناً بہت بڑا گناہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظت قرآن کو مد نظر رکھتے ہوئے کتابت حدیث تک منع فرمادی تھی۔ حالانکہ حدیث نبوی بھی وحی میں شامل ہے مگر اس کا درجہ قرآن کے بعد آتا ہے

بندہ حقیقی یہ رائے ہے کہ احادیث نبویہ پر غور کیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ ان میں ظاہری اور تاویلی دونوں قسم کے معنی مراد ہوتے ہیں اور اولیٰ اور افضل یہی ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ اور باطنی معنی دونوں پر عمل کیا جائے مثال کے طور پر فضل الازرقی التارکی حدیث میں ظاہری معنوں کی اتباع بھی ضروری ہے یعنی یہ کہ شلوار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو اور باطنی معنی بھی یعنی تکبر وغیرہ سے اجتناب ہو۔ میں نے یہاں صرف اشارہ ہی سے کام لیا ہے۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ ترمذی نے اس حدیث کے متعلق محمد بن اسمعیل سے بات کی تو انہیں اس حدیث کا پتہ نہ تھا اور فرمایا کہ مطلب نے انس بن مالک سے حدیث نہیں سنی۔ پھر ان سے روایت کیسی؟ (مذکرۃ الحفاظ ج ۲: ۹۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منافقین میں دونوں باتیں پائی جاتی تھیں۔ نہ تو وہ آیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے کے بعد یاد رکھتے اور نہ ہی اس پر عمل کرتے۔ اس لیے حدیث کے ظاہری الفاظ سے گریز نہیں ہو سکتا۔



سے پہنیز کرنے کا نور۔ لہذا جو شخص اپنی ذات میں ان تینوں نوریوں کو داخل نہ ہونے دے، حالانکہ وہ انہیں سن رہا ہے تو اس حدیث سے ہی شخص مراد ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آیت صادق آتی ہے لفظی آیت پر بھی جس کے ساتھ حفظ اور تلاوت کا تعلق ہے اور معنی پر بھی جس کا تعلق عمل اور اطاعت کے ساتھ ہے اور اسی دوسری قسم میں تین نور ہوتے ہیں اور حدیث مذکورہ میں یہی تینوں نور مراد ہیں۔

پھر فرمایا کہ ایک آیت اللہ کی طرف سے مومن کے پاس ایک دستاویز ہے جس میں اس کا حق لکھا ہوتا ہے اور حق والا اپنی دستاویز کو ضائع نہیں کیا کرتا اور اگر وہ اسے کھو دے یا کوتاہی کرے تو اس کا حق ضائع ہو جائیگا اسی طرح آیت میں مومن کا حق ہے لہذا اگر آیت کو محفوظ رکھا اور اس کے حکم پر عمل کیا تو اللہ کے ہاں اس کا حق ثابت ہوا اور جنت میں داخل ہونے کا حق دار ٹھہرا لیکن اگر اس پر عمل کرنے میں کوتاہی کرے اور اس سے سنی یا تحقیر کے طریقہ میں بے رخی برتے تو وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہو گا جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۔ سوال | میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا کہ جنت اور دوزخ کی آپس میں بحث ہونے کی وجہ سے دوزخ میں لے کہا مجھے تو متکبر لوگوں پر مہمور کیا گیا ہے۔ جنت نے کہا: کیا بات ہے کہ مجھ میں کمزور اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں کے سوا کوئی اور داخل نہ ہوگا۔

میں نے عرض کیا کہ جنت نے تو گویا دوزخ کے غالب ہونے کا اعتراف کر لیا۔ کیونکہ وہ تو متکبرین سے نفوس ہے اور جنت میں صرف کمزور لوگ داخل ہوں گے۔

جواب حضرت نے فرمایا کہ آخرت میں مکان مکینوں کے حال کا تابع ہوگا۔ اگر مکین متکبر اور مغرور ہوں گے تو ان کے بھی کچھ اوصاف مسکن میں سرایت کر جائیں گے اور اگر ساکنین متواضع اور منکسر المزاج ہوں گے تو ان کے بھی کچھ اوصاف مسکن میں سرایت کر جائیں گے اور ظاہر ہے کہ متکبر اور جاہل لوگ جہنم میں جائیں گے اور متواضع اور منکسر المزاج لوگ جنتی ہوں گے لہذا دوزخ پر اس کے مکینوں کے اوصاف ظاہر ہوئے اور جنت پر اس کے مکینوں کے۔ پس بظاہر تو بحث اور تکرار جنت اور دوزخ کے درمیان ہوئی مگر مقصد اصلی دوزخیوں اور جنتیوں کے باطن کا اظہار ہے اسی لیے دوزخ نے اپنی دلیل میں اس چیز کا ذکر کیا جس میں غرور اور گھمنڈ پایا جاتا ہے اور جنت نے اپنی دلیل میں اس چیز کا ذکر کیا جس میں تواضع اور عاجزی پائی جاتی ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس بحث میں جنت دوزخ پر غالب آئی کیونکہ اس کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جنت نے کہا کہ اللہ کے سامنے تواضع کرنیوالے عاجزی کرنیوالے اور اللہ کو سہانے دل سے مانگنے والے مجھ میں داخل ہوں گے اور دوزخ نے کہا مجھ میں صرف متکبر یا برا دروہ لوگ داخل ہوں گے جنہیں اپنے رب کا علم نہیں اور جنہیں اللہ کی بارگاہ اور آستانہ رحمت سے نکال دیا گیا ہے محقر یہ کہ گویا جنت نے کہا کہ مجھ میں صرف اللہ کے حبیب داخل ہوں گے اور گویا کہ دوزخ نے یوں کہا کہ مجھ میں صرف خدا کے دشمن داخل

ہوں گے۔

میں نے عرض کیا کہ یہ تو نہایت عمدہ جواب ہے اور اسی سے مذکورہ بالا اشکال رفع ہو جاتا ہے نیز ایک اور اشکال بھی رفع ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جنت نے یہ کیوں نہیں کہا اللہ کے انبیاء، رسول ملائکہ اور اللہ کے مومن بندے مجھ میں داخل ہوں گے تاکہ دوزخ کے خلاف اس کے پاس یہ ایک بھاری حجت ہوتی۔ اُسے کیا ہو گیا کہ اس نے اپنے آپ کو شکست خوردہ ظاہر کیا اور یوں کہا کہ کیا بات ہے کہ مجھ میں صرف کمزور اور ادنیٰ لوگ ہی داخل ہوں گے اور اس نے انبیاء و رسول علیہ السلام کا جو سب سے اشراف اور افضل ہیں ذکر نہیں کیا کیونکہ دراصل اس کا مقصد یہی تھا۔ یوں سمجھو کہ اس نے یہ الفاظ درحقیقت بولے ہیں مگر مذکورہ بالا صورت میں جو کلام اس نے کی ہے وہ محض اس کو مانع اور نکساری کے اظہار کے لیے کی ہے جو اہل جنت کے دلوں میں پایا جاتا ہے چنانچہ ہر جنتی اللہ کی مخلوقات میں سے کسی کو اپنے سے زیادہ محتاج خیال نہیں کرتا۔ اسی لیے وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ کمزور اور اللہ کے محتاج سمجھتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

**السوال** | میں نے حضرت سے اس حدیث کی نسبت پوچھا کہ نزولِ وحی کے ابتدائی زمانہ میں جب جبرئیلؑ پہنچتا دُحیٰ لے کر نہ آئے تو آپ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو پھینک دینے کا ارادہ کرتے اور یہ جبرئیل علیہ السلام کی ملاقات کے شوق میں کرتے اس پر جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور کہتے آپ رب العالمین کے رسول ہیں۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین ہوتی۔

**جواب** | حضرت نے فرمایا ایک شخص کو میں جانتا ہوں کہ اس نے ابتدائے سلوک میں ایک دن کے اندر نوے مرتبہ گھر کی چھت سے اپنے آپ کو نیچے پھینکا مگر اس سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچی اور ایسا تھا جیسا کہ کوئی اپنے بستر پر لیٹ رہا ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی حالتوں میں روح کو ذات پر غلبہ ہوتا ہے اور تمام کائنات روح کے لیے یکساں ہوتی ہے۔ چنانچہ روح ہو اور اسی طرح چار زالو بیٹھ جاتی ہے جس طرح کہ زمین پر اور ہوا میں اسی طرح لیٹ جاتی ہے جس طرح کہ ایک آدمی اپنے بستر پر لیٹ جاتا ہے اور اس کے نزدیک بے ضرر ہونے میں پتھر، ریشم، اُون اور پانی سب برابر ہیں۔ لہذا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا بھی دیتے تو اس میں انہیں ذرہ برابر تکلیف نہ ہوتی چہ جائیکہ ہلاکت۔ لہذا اس کے عزم کرنے میں آپ پر کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ (مؤلف کتاب کہتا ہے کہ) ہم اہل حال لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ جب ان پر حالتِ وجد طاری ہوتی ہے، تو پورے زور سے اپنا سر دیوار سے مارتے ہیں اور انہیں خراش تک نہیں آتی۔ سبحان اللہ حضرت نے کیسے کیسے معارف و لکات بیان کر دیے ہیں۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے) حضرت نے جس شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس نے نوے بار اپنے آپ کو پھینکا وہ خود حضرت ممدوح ہی تھے۔ میں نے حضرت ہی کی زبانی یہ بات سنی تھی جس وقت آپ اس سوال کا جواب دے رہے تھے۔

حضرت نے فرمایا کہ ان لوگوں کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو گرانے سے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ اس سے ان کا اضطراب رفع ہوتا ہے، صرف طبیعت کے تقاضا اور عادت کے مطابق وہ یہ کام کر جلتے ہیں جس طرح کہ ایک شخص زمین میں کھوٹا گاڑتے وقت مدد کی خاطر آواز سے مدد لیتا ہے جو آہ کی سی ہوتی ہے، حالانکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے لے کچھ فائدہ نہ ہوگا مگر طبیعت کے تقاضا کے مطابق یہ کر جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

۱۲۔ سوال | میں نے حضرت سے اس حدیث کا مطلب پوچھا کہ محشر میں اللہ تعالیٰ مومنین کے سامنے ایسی صورتیں پیش کرے گا جسے وہ نہیں پہچانتے ہوں گے، تو وہ اس سے پناہ چاہیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو یہیں کھڑے رہیں گے جب تک ہمارا رب نہ آئے گا اور وہ جب آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ پھر حق تعالیٰ ایسی صورتیں پیش کرے گا کہ وہ اسے پہچان لیں گے اور فوراً سجدہ میں گر جائیں گے۔

اس پہلی اور دوسری صورت سے کیا مراد ہے کیونکہ ابن العربی الحماقی اس رسالہ میں جو انہوں نے فخر الدین کو لکھا تھا فرماتے ہیں کہ اس معاملہ کو اولیاء اللہ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

جواب | حضرت نے فرمایا کہ صورت سے مراد حالت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی دو حالتیں ہیں ایک حالت میں یعنی پہلی حالت میں مومن اسے پہچان نہ سکیں گے اور دوسری حالت میں مومن اسے پہچان سکیں گے کیونکہ جب کوئی اپنے دوست سے مخاطب ہوتا ہے تو اس کے کلام کے ساتھ اس قسم کا کوئی نور نہیں نکلتا بلکہ وہ مہربانی وغیرہ سے عاری ہوتا ہے اور یہ ایک عام بات ہے جسے ہر شخص جانتا ہے۔ کیونکہ جب دوست دوست سے کلام کرتا ہے تو تو دیکھے گا کہ وہ اس سے نرمی سے پیش آئے گا اور اس کا لہجہ مہربانی اور پیار کا لہجہ ہوگا اور اس سے ہر طرح کی مسترت کا اظہار کرے گا اور جب دشمن سے ہم کلام ہوگا تو اس کے کلام میں القباض اور تشددی

خ۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت ہر لمحہ بدلتی رہتی ہے۔ کبھی قہاری شان ہے اور کبھی رحمانی، جیسا کہ فرمایا: کُلُّ یَوْمٍ هُوَ نَیُّ نَشَانٍ۔ مگر قیامت کے دن یہ شان الوہیت نمایاں طور پر ظاہر ہوگی۔ چنانچہ اس دن مختلف احوال و اطوار ہوں گے۔ قہاری جباری کی شان کا جب مظاہرہ ہوگا تو لوگ تھرا تھیں گے لیکن ابراہیم پر اس سے کوئی خوف دہرا اس طاری نہ ہوگا۔ وہ صرف اپنے رب سے جسے وہ غفور رحیم کے طور پر جانتے رہے ہیں پناہ کے طالب ہوں گے، تاکہ وہ انہیں اس ہول سے نجات دلائے۔ جیسا کہ دعائیں آیا ہے کہ لَا مَلْجَاةَ وَّلَا مَنجَاةَ مِثْلَکَ اِلَّا اِلَیْکَ (خدا یا! تیرے سوا نہ تو کوئی جلتے پناہ ہے اور نہ کہیں اور بھاگ کر جاسکتے ہیں)۔ اس کے بعد شان رحیمی کا اظہار ہوگا جو مومنین کے لیے مخصوص ہوگی اور وہ اس سے مطمئن ہو جائیں گے۔ ۱۲۔

۱۳۔ ابن العربی: ان کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو بیباچہ صفحہ ۱۱۱  
فخر الدین: یہاں مراد فخر الدین رازی سے ہے جن کی وفات ۶۰۶ھ = ۱۲۰۰ء میں ہوئی۔ مشہور مفسر اور فلسفی گندے ہیں۔ یہ طویل رسالہ جو محی الدین ابن العربی نے فخر الدین رازی کو لکھا تھا۔ اس کا ذکر امام عبدالوہاب شمرانی نے واقع الاذکار ج ۱ صفحہ ۱ پر کیا ہے۔ کشف الظنون میں بھی اس کا ذکر ہے۔

ہوگی جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سمجھو کہ پہلی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ساری کی ساری امت کو خطاب کیا جس میں اس کے دوست یعنی مومن اور دشمن یعنی منافقین سب شامل تھے۔ اس لیے اس حالت میں وہ الوار نہ بکھے جن کو مومن اپنے رب کے کلام میں پایا کرتے تھے اور چونکہ یہ الواران کی ذات اور روح میں پاٹے جاملے تھے اور دنیا ہی میں اللہ نے یہ الواران کو عطا فرمائے تھے، اس لیے وہ انہیں پہنچانے تھے۔ اسی لیے جب انہوں نے پہلی صورت میں خطاب سنا تو انہوں نے اللہ سے پناہ طلب کی اور کہا کہ یہ تو ہمارا رب نہیں ہے کیونکہ ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان تو ایک خاص علامت ہے اور یہ علامت وہی الوار ہیں جو اس کے خطاب میں پاٹے جاملے ہیں۔ جب ان کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکلیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ صرف مومنین سے خواہش ظہور پر مخاطبہ ہوں گے اور اس خطاب کے ساتھ وہ سابقہ الوار جن سے وہ مانوس تھے پاٹے جائیں گے۔ لہذا جسے یہ الواران پہنچیں گے اور انہیں ان کا علم ہو جائے گا۔ تو ان کو یقین ہو جائے گا کہ یہ حق سبحانہ و تعالیٰ ہی ہے جو وہ سمجھ رہے تھے اور یہ دوسری حالت وہی حالت پہلی ہے۔ وہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے پہلی صورت میں چونکہ خطاب سب کو کیا گیا تھا جس میں دشمن بھی شامل ہیں، اس لیے اس میں الوار کا نزول نہیں ہوا۔ دوسری صورت میں دشمنوں پر پردہ ڈال دیا گیا اور صرف دوستوں سے خطاب ہوا لہذا اس خطاب کے ساتھ وہ الواران بکھے ہیں کہ مستعدہ وہ اپنی ذات میں کیا کرتے تھے اور جس کے اسرار اپنے ظاہر و باطن میں وہ دیکھ کر لے تھے۔

میں نے عرض کیا کہ ان مومنین سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہلی حالت میں نہیں پہچانا کون لوگ مراد ہیں؟ کیا تمام مومنین رحمن میں خواہش بھی شامل ہیں یا محض عوام؟

سنت سننے فرمایا ان سے عرفت عوام مراد ہیں۔ کیونکہ خواہش تو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو پہنچانے ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ کیا پہلا خطاب سب مومنین کے لیے ہوگا یا محض عوام کے لیے؟ انہوں نے فرمایا صرف عوام کے لیے ہوگا۔ قیامت کے دن تو ساری باتیں بزرگوں عبادت ہوں گی چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک شخص سے جو دوسرے کی گود میں اپنا سر رکھ رہا ہوگا کلام فرمائیں گے تو وہ شخص جس نے اپنا سر گود میں رکھا ہوگا اس کلام کو سنے گا۔ دوسرا نہ سن سکے گا۔ مختصر یہ ہے کہ جس سے کلام کرنا مقصود ہوگا وہی سنے گا اور دوسرے پر پردہ ڈال دیا جائے گا خواہ وہ سننے والے سے کتنا ہی قریب کیوں نہ کھڑا ہو۔

مؤلف کہتا ہے کہ ابن العربی نے رسالہ مذکورہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے کہ عارفین پہلی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ناواقف نہ ہوں گے صرف مجھ میں ہی ناواقف رہیں گے۔

یہ کلام نہایت عمدہ اور انتہائی لطیف ہے۔ اس میں شیخ نے عمدہ معنی ذکر کر دیے جس سے نہ تو عقل الکا کر سکے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کو صورت آئے، جانے سے بھی منترہ قرار دیا ہے کیونکہ آپ کی بیاکرمہ تفسیر کے مطابق نہ کوئی آنا ہے نہ جانا اور نہ حق تعالیٰ کی کوئی شکل ہے۔



مذکورہ بالا حدیث میں خدا کی صورت کے متعلق جو کچھ امام شعرانی نے اپنی کتاب کشف الزمان عن وجوب استئذین ائمان میں لکھا ہے اس پر کئی ایک اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ لہذا اس کے مطالعہ کنندہ کو اس قسم کے خیالات سے پرہیز کرنا چاہیے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی شرح میں استاذ ابن فورک رحمۃ اللہ سے نقل کرتے ہوئے قریب قریب وہی تاویل بیان کی ہے جو شیخ رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے۔ حضرت کے مرتبہ اور معرفت الہیہ میں ان کی بزرگی کا پتہ ابن فورک کے کلام کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ نفعنا اللہ بہا۔ آمین

۱۳- سوال | میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا کہ ان قلب العبدین من اصابع الرحمن (بندہ کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے)۔

جواب | حضرت نے فرمایا کہ انگلی سے مراد معنوی انگلی ہے یعنی تصرف جو انگلی کے ذریعہ ہوا کرتا ہے لہذا مطلب یہ ہوا کہ بندہ کا دل تصرفات خداوندی میں سے دو تصرف کے درمیان ہے۔

میں نے عرض کیا کہ دو تصرف سے کیا مراد ہے

فرمایا: ایک مقتضائے ذات اور دوسرا مقتضائے روح۔ کیونکہ ذات مٹی سے بنی ہے لہذا خواہشات کی طرف مائل ہوتی ہے اور روح نور سے بنی ہے لہذا یہ حقائق اور معارف کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور ان دونوں میں ہمیشہ مخالفت اور تصادم رہتا ہے۔

میں نے سوال کیا کہ دونوں میں غالب کون ہے؟

فرمایا: روح کا تصرف حرکات میں ہوتا ہے اور ذات کا تصرف اسرار میں چلتا ہے۔ لہذا حرکت کے اعتبار سے روح غالب رہتی ہے اور اپنے سرخیش کے اعتبار سے ذات غالب رہتی ہے۔ اسی لیے شکر گزار بندے کم ہیں۔ ان کی مثال چمکی کے دو پاٹوں کی سی ہے۔ روح کی مثال اوپر والے پاٹ کی ہے کیونکہ وہی حرکت کرتا ہے اور ذات چمکی پاٹ کی طرح ہے کہ اندرونی سورش و شورش اسی کا کام ہے۔ اوپر کے پاٹ کی مثال ایسی ہے جیسی کہ دیگچی کے اوپر کی چپنی چپنی بیرونی طور پر دیگچی پاڑ کرتی ہے کہ بھاپ روک کر کھانا پکاتی ہے اور دیگچی اندرونی طور پر دکہ دیگچی کی حرارت سے گرم اور بے قرار ہوتی ہے) أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْ دَرَكِ الشَّقَاءِ وَ سُوءِ الْقَضَاءِ (خدا ہمیں بد بختی کی نذرت

۱ امام شعرانی: عبدالوہاب شعرانی سولہویں صدی عیسوی کے شروع میں پیدا ہوئے اور ۹۷۳ھ - ۱۰۲۹ھ میں وفات پائی۔ اپنے زمانہ کے بہت بڑے اور مشہور صوفی گذرے ہیں۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے لطائف المنن، لوائح الاثر فی طبقات الاخیار اور رسالۃ الالوار القدسیہ فی بیان آداب العبودیہ زیادہ مشہور ہیں۔

۲ ابن فورک: امام ابو بکر محمد بن حسن نیشاپوری شافعی متقی محدث۔ ان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

۳ مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر صحت ۲۱-۲۲ میں یہ حدیث یوں دی ہے: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اصْبَعَيْنِ مِنَ اصْبَاحِ الرَّحْمَنِ، كَقَلْبِ وَاحِدٍ يُصَيِّفُهُ كَيْفَ يَشَاءُ۔ (رداہ مسلم)

اور قضاء بد سے بچائے)

میں نے عرض کیا کہ علمائے توان دونوں تصرفوں کی تفسیر فرشتہ کی تحریک اور شیطان کی تحریک سے کی ہے۔

فرمایا یہ فرشتہ اور شیطان تو دونوں عارضی اور تابع ہیں ماصل وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ کیونکہ ہر ذات خواہ پاک ہو یا ناپاک اس کے لیے خواطر (خیالات و دساوس) کا ہونا ضروری ہے۔ یہی خواطر اس کی نجات یا تباہی کا سبب بنتے ہیں اور فرشتہ اور شیطان دونوں ان خواطر کے تابع ہیں۔ لہذا اگر خواطر اچھے ہوں گے تو فرشتہ اس کے پیچھے ہوئے گا اور وہ شخص اچھے کام کرے گا اور اگر خواطر ناپسندیدہ ہوں گے تو شیطان ساتھ ہوئے گا اور وہ انسان ان دساوس شیطانی کے تقاضا کے مطابق عمل کرے گا کیوں کہ ہر خاطر (بات جو دل میں آتی ہے اس) کا تعلق ذات سے ہے اور وہ ذات کا راز ہوتا ہے۔ اگر خاطر پاک ہوگا تو ذات بھی پاک ہوگی ورنہ نہیں۔ محسوسات میں اس کی مثال یوں ہے کہ ایک سیرگیہوں لے لو، سیر بھر جو، سیر بھر چنا اور سیر بھر باقلا اور علیحدہ علیحدہ پیس لو اور ان کا کھانا بنا لو۔ پھر ان کو کڑائی میں ڈال کر جلاؤ اور غور سے دیکھو تو ہر کھلنے کی بھاپ دوسرے سے جدا ہوگی اور وہ بھاپ اپنی اصل کا پتہ دے رہی ہوگی۔ یہی حال خواطر کا ہے کہ ان کا تعلق ذات کے ساتھ وہی ہے جو بھاپ کا ان کھانوں سے ہے۔ پس خواطر بہت اہم چیز ہیں اور انہی پر (نجات و ہلاکت) کا دارومدار ہے۔ اور فرشتہ اور شیطان دونوں ان خواطر کے تابع ہیں۔ چنانچہ بہت سے خواطر انسان کو علیین تک پہنچا دیتے اور بہت سے اَسْفَلِ سَافِلِین تک۔ اچھے خواطر روح کے تقاضا کے مطابق ہوتے ہیں اور روح کی پاکیزگی کی وجہ سے ہی ذات میں ظاہر ہوتے ہیں اور خبیث خواطر ذات انسانی اور خواہشات نفسانی کے تقاضا کے مطابق ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۴- سوال | میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا کہ حجرِ اسود دنیا میں اللہ کا دایاں ہاتھ

ہے۔

جواب | حضرت نے فرمایا یہ تشبیہ کے طور پر استعمال ہوا ہے کیونکہ جو شخص شاہی حفاظت و پناہ میں آنا چاہتا

عہ یہ تو حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے مگر علماء کے نزدیک اصح (انگلی) سے مراد قبضہ قدرت ہے۔ چنانچہ عربی زبان میں ید کا لفظ بھی جس کے لفظی معنی ہاتھ کے ہیں، قبضہ اور قدرت کے معنی میں آتا ہے اور قرآن مجید میں کئی ایک مقام پر ید کا لفظ انہی معنیوں میں استعمال ہوا ہے چنانچہ اس حدیث کا مفہوم یوں ہوا کہ انسانوں کے دل خدا کے قبضہ قدرت میں جبر چاہتا ہے، پھیر دیتا ہے۔ اسی لیے دعاؤں میں یوں پڑھا جاتا ہے۔ یا مُقَلِّبِ الْقُلُوبِ اِنَّہٗ، اَللّٰمَہٗ قَلِّبْ قَلْبِیْ اِلَیْکَ وَغِیْرہ۔ مزید برآں قرآن مجید کی یہ آیت یَقْدِرُ مَنْ یَّشَاءُ اِلَی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہے۔ اسی طرح تمام وہ آیات جن میں ہدایت و گمراہی کو خدا کی طرف سے بتلایا گیا ہے، تمام اسی پر دال ہیں کہ طوب بنی آدم اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ انہیں جبر چاہے پھیر دے۔ ۱۲۰۔

ہے۔ وہ جلدی کرتا ہے اور اس کا دایاں ہاتھ چومتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ کی رحمت اور حفاظت میں آنا چاہے اسے حجرِ اسود کو بوسہ دینا چاہیے۔ اس کا درجہ اللہ کے ہاں وہی ہے جو بادشاہ کے دائیں ہاتھ کا ہے۔ مؤلف کتاب کہتا ہے کہ امام غزالیؒ نے بھی حرفِ بحرف یہی لکھا ہے جو چاہے کتاب التفرقة میں دیکھ لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**۱۵۔ سوال** میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا یعنی بِالْمَوْتِ فِي صَوْرَةٍ كَبَشٍ ثُمَّ يُنْبِجُ (قیامت کے دن موت کو ایک مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور پھر اس کو ذبح کیا جائے گا)۔  
**جواب** فرمایا یہ حدیث صحیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نکلی ہے اور اس سے مراد فرشتہ ہے جو مینڈھے کی شکل میں ہوگا کہ اسے اہل جنت کی نعمت اور اہل دوزخ کے عذاب میں اضافہ کی خاطر ذبح کیا جائے گا اور فرشتوں کی سب سے بڑی مراد یہی چیز ہے کیونکہ وہ سجدہ میں گر کر یہ دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں اپنے مومن بندوں کے لیے نعمت اور ان پر نازل رحمت کا سبب بنا اور فرشتہ ہی مومن کے حق کو سمجھ سکتا ہے۔ ہم نے حدیث مذکور کی یہ تاویل اس لیے کی ہے کہ موت دو قسموں کا ایک دوسرے سے بچھڑنے کا نام ہے۔ چنانچہ ذات تو مٹی کی طرف لوٹ جاتی ہے اور روح عالمِ ارواح کو لہذا موت اس اتصال اور اجتماع کے عدم کا نام ہے جو ان کے درمیان تھا۔

حضرت نے فرمایا کہ فرشتہ کا مینڈھے کی شکل میں ذبح ہونا چونکہ بصیرت سے نظر آ رہا ہے لہذا اس حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

حضرت نے فرمایا کہ جب لوگ جنت میں داخل ہو چکیں گے وہ بالخصوص پہلے دن دنیا کی تکالیف خاص طور پر مرنے کی تکلیف کا آپس میں تذکرہ کریں گے اسی لیے انعام فرمانے اور ان کو خوش کرنے کے لیے اس کو مینڈھے کی شکل میں لاکر ذبح کیا جائے گا اور درحقیقت جس کو ذبح کیا جائے گا وہ فرشتہ ہوگا۔

کنکریوں کی تسبیح اتنے کھجور کے رونے میں نے حضرت کو ان احادیث کے متعلق جن میں کنکریوں کے تسبیح وغیر معجزات کے متعلق حضرت کا بیان کرنے کھجور کے تنہ کے سسکیاں لینے، پتھر کے سلام کرنے اور درخت

عہ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب البدور والسافرة فی امور الآخرة طبع لاہور صفحہ ۲۱۳ پر فرماتے ہیں کہ موت تو ایک معنوی چیز اور عرض ہے اور عرض کا کوئی جسم نہیں لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے مینڈھے کی شکل میں لاکر ذبح کر دیا جائے۔ حکیم ترمذی نے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے متعلق سلف صالحین کا یہی طریقہ ہے کہ اس حدیث کے متعلق بحث نہ کریں۔ اس پر جو کلام ایسا رکھیں اور اس کی حقیقت کو اللہ کے سپرد کر دیں مگر ایک گروہ کا کہنا ہے کہ موت تو ایک جسم ہے عرض نہیں ہے اور موت کو مینڈھے کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حیات کو گھوڑے کی شکل میں پیدا کیا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ** خدا تو وہ ہے جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔ (سیوطی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہی جواب درست ہے۔

کے سجدہ کرنے وغیرہ وغیرہ حجرات کا ذکر آیا ہے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ ان کی روزمرہ کی تسبیح اور کلام تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے حاضرین سے صرف پردہ اٹھا دینے کی درخواست کی تھی تاکہ وہ بھی ان کی تسبیح اور کلام کو سن لیں۔

میں نے عرض کیا کہ کیا ان اشیاء میں بھی حیات اور روح ہے؟ فرمایا: نہیں لیکن تمام مخلوقات خواہ بولنے والی ہو خواہ خاموش، جس وقت بھی اس سے خالق کی بہت سوال کیا جائے گا تو وہ واضح الفاظ میں کہے گی کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے پس مخلوقات میں یہ امتیاز کہ ان میں بعض ناطق ہیں بعض صامت اور بعض جہاد، صرف مخلوقات کے اعتبار سے ہے تاکہ ایک دوسرے سے ان میں امتیاز ہو کہ ورنہ جہاں تک ان کی نسبت اللہ سے ہے، سب اس سے واقف ہیں۔ اس کی عبادت کہتے ہیں اور اس کے سامنے عاجزی کرتے ہیں کیونکہ جمادات کے درپہلو میں ایک رُخ خالق کی طرف اور اس میں وہ اللہ سے واقف، اللہ کے مطیع اور اس کے عبادت گزار ہیں اور دوسرا رُخ مخلوق کی طرف ہے اور اس میں نہ وہ کچھ جانتے ہیں، نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اسی رُخ کو دُور کرنے کی درخواست کی تھی تاکہ حاضرین کے لیے دوسرا پہلو جو اللہ کی طرف ہوتا ہے ظاہر ہو جائے اور اسی پہلو کے اعتبار سے جس میں ان کی توجہ خالق کی طرف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ** یعنی ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ ساتھ تسبیح پڑھتی ہے۔

حضرت داؤد اور اسی قسم کا جواب حضرت نے اس قصہ کے متعلق دیا جو حضرت داؤد علیہ السلام اور مینڈک کا قصہ کے درمیان واقع ہوا۔ اس طرح کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو خیال آیا کہ وہ بہت زیادہ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد ایک مینڈک کو دیکھا کہ عمر بھر تسبیح پڑھتا رہا تھا اور ایک لمحہ کے لیے بھی خاموش نہ ہوتا تھا۔ تب جا کر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی اس حالت کو جسے وہ کثیر سمجھ رہے تھے بہت کھنکھنایا سمجھا۔

حضرت نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مینڈک کے اس رُخ کا مشاہدہ کیا جو حق سبحانہ کی طرف تھا اور یہی اس کی باطنی حالت ہے کہ اس میں تسبیح متواتر جاری رہتی ہے اور اس میں کسی قسم کا وقفہ نہیں پڑتا۔ **پہلو اور** اسی قسم کی وہ کابیت ہے جس میں حضرت نے حضرت محمد لہواج کا قصہ بیان کیا تھا۔ حضرت نے حسب **پچھلیوں کا قصہ** عادت تقریبی کی ایک تمثیل اٹھائی اور فرمایا کہ زمین کو بھی ایک علم عطا کیا گیا ہے جسے وہ اٹھائے ہوئے ہے اور آگاہ بھی ہے، بعینہ اسی طرح جس طرح ایک انسان قرآن مجید کا حامل اور اس سے آگاہ ہوتا ہے اسی طرح جمادات کی ہر مخلوق کو ایک علم عطا کیا گیا ہے جسے وہ اٹھائے ہوئے ہے۔

میں نے عرض کیا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس میں عقل اور علم ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ تو

دراصل جمادات ہے؟



حضرت نے فرمایا کہ وہ تو ہماری نگاہ میں جمادات ہے لیکن خالق کی نسبت کے اعتبار سے تو وہ عارف ہے اور فرمایا کہ مخلوق خواہ کسی قسم کی ہو کسی حالت میں یہ کہنے سے خالی نہیں کہ اللہ میرا رب ہے اور یہ حالت تمام مخلوقات میں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ہر قسم کی مخلوق خالق سبحانہ کے سامنے عاجزی کرنے، اس سے ڈرنے اور اس کے دبدبے سے خوف کھانے سے خالی نہیں۔ لیکن لوگ چونکہ زمین اور دیگر جمادات کی اصلی حالت سے واقف نہیں ہوتے اس لیے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ بے جان چیز پر چل رہے ہیں اور بے رُوح چیز پر آتے جلتے ہیں۔ اور اسی عدم واقفیت نے انہیں تباہ کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو زمین کی اصلی حالت کا پتہ چل جائے تو ممکن نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص بھی زمین پر اللہ کی نافرمانی کر سکے۔

حضرت نے فرمایا کہ میں فتح نصیب ہونے سے پہلے حضرت محمد لہواج کے ساتھ تھا۔ اور حق تعالیٰ نے انہیں فتح نصیب کی ہوئی تھی۔ آپ میرے ساتھ طولان کے علاقہ میں سخونہ کے چشمہ پر گئے تاکہ وہاں اس نخلستان سے جو علی بن حزم کے روضہ پر وقف تھا، خام کجوریں توڑیں۔ ہمارا گذر فاس کے دروازوں میں سے باب الفتوح سے باہر ابن عمر کے گھر سے ہوا اور وہاں ایک چشمہ بہتا تھا۔ میں نے کانٹا لے کر اس میں روٹی لگائی اور مچھلی کا شکار کرنا چاہا اور مچھلیاں وہاں بہت کھیں۔ شیخ محمد لہواج نے منع بھی فرمایا مگر میں نے قسم کھالی کہ ضرور شکار کروں گا چنانچہ وہ میرے ساتھ چشمہ پر آئے اور میں نے کانٹا ڈالا۔ اصل پانی کے قریب ایک بڑا پتھر تھا جس میں سے میں نے اللہ! اللہ! کی آواز آتی سنی۔ ابھی اس طرف نگاہ اٹھی ہی تھی کہ ہر پتھر نے اللہ! اللہ! کہنا شروع کر دیا۔ پھر سوائے اس مچھلی کے جس نے کانٹے کا کھانا کھایا تھا یہی پکارنا شروع کر دیا۔ اس اللہ! اللہ! کی پکار کا مطلب یہ تھا کہ اے شکار میں مشغول ہونے والے کیا تجھے اللہ کا خوف نہیں؟

حضرت فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ پر اس قدر خوف و رعب طاری ہوا کہ میں چاہتا تھا کہ اس کے مقابلہ میں مجھے رستی میں باندھ کر ایک بلند جگہ پر اٹھا دیا جائے اور ایک کھجے پر کندھی میں لٹکا دیا جائے مگر اس خوف سے نجات مل جائے۔

میں نے عرض کیا، آپ کو اس قدر سخت خوف کیوں ہوا؟  
فرمایا: اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص نے نہ کبھی بیل دیکھا ہو اور نہ سنا ہو، پھر وہ آنکھیں مل کر دفعہ کھولے اور دیکھے کہ لاتعداد بیلوں کے سامنے کھڑا ہوں تو بتاؤ اس کا کیا حال ہوگا؟  
میں نے عرض کیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خوف جو آپ پر طاری ہوا یہ محض خرق عادت امر کے مشاہدہ سے ہوا؟

فرمایا: ہاں۔ اس خرق عادت معاملہ کے مشاہدہ سے خوف لاحق ہوا۔

میں نے عرض کیا: آپ نے ان کا یہ خارق عادت کلام عربی زبان میں سنا تھا یا جمادات کی زبان میں؟

فرمایا: جمادات کی زبان میں۔ ان کی اپنی زبانیں اور بولیاں ہیں جو انکی ذات اور جمادیت کے لائق ہے اور میں نے جو اسے سنا ہے تو تمام جسم سے سنا ہے، نہ صرف ان کانوں سے جو سر کے اندر ہیں۔ پھر فرمایا کہ ولی کو اس قسم کا شاہدہ ابتدائی حالت میں کرایا جاتا ہے ورنہ بعد میں تو وہ اس فعل کو اللہ کی طرف سے دیکھتا ہے اور اُسے یوں نظر آتا ہے کہ خالق سبحانہ نے ان میں کلام اور تسبیح وغیرہ پیدا کر دی ہے اور یہ خود بمنزلہ خالی برتنوں اور محض تصویروں کے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ یہ شاہدہ تو جمادات کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ یہ تو انسان وغیرہ ذوی العقول میں بھی ہو سکتا ہے۔

فرمایا: ہاں بلا امتیاز سب ہی چیزوں میں ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ جمادات اپنے خالق کو پہچانتی ہے۔ اسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عالم زمین و آسمان سے باہر نکل گیا ہو اور اس سے اتنا دور نکل گیا ہو کہ زمین و آسمان اس کے سامنے ایک گیند کی مانند ہوں پھر وہ ان کی طرف اس قوی اور ہر چیز کو بھاڑ کر نکل جانے والی نگاہ سے دیکھے، جو آج کل میرے خیال میں تین شخصوں کے سوا کسی کو حاصل نہیں، تو اُسے یہ تمام امور آنکھوں کے سامنے دکھائی دیں گے اور اسے جمادات کی ہر مخلوق یا تو سجدہ میں پڑی ہوئی یا رکوع کی حالت میں اللہ کے خوف سے سرنگوں دکھائی دے گی اور سب سے پہلے تو اسے خود زمین بھی رکوع کی حالت میں دکھائی دے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت۔ نے فرمایا کہ ایک دن میں باب الفتح سے باہر سیدی احمد الیمینی کے مزار کے پاس زیتون کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ وہ دیکھتا کیا ہوں کہ سارے پتھر کیا چھوٹا اور کیا بڑا اور سب درخت اور ٹہنیاں اپنی اپنی زبان میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی تسبیح پڑھ رہی ہیں۔ اس کے سننے سے قریب تھا کہ میں بھاگ جاؤں۔ پھر میں نے ایک پتھر کی آواز کو کان لگا کر سنا تو مجھے اس سے مختلف آوازیں آرہی تھیں۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو دیکھا کہ وہ کئی پتھروں سے مرکب ہو کر ایک پتھر بنا ہے۔ اسی لیے اس میں سے مختلف آوازیں آتی تھیں۔

زموائف کتاب کتنا ہے کہ، یہ واقعات حضرت کو فتح ہونے کے ابتدائی زمانہ میں پیش آئے تھے اور اس کے قریب وہ تذکرہ ہے جو آپ نے بے زبان جانوروں کے بارہ میں فرمایا کہ ایک بیل جب دوسرے بیل کو دیکھتا ہے تو دن بھر میں جو کچھ پیش آیا ہے وہ اس سے ذکر کرتا ہے اور کتا ہے کہ میں نے فلاں گھاس کھائی اور فلاں فلاں پانی پیا اور ابھی میرے دل میں فلاں فلاں بات کرنے کا خیال باقی ہے اور دوسرا بیل بھی اسی طرح اس کو بڑب دیتا ہے اور دونوں اللہ کے حکم سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ جیسے ہماری گفتگو میں حروف اور مخارج ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کی گفتگو میں بھی ایک اندازہ ہوتا ہے اور اس میں الگ الگ کھڑے ہوتے ہیں مگر یہ ہم سے پوشیدہ نہ تھا گیا ہے۔ یہی حال تمام حیوانات درختوں اور پتھروں کے کلام کا ہے جیسا کہ ان سے ہمارے کلام کی سماعت جو مخارج اور حروف تہجی سے مرکب ہوتا ہے، پوشیدہ رکھی گئی ہے اور وہ اس سے سوائے پکار اور آواز کے

کچھ نہیں سن سکتے۔ ہاں جس شخص کو فتح نصیب ہو وہ ان کا کلام سنتا ہے اور سمجھتا بھی ہے اور الگ الگ فقروں کے ٹکڑوں کو پہچانتا ہے اور یہ سمجھنا روح کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور روح مقاصد اور اغراض کو قبل اس کے کہ ان کو زبان سے ظاہر کیا جائے پہچانتی ہے اور اگر تو نے ایک عجمی صاحب فتح کو ایک عربی صاحب فتح سے باتیں کرتے نہیں دیکھا کہ دونوں دن بھر آپس میں باتیں کرتے رہیں، ایک تو عجمی زبان میں بات کرتا ہو اور دوسرا عربی میں جواب دیتا ہو، تو سمجھ لے تو نے کچھ نہیں دیکھا۔

میں نے حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لبا اذقات قضاء حاجت کی غرض سے بیت الخلاء کو جاتا اور جب پانی کو ذکر کرتے ہوئے اور اللہ کا نام لیتے ہوئے سنتا تو حاجت رفع کیے بغیر واپس چلا آتا۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے کہ) معرفت لغات کے بیان میں اس کا کچھ تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ جہاں ہم نے اجزاء علم پر بحث کی ہے اور خوف تام "میں جو اجزاء نبوت میں سے ہے، بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔"

۱۶۔ سوال | میں نے حضرت سے بزار رحمہ اللہ کی اس حدیث کے متعلق دریافت کیا جو حضرت انس سے مرفوعاً روایت ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی کیفیت بیان فرمائیں اور یہ کہ آپ نے اسے کیسے سنا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جیسے گرج اور کڑک کی آواز کہ فوراً دم نکال دے مگر مو نہایت شیریں، اگر سنی جائے، یہی مثال اللہ کے کلام کی ہے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ کیا آپ نے تمامی کلام سے میرے ساتھ کلام فرمایا ہے، ارشاد ہوا کہ تمہارے ساتھ صرف دس ہزار زبان کی قوت سے کلام کیا گیا ہے اور اگر تمامی کلام سے بت کرنا تو اسی وقت تم پگھل جاتے۔

جواب | حضرت نے فرمایا: گرج اور کڑک کی آواز سے مراد خوف ہے جو انسان کو اس آواز کے سننے سے لاحق ہوتا ہے کیونکہ اس خوف کی نہ کیفیت بیان ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی اس کے برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے اسی طرح جو شخص حق سبحانہ و تعالیٰ کا کلام سنتا ہے، اسے اس قدر خوف اور ہیبت طاری ہوتی ہے کہ تمام اجزاء

علہ جمادات نباتات وغیرہ کی تسبیح کے پوشیدہ رکھنے کا راز یہی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے اللہ کے نام کی بے حرمتی ہو جائے۔ پانی جب تک پاکیزہ ہے خواہ جاری ہو یا ساکن تسبیح پڑھتا رہتا ہے اور جو نہی کہ ناپاک ہوا، تسبیح منقطع ہو گئی۔ اسی لیے حضرت قضاء حاجت کیے بغیر واپس آجاتے کہ جو پانی طہارت کے لیے لے جاتے اس سے تسبیح کی آواز سنتے اور اسے پلید کر کے اس کی تسبیح کو منقطع نہ کرنا چاہتے تھے۔ یہی حال درخت کا ہے کہ چتے جب تک سرسبز میں تسبیح پڑھتے ہیں، خشک ہوئے تو تسبیح بند ہو گئی۔ ۱۲۔

بزار، بزار دو محدث گندے ہیں۔ دونوں حافظ حدیث تھے اور دونوں نے حدیث کی کتاب لکھی۔ ایک ابو الفضل احمد بن سلمہ نیشاپوری ہیں جو امام مسلم کے مہسفر رہے تھے۔ ان کی وفات ۲۵۶ھ = ۸۶۹ء میں ہوئی۔ انہوں نے صحیح مسلم کی طرز میں حدیث کی کتاب لکھی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۱۹)

دوسرے بزار احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری ہیں۔ انہوں نے مسند معتل تالیف کی۔ ان کی وفات ۲۹۶ھ =

۸۹۹ء میں ہوئی۔



بدن اس سے متاثر ہوتے ہیں، حتیٰ کہ ذات انسانی کے ہر جوہر کو علیحدہ علیحدہ اس قدر خوفِ تام لاحق ہوتا ہے جتنا پورے انسان کو لاحق ہوتا ہے کہ ہر گ اور اس کا ہر جزو لرزتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ گچھل جائے۔

اور اعلیٰ جلالت سے مراد وہ الطاف، رحمتیں اور انعامات ہیں جو موسیٰ کو اس وقت حاصل ہوئے۔ نیز وہ لذت مراد ہے جو اس کلامِ انلی کے سننے والے کی ہر ہر گ کو نصیب ہوا کرتی ہے اور آواز سے حقیقی آواز مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نسبت اس کا خیال کرنا محال ہے۔

اور یہ ارشاد کہ میں نے دس ہزار زبان کی قوت سے کلام کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے حجاب اٹھا دیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کے اتنے مدلولات سُن لیے جن کو اگر ہزار زبانیں ایک لحظہ کے اندر ادا کرتیں تو ان کی مقدار ان مدلولات کلامِ الہی کے برابر ہوتیں۔ یہ بعینہ اسی طرح ہے جس کا ذکر صاحبِ فتح ولی کے بیان میں آئے گا کہ نہ مختلف آوازیں اس پر مخلوط ہوتی ہیں اور نہ ایک آواز دوسری آواز کے سننے سے مانع ہوتی ہے (بلکہ وہ صاف صاف اور الگ الگ سنائی دیتی ہیں) لہذا اگر دس ہزار زبانیں بھی فرض کر لی جائیں کہ حضرت موسیٰ کی طرف متوجہ ہوئی ہوں اور انہوں نے انہیں کان لگا کر سنا ہوا اور ایک لحظہ میں بغیر ترتیب اور تقدیم تاخیر کے سمجھا ہو تو حدیث مذکور میں اسی شان کی طرف اشارہ سمجھنا چاہیے۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ سماعت روح کی تھی نہ ذات کی، کیونکہ روح کے علم میں کوئی ترتیب نہیں ہوتی چنانچہ جب روح کسی علم کی طرف متوجہ ہوتی ہے مثلاً نحو یا فقہ تو نحو یا فقہ کے تمام مسائل ایک لحظہ کے اندر اس کے سامنے حاضر ہو جاتے ہیں۔ یہی حال روح کی قراءت کا ہے۔ لہذا جب روح قرآن مجید کی تلاوت کا ارادہ کرے گی تو اس کو تمام حروف کے ساتھ ایک لحظہ میں صحیح مخارج ادا کر کے پڑھ جائے گی۔

میں نے حضرت سے یہ جواب ابتدائی زمانہ میں سنا تھا۔ واقعہ یوں ہوا کہ میں عین علون کی مسجد میں کتابِ درخشور لیے بیٹھا تھا کہ میں نے یہ حدیث پڑھی اور میرے دل میں خیال آیا کاش اس وقت حضرت موجود ہوتے تو میں ان سے اس حدیث کے متعلق دریافت کرتا۔ ابھی تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ آپ تشریف لے آئے اور میرے سامنے آ بیٹھے میں نے کتاب کھولی اور عرض کیا کہ حضرت میں تو خواہش ہی کر رہا تھا کہ اس کتاب کی ایک حدیث کے متعلق آپ سے سوال کر دوں حضرت نے فرمایا کہ ہاں پوچھو میں جواب ہی کے لیے آیا ہوں چنانچہ میں نے حدیث پڑھی اور حضرت نے یہ جواب دیا۔ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَ لَفَعْنَا بِعُلُوِّهِمْ۔

۱۷۔ جبرئیل کا ایک سائل کی صورت | مسلم کی ایک حدیث (مشکوٰۃ باب الایمان) میں جبرئیل کے ایمان اور احسان کے ہیں آنا اور آنحضرت کا اُسے نہ پہچاننا | متعلق سوال کرنے کا ذکر آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کے

علہ در مشور: جلال الدین سیوطی متون ۹۱۱ = ۵۰۵ کی مشور تفسیر کی کتاب ہے۔ پورا نام الدر المنثور فی

التفسیر بما لا ۱۰۲ ہے۔



چلے جانے کے بعد فرمایا کہ اس شخص کو جو سوالات کر رہا تھا واپس لاؤ۔ چنانچہ صحابہ نے ان کی تلاش کی مگر ان کا پتہ نہ لگا۔ تب حضرت نے فرمایا: یہ جبرئیل تھے اور وہ مجھ سے اس مرتبہ کے سوا کبھی نہیں چھپ سکے (یعنی اب کی بار میں انہیں نہ پہچان سکا) اس حدیث کے متعلق میں نے حضرت کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ جو آنحضرت پر جبرئیل چھپے رہے اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر تعظیم و تکریم پائی جاتی ہے جسے صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جن پر اللہ کی رحمت ہو۔ اس کی تشریح یوں ہے کہ بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشاہدہ حق میں اس قدر مستغرق ہو جاتے کہ آپکی ذات پاک مع اپنے تمامی تعلقات اور اجزاء و عروق کے اس عالم سے بے تعلق ہو کر نور حق سبحانہ میں محو ہو جاتی۔ چنانچہ اس طرح آپ کی ذات کا تعلق غیر اللہ سے کُلّی طور پر منقطع ہو جاتا مگر اس کے باوجود آپ کی ذات غلطی سے محفوظ ہوتی اور حق کے سوا کوئی فعل صادر نہ ہوتا تھا۔ اور نہ ہی صدق کے سوا کوئی بات زبان سے نکلتی چنانچہ جب فرشتے دیکھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حالت طاری ہوئی ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرت کے سوا کوئی اور اس کیفیت کی طاقت نہیں رکھتا اور یہ کہ اس حالت میں آپ کو ان کا شعور نہ ہو سکے گا تو اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر جلدی کرتے اور حاضر خدمت ہو کر آپ سے ایمان کے متعلق سوال کرتے اور آپ کو اپنا مرشد بنا کر آپ سے ایمان اخذ کیا کرتے چنانچہ فرشتہ ایک بدوی کی شکل میں آکر عرض کرتا "یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں ایمان لائے اور آپ کے سچے رسول ہونے کا اقرار کرنے کے لیے آیا ہوں لہذا آپ مجھے سکھائیں کہ میں کس طرح اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤں۔" چنانچہ آنحضرت اس کو تعلیم دیتے۔

میں نے عرض کیا کہ فرشتوں کو اللہ کے برگزیدہ بندے اور مقرب فرشتے ہونے کے باوجود آپ سے ایمان کی تعلیم لینے کی کیا ضرورت تھی؟

اس پر حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی شان ہے لہذا جس نے بھی آپ سے ایمان اخذ کیا اور پھر اسے بدلائیں، اسے نہ پلصراط دیکھنی پڑے گی نہ دوزخ۔ اسی لیے فرشتے اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے۔ میں نے عرض کیا کہ فرشتے کسی دوسرے وقت میں کیوں سوال نہیں کرتے تھے؟

فرمایا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصلی جس وادراک کی طرف لوٹ آتے اور فرشتوں کو اس کا پتہ چل جاتا اور وہ سمجھ جاتے کہ آپ ان کو پہچان گئے ہیں تو اس حالت میں وہ بدوی کی شکل نہ بنا سکتے تھے اور اس صورت میں ذات محمدی سے خاص نور اور مدد کے ساتھ جواب نہ نکلتے گا۔ برخلاف اس حالت کے جب آپ حق سبحانہ کی طرف مستغرق ہوں اور آپ کی یہ حالت ہو کہ آپ مشکل کے کلام کے سوا کچھ اور نہ سن سکتے ہوں تو اس حالت میں ان کی خواہش کے مطابق جواب نکلتے گا۔

پھر میں نے سوال کیا کہ کیا فرشتوں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ وہ حالت ہے جس میں آپ اپنے جس وادراک

لَا مَعَ اللَّهِ وَقَدْ لَا يَسْعَىٰ مَلِكٌ مُّقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ (الحديث)

کی طرف لوٹ آئے ہیں اور یہ وہ حالت ہے جس میں آپ حق تعالیٰ کی طرف بکلی مستغرق ہیں۔

حضرت نے فرمایا یہ امر نہ تو فرشتوں پر مخفی رہ سکتا ہے اور نہ ان لوگوں پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا کی ہو۔

وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۱۸۔ حدیث ماہن نبی الآزمنة میں نے حضرت کو اس حدیث کی تشریح کر دیتے ہوئے سنا کہ جو نبی بھی گزرا ہے اعطی ما مثلنا امن علیہ البشر اسے اس قدر معجزات عطا کیے گئے جس قدر لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ مجھے عطا ہوا ہے وہ ایک وحی ہے جس کی دہر و نوا تلاوت ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات ان کی اپنی ذات اور اس کے متعلقات جنس میں سے ہوتے تھے۔ چنانچہ ان انبیاء کو بعض معجزات کبر سنی میں عطا کیے جاتے اور بعض معجزات ایسے ہوتے جو کچھ ہی سے ان کی ذات کے ساتھ ترقی پاتے بہتے تا آنکہ کبر سنی میں ان کا ظہور ہوتا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اپنی ذات سے نہ تھا بلکہ حق سبحانہ کی طرف سے تھا اور اس کے نور اور مشاہدہ اور ہمکلامی سے تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت کی ذات، عقل، نفس، روح اور ستر میں اس قدر قوت تھی کہ اگر یہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر تقسیم کی جاتی تو بھی ان میں اس کے متحمل ہونے کی قوت نہ ہوتی۔ اسی لیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ خالص وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی آپ کا معجزہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات جیسا نہیں ہے۔ اگرچہ جمیع انبیاء کے معجزات اتنے جلیل القدر اور نفع النشان تھے کہ ان کے ذریعہ سے تمام کائنات کو مومن بنا لیا جاسکتا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ان تمام کے معجزات سے ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ یہ معجزہ حق سبحانہ کی طرف سے ہے نہ آپ کی ذات کی طرف سے۔

اس کے بعد آپ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک بادشاہ ہے۔ جب اس کے گھر کو ٹی لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اسے کسی مقام پر پرورش پانے کے لیے بھیج دیا گیا اور ہر ایک کے ساتھ بطور نشانی کے ایک قیمتی لعل بھی بھجوا دیا جس سے رعایا کو علم ہو کہ یہ شاہزادہ ہے اور ہمارے بادشاہ کا بیٹا ہے بالآخر ایک اور لڑکا پیدا ہوا جس کو بادشاہ نے اپنے پاس رکھ لیا اور خود ہی اس کی تربیت اور تمام معاملات کی نگہداشت کی ہو لہذا جو کمال معرفت اور اپنے باپ کے اسرار سے جو واقفیت اسے حاصل ہوگی اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور جس قدر اس کے بھائیوں کو اپنے باپ کے اسرار کا علم ہوا ہوگا اس کا قیاس اس علم کے ساتھ ہرگز نہیں کیا جاسکتا جو اسے حاصل ہوا ہوگا۔

بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم کی خواہش ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض ایسے معجزات صادر

علاوہ اگرچہ تمام الہامی کتابیں کلام الہی ہیں مگر ان الہامی کتابوں کو بطور معجزہ کے نازل نہیں کیا گیا، برخلاف قرآن مجید کے کہ یہ کلام الہی ہونے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور معجزہ کے نازل ہوا ہے۔ اسی لیے یہ معجزہ دیگر انبیاء کے معجزات سے بلند نظر۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا عصا کا معجزہ کہ یہ ان کی ذات میں سے تھا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر معجزات آپ کی ذات میں سے تھے اور وہ بطور دلیل نبوت کے عطا نہیں کیے گئے اور قرآن مجید بطور نبوت کی دلیل کے نازل ہوا تھا۔ ۱۲۔

ہوں جس قسم کے دیگر انبیاء علیہم السلام سے صادر ہوئے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اور ہر تو ان کی خواہش پر جاتی اور ادھر اس مخصوص عنایت الہی پر جو مولیٰ کریم نے خاص آپ کی ذات پر کی تھی اور اس سے آپ کو بڑی شرم آتی۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص کو بادشاہ نے اپنا تمام ملک دے دیا ہو اور اسے اختیار دے دیا ہو کہ جیسا چاہے تصرف کرے اور اس کا کوئی دوست اس سے خواہش کرے کہ فلاں گاؤں میں تصرف کر کے دکھلائیں۔

ایک اور مرتبہ میں نے حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن مجید میں جو اسرار والوہ میں اور جو مقامات اور احوال اس میں درج ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کپڑا تراش کر لوٹی، قمیص اور عمامہ غرض جو کپڑے بھی پہنے جاتے ہیں سب ہی سلوائے اور اپنے سامنے رکھ دئے۔ اب ایک نگاہ ڈالو۔ ان کپڑوں پر اور پھر تمام مخلوقات کی طرف دیکھو کہ کیا کوئی اس لباس کے پہننے کا مستحق ان میں ہے، تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اسے پہننے اور اس کے متحمل ہونے کی طاقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے سوا کسی میں نہیں ہے اور اس کی وجہ وہی قوت ہے جو آپ کی ذات شریف سے مخصوص کی گئی ہے۔

۱۹۔ مشاہدہ نبی کریم | ایک اور مرتبہ میں نے آپ کو "مشاہدۃ النبی لا تطاق" کی تشریح فرماتے ہوئے سنا کہ صلی اللہ علیہ وسلم | مشاہدہ اپنی اپنی معرفت کے مطابق ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معرفت اسی وقت سے حاصل ہو چکی تھی جب حبیب اپنے محبوب کے پاس تھا اور کوئی تیسرا ان کے پاس نہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات سے پہلے پیدا ہوئے۔ اسی زمانہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس ان اوقات سے اور معارف ربانیہ سے سیلاب ہو چکی تھی لہذا یہ ہر طالب نور کے لیے اصل اور ہر طالب ضیاء کے لیے مادہ بنا گئی تھی۔ لہذا جب آپ کی پیدائش کے وقت آپ کی روح مقدس آپ کی ذات منظر میں داخل ہوئی تو اس میں رضا اور محبت کے ساتھ سکونت پذیر ہوئی اور ذات کو اپنے اسرار و معارف سے فیضیاب کرتی رہتی تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو وہ پردہ جو ذات اور روح کے درمیان تھا، اٹھ گیا اور حجاب کلیتہً مٹ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مشاہدہ حاصل ہوا جسے کوئی اور برداشت نہیں کر سکتا چنانچہ آپ کا مشاہدہ ایسا تھا جیسا کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں کہ حق سبحانہ کی ذات ہی تمام مخلوقات کی محرک اور انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ

صلی اللہ تعالیٰ حقیقی مالک الملک ہیں اور اپنے خاص بندوں میں سے جسے چاہیں اس کے مرتبہ اور قرب کے مطابق تصرف اور حکم کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سا قرب اور مرتبہ کسی کا نہ تھا۔ لہذا کائنات میں آپ کا سلف کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔ ہوا پانی، آگ، شجر، حجر، زندہ و مردہ غرض ہر چیز پر تصرف تھا۔ باایں ہمہ آپ اس تصرف کا استعمال اذن خداوندی کے بغیر نہ کرتے تھے۔ ۱۰

حدیث: کُنْتُ نَبِيًّا وَاَدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ اور وَكُنْتُ نَبِيًّا وَاَدَمُ بَيْنَ السُّوْحِ وَالْجَسَدِ  
اور وَكُنْتُ نَبِيًّا وَاَدَمُ مَجْدِلِي الطِّينِ اور اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ رُوْحِي وَغَيْرِهِ۔



منتقل کرنے والی ہے اور مخلوقات کی حیثیت تو ظروف اور کھار کے برتنوں کی سی ہے جو اپنی جگہ ذات کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ چنانچہ جب آپ مبعوث ہوئے اور خلعت رسالت ملی تو آپ کو یہ مشاہدہ حاصل ہو چکا تھا اور مخلوقات آپ کی نگاہ محض خالی اجسام اور تصویریں تھیں یہ مشاہدہ اس لیے کرایا گیا تاکہ آپ ان کے لیے مجسم رحمت بنیں اور ان کے کسی فعل کو بھی ان کی جانب سے خیال کر کے بددعا نہ کریں جس سے وہ ہلاک ہو جائیں، جس طرح کہ آپ سے پہلے انبیاء نے اپنی امتوں سے کیا۔ اسی لیے انہوں نے دعا کرنے میں جلدی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء اپنی اُمت کی شفاعت کی خاطر قیامت کے دن پڑھا رکھی گئی ہے۔ لہذا آپ کی دعا بھی رحمت بنی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (ہم نے آپ کو تمام جہانوں والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ إِنَّمَا أَنَا رَسُولٌ مُّبَدَّءٌ لِّلْمَخْلُوقِ (میں مخلوقات کے لیے رحمت کا تحفہ ہوں) کا مصداق ظاہر ہوا اور یہ تو اس مشاہدہ کے ابتدائی زمانہ کا حال تھا چہ جائیکہ ہر لحظہ آپ کو ترقی ہو رہی ہو اور ان مقامات پر آپ کا عروج ہو رہا ہو جن کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔

میں نے عرض کیا اب اوپر کوئی درجہ باقی ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آج تک زندہ رہتے تو بھی کسی ایک مقام پر نہ ٹھہرتے بلکہ متواتر بلند ہوتے جاتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

میں نے عرض کی کہ اس مشاہدہ سے تو کوئی بنی بھی خالی نہ ہوگا کیوں کہ ان کے پاس اگر صرف اس بات پر ایمان بالنبی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ہمارے افعال کے خالق ہیں تو وہ بالکل عام مومنین کی طرح ہو جاتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ انہیں یہ مشاہدہ حاصل ہوا مگر پردہ کُلی طور پر نہ ہٹا تھا۔ برخلاف اس کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پردہ کُلی طور پر زائل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت نے کشفی حقائق بیان فرمائے جن کے سمجھنے سے عقل قاصر ہے۔

آخر میں فرمایا کہ قرآن مجید میں الزور قدسیہ اور معارف ربانیہ اور اسرار ازیلیہ اس قدر بالا از طاقت ہیں کہ اگر حضرت موسیٰ صاحب توراہ حضرت عیسیٰ صاحب انجیل اور حضرت داؤد صاحب زبور علیہم التسلیمات نزول قرآن کے زمانہ تک زندہ ہوتے اور اس کو سنتے تو قرآن کا اتباع اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اقوال میں تابعداری اور ان کے افعال سے ہدایت پانے کے بغیر ان سے کچھ بن نہ آتا اور سب سے پہلے ہی لوگ آپ کی دعوت قبول کر کے آپ پر ایمان لاتے اور تلوار لے کر آپ کے آگے ہو کر جہاد کرتے۔

۱۱۱ یعنی کفار کی ایذا رسانی اور استہزاء کو ان کی جانب سے خیال نہ فرماتے کیوں کہ وہ تو خالی جسم ہیں جنہیں اپنے نفع و نقصان کا علم نہیں ہے اور نہ پتہ ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں ہی فرماتے: خدایا! ہم قوم کو ہدایت دے کیونکہ انہیں معلوم نہیں کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں؟



مؤلف کتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قسم کی ایک حدیث وارد ہوئی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ لَوْ كَانَ عَيْسَىٰ وَ مُوسَىٰ حَيِّينِ لَا يَتَّبَعَانِي (اگر موسیٰ و عیسیٰ زندہ ہوتے تو بالضرور میری تابعداری کرتے، یا جیسے آپ نے فرمایا ہو۔

ابن حجر کو دیکھیں کہ انہوں نے فتح الباری کی کتاب التوجید کے آخر میں اس حدیث کے متعدد طُرُق نقل کیے ہیں اور اگر یہ خارج از مبحث بات نہ ہوتی تو میں ان کو یہاں درج کر دیتا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِغَيْبِهِ وَاَحْكَمُ ۲۰۔ حدیث اَلَا اشْعُرُ بِتَيْنِ میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا جس میں آنحضرت صلی علیہ وسلم نے ان اشْعُرُ بِتَيْنِ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا جنہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سواری کے اونٹ مانگے تھے کہ وَاللّٰهُ لَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيَّيْهِ وَلَا عِنْدِي مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيَّيْهِ اللّٰهُ کی قسم میں تم کو سواری کے لیے اونٹ نہ دوں گا اور نہ میرے پاس ہیں کہ تم کو دوں۔ مگر اس قسم کھانے کے بعد آپ نے ان کو اونٹ عطا فرما دیے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حق بات کے خلاف اور صدق کے سوا کوئی بات نہ نکل سکتی تھی (پھر یہ بات کیوں کہ ہوئی کہ پہلے تو قسم کھا کر انکار کر دیا اور پھر قسم کے خلاف اونٹ دے بھی دیے۔)

فرمایا: بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سچ ہی بولا کرتے تھے اور حق بات ہی فرمایا کرتے تھے مگر آپ کا کلام باطن اور مشاہدہ کے اعتبار سے نکلا کرتا تھا۔ چنانچہ کبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذات الہی کے مشاہدہ میں ہوتے اور جولذت اس مشاہدہ میں ہوتی ہے اس کی کیفیت نہ تو بیان ہو سکتی ہے اور نہ کوئی اور اس کا متحمل ہو سکتا ہے اور دنیا کی کوئی لذت بھی اس کے مماثل نہیں اور یہ وہ لذت ہے جو جنتوں کو جنت میں (دیدار الہی کے وقت حاصل ہوگی۔

اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذات باری تعالیٰ کی قوت اور غلبہ قدرت کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتے اور اس مشاہدہ میں اللہ تعالیٰ کی قوت اور غلبہ قدرت کے مشاہدہ کی وجہ سے خوف اور بے چینی ہوتی۔ ان دونوں مشاہدوں میں آپ مخلوق سے غافل ہو جاتے اور کسی کو بھی نہ دیکھتے تھے۔ اس کی تھوڑی سی تشریح حضرت جبریل

علہ احدیث میں صرف موسیٰ علیہ السلام کا نام ہے۔ کسی صحیح حدیث میں عیسیٰ علیہ السلام کا نام نہیں دیا گیا۔ خود مؤلف نے آگے چل کر ابن حجر کی کتاب فتح الباری کی کتاب التوجید کا حوالہ دیا ہے۔ اس بندہ عاجز نے اس مقام کو بغور دیکھا ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کا نام کہیں نہیں پایا۔ مؤلف کو دھوکا ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۱۳ صفحہ ۵۵۰۔ اگر کسی ضعیف روایت میں عیسیٰ علیہ السلام کا نام آ بھی گیا ہو تو وہاں ان کی ذنات کا ذکر بطور تغایب کے ہوگا جیسے کہتے ہیں :-  
مَنْ قَلَّدَ سَيْفًا وَ رَفَعَهَا، يَأْتِيهِ سَوْجٌ أَوْ رِجٌّ أَوْ چاند کو "القرآن" کہہ دیتے ہیں اور ابو بکر و عمر کو "المران" کہا جاتا ہے۔ حدیث حضرت عیسیٰ کی حیات کے متعلق صریح احادیث موجود ہیں۔

کو نہ پہچان سکے کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

اور کبھی آپ ذاتِ خداوندی کا مشاہدہ مخلوقات کے ساتھ کرتے اور آپ اللہ کی قدرت کو تمام مخلوقات میں ساری پاتے۔ اس مشاہدہ میں ذاتِ باری آپ کے باطن سے غائب ہو جاتی اور اس کے افعال باقی رہ جاتے اسی تیسرے مشاہدہ میں احکامِ شرعیہ کی تعمیل اور مخلوق کی تعلیم و تربیت اور ان کو اللہ تک پہنچانے کی خدمت انجام پاتی تھی۔ لہذا آپ کی زبانِ مبارک سے جو کچھ بھی نکلتا تھا ان تینوں مشاہدوں سے خارج نہ ہوتا تھا چنانچہ کلامِ فرماتے وقت کبھی آپ پہلے مشاہدہ میں ہوتے اور کبھی دوسرے میں اور کبھی تیسرے میں۔ اور حدیث مذکور کا تعلق دوسرے مشاہدہ سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی علیہ وسلم ذاتِ باری اور اس کی قدرت کے مشاہدہ میں اس قدر مستغرق تھے کہ وہ اپنے آپ سے بھی بے خبر تھے اور کا تو ذکر ہی کیا۔ لہذا جب اشعرئین نے آنحضرت سے یہ درخواست کی کہ ہمیں سواری کے اونٹ عطا فرمائیں اور آپ اس مشاہدہ کی حالت میں تھے تو جواب میں یہ فرمایا کہ اللہ کی قسم کہ میں تمہیں سواری کے اونٹ نہ دوں گا۔ اور نہ میرے پاس ہیں کہ دوں۔ (کیونکہ مالکِ حقیقی اور مُعْطٰی حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں) اور یہ بات ہے بھی درست۔ لیکن جب آپ مشاہدہِ حق سے مشاہدہِ خلق کی طرف لوٹے اور اتفاق الیسا ہوا کہ اونٹ بھی آگئے تو آپ نے اس مشاہدہ کے مطابق عمل کیا کیونکہ اس مشاہدہ کا تقاضا یہ ہے کہ احکامِ الہی کی اطاعت ہو اور حقوق بھی ادا کیے جائیں۔ اسی لیے آپ نے دریافت فرمایا کہ اشعرئین کہاں ہیں؟ اس پر وہ بلاٹھے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اونٹ عطا فرمائے۔ انہوں نے عرض کیا بھی کہ یا رسول اللہ! اپنے تو حلف اٹھایا تھا کہ آپ ہمیں اونٹ نہ دیں گے اور اب آپ دے رہے ہیں۔ آپ نے جواب میں ایسے کلمات فرمائے جن سے مطلب نکلتا ہے کہ آپ نے ابتدا میں جو قسم کھائی تھی وہ اس مشاہدہ کے حال کے مطابق تھی (کیونکہ اس حالت میں آپ کو اپنے نفس پر ہی اختیار نہ تھا چہ جائے کہ اونٹوں کا دینا) اسی لیے فرمایا کہ میں نے تم کو سواری کے لیے اونٹ نہیں دیے بلکہ اللہ نے دیے ہیں۔ یعنی میں نے یہی تو قسم کھائی تھی کہ میں نہ دوں گا اور نہ میرے پاس اونٹ ہیں جو سواری کے لیے دوں۔ اور یہی حقیقت ہے کیونکہ تمہیں سواری کے اونٹ دینے والا اللہ ہے نہ کہ میں۔ چنانچہ آپ نے انہیں اس طرح بتلادیا کہ آپ نے جو کہا ہے سچ کہا ہے اور جو کچھ فرمایا ہے درست ہے۔

میں نے عرض کیا تو پھر آپ نے قسم کا کفارہ کہوں دیا اور فرمایا میں اگر کسی بات کی قسم کھا لوں اور پھر اس کے خلاف بہتر سمجھوں تو اس قسم کا کفارہ ادا کر کے بہتر بات کو کروں گا۔

حضرت نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصہ میں تو قسم کا کفارہ ادا نہیں کیا۔ اس حدیث میں بعد میں جو ذکر ہوا ہے وہ تو صرف نئی بات کا ذکر اور ایک حکم کی تائیس اور ایک قاعدہ شرعیہ مقرر فرمایا ہے۔ اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قسم کا کفارہ دینا قطعاً ثابت نہیں ہے۔

مولف کہتا ہے کہ بڑے بڑے اکابر مثلاً حن بصری وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ اس شیخِ عظیم کا عرفانِ کتنا

صبح واقع ہوا ہے۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ پہلے مشاہدہ کی مثال جس کے متعلق ہم نے کہا ہے کہ اس کی لذت اہل حبت کی سی لذت ہے اس کی مثال لیوں سمجھو کہ ایک شخص کی ملاقات ایک باسطوت و جلال سلطان سے ہو جس کے پاس ہتھیار اور ہر قسم کے آلات قتل اور دیگر خوفزدہ کرنے والے امور ہوں پھر وہ بادشاہ ان آلات و اسلحہ کو اتار دے اور گھوڑے سے اتر آوے اور اپنی رعایا میں سے ایک شخص کو بلا دے اور اس کے ساتھ انبساط اور خوش طبعی کی باتیں کرنے لگے۔ پھر یہ خوش طبعی اس حد تک پہنچ جائے کہ بادشاہ اُسے اپنے ساتھ ایک ہی کپڑے میں سلائے۔ بھلا بتاؤ کہ اس شخص کی خوشی کی کیا حد ہوگی۔ کیا کوئی اس کا اندازہ کر سکتا ہے یا کوئی شخص اس کی حقیقت بیان کر سکتا ہے؟ اس مثال سے صرف لفظوں میں اس مشاہدہ کی لذت کی طرف اشارہ نکلتا ہے ورنہ درحقیقت وہ کجا اور یہ کجا۔

حضرت نے فرمایا: اس مشاہدہ والے کو سکون، آرام، خوشی اور انشراح صدر کے علاوہ ایسی لذت حاصل ہوگی جو اس کی رگوں میں، گوشت میں، خون میں، ہڈیوں میں اور بال بال میں اور روئیں روئیں میں غرض تمامی جواہر ذات میں سرایت کیے ہوگی، حتیٰ کہ بالضرر اس کا ایک بال لے کر اس کی لذت کو دیکھا جائے تو اس میں بھی بعینہ وہی لذت پائی جائے گی جو اس کی عقل اور دل میں پائی جائے گی، حتیٰ کہ اگر ہم دنیا کی سب سے بڑی لذت یعنی لذت جماع کو لے لیں اور فرض کر لیں کہ یہ لذت مشاہدہ کا کر ڈرواں حصہ ہے اور پھر اس مجموعہ کو ستر کر ڈر کا ایک جزو قرار دیں اور لیوں سمجھیں کہ مشاہدہ کی لذت اس کا دسواں حصہ (عشر) ہے تب بھی اس لذت کے قریب قریب تک نہ پہنچیں گے۔

پھر فرمایا کہ دوسرے مشاہدہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کے خلاف بغاوت کرے اور بادشاہ بھی اس کے خلاف اسلحہ اور اپنے دبدبے اور تھم کے ساتھ نکل کر آئے تو اگر جب پہلی لذت کا کچھ اثر اس مشاہدہ میں بھی پایا جائے گا مگر ساتھ ہی ناقابل برداشت ہیبت اور دہشت بھی ہوگی کیونکہ جو شخص بادشاہ کو ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے گھوڑے پر سوار دیکھے۔ پھر وہ نیزے کو حرکت دے کر ڈراتا دھمکاتا بھی ہو تو جو ڈر اس پر طاری ہوگا اس کا حال کچھ نہ پوچھو اور فرمایا کہ پہلے مشاہدہ میں کچھ خواب کی صورت پائی جاتی ہے اور دوسرے میں بیداری کی سی کیفیت ہے اس لیے کہ اس میں ہیبت و دبدبہ خداوندی کے مشاہدہ سے بے چینی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ اس حدیث میں کہ ”میرے دل پر کبھی کبھی بادل چھا جاتے ہیں تو اللہ سے استغفار کرتا ہوں“ تفسیر کے مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے۔

(مؤلف کہتا ہے) اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے اور بڑے بڑے محدثین مثل قاضی عیاض، نووی اور عراقی وغیرہ رحمہم اللہ نے بھی اس حدیث پر بحث کی ہے جن کا حاصل تقریباً وہی ہے جو

عراقی: حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی۔ ان کی وفات ۳۸۰ھ میں ہوئی۔ انہوں نے اصول حدیث میں الفیہ لکھا۔



جو حضرت نے فرمایا مگر حضرت نے جو بات فرمائی ہے وہ مشاہدہ اور معاینہ کے بعد فرمائی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ تمام مخلوقات میں سے کسی کو بھی پہلے اور دوسرے مشاہدہ پر دوام حاصل نہیں ہو سکتا اسی لیے انہیں تیسرے مشاہدہ کی طرف آنا ضروری ہے تاکہ آرام کر سکیں۔ اسی لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مشاہدہ کی طرف نزول کرتے تو چونکہ یہ مشاہدہ بتقابلہ پہلے دو مشاہدوں کے ادنیٰ مشاہدہ ہوتا اس لیے آپ اللہ سے استغفار کرتے اور اسے گناہ سمجھتے۔ حضرت نے اس کے علاوہ اس میں دیگر اسرار کا بھی ذکر کیا جن کا افشا نہیں کیا جاسکتا۔

مؤلف کہتا ہے کہ جب حضرت سے میں نے ان تینوں مشاہدات کی تشریح سنی اور انہوں نے یہ بھی فرمادیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ان سے باہر نہیں ہو سکتا اور اس کلام کا مفہوم سمجھنا صرف انہی لوگوں کے لیے مشکل ہوتا ہے جو اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات سچی ہوتی ہے اور ہر بات اور ۲۱۔ تاؤ میر نخل کا قصہ۔ اہل ایمان میں آپ حق بات کہتے ہیں تو میں نے سائل کیا کہ صحیح مسلم میں کچھ اور کو پیوند لگانے کا قصہ دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار صحابہ کے پاس سے گزرے جب کہ وہ کھجوروں کو پیوند لگا رہے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ کیا کر رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ان کی اسی طرح اصلاح کی جاتی ہے، آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرو تب بھی اچھا پھل آئے۔ چنانچہ صحابہ نے آپ کے زبان کے مطابق پیوند نہ لگا یا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خراب قسم کی کھجور آئی، اچھی نہ آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ کھجور کو کہا ہو گیا کہ ایسی آئی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہی نے تو ہمیں ایسا فرمایا تھا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی دنیا کو بستر جانتے ہو؟ حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اگر تم اس طرح نہ بھی کرو (یعنی پیوند نہ بھی لگاؤ) تب بھی پھل اچھا آوے گا بالکل حق اور سچا کلام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس جزم اور یقین کی بنا پر فرمائی جو حضور کو حاصل تھا کہ فاعل مطلق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ جزم اور یقین آپ کو اس طرح حاصل ہوا تھا کہ آپ نے مشاہدہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا فعل تمام ممکنات میں ہر اور راست اور بلا سبب و واسطہ جاری و ساری ہے۔ چنانچہ نہ کسی ذرہ کو سکون ہوتا ہے نہ بال کو حرکت، نہ دل کو اضطراب، نہ رگ میں پھرک، نہ پتک کی کوئی جھپک نہ ابرو کا اشارہ، مگر اللہ تعالیٰ بلا واسطہ اس کا فاعل ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اس طرح مشاہدہ کیا کرتے تھے جس طرح عام لوگ محسوسات کا مشاہدہ کیا کرتے ہیں، اور یہ کیفیت آپ سے کسی حالت میں بھی غائب نہ ہوتی تھی نہ بیداری میں اور نہ خواب میں۔ اس لیے کہ آپ کا قلب جس میں یہ مشاہدہ تھا کبھی نہ سوتا تھا اور یہ بات یقینی ہے کہ جس ہستی

علیٰ جیسا کہ کہتے ہیں کہ حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقْسِمِينَ۔ اسی طرح اس تیسرے مشاہدہ کی طرف آنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ معلوم ہوتا تھا۔ ایک بزرگ کے متعلق مشہور ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر کتنے لگے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے کے نہیں آیا بلکہ زنا کر کے آیا ہوں کیونکہ اللہ دالوں کے ہاں تو نماز لَفْوَائِي الصَّلَاةُ مَعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ صحیح معنوں میں معراج ہوتی ہے اور جب یہ کیفیت فرمائی گئی ہو تو ان کے نزدیک نماز نہ ہوتی بلکہ گناہ ہوا۔ ۱۲۔



کو اس قسم کا مشاہدہ حاصل ہو اس کی نگاہ سے تمام اسباب گرجائیں گے اور وہ ایمان بالغیب سے ترقی کر کے شہود و عیان تک جا پہنچے گا۔ لہذا اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَاَنْتُمْ لَهٗ مُشْكِرُونَ** محض ایک عقیدہ نہ ہوگا بلکہ مشاہدہ دائمی ہوگا جو نظر سے اوجھل نہ ہوگا اور وہ یقین نصیب ہوگا جو اس مشاہدہ کے مناسب ہے یعنی اس آیت کے معنی پر اس قدر پختہ یقین ہوگا کہ غیر اللہ کی طرف کسی فعل کے منسوب کرنے کا چیونٹی کے سر کے برابر بھی دوسرے نہ گذرے گا۔ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ جس پختہ یقین کی یہ کیفیت ہو اس سے معجزات کا ظہور ہوتا ہے اور اشیاء خود بخود متاثر ہونے لگتی ہیں۔ یہ ایک ستر الہی ہے جس کے ہوتے ہوئے تمام اسباب و وسائل اٹھ جاتے ہیں۔ لہذا جس ہستی کو یہ مقام حاصل ہو اگر وہ اسباب کے ساقط ہونے اور رب الارباب کی طرف فعل کے منسوب ہونے کا اشارہ فرمائے تو اس کا قول حق اور اس کی بات سچ ہوگی۔ مگر جس شخص کو صرف ایمان بالغیب حاصل ہو یعنی مشاہدہ حاصل نہ ہو جیسے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے نزدیک **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَاَنْتُمْ لَهٗ مُشْكِرُونَ** میں مشاہدہ نہیں ہوگا۔ اس کے نزدیک مشاہدہ یہی ہے کہ افعال کی نسبت ان کی طرف ہے جن سے یہ فعل صادر ہوئے اس کو آیت شریفہ کے معنی اور فعل کو خدا کی طرف منسوب کرنے کی جانب اس کا وہ ایمان کھینچتا ہے جو حق تعالیٰ نے اسے بخشا ہے۔ پس اس کے لیے دو جاذب ہیں۔ ایک جاذب خدا کی طرف سے ہے یعنی اس کا یہ ایمان جو اسے حق کی طرف کھینچتا ہے اور دوسرا اس کی اپنی طبیعت کی طرف سے یعنی اس کا یہ دیکھنا کہ یہ فعل تو بظاہر غیر اللہ سے صادر ہو رہا ہے اور یہ اسے باطن کی طرف کھینچتا ہے۔ اسی لیے انہی دو باتوں میں الجھا رہتا ہے کبھی جاذب ایمانی قوی ہو جاتا ہے تو اسے گھڑی یا دو گھڑی کے لیے آیت مذکورہ کا مفہوم مستحضر ہو جاتا ہے اور کبھی جاذب طبعی قوت پکڑتا ہے تو وہ آیت کے معنی سے ایک دن یا دو دن کے لیے غافل ہو جاتا ہے اور اس غفلت کے زمانہ میں وہ یقین جو خارق عادت تھا، جاتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت کا فرمودہ (کہ اگر بیوند نہ بھی لگاؤ تب بھی اچھا پھل آئے) وقوع میں نہ آیا کیونکہ وہ معجزہ نما یقین جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن مشتمل تھا اور جس کے مطابق آپ سے حق اور سچی بات نکلتی تھی، صحابہ کو حاصل نہ تھا۔ لہذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہو گیا کہ عمدہ کھجور پیدا نہ ہونے کا سبب یہ ہے اور یہ علم ہو گیا کہ اس کا ازالہ صحابہ کی طاقت سے باہر ہے تو ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا اور فرمایا: تم اپنی دنیا کے امور سے زیادہ واقف ہو۔ لہذا تم اپنے دستور پر قائم رہو۔

علہ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے **تَنَاوَمُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَاوَمُ قَلْبِي**۔ الحدیث۔

عہ شہاب الدین خفاحی (نسیم الریاض شرح شفاء عیاض جلد ۳ صفحہ ۲۵۲) نے اس حدیث کے متعلق سنوسی کی یہ تشریح بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو انہیں توکل خدا پر اعتماد کرتے ہوئے ایک خارق عادت بات کرنے کو کہہ رہے تھے، مگر صحابہ نے نہ مانا اور صبر نہ کیا۔ اگر صبر کر لیتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا کہ چند سال تک صبر کر کے آپ کے فرمان پر عمل کریں اور ایسا کرتے رہنے تو کھجور کو بیوند لگانے کی مصیبت سے بچنا حاصل جاتا کیونکہ وہ ہر بات کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے۔ پھر کسی کا ذل نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ غمور کرنے والے کے لیے سنوسی کی بیان کردہ تشریح بہت ہی نفیس ہے۔ -۱۲-

(مؤلف کتا ہے) خدا تمہیں توفیق دے، بھلا غور کریں، ایسا عمدہ جواب کبھی سننے میں آیا ہے یا کسی کتاب میں دیکھا گیا ہے؟ حالانکہ یہ وہ حدیث ہے جو جمال الدین بن الحاجب، سیف الدین آمدی، صفی الدین ہندی اور ابو حامد الغزالی جیسے اکابر علماء اصول کو مشکل نظر آئی۔

۲۲۔ حدیث اِذَا اُذِنَ بِالصَّلٰوةِ | میں نے حضرت سے اس حدیث کا مطلب دریافت کیا کہ جب مؤذن اذان دیتا ہے تو اَذْبَرَ الشَّيْطَانَ وَلَمْ يَضْرَاطْ | شیطان گوزمازتا ہوا دم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ شیطان کے بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ جب اذان کے الفاظ کسی پاکیزہ ہستی سے نکلتے ہیں تو جہاں سے آواز پہنچتی ہے تمام فضا اس کے نور سے لبریز ہو جاتی ہے اور نور میں ٹھنڈک ہے اور شیطان کی پیدائش شعلہ نار سے ہوتی ہے۔ ٹھنڈک اور آگ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

بعینہ اس طرح کی بات ایک اور بار حضرت نے فرمائی کہ جنات کو جہنم میں آگ کا عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ آگ تو اس کی طبیعت ہے۔ آگ سے آپ کی مراد گرم آگ تھی کیونکہ وہ اس کی طبع ہونے کے سبب اسے نقصان نہ پہنچا سکے گی انہیں تو بڑا درز مہر بری سے عذاب دیا جائے گا جس سے آپ کی مراد ٹھنڈی آگ تھی۔ اور فرمایا کہ جن سردی سے سخت خوف کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ گرمی کے موسم میں بھی ٹھنڈی ہوا چلنے سے سخت ڈرتے ہیں اور جب ٹھنڈی ہوا چلتی ہے تو وہ جنگلی گدھوں کی طرح بھاگ جاتے ہیں۔ اب رہا پانی سودہ اس میں کبھی بھی داخل نہیں ہونے اگر تقدیر سے کوئی جن پانی میں گھس جائے تو وہ بچھ جائے گا اور پگھل جائے گا۔ جیسے اگر ہم میں سے کوئی شخص آگ میں پڑ جائے تو جل کر فنا ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ اگر جن کی کیفیت معلوم کرنا چاہو تو ایک نہایت تاریک بہت دھواں دینے والی آگ کو دیکھیں جس طرح کہ آگ کی آگ ہوتی ہے۔ پھر جس شکل پر جن تعالیٰ نے جنات کو پیدا کیا ہے اس کا تصور کر کے اس دھواں والی آگ میں کھڑا کر دو۔ یہی جن کی صورت ہوگی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

۲۳۔ حدیث اَبِيْتُ عَدَدَ رَبِّي لِيُطْعِمَنِي وَيَسْتَقِيْبِي | میں نے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا کہ میں اپنے رب

عہ جمال الدین ابن الحاجب: جمال الدین ابو عمرو عثمان بن عمر المعروف بابن الحاجب ان کی وفات ۵۲۶ھ = ۱۱۳۱ء میں ہوئی۔ صنف کشف الظنون نے ان کی تاریخ وفات ۵۲۶ھ لکھی ہے۔ ان کی کتاب منتهی السؤل والامل فی علمی الاصول والمجلد ہے جو مختصر ابن حاجب کے نام سے مشہور ہے۔

۲۴۔ سیف الدین آمدی: ابو الحسن سیف الدین علی بن ابو بکر علی بن محمد ثعلبی حنبلی فہم الشافعی معروف بسیف الدین آمدی متوفی ۵۳۳ھ = ۱۱۳۳ء، ان کی کتاب کا نام منتهی السؤل فی الاصول ہے (کشف الظنون ج ۲: ۳۴۷)۔ ان کی ایک اور کتاب البکار لانکار علم

کلام میں ہے۔ غایۃ المرام فی علم الکلام بھی انہی کی تالیف ہے۔ (کشف: ۲: ۵۰)۔

۲۵۔ صفی الدین محمد بن عبد الرحیم ہندی اللاموی متوفی ۵۱۵ھ انہوں نے الرسائل التالیف السنیہ اصول فقہ میں (کشف الظنون

۱: ۲۲۴) اور الفائق فی اصول الدین لکھی ہے۔ (کشف الظنون: ۲: ۶۱) اور تیسری کتاب نہایت الوصول الی

علم الاصول ہے (کشف الظنون: ۲: ۴۰۸)

کے پاس رات گزارتا ہوں اور وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

فرمایا: رب کے پاس ہونے سے مراد اس کی معیت ہے (اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جگہ سے منزہ ہے) اور کھلانے اور پلانے سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کو قوت بخشنا ہے۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ ذاتِ ترابی کے لیے کیا انوار و تجلیات کا ذوق کافی ہو جاتا ہے کہ پھر کھانے کی حاجت نہیں رہتی؟

فرمایا: کافی نہیں ہوتا۔ فرض کر دو کوئی شخص نبی کو پکڑ لے اور اس کا کھانا پانی بند کر دے تو نبی یقیناً مرجائے گا اس لیے کہ مٹی سے پیدا ہوئی ہوئی ذات کے لیے مٹی ہی سے پیدا ہونے والی غذاؤں کا ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کھاتے بھی ہیں، پیتے بھی ہیں، بھوکے بھی رہتے ہیں سیر بھی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۴۔ ولادتِ نبوی | میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ہوئی صلی اللہ علیہ وسلم | جیسا کہ ایک جماعت کا خیال ہے اور انہوں نے ثبوت میں وہ حدیث پیش کی ہے جو عثمان بن ابی العاص نے اپنی والدہ فاطمہ بنت عبد اللہ ثقفیہ سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت موجود تھی۔ جب آپ پیدا ہوئے تو تمام گھر نور سے بھر گیا اور کیا دیکھتی ہوں کہ ستارے قریب آ رہے ہیں یہاں تک کہ یوں خیال ہوا کہ وہ مجھ پر آ گریں گے۔ اس حدیث کی روایت بیہقی اور ابن السکن نے کی ہے اور ستارے صرف رات کے وقت پائے جاتے ہیں۔

یا یہ کہ آپ کی ولادت دن کو ہوئی اور محدثین نے مسلم وغیرہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اسے صحیح سمجھا ہے مگر ساتھ ہی کہتے ہیں کہ یہ فجر سے تھوڑا سا وقت بعد میں ہوئی جیسا کہ ایک حدیث میں ہے اگرچہ وہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ فضائل و مناقب میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کر لیا جاتا ہے۔ انہوں نے مذکورہ بالا حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ تارے تو فجر طلوع ہونے کے بعد تک دکھائی دیتے ہیں۔ لہذا اس حدیث سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت رات کے وقت طلوعِ فجر سے پہلے ہوئی۔

علاء عثمان بن ابی العاص ثقفی صحابی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طائف کا گورنر مقرر کیا اور یہ وہاں ابو بکر اور عمر کے عہدِ خلافت میں بھی گورنر رہے۔ ان کی وفات ۳۵ھ = ۶۶۱ء میں ہوئی۔

علاء فاطمہ بنت عبد اللہ ثقفیہ: یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موقع پر موجود تھیں۔ (استیعاب) بیہقی: ابو بکر احمد بن المسیب البیہقی اپنے زمانہ میں حدیث میں بکتکتھے۔ یہ حاکم ابو عبد اللہ کے شاگرد تھے ۳۸۳ھ = ۹۹۴ء میں پیدا ہوئے اور ۴۵۰ھ میں چھتر سال کی عمر میں وفات پائی۔

علاء ابن السکن: ابو علی سعید بن عثمان البغدادی محدث ہیں ان کی صحیح بھی قابلِ قدر سمجھی گئی ہے اس کا نام صحیح المنقی ہے۔ ان کی وفات ۳۵۳ھ = ۹۶۴ء میں ہوئی۔



حضرت نے فرمایا (جس سے آپ کی ذاتِ کریمہ کے امر اور کاپتہ چلتا ہے) کہ واقعہ اور نفس الامر بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش رات کے آخری حصہ میں طلوع فجر سے بہت پہلے ہونا شروع ہوئی مگر آپ کی والدہ ماجدہ کی خلاصی (کیونکہ آؤل وغیرہ کو نکلنا تھا) کہیں طلوع فجر کے وقت جا کر ہوئی۔ وہ وقت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بطن مادر سے باہر آنے اور والدہ سے علیحدہ ہونے میں گذرا یہی دعا کے مقبولیت کا وقت ہوتا ہے جس کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ اور جس کی عظمت و بزرگی بیان کی گئی ہے۔ اس گھڑی کی مقبولیت کا وصف قیامت تک رہے گا۔

حضرت نے فرمایا یہی وہ وقت ہوتا ہے جس میں ردی زمین کے اولیاء جن میں غوثِ اقطابِ سبعہ، اہلِ دائرہ اور عدد بھی شامل ہیں، اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان کا اجتماع مکہ سے باہر غارِ حرا میں ہوتا ہے۔ یہی لوگ نورِ اسلام کے عمود کے حامل ہیں اور انہی کی بدولت تمام اُمتِ محمدیہ کو مدد حاصل ہوتی ہے۔ لہذا جس کی دعائیں اور دعا سے اور جس کی تہجد ان کی تہجد سے موافقت کھا جائے، خدا اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اور اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اور اس کی حاجت ردائی کرتا ہے۔ حضرت ہمیں اکثر اس گھڑی کے وقت سے مطلع کیا کرتے اور فرماتے کہ مکہ میں قاسم (جو بعد میں مدینہ منورہ کے امام بنے) نے فرمایا ہے کہ مکہ مشرق میں ہے اور قاسم جنوب میں (لہذا اپنی تہجد میں مکہ کی فجر کا لحاظ رکھا کرو اور اسی کو اپنا معمول بناؤ پھر میں نے دریافت کیا کہ مکہ میں فجر قاسم سے کتنا عرصہ پہلے طلوع ہوتی ہے اور فرمایا کہ مکہ میں فجر ابنِ جموح جو قسودین کی مسجد کا مؤذن ہے اس کے اذان دینے سے تھوڑا وقت پہلے طلوع ہوتی ہے۔

میں نے عرض کیا پھر مقبولیت کی گھڑی ردی اور اس کے بعد سلاوی کے اٹھنے کے درمیان ہوتی۔ حضرت نے فرمایا: ہاں۔

چنانچہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے سورہ کف کی آخری آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَہُمْ جَنّٰتٌ الْفِرْدَوْسُ مِنْ تَحْتِهَا لَا یَدْخُلُوْنَ فِيْہَا لَآ یَبْغُوْنَ حَتّٰی حَوَّلَاہُمْ لَہٗ کُرْۃٌ اٰخِرٌ تک پڑھا کرتا تھا تاکہ میری آنکھ اس وقت کھل جائے۔ تقریباً سولہ سال اس پر میرا عمل رہا۔ چنانچہ میری آنکھ بالعموم دعا کے وقت میں کھلا کرتی اور کبھی اگر وہی ہو جاتی تو سلاوی کے وقت میں کھلتی۔ دیگر مالک کے اصحاب سے بھی جو اس مبارک گھڑی کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، میں نے یہی سنا ہے کہ وہ بھی اپنے ملک کی فجر طلوع ہونے سے بہت پہلے اٹھا کرتے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

۲۵۔ ولادتِ نبویؐ میں نے حضرت سے دریافت کیا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کس ماہ میں ہوئی ہے؟ کس ماہ میں ہوئی؟ کیونکہ اس میں علماء میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعضے صفر بتاتے ہیں اور بعضے ربیع الآخر۔ بعضے رجب کہتے ہیں اور بعضے رمضان۔ بعضوں نے عاشوراء کا دن کہا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مہینہ کی تعیین کا ہمیں علم نہیں ہے۔

حضرت نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول میں ہوئی۔

۲۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع



کے مہینہ میں کس دن ہوئی کیونکہ اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض تو ربیع الاول بعض سات اور اکثر علماء نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ بعض نے ۹ اور بعض نے ۱۲ ربیع الاول بیان کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۷ ربیع الاول کو ہوئی۔ یہی حقیقت نفس الامر ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ربیع الاول کی ساتویں رات ہوئی جیسا کہ بیان ہو چکا کہ آپ کی ولادت رات کے وقت ہوئی۔

۲۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کس سال ہوئی؟  
**وسلم کا سال ولادت** کیونکہ اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ عام الفیل میں ہوئی اور ہاتھیوں کے واقعہ سے پچاس دن بعد ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے پچیس ماہ بعد ہوئی۔ بعض چالیس ماہ بعد، بعض دس سال بعد اور بعض ۱۵ سال بعد بتاتے ہیں۔

**جواب** حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو عام الفیل میں، مگر ہوئی ہاتھیوں کے آنے سے پہلے اور اللہ تعالیٰ نے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود پاک کی بدولت ہی تو ہاتھیوں کو مکہ سے دھکیل دیتا تھا۔ میں نے حضرت سے یہ نہ پوچھا کہ ہاتھیوں کے آنے سے کس قدر پہلے ہوئی۔ اگر دریافت کرتا تو حضرت تعین فرمادیتے کیونکہ اگر آپ انہیں جواب دیتے ہوئے سن لیں تو اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں سنیں۔ واللہ اعلم۔  
 ۲۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت حمل کس قدر تھی؟  
**وسلم کی مدت حمل**

**جواب:** حضرت نے فرمایا: آپ کی مدت حمل دس ماہ تھی۔

۲۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل شریف میں **وسلم کی بغل کے بال** بال گتے یا نہ تھے کیونکہ اس میں بھی علماء میں بہت اختلاف ہے جس کا ذکر بہت لمبا ہے۔

**جواب** فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل میں گتے بال نہ تھے کہ نوچے جھاگتے ہیں۔ بلکہ بہت ہی کم بال تھے یعنی آپ کی بغل مبارک سفید تھی جس میں تھوڑی سی بالوں کی سیاہی ملی ہوئی تھی آپ کی بغلوں میں کم بال ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی چھاتی کے اوپر کے حصہ اور کندھوں پر بال بہت زیادہ تھے۔ چنانچہ ان دونوں اعضاء پر بکثرت بال تھے یہی وجہ تھی کہ آپ کی بغلوں میں بال کم تھے۔ واللہ اعلم۔

مؤلف کتاب ہے میں جب بعض روایات میں دیکھتا کہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر بال تھے تو یہ بات مجھے سمجھ نہ آتی تھی، تا آنکہ جب میں نے حضرت سے یہ کلام متورنا تو فوراً یہ بات سمجھ میں آگئی۔

۳۰۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دریافت کیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابروئے ہونے تھے جیسا **وسلم کے ابروئے ہونے تھے** کہ ایک لغایت میں ہے یا غیر قرآن (یعنی ابروؤں میں فاصلہ تھا) تھے جیسا کہ دوسری

روایت میں ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اقرن نہ تھے یعنی آپ کے ابو آپس میں ملے ہوئے نہ تھے۔  
 ۳۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چال مبارک کے متعلق دریافت کیا کہ کیا  
 آپ دائیں بائیں جھک کر چلتے تھے جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے یا آگے  
 کو جھک کر چلتے تھے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ گویا آپ ٹھکان کی طرف اتر رہے  
 ہیں۔

فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں جھک کر چلتے تھے۔ اس وقت ہمارے ساتھ کوئی اور نہ تھا۔  
 تو فرمایا: لو میں تمہیں دکھاؤں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتی میں اس دنیا میں کیسے چلا کرتے تھے اور  
 آپ آگے کو تقریباً ساٹھ قدم چلے۔ میں نے آپ کو دائیں بائیں جھکتے دیکھنا۔ یہ ایک ایسی چال تھی جس کی خوبی کو  
 دیکھ کر میری عقل اڑنے کو تھی۔ میں نے اس سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ محیر العقول چال کبھی نہیں دیکھی۔ خدا حضرت سے راضی  
 ہو۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کس قدر صحیح علم تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کے متعلق روایات میں بڑا اختلاف ہے اس  
 لیے میں نے حضرت سے حضور علیہ السلام کی ریش مبارک کے متعلق دریافت کیا۔  
 فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک گھنی بھنی اور ساتھ ہی ٹھوڑی متوسط طور پر لمبی تھی اور جال  
 رخسارہ اور ٹھوڑی ہٹے ہیں۔ وہاں ریش مبارک ہلکی تھی۔

۳۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال میں نے حضرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں، کیونکہ اس میں  
 سفید بال، خضاب اور چونہ کا استعمال اختلاف ہے، آپ کے سفید بالوں اور خضاب کے متعلق دریافت کیا  
 اور پوچھا کیا آنحضرت نے چونہ استعمال کیا؟

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال کبھی لمبے ہوتے بھتے اور کبھی چھوٹے۔ ہمیشہ ایک  
 جیسے نہ ہوتے بھتے اور پیشانی کے پاس بال کتر دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے سوا کبھی سر کے بال  
 نہیں منڈوائے۔ نچلے ہونٹ اور ٹھوڑی کے درمیان تقریباً ۱۰ سفید بال تھے۔ کچھ ٹھوڑے سے کنپٹیوں میں  
 بھتے اور ٹھوڑی میں اس سے کچھ زیادہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہندی سے داڑھی کو خضاب لگایا مگر  
 صرف اس وقت جب آپ مکہ میں بطور فاتح داخل ہوئے اور چند بار مدینہ میں بھی۔ آپ نے چونہ کا استعمال بھی  
 کیا۔ حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ چونہ تیار کیا کرتی تھیں۔

شق صدر میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کتنی بار ہوا۔ کیونکہ احادیث  
 میں اس بارے میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر تین بار ہوا۔ پہلی بار حلیمہ کے پاس جب کہ آپ

کے سینہ مبارک سے شیطانی حصہ نکال دیا گیا کیونکہ ذاتِ تڑابی کا تقاضا یہ ہے کہ حکم کی مخالفت کرے اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلے۔ دوسری بار جب آپ کی عمر دس سال کی تھی۔ اس بار بیہودہ وساوس کو جڑ سے نکال دیا گیا اور تیسری بار نبوت کے وقت میں نے حضرت سے یہ نہ پوچھا کہ اس مرتبہ کون سی چیز نکالی گئی۔ بہت سی احادیث کے ظاہری الفاظ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات بھی شوقِ صدر ہوا حضرت نے فرمایا: مگر یہ درست نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ شوقِ صدر نہ تو کسی اوزار سے کیا گیا اور نہ اس میں خون بہا اور بغیر سلامی اور آلہ کے آپ کا سینہ مبارک پھر جڑا گیا۔ اس تمام عمل کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ یہ یہ اللہ سبحانہ کا فعل ہے۔ واللہ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے کہ جو شوقِ صدر اس وقت ہوا جب کہ آپ حلیمہ کے پاس تھے اس پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ دس سال کی عمر میں جو شوقِ صدر ہوا اس کا ذکر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں آیا ہے جسے عبداللہ ابن الامام احمد نے زوائدِ مسند میں بیان کیا ہے اور جو شوقِ صدر نبوت یعنی ابتداء بعثت کے وقت ہوا۔ اس کا ذکر ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں ابو نعیم نے اور بیہقی نے دلائل النبوة میں کیا ہے مگر جو شوقِ صدر معراج کے وقت ہوا اس سے بعض نے انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کا ذکر صرف شریک بن عبداللہ بن ابی نضر المدنی کی روایت میں آیا ہے۔ اور شریک منکر الحدیث ہے ابن حجر کہتے ہیں کہ درست یہ ہے کہ یہ شوقِ صدر بھی شریک کے سوا اوروں کی روایت سے صحیحین میں ثابت ہے۔ یہ ابوزر کی حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھیں ابن حجر (فتح الباری)

علہ عبداللہ بن الامام احمد: ان کی پیدائش ۲۱۳ھ = ۸۲۸ء میں ہوئی۔ انہیں زاہد کے لقب سے پکارا جاتا تھا اور اپنے باپ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سے حدیث سنی۔ ان کی وفات ۲۹۰ھ = ۹۰۲ء میں ہوئی۔  
علہ ابوداؤد طیالسی: سلیمان بن داؤد طیالسی۔ یہ دراصل فارسی نسل کے تھے۔ بہت تیز حافظہ والے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی مسند پہلی مسند ہے جو لکھی گئی ہے۔ ان کی وفات ۲۴۲ھ = ۸۵۹ء میں ہوئی۔

علہ ابو نعیم: احمد بن عبداللہ الاصفہانی۔ یہ حلیۃ الاولیاء کے مصنف ہیں۔ حدیث کے استادوں میں سے تھے ۲۳۲ھ = ۹۴۵ء میں پیدا ہوئے اور ۳۳۰ھ = ۹۴۲ء میں وفات پائی۔ چھ یا نوے سال کی عمر پائی۔  
علہ شریک بن عبداللہ بن ابی نضر: انہوں نے انس، سعید بن المسیب، عبدالرحمن وغیرہم سے روایت کی۔ ابن معین اور نسائی کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں کوئی قباحت نہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں جب ان سے ثقہ روایت کریں تو ان کی روایت میں کوئی عیوج نہیں ابن حبان نے بھی انہیں ثقہات میں شمار کیا ہے۔ مگر بعض اوقات غلطی کھا جاتے ہیں۔ نسائی کا دوسرا قول ہے کہ بیوقوف نہیں ہیں۔ اور بیہقی بن سعید ان کی حدیث کی روایت نہیں کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۳۴-۲۳۸)

علہ ابوزر: ابوزر غفاری۔ ان کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ اکثر کا خیال ہے کہ ان کا نام حذیب بن برزادہ ہے۔ یہ قدم اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ اور پانچویں ایمان لانے والے ہیں۔ ان کے ایمان لانے کا واقعہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے اپنے بھائی کو کہہ روانہ کیا تا کہ جا کر خبر لائے وہ کہ آیا اور واپس جا کر بتایا کہ وہ شخص



کتاب التوحید کے آخر میں۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت باہل امی تھے۔ لہذا آپ کا کلام خالص کشف اور عیان تھا۔ لہذا درست یہی ہوگا کہ معراج کے وقت شوق صدر واقع نہ ہوا ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۵۔ کیا آنحضرت صلعم کی انگشت میں نے حضرت سے سوا کیا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت شہادہ درمیانی انگشت سے بڑی تھی؟ شہادت درمیانی انگشت سے بڑی تھی کیا یہ صحیح ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پوٹوں کی شہادت کی انگلی پاؤں کی درمیانی انگلی سے بڑی تھی مگر آپ کے ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں درمیانی انگلیوں کے برابر تھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۶۔ جب رسول اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ جب جبرئیل علیہ السلام قرآن مجید کی پہلی وحی اُنزلت بائسم علیہ وسلم کو تین بار بھینچتا۔ اذہب الیہ آتے اور انہوں نے آنحضرت کو تین بار بھینچا تو آنحضرت نے فرمایا

مَا أَنَا بِقَارِيءٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) تب جبرئیل نے آپ کو پورے زور سے بھینچا۔ یہ کیوں کر ہوا؟ حضرت نے فرمایا کہ جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی بار اس لیے بھینچا تھا کہ آنحضرت کو بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ بنا کر خدا کی ایسی ابدی رضا مندی حاصل کیے جس کے بعد کوئی ناراضی نہ ہو۔ دوسری بار بھینچنا اس لیے تھا کہ جاہِ محمی میں داخل ہو اور آپ کے جمالِ شریف کی پناہ میں آجائے اور تیسری بار اس لیے بھینچا کہ آپ کی اُمت میں شامل ہو جائے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا کر قرآن پڑھا اس سے مراد ہے کہ کلامِ قدیم کو اپنی شہادت (جسمانی زبان) سے لوگوں تک پہنچا دینا کیونکہ اس وقت تک تمام قرآن مجید نازل ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کہ *وَأَنزَلْنَاكَ بِاللَّيْلِ الْقُرْآنَ فَلْيُحْسِنِ الْعُرْسَةَ* (قرآن مجید کو رات کو نازل کیا اور اسے اچھے طور پر پڑھا) سے مراد ہے۔ پھر فرمایا کہ جبرئیل کا منشا یہ یہ تھا کہ آپ ان معانی قدیمہ اور اس ازل مکالمہ کو جو آپ کو اس وقت درمیان ہوا تھا لوگوں تک پہنچا دے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں (مَا أَنَا بِقَارِيءٍ) یعنی کلامِ قدیم اور قولِ ازل کو اپنی جسمانی اور حادثہ زبان سے ادا کرنے کی طاقت نہیں

نقصہ ۲۳۵۔ مکالمہ اخلاق کی تعظیم دیتا ہے۔ اور جو کلام اور بیعت ہے۔ نہ شعر ہے اور نہ کہتوں کی زبان۔ ابوزکر کو اس کے بیان سے تشفی نہ ہوئی۔ اس لیے خود روانہ ہو گئے۔ مکہ پہنچے مگر کسی کو اپنے دل کی بات نہ بتائی۔ خود تلاش کرتے رہے اور کسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق پوچھا بھی نہیں۔ چنانچہ رات ہو گئی اور یہ خانہ کعبہ میں پڑے رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ادھر آنا ہوا۔ وہ انہیں گھر لے گئے مگر کسی قسم کی بات نہ کی۔ اسی طرح تین دن اور تین راتیں گزریں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالآخر حضرت نے پوچھا کہ تو کون ہے اور کیوں آئے۔ اس پر ابوزکر نے بتایا اور صحیحاً آنحضرت کو شہادت میں ایمان لے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خاموشی سے وطن چلا جانے کو کہا مگر انہوں نے کعبہ کے اندر اپنے ریلوں کا اعلان کیا۔ لہذا انہیں خوب مارا حضرت عباس نے انہیں یہ کہہ کر پھینکا کہ تم میری جگہ میں سے بنو۔ اگر تم نے اسے راز لگایا تو میں تمہارا نام کی شہادت غراستہ بند کر دے گی۔ کافروں نے انہیں بلانا بد کیا۔ پھر دو دن اور اسی طرح کہا اور کافروں نے پھر انہیں اس کے لیے وطن چلا گیا اور ہجرت کے بعد مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی وفات سال ۱۱ھ میں ہوئی۔



رکھتا۔ اس پر جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا کہ وہ کس طرح اس حادثہ زبان سے کلام ازلی کو  
لوگوں تک پہنچائیں۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل سے بڑی محبت تھی۔

اس کے بعد حضرت نے اس بارے میں وہ وہ باتیں بیان کیں کہ ہماری عقلیں حیرت زدہ ہو گئیں اور تقریباً  
سارا دن اس بیان کو جاری رکھا۔ اس بیان میں اس قدر اسرار پائے جاتے ہیں کہ ان کا لکھنا روا نہیں۔ واللہ  
تعالیٰ اعلم۔

۳۷۔ حدیث اَرَأَيْتُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ  
پھر میں نے حضرت سے حدیث اَرَأَيْتُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ کے متعلق دریافت کیا جس میں  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو سال تک اس قرآن کے ختم ہو جانے کی طرف اشارہ  
فرمایا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے یہ حدیث فرمائی تھی۔ در  
حقیقت یہ آپ کی روح مبارک کا کلام ہے جو آپ کی ذاتِ کریمہ کی تعزیت کر رہی اور اسے تسلی دے رہی ہے کیونکہ  
آپ کو قرب وفات کا علم ہو چکا تھا، تو آپ کی روح نے اس پوشیدہ راز کا اظہار کیا۔ تاکہ آپ کی ذات کو تسلی ہو  
جائے۔

مؤلف کہتا ہے کہ حضرت نے سچ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث وفات سے تھوڑا ہی عرصہ  
پہلے فرمائی کیونکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم کی وفات سے ایک ماہ پہلے کا ہے۔ اس اُمی امام کا کیا کہنا۔ یہ شمالی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا خوب واقف تھا  
اس پر میں نے حضرت سے دریافت کیا اور میرے سوال کرنے کا اصل مقصد بھی یہی تھا۔ کیا اس حدیث سے  
استدلال کرتے ہوئے ہم کو ان لوگوں کی تکذیب کرنا صحیح ہوگا جو اس قرن کے گذر جانے کے بعد بھی صحبت نبوی  
صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کریں جس طرح کہ ان لوگوں کی تکذیب کی جاتی ہے جو دو سو سال بعد یا اسی طرح جو ۴۰  
سال بعد یا آٹھویں صدی میں صحبت کا دعویٰ کریں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو عکراش اور عمر المغربی اور تین [ص۔ رتن]

۱۔ جابر بن عبد اللہ بہت پایہ کے صحابی تھے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوزدوں میں شرکت کی۔  
جنگ بدر اور احد میں انہوں نے شرکت نہیں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے لیلۃ البعیر میں پچیس مرتبہ دعا  
مغفرت کی۔ ان کی وفات ۳۷ھ = ۶۵۷ء میں ہوئی۔

۲۔ عکراش: بن زویب بن حرقوص۔ ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ انہوں نے صرف ایک حدیث روایت کی ہے مگر ابن حجر  
تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ صحابی تھے۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہ کے ساتھ تھے۔ سو سال عمر ملٹی  
عمر مغربی: ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

۳۔ تین: اصل کتاب میں اسی طرح دیا گیا ہے۔ مولوی عاشق علی صاحب نے اپنے ترجمہ میں تین لکھا ہے اور یہ  
سب غلط ہے۔ اصل نام رتن ہے۔ اور یہ شخص بابا رتن ہندی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شخص بھٹنڈہ  
کا رہنے والا تھا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے تقریباً آٹھ سو سال عمر پائی اور صحابی تھا۔ لیکن ابن حجر  
نے اس کا رد کیا ہے۔

ہندی۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب الاصابہ (فی معرفۃ الصحابہ) میں صحابہ کے بیان میں اس پر خوب بحث کی ہے اسی طرح ان کے شاگرد شمس الدین سخاوی نے بھی الفیہ فی اصطلاح الحدیث کی شرح میں اس پر بحث کی ہے اور حافظ سیوطی نے بھی اپنی کتاب الحاوی فی الفیہ میں۔

حضرت نے فرمایا صحابہ کی تعداد کا احاطہ نہیں ہو سکتا کیونکہ کچھ تو آپ کی وفات سے پہلے دنیا میں منتشر ہو گئے تھے۔ اور کچھ وفات کے بعد اور ایک جماعت اطرافِ دنیا میں چکر لگاتی ہوئی چلی گئی۔ حدیث مذکورہ عام معنیوں میں ہے جس سے مراد وہ خاص صحابہ ہیں جو لوگوں میں صحابی ہونے کے لحاظ سے مشہور و معروف ہیں۔ کشف اور عیان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے!

اس کے بعد میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا جراحہ کے لوگ صحابی تھے جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنحضرت کی زندگی میں آئے اور آپ نے بربری زبان میں ان سے گفتگو کی۔ اس حکایت کا ذکر شہاب الدین خفاجی نے شرح شفاء میں کیا ہے۔ لیکن کوئی متصل سند بیان نہیں کی اور کئی ایک ائمہ نے اس واقعہ کو عجیب و غریب خیال کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا: یہ لوگ صحابی نہیں ہیں۔ اہل بصیرت پر نورِ صحبت مخفی نہیں رہتا بلکہ تمام مغرب میں کوئی صحابی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ سب حضرت سے ہم نے ان احادیث کے متعلق سنا جو ہمیں مشکل دکھائی دیں۔ ہم اتنے پرہی اکتفا کرتے ہیں کیونکہ اسی قدر مرید کے لیے کافی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱ شمس الدین سخاوی: شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ = ۱۴۹۶ء کتاب حلی مصنف کشف الظنون لکھتے ہیں کہ الفیہ کی شرحوں میں یہ بہترین شرح ہے۔

۲ شہاب الدین خفاجی: احمد شہاب الدین خفاجی شارح شفاء عیاض۔ انہوں نے یہ شرح ۱۰۵۵ھ = ۱۶۴۵ء میں ختم کی۔ انہوں نے بہت سی تصانیف کی ہیں۔ مکمل فہرست نہ ہونے کی وجہ سے مجھے جراحہ کا قصہ خفاجی میں نہ مل سکا البتہ مصادہ کا قصہ ج ۱: ۵۳۲ پر دیا ہے کہ یہ لوگ آئے۔ جب مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے نہ تھے، تو اپنی زبان میں کہا "من ابوان امیران" یعنی تم میں کون رسول اللہ میں۔ مگر کوئی صحابی اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی زبان میں جواب دیا "اشکداور" یعنی ادھر آؤ۔ اس کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی زبان میں دیر تک باتیں کرتے رہے اور ایمان لاکر وہیں چلے گئے۔

## دوسرا باب

قرآنی آیات اور قرآنی آیات میں سُریانی الفاظ کی تشریح۔ پھر سورتوں کے ابتدائی حروف مثلاً ص۔ ق۔ یس۔ طہ۔ کہیعص۔ الم۔ الم۔ کی تفسیر اور ان کے علاوہ دیگر اسرار الہیہ کا بیان جن کا علم آپ کو اس باب میں ہو جائے گا۔

۱۔ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔ (سورہ اعراف آیت: ۱۹۰)

اللہ تعالیٰ نے آدم اور حواء کے قصہ میں فرمایا ہے فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔ (جب اللہ نے انہیں صالح لڑکا عطا فرمایا تو انہوں نے اللہ کے دیے ہوئے میں اس کے شریک بنا لیے۔ اللہ کی ذات ان کے تجویز کردہ شرک سے بلند ہے) میں نے عرض کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے نبی اور پیارے ہیں۔ وہ اللہ کے لیے کیسے شریک تجویز کر سکتے ہیں؟

حضرت نے فرمایا: یہاں تو بیٹوں اور اولاد کے لیے باپ کو عتاب ہوا ہے (یعنی کیا ان انسانوں نے جو حضرت کی اولاد ہیں اور عتاب ہے حضرت آدم کو) مثال کے طور پر ایک شخص کا باغ ہے جس میں مختلف قسم کے پھل اور میوے ہیں۔ زید کی اولاد آکر پھل توڑتی ہے اور باغ کو دیران کر دیتی ہے۔ اس پر بلخ کا مالک زید کے پاس آکر اس سے جھگڑتا ہے اور اسے عتاب کرتا ہے کہ تو نے میرا باغ دیران کر دیا اور میرا پھل کھا لیا اور تو نے ایسا ایسا کیا۔ اسی طرز پر حضرت آدم کے قصہ میں حضرت آدم کو عتاب ہوا ہے۔ میں نے یہ جواب ابتدائی زمانہ میں حضرت سے سنا تھا۔

مؤلف کہتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس جو جبرائیلؑ کے کلمات تھے ہیں۔ ان کا یہی قول ہے۔ حافظ سیوطی نے اس قول کو اپنی کتاب "الدر المنثور فی تفسیر القرآن بالمأثور" میں نقل کیا ہے اور سید جرجانی نے شرح مواقف میں اسے ہی اختیار کیا ہے۔ خدا اس سید جلیل سے راضی ہو، اسے اللہ اور اس کے انبیاء کے متعلق کس قدر علم حاصل ہے۔ اس تشریح کا استدلال یہ ہے کہ اس آیت کے خاتمہ کا سیاق صرف کفار کے متعلق درست بیٹھا سکتا ہے کیونکہ جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ میں شُرَكَاءَ جمع کا صیغہ ہے جو صرف کفار کے متعلق درست ہو سکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۔ سید جرجانی: سید شریعت علی بن محمد جرجانی متوفی ۷۱۶ھ = ۱۳۱۳ھ۔ انہوں نے مواقف فی علم الکلام مولفہ عضد الدین عبد الرحمن بن احمد کی شرح لکھی ہے۔

۲۔ اَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (سورہ بقرہ آیت ۳۰)

میں نے حضرت سے ملائکہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق دریافت کیا کہ اَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ اور عرض کیا کہ اس میں تو ایک قسم کی غیبت پائی جاتی ہے (جو گناہ کبیرہ ہے) اور ملائکہ معصوم ہیں۔ حضرت نے فرمایا اس میں کوئی غیبت نہیں پائی جاتی اور نہ ان سے سرزد ہو سکتی ہے کیونکہ وہ تو اللہ کے مکرّم بندے ہیں۔ ان کے کلام کا اصل مفہوم صرف اتنا ہے کہ اے خدا کیا تو ان انسانوں کو اس دنیا میں خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو تجھ سے حجاب میں ہے، حالانکہ تمہارے پاس وہ فرشتے موجود ہیں جو تجھ سے محبوب نہیں ہیں اور ان میں خلیفہ بننے کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے جیسی تم میں خلیفہ بنانا چاہیے، کیونکہ ہم تمہارا مشاہدہ کرتے ہیں۔ تمہاری قد پرچا پنتے ہیں۔ لہذا تمہاری حکم برداری نہیں کرتے اور محبوب تمہاری قدر نہیں جانتا اس لیے نافرمانی کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر انہوں نے بول کہا کہ خدا کیا تو ایسے انسانوں کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو تجھے نہیں پہچانتے اور ہم تجھے پہچانتے ہیں اور یہ ان کی طرف سے اپنے مبلغ علم اور عہدہ کے مطابق الطباع ربانی مٹتی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: اِنِّي اَخْلَعُ مَا لَوْ تَفْعَلُونَ۔ (میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) یعنی تمہارا یہ خیال کہ محبوب میری قدر پہچان نہیں سکتا اور یہ کہ میری قدر صرف وہی پہچان سکتا ہے جو میرا مشاہدہ کر رہا ہو۔ یہ صرف تمہارے مبلغ علم کے مطابق ہے مگر میرا علم اس سے کہیں بالا و بلند ہے کیونکہ میں محبوب کو طاقت ور بنا دوں گا اور اپنے اور اس کے درمیان سے حجاب دور کر دوں گا یہاں تک کہ اسے میری معرفت حاصل ہو جائے اور اسے میرے متعلق اس قدر علم حاصل ہو جائے جس کی تم میں قدرت نہیں ہے۔ اسی واسطے فرمایا: وَتَعْلَمَ اٰدَمُ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا (آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم دیا۔) الذیات۔

اس پر میں نے سوال کیا کہ کیا اس آیت میں تمام ملائکہ کو خطاب کیا گیا ہے یا صرف ملائکہ ارضی کو؟

حضرت نے فرمایا کہ اس آیت میں صرف ملائکہ ارضی کو خطاب ہے۔

مؤلف لکھتا ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت کا جن میں جبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس شامل ہیں یہی قول ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو تفسیر ثعلبی وغیرہ۔

اس کے بعد حضرت نے فرشتوں اور انیس اور اس قصہ کے متعلق تقریباً جاری رکھی اور ایسی ایسی باتیں بیان کیں جن کے سمجھنے سے عقول قاصر رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں نے حضرت کو یہ بھی کہتے ہوئے سنا کہ فرشتوں نے بنی آدم کے محبوب اور اس کے خود رائے ہونے کو

سہ ثعلبی: ابواسحاق محمد بن احمد بن ابراہیم ثعلبی نیشاپوری متوفی ۳۲۰ھ ۳۲۵ھ۔ ان کی تفسیر کا نام الکشف والبیان فی تفسیر

القرآن ہے۔



”خليفة“ کے لفظ سے سمجھا اسی لیے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا كَيْونکہ خليفہ کی شان یہی ہے کہ وہ خود راہی ہو اور غیر سے منقطع ہو۔ لہذا وہ تدبیر، انجام کا علم اور مصلحتوں میں غور و فکر کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے آپ کو منقطع کر لیتا ہے اسی میں اس کی ہلاکت اور موت ہوتی ہے لہذا خليفہ کے لفظ سے ہی انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ ان الذ ان اللہ سے محبوب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ اَتَّبِعُوا اَحْسَنَ مَا اُنزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (سورہ زمر آیت ۳۵)

میں نے حضرت سے آیت اَتَّبِعُوا اَحْسَنَ مَا اُنزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ کے متعلق دریافت کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس آیت سے تو یہ مفہوم نکلتا ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ اَحْسَن نہیں ہے حالانکہ قرآن مجید تمام کا تمام اَحْسَن ہے۔ میں نے حضرت سے اس بارے میں علماء نے جو جوابات دیے ہیں، وہ بھی ذکر کر دیے مثلاً (۱) یہ کہ مظلوم کے لیے اس آیت کے مطابق کہ فَاعْتَدُوا بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ [جتنا ظلم اس نے کیا ہے اتنا تم بھی کر لو] انتقام لینا جائز ہے۔ مگر اس کے لیے اَحْسَن یہی ہے کہ وہ صبر کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَكَانَ صَبْرَتُمْ لَكُمْ خَيْرًا لِّلصَّابِرِينَ [اگر تم صبر کرو تو صبر یقیناً صابروں کے لیے بہتر ہے] اس کا مطلب یہ ہوا کہ بجائے سزا دینے کے معاف کر دیا کرو۔ عقوبت (سزا) یہاں ایک نیکی ہے مگر عفو اس سے بھی بہتر ہے۔ یا (۲) اَحْسَن سے مراد ناسخ ہے اور حَسَن سے منسوخ۔ (۳) اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ بعض بندگان مطیع ہیں اور بعض عاصی۔ لہذا ہمیں مطیع کی تابعداری کرنی چاہیے۔ یہی اَحْسَن ہے۔ (۴) اَتَّبِعُوا اَحْسَنَ مَا اُنزِلَ اِلَيْكُمْ سے مراد یہ ہے کہ جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کی تابعداری کرو۔ نہ کہ ان کی جن سے منع کیا گیا ہے، عزیمت کے پیچھے جاؤ۔ رخصت کے پیچھے نہ جاؤ کیونکہ عزائم اَحْسَن ہیں اور رخصت حَسَن۔

علماء کے یہ پانچ جواب ذکر کرنے کے بعد میں نے عرض کیا ان جوابات کو آیت سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے پہلے جواب میں اس طرح کہ آیت کے آخری الفاظ اس بات کے مقتضی ہیں کہ جو شخص اَحْسَن کی تابعداری نہ کرے گا اس پر خدا کا عذاب نازل ہونے کا ڈر ہے اور وہ ساحرین و کافرین میں سے ہوگا اور معاف نہ کرنے والے پر ہم یہ حکم نہیں لگا سکتے۔

دوسرا جواب: اگر مراد یہ ہے کہ منسوخ پر عمل کرنا حَسَن ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ جس پر عمل کرنا منسوخ قرار دیا گیا، اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر تلاوت کے اعتبار سے منسوخ کو حَسَن قرار دیا جائے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس اعتبار سے ناسخ و منسوخ دونوں اَحْسَن ہیں۔

تیسرا جواب: عاصی کی تابعداری ہی جائز نہیں چہ جائے کہ اسے حَسَن قرار دیا جائے۔

چوتھا اور پانچواں جواب: یہی بات ممنوع امور کے متعلق کہی جاسکتی ہے۔ اب رہی رخصت تو اگرچہ اسے رخصت کہا جاسکتا ہے مگر اس کا مترکب ان اوصاف کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا جن کا ذکر آیت کے آخر میں آیا ہے بعینہم اس معاف نہ کرنے والے کی طرح جس کا ذکر پہلے جواب میں ہو چکا۔ کیونکہ آیت کے آخر میں مذکورہ اوصاف

اس پر چسپاں نہیں ہو سکتے۔ مختصر یہ کہ اَحْسَن کا لفظ پہلے اور پانچویں جواب میں آیت کے آخری حصہ سے مناسبت نہیں رکھتا اور نہ باقی جوابات میں حَسَن کا لفظ مناسبت رکھتا ہے۔ لہذا اس اَحْسَن میں اشکال ہوا۔

حضرت نے فرمایا: ان جوابات میں سے کسی میں بھی نہ آیت کا راز پایا جاتا ہے، نہ نور کا۔ اس آیت کا مترادف نور یہ کہ "میرے بندو! کتاب اور رسول ہونے کے اعتبار سے جو چیز تم پر اتاری گئی ہے اس میں سے اَحْسَن کی تابعداری کرو۔ لہذا جتنی کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر اتاری گئیں ان میں سے اَحْسَن قرآن ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اَحْسَن رسول۔ لہذا اَحْسَن اللہ کی طرف سے پہلی اتاری ہوئی کتابیں ہیں بشرطیکہ ان میں تبدیلی واقع نہ ہو چکی ہو۔ نیز وہ تمام رسول بھی حَسَن ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث ہوئے۔

میں نے عرض کی کہ کتب البیہ میں سے تو توراہ اور انجیل بھی ہیں اور آیت میں اَلْبِیْکُمْ (تم پر) کا لفظ اس کے منافی ہے کیوں کہ اس سے تو یہ مراد ہوگی کہ اَحْسَن کی طرح حَسَن بھی ہم پر اتاری گئی۔ حالانکہ توراہ یہود پر نازل ہوئی اور انجیل یہود اور نصاریٰ دونوں پر۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام عرب، یہود، نصاریٰ اور دیگر اقوام عالم کے لئے عام ہے لہذا قرآن اَحْسَن ہے۔ وہ ان سب لوگوں کی طرف اتارا گیا ہے اور وہ کتب البیہ جو حَسَن ہیں وہ اپنی اپنی قوم کی طرف اتاری گئیں۔ چنانچہ عربوں پر شریعت اسمعیل، یہود پر توراہ اور نصاریٰ پر انجیل۔ لہذا حَسَن من حیث المجموع ان پر اتارا گیا اور یہ بات واضح ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت نے بھی یہی قول بیان کیا ہے کہ اَحْسَن سے مراد قرآن ہے لیکن تمام بات حضرت کی تفسیر سے واضح ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ معنی آخر آیت کے سیاق سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ جو قرآن اور رسول کی تابعداری نہ کرے گا اور ان سے کفر کرے گا۔ وہ آیت کے آخر میں مذکورہ اوصاف کا مستحق ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۔ قرآن مجید کی متعدد آیات ہیں | میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ ان آیات میں سمع کو بصر پر مقدم سمع کو بصر پر مقدم کیوں لایا گیا ہے | لایا گیا ہے مثلاً جَعَلَ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (سورہ نمل آیت ۸، ۹) - اَنْشَأْنَاكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ - اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْنُونًا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۶) وغیرہ آیات۔ حالانکہ بصارت کا فائدہ زیادہ ہے اور اس کا نفع زیادہ عام ہے کیونکہ دن اور رات کا فائدہ بنی آدمی سے مخصوص ہے مگر ایسا شنوا آدمی جس کی بنیائی نہ ہو۔ اس کے نزدیک تو دن اور رات اور تاریکی اور سورج اور چاند برابر ہیں اور وہ ان درخشندہ سیارگان کا نور معلوم نہیں کر سکتا یہی بات خدا کی پیدا کردہ عجیب و غریب اشیاء کے متعلق ہے کہ وہ ان کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ ان میں سے اکثر مخلوقات کی شکل میں ہوتی ہیں اور ان کی ترکیب کی خوبصورتی اور ان کی صورتیں صرف بصارت سے ہی معلوم کی جاتی ہیں۔ چنانچہ بنی نوع انسان، حیوانات، قسم قسم کی نباتات اور پھولوں کی خوبصورتی کا ادراک صرف

بصارت سے ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آسمانوں کی تخلیق، ان کا بلند اور بغیر ستون کے ہونا اور ستاروں سے ان کو مزین کرنا وغیرہ لاتعداد فوائد ایسے امور ہیں جن کا ادراک صرف بصارت سے ہوتا ہے لہذا بظاہر تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ بصارت زیادہ قوی ہے لہذا حق یہ تھا کہ اسے سمع پر مقدم لایا جائے۔

حضرت نے فرمایا: جو کچھ تم نے بصارت کے متعلق بیان کیا ہے درست ہے۔ مگر سمع میں ایک ایسا فائدہ پایا جاتا ہے جو ان تمام کے قائم مقام ہو سکتا ہے بلکہ ان سب پر فوقیت لے گیا ہے۔ یعنی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا بھیجنے والا اللہ تعالیٰ اور تمام وہ غیبی امور جن پر ایمان لانا ضروری ہے ان سب کا ادراک صرف سمع سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی لازم آیا کہ تمام شرائع سمع پر موقوف ہیں۔ اس کی تشریح یوں ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ تمام بنی نوع انسان قوت سمع سے عاری ہیں تو جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے پیغامبر آئے گا اور کہے گا کہ مجھے اللہ نے رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے تو یہ آواز دکھائی تو دے گی نہیں اور ان کے پاس قوت سامعہ بھی نہ ہو گی جس سے رسول کے الفاظ سن سکیں، اس طرح رسول کا آنا بیکار ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اگر انہیں کہے گا کہ میری صداقت کی علامت فلاں فلاں معجزہ ہے تو وہ اسے بھی نہ سن سکیں گے۔ لہذا یہ قول بھی رائیگاں جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر رسول انہیں یہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم مجھ پر، اللہ کے تمام رسولوں پر، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان لاؤ، تو لوگ یہ بات بھی نہ سن سکیں گے اور رسول کی یہ بات بھی رائیگاں جائے گی۔ پھر جب یہ کہے گا کہ اللہ نے تم پر یہ بات واجب قرار دی ہے اور فلاں فلاں بات حرام کی ہے اور فلاں فلاں بات جائز کی ہے، تو وہ یہ بھی نہ سنیں گے اور رسول کا کہنا رائیگاں جائے گا۔ لہذا معلوم ہو گیا کہ اگر قوت سامعہ نہ ہو تو نہ رسول کی پہچان ہو سکے گی نہ بھیجنے والے کی اور نہ غیب و عیان پر ایمان لایا جاسکے اور نہ ہی کسی شریعت کی صحیح تالیف ہو سکے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ کوئی جزا و سزا بھی نہ ہو لہذا جنت اور اس کی نعمتیں اور دوزخ اور اس کے شعلے سب بیکار ہو جائیں گے، اس لئے کہ جزا و سزا ہی نہیں ہے (تو پھر جنت و دوزخ کیسی؟) لہذا بعثت رسول کیسی؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے کہ مَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (جب تک ہم رسول کو نہ بھیج لیں، کسی کو عذاب نہیں کرنے کے) اور جب سمع ہی نہیں تو بعثت کیسی؟ مختصر یہ کہ اگر بنی آدم کو قوت سامعہ نہ دی جائے تو شریعت کی تکلیف ہی اٹھ جائے اور وہ چوپالیوں کے برابر ہو جائیں۔ اسی قوت سامعہ کی بدولت ہی انہیں بلند درجہ حاصل ہوا ہے اور ان میں سے جو لوگ ملا اعلیٰ سے جا ملے اسی کی بدولت جا ملے۔ لہذا یہ بات واضح ہو گئی کہ سمع کا فائدہ زیادہ زور دار اور اس کا نفع زیادہ عام ہے کیوں کہ خداوندی اسرار اسی سے وابستہ ہیں۔ اسی لیے مذکورہ بالا آیات میں سمع کو بصیر پر مقدم لایا گیا ہے کیوں کہ ان میں ایک طرح سے احسان جتایا گیا ہے۔ اسی لیے قوت سامعہ عطا کرنے کا احسان قوت باصرہ کے احسان سے زیادہ قوی ہے۔ واللہ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے: خدا آپ کو توفیق دے گا اس جواب کی خوبی پر غور کریں۔ کیونکہ جب میں نے یہ جواب سنا تو میں اپنے اوپر تعجب کرنے لگا کہ اس جواب کے نہایت واضح ہو جانے کے باوجود کس طرح مجھ پر مخفی رہا۔ وکلاہدی



۵۔ آیات وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ۔  
 (سورہ آل عمران آیت ۱۳۵) اور وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا  
 رَحِيمًا (سورہ نساء آیت ۱۱۰) میں ظلم نفس سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ دوسری آیت میں برا کام کرنا  
 جس کا پہلے ذکر آچکا ہے اسی میں ظلم نفس بھی آجاتا ہے اور پہلی آیت میں فعل فاحشہ میں ظلم نفس شامل ہے  
 لہذا ظلم ان امور سے زیادہ عام ہے جن کا ذکر پہلے کیا گیا اور اعم کا عطف لفظ او سے نہیں آتا۔ اس پر  
 نے مفسرین کے اقوال نقل کئے اور یہ کہ بعضوں نے ضمن سوء اور فعل فاحشہ سے مراد گناہ کبیرہ لی ہے  
 اور ظلم نفس سے صغیرہ گناہ۔ لیکن میرا خیال ہے کہ عمل سوء اور فعل فاحشہ سے مطلق معصیت مراد لی  
 جائے اور ظلم نفس سے معصیت پر اصرار مراد لی جائے، کیونکہ اظہار تو یہ کوئی عمل نہیں ہے۔ اس کی  
 تشریح یہ ہے کہ مثلاً کسی نے زنا پر اصرار کیا تو اسے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ وہ زانی ہے اور اپنے نفس  
 کی خواہشات پوری کرتا ہے بلکہ یوں کہیں گے کہ وہ زنا کے کرنے کا عزم کر چکا ہے اور اسی عزم اور اصرار کی  
 وجہ سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ظہر کیونکہ اس نے اپنے نفس کو عذاب کا مستوجب قرار دیا اور پھر  
 بھی نفس کی خواہشات پوری نہ ہوئیں۔ پھر ہم نے اس آیت پر بہت بحث کی اور حضرت نے تین جواب بھی دیے  
 اور ان پر بھی بحث ہوئی۔

اس کے بعد حضرت ایک لمحہ کے لیے خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا سیدی محمد بن عبدالکریم البصری فرماتے ہیں کہ  
 اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور جاہلیت میں بھی اہل عرب ظلم کی حمایت کرتے  
 اور اسے الزام سے بری کرنے کی کوشش کرتے تھے حالانکہ انہیں علم ہوتا کہ اس شخص نے ایسا کیا ہے۔ مثلاً کسی نے  
 چوری کی اور انہیں اس کا علم بھی ہو مگر پھر بھی اس کی طرف سے وہ جھکے اور چوری سے انکار کریں تو اس صورت  
 میں اصل چور تو فعل فاحشہ اور سوء کا مرتکب ہوا اور جگہ کرنے والے نے جھپٹی گواہی اور باطل قول کی وجہ سے  
 اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اور حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ سیدی محمد عبدالکریم بابت کتنا جانتے ہیں۔ مجھے یہ تفسیر نہایت  
 پسند آئی کیونکہ یہ اس آیت کے سیاق کے عین مناسب تھی۔ وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ  
 کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی آیت میں فرماتا ہے وَلَا تَجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَلُونَ الْأَنْفُسَهُمْ (سورہ نساء آیت ۱۰۹)  
 هَآأَنْتُمْ هَآؤَلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلِ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
 (سورہ نساء آیت ۱۰۹)

حیوت حضرت سے اس آیت پر بحث ہو رہی تھی ہم فاس کے دروازوں میں سے دروازہ باب الحدید سے باہر

۱۰۔ بندہ حقیر کہتا ہے کہ حضرت دبارغ رحمہ اللہ کا جواب اصحاب معرفت کا جواب ہے ورنہ اس کا ایک اور مختصر سا جواب ہے اور وہ

یہ کہ وارد مطلق جمع کے لیے آتی ہے۔ ترتیب کے لیے نہیں اور اس سے تمام اعتراضات اٹھ جاتے ہیں۔ ۱۲۔



تھے۔ اور سیدی محمد بن عبدالکریم مذکور اس وقت بصرہ میں تھے۔ انہوں نے ہمارا کلام سنا اور ہماری مراد سمجھ گئے اور اپنی جگہ سے ہی ہمیں جواب دیا۔ خدا اپنے اولیاء کرام سے راضی ہوا۔ اتنی دور کی مسافت کے باوجود ہماری گفتگو کو من لینے کے راز کی تشریح عنقریب کی جائیگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶۔ وَالزَّمَمُ كَلِمَةُ التَّقْوَىٰ وَكَالُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا (سورہ فتح آیت ۲۶)

میں نے حضرت سے اس آیت کے متعلق پوچھا: وَكَالُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا حالانکہ اسلام لانے سے پہلے حقیقت اور اہلیت ہی منتفی ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ حقیقت اور اہلیت اس پہلے وعدہ اور قضاء سابق کے مطابق ہے جو مخلوقات کو تخلیق سے پہلے کیا گیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷۔ وَأَنْتُمْ أَهْلُكَ عَادًا الْأُولَىٰ (سورہ نجم آیت ۵۰)

میں نے حضرت سے وَأَنْتُمْ أَهْلُكَ عَادًا الْأُولَىٰ کے متعلق پوچھا کہ کیا کوئی اور دوسری عاد بھی تھی؟ میں نے یہ بھی ذکر کیا کہ مفسرین کے کلام میں اس مقام پر بڑا اضطراب پایا جاتا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہود علیہ السلام ہی کو عاد کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اور وہ ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے ہوئے ہیں۔ پھر مفسرین اس قوم کی ہلاکت کے قصہ میں لکھتے ہیں کہ ان کی جماعت کا وفد بارش کی دعا کے لیے مکہ آیا حالانکہ مکہ کو ابراہیم اور اسمعیل علیہما السلام نے بنایا تھا جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں پر یہ قصہ مشتتبہ ہو گیا یہاں تک کہ بعض نے یوں کہا کہ صرف ایک ہی قوم عاد تھی اور انہی کو ہود کے اعتبار سے پہلی "کہا گیا ہے۔ ایک اور جماعت کی رائے ہے کہ عاد دو قومیں تھیں پہلی تو وہ تھی جن کی طرف ہود علیہ السلام بھیجے گئے اور انہیں ہوا کا عذاب ہوا اور دوسری عاد کی طرف ایک اور نبی بھیجا گیا اور انہیں ہوا کا نہیں بلکہ کسی اور چیز کا عذاب ہوا۔ ان ہی میں سے کچھ لوگوں کا وفد مکہ آیا تھا اور انہوں نے اس نبی اور عذاب کی تعبیر نہیں کی۔ اس صورت میں سورہ اخفاف میں جو ذکر کیا گیا ہے اس کا اشکال پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس قصہ میں اصحاب وفد کو ہوا کا عذاب دینے کا ذکر ہے اور ان کے نبی ہود علیہ السلام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَاذْكُرْ أَهْلَ عَادٍ إِذْ أَخَاهُمْ هَادًا۔ ہمارا یہ کہنا کہ سورہ اخفاف کا قصہ اصحاب وفد کا ہی ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد نے حسن اسناد کے ساتھ حارث بن حسان بکری سے روایت کی ہے کہ میں اور علاء الحضرمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ الحدیث۔ اس حدیث میں ہے کہ میں نے کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ لیتا ہوں کہ تمہیں میں عاد کے وفد کی طرح

۱۔ حارث بن حسان بکری، حارث بن حسان بن کلاب بکری صحابی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آنحضرت نے ان سے قوم عاد کا قصہ پوچھا۔ کوذ میں رہتے تھے۔ بغوی کہتے ہیں کہ بادیہ میں رہتے تھے۔

۲۔ علاء الحضرمی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بحرین کے گورنر مقرر ہوئے تھے اور ابو بکر اور عمر نے انہیں اسی عہدہ پر برقرار رکھا تاکہ ۳۵ھ = ۶۳۵ء میں وفات پائی۔



پرسونا چڑھا ہوا تھا۔ اس زمانہ میں کوئی خیمہ بھی جس میں وہ رہتے ہوں، سفید نہ تھا اور اسی قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو بھیجا جن کا نسب نامہ مذکور ہو چکا۔

مؤلف کہتا ہے شہرازم ذات العمداء کے متعلق جو کچھ حضرت نے بیان کیا اور اس کے متعلق جن بیانات کا آپ نے رد کیا، بڑے بڑے علماء نے مثلاً حافظ ابن حجر شرح بخاری میں اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ انہوں نے مدینہ مذکورہ قصہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ عبداللہ بن لہبیہ کی سند سے مروی ہے۔ مجاہد سے بھی جو منقول ہے اس سے بھی ذات العمداء کی دوسری تفسیر کی تائید ہوتی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ عمودوں والا یعنی خیموں والا تھا۔ اس کے علاوہ اوراق بھی ذکر کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو سورہ فجر۔ حضرت نے ہود علیہ السلام کا جو نسب نامہ بیان کیا ہے وہ محض کشف ہے کیونکہ آپ تو ایک عامی امی تھے جسے تاریخ وغیرہ کا علم نہ تھا۔ اس لیے یہ سبب نہ تھا کہ آپ کے رد میں ہود کی نسبت کے متعلق مورخین کے اقوال پیش کیے جائیں کیونکہ وہ نسب نامے خبر واحد پر مبنی ہیں۔ بائیں ہمہ ہود کے نسب میں خبر واحد میں بھی اضطراب پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض نے ان کا نسب نامہ یوں بیان کیا ہے: ہود بن عبداللہ بن ربلح بن الجارود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح اور بقول بعض ہود بن شاریخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام۔ اس بناء پر وہ ابو عاد کے چچا زاد بھائی ٹھہرے۔ مورخین کا خیال ہے کہ انہیں قوم عاد میں سے اس لیے خیال کیا جاتا ہے، حالانکہ وہ ان میں سے نہیں ہیں کہ وہ لوگ دوسروں کی نسبت آپ کی باتوں کو زیادہ سمجھتے تھے اور ان کے حالات کو زیادہ پہچانتے تھے اور آپ کی تابعداری کرنے کی طرف زیادہ راغب تھے۔

حضرت نے فرمایا پہلی عاد نوح علیہ السلام کی قوم تھی۔ خدا نے ان کی طرف ایک نبی بھیجا جس کا نام ہوید (بجاء مضمومہ جو قریب بہمزہ بین بین اور واؤ ساکن جس کے بعد یاء ہے) حضرت نے فرمایا وہ ایک مستقل شریعت والے رسول ہیں، برخلاف اس ہود کے جو عاوثانیہ کی طرف بھیجے گئے اس لیے کہ وہ تو اپنے سے پہلے رسولوں کی شریعت کی تجدید کرنے والے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہر مستقل رسول کے لیے ایک کتاب کا ہونا ضروری ہے

سے عبد اللہ بن حبیب: عبد اللہ حبیب (یا حبیب) بن عتبہ بن فرعان مصری فقیہ اور قاضی تھے۔ انہوں نے اعرج، ابی الزبیر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے پوتے احمد بن عیسیٰ اور بختیہ حبیب بن عیسیٰ اور ثوری وغیرہ نے کی۔ بہتر تالیفوں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ یحییٰ بن سعید انہیں بہت حقیر سمجھتے تھے۔ ابن ہدی کہتے ہیں کہ میں ان سے کچھ بھی حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ پھر کہتے ہیں کہ میں سوائے ابن مبارک کی سماع کے اس کی کسی بات پر اعتماد نہیں کرتا۔ ابن حنین کہتے ہیں کہ ابن لبیدہ ضعیف ہے۔ اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ ابو جعفر طبری تہذیب الآثار میں کہتے ہیں کہ آخر عمر میں ان کی غفلت میں فتور آیا تھا اور بعض لوگوں نے انہیں لفظ بھی قرار دیا ہے۔ مفصل بحث کے لیے دیکھیں تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۷۳ تا ۲۷۹۔ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں کہتے ہیں: یروى عن حدیثنا فی المتابعات ولا یحتاج بہا راس کی حدیث تائید کے طور پر لائی جاسکتی ہے مگر علیحدہ طور پر اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

مجاہد، مجاہد بن جبر، تابعی ہیں۔ بڑے پایہ کے متقی اور عالم تھے۔ ۱۲۰ھ = ۷۳۷ء میں تراسی برس کی عمر میں وفات پائی۔



اور فرمایا کہ حضرت ہو یہ مذکور کی بھی کتاب ہے جو مجھے حفظ ہے جیسے مجھے تمام رسولوں کی کتابیں حفظ ہیں۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ ان کو گن سکتے ہیں فرمایا: یاد ہوں اور پھر گن نہ سکوں؛ سنو! پھر آپ نے ایک ایک کتاب کر کے گنا شروع کیا اور فرمایا کہ کوئی دلی اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ایمان ان تمام کتابوں پر تفصیلاً نہ ہو۔ کیونکہ اس کے لیے اجمالی ایمان کافی نہیں۔ میں نے عرض کیا: کیا یہ حکم ان تمام اولیاء پر وارد ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا کی ہو؟ حضرت نے فرمایا نہیں۔ اس حکم کا اطلاق صرف ایک پر ہوتا ہے اور وہ غوث ہے۔ حضرت دباغ غوث اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ حضرت غوث ہیں اور آپ کے علوم سے بھی ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ وقت تھے اگر میں ان تمام باتوں کو تخریب میں لاؤں جو میں نے حضرت سے سنی تو کئی ایک کتابیں بھر جائیں آپ نے کئی بار فرمایا کہ میں جب تم لوگوں سے باتیں کرتا ہوں تو تمہاری عقنوں کی طاقت کے مطابق کرتا ہوں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ پہلی قوم عاد نے ہو یہ عنیہ السلام کے امتیوں کو پتھروں اور آگ سے ہلاک کر دیا۔ قصہ یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان سے پتھر برسایا اور وہ بھاگنے لگے پھر اللہ نے آگ نکالی جس نے انہیں جلا دیا۔

لوح علیہ السلام سے پہلے میں نے حضرت کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت لوح علیہ السلام سے پہلے سات سو سات سورسوں آئے رسول گذرے ہیں جن کے واقعات عجیب و غریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر قرآن مجید میں اس لیے نہیں کیا کہ وحی کے زمانہ میں یہ رسول غیر معروف ہو چکے تھے۔

میں نے عرض کیا کہ شفاعت والی حدیث میں حضرت لوح علیہ السلام کو اول الرسل کہا گیا ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ سات سو رسول ان سے پہلے گذرے ہیں۔

حضرت نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے رسول ہیں جو ان قوم کی طرف بھیجے گئے اور جو رسول ان سے پہلے ہوئے ہیں۔ انہیں ایسی قوم کی طرف بھیجا جاتا جن کا عقیدہ صحیح ہوتا۔

میں نے عرض کی جب قوم ہو یہ کا عقیدہ صحیح تھا اور وہ مؤمن تھے تو پھر ان پر پتھروں اور آگ کا عذاب کیوں حضرت نے فرمایا کہ ان قوموں کے ساتھ جو لوح علیہ السلام سے پہلے گذریں اللہ تعالیٰ کا دستور یہ تھا کہ اگر بیشتر قواعد پر عمل ترک کر دیتے تو انہیں ہلاک کر دیا جاتا خواہ وہ صحیح عقیدہ پر ہی کیوں نہ ہوں۔

۸۔ وَ دَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ إِذْ يَخْتَلِمَانِ فِي الْحَرَّةِ إِذْ لَمْ تَكُنْ فِيهَا نَفْسٌ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَهَّمْنَا هَا سُلَيْمَانَ وَ كَلَّا أَلَيْسَ لِحُكْمِهِمْ عِلْمًا (سورہ انبیاء آیت ۷۸)

میں نے حضرت سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا وَ دَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ إِذْ يَخْتَلِمَانِ فِي الْحَرَّةِ إِذْ لَمْ تَكُنْ فِيهَا نَفْسٌ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَهَّمْنَا هَا سُلَيْمَانَ وَ كَلَّا أَلَيْسَ لِحُكْمِهِمْ عِلْمًا اور عرض کیا کہ اس آیت سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر ایک مسئلہ میں اجتہاد کرتے ہوئے دو مجتہدوں کی رائے باہم متضاد ہوتی (مضہب ایک ہی ہوگا اور دوسرا غلطی پر مگر اسے معذور سمجھا جائے گا۔ بلکہ اسے اس کے اجتہاد کا اجر



گا۔ کیونکہ اس نے اجتہاد میں اپنی پوری کوشش اور طاقت خرچ کی ہے کیونکہ اس قصہ میں داؤد علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ بکریوں کو کھیت کے مالک کو اس کھیت کے عوض دی جائیں جو انہوں نے خراب کیا تھا اور سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ بکریاں کھیت کے مالک کو دی جائیں کہ ان سے نفع اٹھائے اور کھیت بکریوں والے کو تاکہ وہ اس کھیت کی خدمت کرے یہاں تک کہ وہ اپنی اصلی حالت پر آجائے اور جب کھیت اصلی حالت پر آجائے تو کھیت کھیت والے کو دے دے اور وہ اس کی بکریاں واپس کر دے۔ وجہ استدلال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو درست قرار دیا ہے کیونکہ فرمایا فَصَلَّمْنَا هَاسَلِيمَانَ (ہم نے بات سلیمان کو سمجھا دی)۔ علماء نے اسی قسم کا استدلال ایک قصہ سے بھی کیا جو ان دونوں کے درمیان واقع ہوا یہ قصہ دو عورتوں کا ہے جن میں سے بڑی کے بیٹے کو بھیڑ یا چھپٹ کر لے گیا تو اس نے چھوٹی کا بچہ لے لیا اور دعویٰ یہ کیا کہ وہ اسی کا بچہ ہے۔ وہ دونوں فیصلہ کے لیے داؤد علیہ السلام کے پاس آئیں تو آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ کیوں کہ قبضہ اسی کا تھا مگر سلیمان علیہ السلام نے یوں فیصلہ دیا کہ بچہ کو اور ماں کے دونوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ جب چھوٹی نے بچے کو در حصوں میں تقسیم کرنے کے متعلق عرضا تو اس نے بڑی کا حق تسلیم کر لیا اور کہا کہ بچہ اسی کا ہے اور بڑی تقسیم کا ہی مطالبہ کرتی رہی اس پر حضرت سلیمان نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ دے دیا اور بڑی کو کہا اگر حق تمہارا ہوتا تو اس کی تقسیم کا مطالبہ نہ کرتی۔

اسی طرح ایک تیسرے قصہ سے بھی استدلال کیا ہے جو ان دونوں کے درمیان واقع ہوا۔ قصہ یہ ہے کہ لوگوں نے ایک عورت پر یہ الزام لگایا کہ اس نے کتے سے مجامعت کر لی یعنی زنا کی مرتکب ہوئی اور گواہوں نے اس پر گواہی بھی دی تو داؤد علیہ السلام نے اسے سنسار کرنے کا حکم دیا۔ اسی قسم کا مقدمہ حضرت سلیمان کے پیش ہوا جب وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو آپ نے حکم دیا کہ گواہوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھا جائے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور ان کے بیانات میں اختلاف پایا گیا اور حضرت سلیمان نے دعویٰ خارج کر دیا۔ اس پر داؤد علیہ السلام نے گواہوں کو الگ الگ رکھنے کی طرف رجوع کیا۔

اور چوتھے قصہ سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ ایک عورت کی فرج میں پانی پایا گیا اور الزام یہ لگایا گیا کہ یہ

قصہ یوں ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے کے کھیت میں گئیں اور کچھ کھایا اور کچھ برباد کر دیا۔ کھیت والا بکریاں پکڑ کر سیدنا داؤد کی عدالت میں لایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے وقت کے نبی تھے اور بادشاہ بھی تھے۔ آپ نے دونوں فریقوں کا بیان لیا اور فیصلہ دیا کہ جس قدر کھیت والے ہاں آئیں وہ اس کی قیمت کے برابر بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ اس فیصلہ کے بعد دونوں فریق حضرت سلیمان کے سامنے آئے۔ گدڑے تو آپ نے بلایا اور فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں تاکہ وہ ان کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھائے اور قیمت بکریاں والے لے لے کر لے گیا جائے کہ اس کی خدمت کو سے یہاں تک کہ ادھر کھیت والے کا اتصال بکریوں کے منافع سے پورا ہو جائے اور ادھر کھیت اپنی پہلی حالت پر آجائے تو بکریاں بکریوں والے کو واپس دے دی جائیں اور کھیت والے کو اس کا کھیت

حوالہ کر دیا جائے۔ ۱۲

آدمی کی منی ہے اور وہ زنا کی مرتکب ہوئی ہے چنانچہ داؤد علیہ السلام نے اُسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ مگر سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس پانی کو لے کر پکایا جائے۔ اگر منجمد ہو جائے تو یہ اتدہ کا پانی ہے ورنہ منی ہے۔ چنانچہ پانی لے کر پکایا گیا اور وہ انٹے کا پانی نکلا اور معلوم ہو گیا کہ عورت پر اتہام لگایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو ابن حجر کتاب الاحکام۔

حضرت نے فرمایا تمہارا مطلب یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے غلطی کھائی اور سلیمان علیہ السلام نے صحیح فیصلہ دیا۔ کیا فقہاء انبیاء کے متعلق اس قسم کا عقیدہ رکھ سکتے ہیں؟ اور وہ تمام مخلوقات میں سے برگزیدہ ہوتے ہیں اور اللہ کے نزدیک ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔ پس اگر یہ جائز سمجھ لیا جائے کہ ان سے خطا ہو سکتی ہے تو پھر ہمیں ان پر کونسا اعتماد باقی رہ جائے گا کیونکہ اس طرح تو وہ ہماری طرح کے ہو جاتے ہیں۔ معاذ اللہ حضرت داؤد کا فیصلہ قطعاً غلط نہ تھا۔

پہلے قصہ کی توجیہ یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے بالکل صحیح فیصلہ دیا کہ کھیت کی قیمت کا جرمانہ بھر دیا جائے اور بکریاں توالے کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ ان کے پاس اس زمانہ نقدی تو ہوتی نہ تھی اور اگر تھی بھی تو بہت کم۔ ان کا لین دین بکریوں اور اونٹنیوں سے ہوتا تھا۔ یہ بکریاں پانی نہ پانی تھیں۔ اسی لیے آپ نے بکریاں دینے کا حکم دیا۔ نقدی حکم نہیں دیا۔ مگر سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ صحیح ہے۔ ہذا آپ کا یہی خیال تھا کہ بکریوں کا منافع یعنی ان کا دودھ اور بھی اور کھیت کی قیمت کی قیمت کے لئے دوسرا بچاؤ ہے تاکہ کھیت یعنی انکو ٹھیک حالت پر آجائے۔ یہ صرف طرفین کی رضا مندی سے ہی ہو سکتا تھا۔ ہذا جو شخص جو اس حقیقت کا فیصلہ دے اسے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے غلطی کھائی اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ صحیح فیصلہ دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

باقی قصوں میں فیصلہ کی توجیہ یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے تینوں قصوں میں ظاہر تو تہ نظر رکھتے ہوئے فیصلہ دیا اور اسی پر فیصلہ دیا ضروری ہے۔ کیونکہ حاکم کے لیے بیجا بائز نہیں کہ وہ ظاہر کے خلاف فیصلہ دے اور سلیمان علیہ السلام نے جیلہ کر کے باطن کو ظاہر بنا دیا۔ انب ظاہر پر حکم دیا۔ لہذا پہلے فیصلہ کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ غلط تھا اور دوسرا فیصلہ صحیح بلکہ ہر دو صحیح ہیں اگرچہ باطن کے ظاہر ہو جانے پر فیصلہ کا منسوخ کرنا ضروری تھا لہذا اس کے منسوخ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فیصلہ دیتے وقت وہ فیصلہ غلط تھا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ چند عادل لوگوں نے قاضی کے سامنے کسی مقدمہ میں جھوٹی گواہی دی اور قاضی نے ان لوگوں کی گواہی پر فیصلہ دے دیا۔ قاضی پر یہی واجب ہے اور اس طرح فیصلہ دینا درست ہوگا پھر اس کے بعد گواہوں نے توبہ کی اور حق کی طرف آئے اور اپنے جھوٹ کا اعتراف کیا۔ اس وقت قاضی کے لیے ضروری ہے کہ ان

جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور خصوصیات باطنی جاتی تھیں اور ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ کبھی کبھی باطن کے اعتبار سے بھی فیصلہ دے دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام الباطن فی حکم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الباطن والظاہر ہے۔ (کشف

الظنون : ۱ : ۲۵۰)

کے رجوع کے مطابق فیصلہ دے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا پہلا فیصلہ غلط تھا۔

**حکایت** | حضرت نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ فاس کا ایک شخص جس سے مراد ان کی اپنی ذات تھی۔ وہ اپنے لہی بھائی کو ملنے بصرہ گیا۔ ان کی مراد حضرت محمد بن عبدالکریم سے تھی۔ جن کا ذکر اوپر ہو چکا۔ حضرت محمد بن عبدالکریم قاضی تھے۔ وہ شخص (یعنی حضرت دباغ) ان کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر وہ شخص مقدمہ لے کر آئے۔ ایک نے کہا کہ اس شخص نے مجھ سے ایک نہایت قیمتی یا قوت لے لیا ہے اور یہ اس کے پاس موجود ہے۔ مدعا علیہ نے کہا یہ میری جامہ تلاشی لے سکتا ہے، اس پر مزید یہ کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے پاس نہیں ہے۔ قاضی نے چاہا کہ یہی فیصلہ دے۔ مگر قاضی کے ہمنشین نے کہا کہ ابھی فیصلہ نہ دیں۔ پھر وہ ہمنشین مدعی و مدعا علیہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا یہ قاضی صاحب میرے لہ بھائی ہیں۔ انہوں نے میرے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم بھی کھانے پر چلو۔ کھانا کھانے کے بعد قاضی صاحب تمہارے معاملہ میں غور کریں گے۔ حضرت نے فرمایا: پھر ہم قاضی کے ساتھ گئے۔ جب کھانا لایا گیا تو ہمنشین اور قاضی دونوں مدعا علیہ کی طرف کن اکھیوں سے دیکھنے لگے۔ دفعۃً اس نے ناک سنکی اور سنک کو ایک رومال سے جو اس کے پاس تھا، پونچھا۔ ہمنشین نے فوراً رومال اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ دیکھا تو یا قوت سنک کے ساتھ ناک سے نکلا تھا اور ہم نے یا قوت مدعی کو دے دیا۔

حضرت نے فرمایا: باطن کو ظاہر بنا دینے کا ایک یہ حیلہ ہے۔ اگر قاضی پہلے ہی جامہ تلاشی اور تم کھانے کا فیصلہ دے دیتا تو یہ فیصلہ درست ہوتا۔ حالانکہ ان کو کشف کے ذریعہ سے معلوم تھا کہ یا قوت مدعا علیہ کے پاس موجود ہے، کیونکہ اللہ نے انہیں اس کا مکلف نہیں بنایا اور ہمنشین نے حیلہ کر کے باطن کو ظاہر کر دیا۔

میں نے عرض کیا: کیا قاضی کو بذریعہ کشف معلوم تھا کہ یا قوت مدعی علیہ کے پاس ہے؟

حضرت نے جواب دیا: ہاں اسے اور اس کے ہمنشین دونوں کو معلوم تھا اور فرمایا یہی حال ان فیصلوں کا ہے جو ان تینوں قصوں میں ان دو بڑے نبیوں نے دئے۔ چنانچہ پہلے قصہ میں داؤد علیہ السلام نے قبضہ کی وجہ سے بڑی کے حق میں فیصلہ دیا اور قبضہ اسی کا متقاضی تھا اور دوسرے قصہ میں داؤد علیہ السلام نے سنگسار کرنے کا حکم گواہوں کی وجہ سے دیا اور تیسرے میں چوں کہ علامت پائی گئی تھی اس لیے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور سلیمان علیہ السلام نے تینوں قصوں میں حیلہ کر کے باطن کو ظاہر بنا دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے کہ خدا حضرت سے راضی ہو۔ ان کے پاس کس قدر علم تھا۔ چنانچہ ابن حجر نے ابن منیر کا قول نقل کیا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے کھیت ولے مقدمہ میں صحیح فیصلہ دیا تھا اور سلیمان علیہ السلام نے صلح کی راہ دکھائی چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ **كَلَّا اَتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا** ہم نے ہر دو کو فصل خصوصاً اور علم عطا کیا، یا تو عام ہے (کہ ہر معاملہ اور مقدمہ میں ان کا یہی حال تھا) یا خاص ہے کھیت کے معاملہ کے متعلق۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی فصل خصوصاً اور علم کی تعریف کی ہے۔ لہذا یہ اس قبیل سے نہیں ہو سکتا

لہ ابن منیر: شرف الدین عبدالواحد متوفی ۷۳۲ھ = ۱۳۲۲ء ان کی تفسیر دس جلدوں میں ہے۔

اگر مجتہد غلطی بھی کرے تو معذور ہوگا کیونکہ غلطی نہ حکم ہو سکتی ہے نہ علم۔

ابن حجر کے اس بیان کا مفہوم وہی ہے جو حضرت نے فرمایا۔

جو بیان حضرت نے باقی تینوں قصوں میں دیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور نہ ہی اس سے گریز ہو سکتا ہے۔ امام شافعی اور ابو عبد اللہ الغلبی اور دیگر اکابر نے ایک اور قصہ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹۔ یَوْمَ يَكْشِفُ عَنْ سَاقٍ (سورہ قلم آیت ۲۲)

میں نے حضرت سے آیت یَوْمَ يَكْشِفُ عَنْ سَاقٍ میں ساق کے معنی دریافت کیے۔

فرمایا سریانی زبان میں "ساق" کے معنی واقیبت (جد) بمقابلہ "بزل" (مخول) کے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ عربی میں بھی تو یہی معنی ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے اِنْكَشَفَ الْحَرْبُ عَنْ سَاقِ اِی

عَنْ سَاقٍ۔

فرمایا: یہ تو پھر دونوں زبانوں میں موافقت ہو گئی۔

۱۰۔ مَشِيخًا يَمْشِيهَا پھر میں نے دریافت کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مشیخا خاء معجم سے ہے یا مہملہ

سے؟

حضرت نے فرمایا یہ لفظ خاء معجم سے مشیخا ہے اور یہ سریانی لفظ ہے جس کے معنی بڑے آدمی کے ہیں۔

۱۱۔ انجیل کے معنی: میں نے انجیل کے معنی دریافت کیے۔

فرمایا: یہ سریانی لفظ ہے جس کے معنی نور البین کے ہیں۔

۱۲۔ تَوْرًا تَكْتَسِي: میں نے پوچھا توراہ کیا لفظ ہے؟

فرمایا: یہ عبرانی لفظ ہے جس کے معنی "تشریحت اور کلام حق" کے ہیں۔

۱۳۔ مَشْفُوحٌ: میں نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام مشفوح ہے کیا یہ فاء سے ہے یا قاف سے کیوں کہ

علماء میں اس میں بڑا اختلاف ہے۔

فرمایا یہ لفظ فاء کے ساتھ ہے جس کے معنی "حم" کے ہیں اور یہ سریانی لفظ ہے۔

۱۴۔ اَلْمَنْحَمِنَا: میں نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مَنْحَمِنَا کا کیا تلفظ ہے۔ کیونکہ اس لفظ کو

۱۔ ابو عبد اللہ البلیغی، ابو عبد اللہ محمد بن الفضل البلیغی، دراصل بلخ کے رہنے والے تھے۔ پھر سمرقند میں جا کر آباد ہو گئے۔

اور وہیں ۳۱۹ھ = ۹۳۱ء میں وفات پائی۔

۲۔ مبرز سند اپنی کتاب کامل میں بھی اس آیت کی تشریح کی ہے اھ ساق کے معنی شدہ (سختی، تکلیف، مصیبت) دیے

ہیں۔ چنانچہ شاعر کتابے: كَشَفْتَ لِمَهْمٍ عَنْ سَاقِهَا فَاَنَا ابْنُ قَيْسٍ لَا بَرَّاحٍ

یعنی اس کے احوال و خطرات واضح ہو گئے۔ اس طرح آیت کے معنی یوں ہوں گے جس دن احوال و ہولناکیاں (یعنی روز قیامت

کی) عیاں کر دی جائیں گی۔



ضبط کرنے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ اس کی پہلی میم پر پیش اور دوسری کے نیچے زیر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلی میم پر زبر اور دوسری کے نیچے زیر ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ دونوں میموں پر زبر ہے اور یہ دیکھے ہیں۔ ایک کلمہ نہیں چنانچہ من میم کی زبر اور نون ساکن سے ایک کلمہ ہے اور ثمناً جاء اور میم پر زبر اور نون مشدد دوسرا کلمہ ہے۔ پہلے کلمہ کے معنی ہیں وہ نعمت جس کا ظاہری نفع بھی ہو اور باطنی بھی۔ ظاہری نفع وہ ہے جو ذات کو عالم اشباح میں حاصل ہو۔ اور باطنی نفع وہ ہے جو ارواح کو عالم ارواح میں حاصل ہو۔ لہذا یہ ایسی نعمت ہوئی جس سے تمام مخلوقات اور تمام جہاں سیراب ہو چکے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی شان ہے اور دوسرے کلمہ کے معنی جو پہلے کلمہ کی صفت (نعمت) کے طور پر آیا ہے کہ پہلی نعمت انتہائی درجہ تک پہنچ چکی اور انتہائی درجہ تک بلند ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی خداوندی نعمت ہیں جو انتہا کو پہنچ چکی ہے اور آپ کے درجہ تک نہ پہلے کوئی پہنچ سکا اور نہ بعد میں پہنچ سکے گا اور یہ ایک سریانی لفظ ہے۔

۱۵۔ ایک قصہ اور احسن حبیثا و اطمنی طمیثا کی تشریح:

تلمسان کا ایک صالح شخص ہمارے پاس آیا اور بتایا کہ ایک شخص جو حج کر کے آیا تھا کہہ رہا تھا کہ اس نے حضرت ابراہیمؑ دسوتی کی قبر کی زیارت کی اور کیا دیکھتا ہے کہ شیخ ابراہیمؑ دسوتی اس کے پاس آکھڑے ہوئے اور یہ دعا سکھائی۔

بِسْمِ الْاِلٰهِ الْخَالِقِ الْاَكْبَرِ، وَهُوَ حَزْرٌ مَّا لِعَ لِمَا آخَافُ مِنْهُ وَاَحَدًا رَ - لَا قُدْرَةَ  
لِلْمَخْلُوْقِ مَعَ قُدْرَةِ الْخَالِقِ يُلْجِمُهُ بِالْحَامِ قُدْرَتِہَا اَحْسَنُ حَبِيْثًا وَاَطْمَنِي طَمِيْثًا وَكَانَ اللّٰهُ  
عَزِيْزًا - حَمْدًا عَسَقَ حَمَانِيْنَا كَهْلِيْعَصْ كِفَايَةً نَّافَسِيْكَ فَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ  
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اور کما یہ دعا پڑھا کرو اور کسی چیز سے نہ ڈرو۔

تلمسانی دوست جن کا نام حاجی عبدالرحمن بن ابراہیم ہے اور ابن ابراہیم کی اس اولاد میں سے ہیں جو تلمسان میں آباد ہو چکے ہیں کہنے لگے کہ بھائی حاجی محمد بن ابراہیم کو چونکہ احسن حبیثا و اطمنی طمیثا کے معنی نہ آتے تھے اس لیے انہوں نے یہ دعا نہ پڑھی اور کہا مجھے ان کلمات کے معنی معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے ایسے معنی ہوں جو مجھے پسند نہ ہوں اور مجھ سے ان کے معنی پوچھے۔ میں نے حضرت سے ان کے معنی پوچھے حضرت نے فوراً کہا آج کل دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں جو ان کلمات کو بولتا ہو۔ تجھے یہ لفظ کہاں سے ہے؟ میں نے تمام

علہ ابراہیم دسوتی: جلیل القدر صوفیہ میں سے ہوئے ہیں۔ مکمل نام ابراہیم بن ابی المجد بن قریش ہے۔ ان کا نسب نامہ امام محمد الجواد سے جانتا ہے۔ پہلے مشافعی فقہ پڑھی۔ پھر سونیا کا طریقہ اختیار کر لیا۔ تینتالیس سال کی عمر میں ۱۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

نقصہ سنا دیا۔ فرمایا: ہاں حضرت ابراہیم و سوتی اکابر صالحین اور صاحبِ فتح تھے۔ وہ اور ان جیسے اور لوگ ایسے کلمات بول سکتے ہیں۔ پھر فرمایا یہ سریانی زبان کے دو کلمے ہیں۔ آحلی کے معنی ہیں یا مالک (اے مالک) اور اس کے اسرار میں ہے۔ اے مالک بادشاہ عظیم و با عظمت الحی القیوم اور حَبِیْثًا کے لفظ سے اس کی سلطنت کی طرف اشارہ ہے گویا اس کا مطلب یوں ہوا کہ "اے مالک اسرار، اے مالک الوار، اے مالک لیل و نہار، اے موسدہ دھار برسنے والے بادلوں کے مالک، اے شمس و قمر کے مالک، اے عطاء اور منع کے مالک، اے بلندی و پستی کے مالک، اے ہرزندہ کے مالک، اے ہر شے کے مالک" اس نام میں ایک عجیب راز ہے جس کا اظہار قلم اور تحریر سے نہیں ہو سکتا۔

اطمی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت، کبریائی، قہر، غلبہ، عزت اور ان تمام امور میں بکتائی مراد ہے گویا کہنے والیوں کہہ رہا ہے "اے ہر چیز کے جاننے والے، اے ہر چیز پر قادر اے ہر بات کا ارادہ کرنے والے، اے ہر چیز کی تدبیر کرنے والے، اے ہر چیز پر غالب، اے وہ ذات جس پر عجز طاری نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کے تصرف میں نقص کا وہم ہو سکتا ہے۔"

اور حَبِیْثًا سے اشارہ ہے ان اشیاء کی طرف جن میں اللہ تعالیٰ تصرف کرتا ہے اور ان ممکنات کی طرف جن میں جیسا چاہتا ہے عمل کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ سُبْحَانَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس نام میں بھی عجیب راز ہے جس کی تشریح قلم سے نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم۔

سریانی ارواح کی زبان ہے | میں نے حضرت سے سنا کہ سریانی زبان ارواح کی زبان ہے وہ اولیاء جو صاحبِ دیوان ہوتے ہیں آپس میں اسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ زبان مختصر ہے اور معانی کثیرہ کی حامل ہے اور کسی زبان میں یہ معانی اتنے الفاظ میں آوا نہیں کیے جا سکتے۔

میں نے پوچھا: کیا عربی زبان معانی کی ادائیگی میں سریانی کے مرتبہ کو پہنچ سکتی ہے؟

فرمایا: نہیں، بجز قرآن مجید کے کیونکہ جب عربی زبان میں سریانی زبان کے معانی جمع ہو جائیں اور انہیں عربی الفاظ میں یاد کیا جائے تو یہ سریانی سے زیادہ شیریں اور زیادہ عمدہ معلوم ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

سریانی کے سوا تمام زبانوں حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ تمام زبانوں میں بہ نسبت سریانی کے اطناب پایا جاتا ہے میں اطناب پایا جاتا ہے | کیونکہ سریانی کے سوا تمام زبانوں میں کلام کی ترکیب کلمات سے ہوتی ہے نہ حروفِ معنی سے مگر سریانی میں حروفِ معنی سے کلام مرکب ہوتا ہے۔ لہذا سریانی کا ہر حرفِ معنی پر دلالت کرتا ہے اور جب اسے دوسرے حرف کے ساتھ ملایا جائے تو ان سے کلام کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، جسے یہ معلوم ہو جائے کہ سریانی کا ہر حرف کس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے اس کے لیے سریانی کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور جیسا چاہے سریانی میں بات کر سکتا ہے۔ اور اس طریقے سے وہ اسرارِ حروف کی معرفت حاصل کر سکتا ہے اور اس میں بہت بڑا علم پایا جاتا ہے جسے اللہ نے لوگوں کی عقول سے ان پر رحمت کی غرض سے مجبور رکھا ہے۔ تاکہ اس ظلمت کے ہوتے ہوئے

جو ان کی ذوات میں ہے حکمت پر مطلع ہو کر ہلاک نہ ہو جائیں۔ نَسْأَلُ اللّٰهَ السَّلَامَةَ، واللّٰهُ اَعْلَمُ۔

سُریانی زبان تمام زبانوں میں نے حضرت کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ سُریانی تمام زبانوں میں اس طرح ساری ہے جس میں ساری ہے

طرح لکڑی میں پانی، کیونکہ ہر زبان کے کلمات کے حروفِ ہجا کی تشریح سُریانی زبان میں کی گئی ہے۔ اور انہیں ان خاص معانی کے لیے وضع کیا ہے جن کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ مثلاً لفظ احمد عربی زبان میں جب علم ہو اس ذات پر دلالت کرتا ہے جو اس نام سے موسوم ہے مگر سُریانی میں ابتدائی ہمزہ خاص معنی پر دلالت کرتا ہے۔ حملہ ساکن اور معنی پریم مفتوحہ اور معنی پر اور دال پر اگر پیش ہو تو خاص معنی پر اور اگر مفتوح ہو تو کسی اور معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح محمد کا لفظ عربی زبان میں اس ذات پر دلالت کرتا ہے جو اس نام سے موسوم ہے، مگر سُریانی میں میم

ایک معنی بتاتی ہے اور حاء مفتوحہ اور معنی، میم مشدّد اور معنی اور آخری دال اور معنی۔ اسی طرح لفظ زید، عمرو، رجل امرأۃ وغیرہ الفاظ جن کا انحصار صرف عربی زبان پر ہی نہیں۔ سُریانی میں ان سب کے حروفِ ہجائی کے خاص معنی ہیں یہی حال ہر زبان کا ہے چنانچہ البتد قلیط عبرانی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے اور سُریانی میں ابتدائی ہمزہ کا ایک معنی ہے، لام ساکن کا ایک معنی، با کا ایک معنی، علی ہذا القیاس آخر تک۔ اسی لیے سُریانی تمام زبانوں کی جہالت اور

باقی زبانیں اسی سے متفرع ہیں اور ان کے متفرع ہونے کا سبب وہ جہالت ہے جو بنی آدم میں چھپ گئی تھی۔ اسی کی بنا پر ہے کہ سُریانی زبان کی وضع اور اس میں گفتگو کرنے کی بنیاد وہ صاف معرفت ہے جس میں جہالت کا شائبہ نہ ہو۔ ان کلام سے پہلے ہی کلام کنندگان کو معانی معلوم ہو جائیں لہذا سامع کے ذہن میں ان معانی کو ڈالنے کے لیے معمولی سا اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ ان میں اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ معنی کو قریب کرنے اور اختصار کی غرض سے حروفِ ہجائی سے معانی کی طرف اشارہ کیا جائے کیونکہ ان کا مقصد معانی سے بحث کرنا ہوتا ہے۔ نہ وہ حروفِ جو ان پر دلالت کرتے ہیں، یہاں تک کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ ان معانی کو ان حروف کے بغیر ہی ذہن میں حاضر کر لیا جائے تو وہ ان حروف کو کبھی وضع نہ کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے اہل کشف کے سوا یا ارواح کے سوا، کیونکہ وہ جاننے اور سمجھنے والی ہیں یا فرشتوں کے سوا، جن کی فطرت و خلقت ہی معرفت پر ہے، کوئی بھی اس زبان میں گفتگو نہیں کر سکتا۔ اگر تو انہیں گفتگو کرتا ہوا دیکھ لے تو تو دیکھے گا کہ وہ ایک یا دو حروف یا ایک یا دو کلموں کے ساتھ ان معانی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جن کی طرف دوسرے ایک یا دو حروف میں اشارہ کر سکیں گے۔

یہ معلوم کر لینے کے بعد آپ سمجھ جائیں گے کہ جب بنی آدم میں جہالت پھیل گئی تو اس کی وجہ سے ان حروف کو ان معانی سے جمن کے لیے یہ ابتداء وضع کئے گئے تھے، منتقل کر دیا گیا اور ان کو مہمل بنا دیا گیا۔ لہذا معانی کے ادا کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہوئی کہ ان کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے تاکہ ایک مجموعہ حاصل ہو جسے کلمہ کہا جاتا ہے، تاکہ ان معانی میں سے جو پہلی وضع والوں کے ہاں مردج تھے ایک معنی پر دلالت کیے لہذا حروف کے معانی اور ان کے اسرار کو جاننے کی وجہ سے بہت بڑا علم ضائع ہو گیا، باوجود اس کے جب آپ کسی زبان کا کوئی لفظ لیں گے اور نقل سے پہلے کے معانی سے اس کی تشریح کرنا چاہیں گے تو اس میں کوئی حرف ضرور ایسا ملے گا جو اپنی سابق وضع

(یعنی سریانیت) میں اس پورے مفہوم کو ادا کرے گا، جس پر پورا کلمہ اس دوسری وضع میں دلالت کر رہا ہے کیونکہ یہ معانی منتقل عنہ (یعنی سریانی معانی) سے مشتق ہیں۔ اور دیکھے گا کہ اس کلمہ کے باقی حروف دیگر معانی پر دلالت کرتے ہیں جنہیں سریانی لوگ تو سمجھ جاتے ہیں اور دوسرے لوگ ان سے ناواقف ہیں۔ مثلاً حالط کا لفظ عربی زبان میں گھریا کسی اور گھیرنے والی دیوار کے لیے وضع کیا گیا، مگر سریانی زبان میں ابتدائی حاء ہی یہ تمام معنی ادا کر دیتی ہے اور لفظ ماء عربی زبان میں پانی کو کہتے ہیں مگر اس کی آخری ہمزہ یہ معنی ادا کرتی ہے اور لفظ سماء آسمان کو کہتے ہیں مگر اس کے شروع کی سین ہی یہ معنی ادا کر دیتی ہے۔ غرض اکثر اسماء پر غور کریں تو سب اسی طرز پر نہیں گئے کہ ایک حرف معنی کو ادا کرتا ہے اور باقی حروف بے کار و بے فائدہ ہیں۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

حضرت آدم کی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اتر کر زمین پر آئے تو وہ اپنی بیوی اور بچوں کے زبان سریانی تھی اس لئے سریانی زبان میں باتیں کیا کرتے تھے کیونکہ وہ ابھی جنت سے آئے تھے لہذا انہیں معانی کی صاف معرفت حاصل تھی لہذا سریانی زبان اپنی اصلی حالت پر بغیر تیسرے و تبدل کے ان کی اولاد میں قائم رہی، حتیٰ کہ حضرت ادریس علیہ السلام گذر گئے تو اس میں تغیر و تبدل شروع ہوا اور لوگ اس کو اپنی اصل سے منتقل کرنے اور اس سے اپنی اپنی بولیاں نکالنے لگے چنانچہ سب سے پہلی زبان جو اس میں سے نکلی وہ ہندوستان کی زبان (سنسکرت) ہے اسی لیے یہ زبان سریانی زبان سے قریب ترین ہے اور فرمایا کہ حضرت آدم جنت سے اترنے کے بعد سریانی زبان میں اس لیے باتیں کرتے تھے کہ یہ اہل جنت کی زبان ہے اور وہ جنت میں ہی زبان بول کر رہتے تھے اور جنت میں ہی زبان سے کر دیا میں آئے۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ مسخرین سے لے کر انبیاء و رسل و اولیاء کی تفسیر میں لکھا ہے کہ انسان سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد سات سو زبانوں میں کلام کرنا ہے جن میں افضل ترین قرآنی زبان ہے۔ حضرت نے فرمایا: یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سات سو زبانیں سکھائیں چنانچہ وہ یہ تمام زبانیں جانتے تھے بلکہ آپ سے کم درجہ والے یعنی اولیاء اہل بیت محمدیہ کبھی یہ زبانیں جانتے ہیں لیکن وہ وہی زبان بولتے ہیں جس پر ان کی تربیت ہوئی اور آدم علیہ السلام کی تربیت اہل جنت کی زبان سریانی پر ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے کہ یہ نہایت ہی عمدہ کلام ہے اور اس پر حضرت ابن عمرؓ کی اس مرفوع حدیث سے اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ عربوں سے نہیں باتوں کی وجہ سے محبت رکھو۔ میں عربی ہوں، قرآن عربی میں ہے اور اہل جنت بھی عربی میں گفتگو کریں گے۔ کیونکہ عقیدہ کہتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور ابن الجوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ میں حضرت سے بھی اس حدیث کے متعلق پوچھا فرمایا: یہ حدیث نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی۔

نیز حضرت نے فرمایا اگر ننھے بچوں کی گفتگو پر غور کریں تو ہم ان کی گفتگو میں بہت سی سریانیت پائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ بچپن میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ پتھر پر لکیری طرح ہو جاتی ہے۔ چونکہ آدم علیہ السلام اپنے بچوں سے باتیں کیا کرتے تھے اسی زبان میں مختلف قسم کی کھاتے پینے کی چیزوں کے نام لیا کرتے لہذا اسی پر ان کا نشوونما ہوا اور اپنی اولاد کو بھی یہی زبان سکھائی اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا، مگر جب اس میں تبدیلی واقع ہوئی اور بھول گئی تو بڑوں کے پاس اس کا کچھ بھی نہ رہا البتہ کچھ



کے پاس کچھ باقی رہ گئی اس میں ایک اور راز بھی ہے وہ یہ کہ بچہ جب تک ماں کا دودھ پیتا رہتا ہے اس کی روح کا تعلق ملاً اعلیٰ سے رہتا ہے۔ اس زمانہ میں جو خوابیں بچہ کو نظر آتی ہیں اگر بڑے کو نظر آویں تو خوف کے مارے مر جائے کیونکہ بچہ میں غلبہ روح کا ہوتا ہے اور بڑے ہو کر تبم کا غلبہ ہوتا ہے اور پہلے ذکر ہو چکا کہ ارواح کی زبان سریانی ہے لہذا جس طرح بچہ عالم خواب میں جو کچھ مشاہدہ کرتا ہے بحکم غلبہ روح کرتا ہے۔ اسی طرح کبھی وہ سریانی الفاظ بول جاتا ہے تو اس وقت بھی غلبہ روح کا ہی ہوتا ہے۔

حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام اُغ ہے جسے دودھ پیتا بچہ بولتا ہے اور یہ نام بلندی رفعت، لطیف اور شفقت پر دلالت کرتا ہے گویا کہ وہ یوں کہہ رہا ہے **يَا اَعْلٰى يَا رَفِيعٌ يَا حَذَلانَ يَا لَطِيفُ**۔ اسی طرح تم نے دیکھا ہو گا کہ بچہ کا دودھ چھڑانے کے بعد جب باقلاء یا چنے کا دانہ اسے دیا جاتا ہے تو اس کا نام بُور رکھتے ہیں کہ سریانی زبان میں کھانے کی میٹھی چیز کے لیے مقرر ہے اسی لیے ماں کے پستانوں کو بھی جن سے وہ دودھ پیتا ہے یہی نام دیا جاتا ہے اسی طرح جب بچہ کو پاخانہ پھرنے کی حاجت ہوتی ہے تو ماں کو **عُ** کہہ کر اطلاع دیتا ہے اور سریانی میں یہ لفظ ذات کی پلیدی کو نکالنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اسی طرح بچہ کے پاس جب کوئی اس سے چھوٹا بچہ ایسا ہے تو اس کا نام رکھتے ہیں **مُو مُو**، جو سریانی زبان میں ایک چھوٹی اور پیاری چیز کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اسی لیے آگے کی پتی کو عربی میں **مُو مُو** کہتے ہیں مگر لفظ عین کا اضافہ کر کے **مُو مُو العین** استعمال کرتے ہیں یعنی آنکھ میں چھوٹی اور پیاری چیز۔ بچوں کے کلام میں باقی سریانی الفاظ تلاش کرنے لگیں تو قصہ طول پکڑ جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ اس وقت کہ **ذی الحجۃ ۱۱۲۹ھ** کا دن ہے۔ اہل مغرب میں سے کوئی بھی سریانی میں بات کرنے والا نظر نہیں آتا۔

میں نے دریافت کیا کیا سیدی منصور جن کی وفات ہو چکی تھی سریانی میں گفتگو کرتے تھے یا نہیں۔ فرمایا ہاں اس زبان میں باتیں کرتے تھے مگر سیدی عبداللہ برناوی ان سے کہیں اچھی بول لیتے تھے۔

میں نے پوچھا اسے کیوں سیکھا جاتا ہے؟

اہل دیوان کی فرمایا: اس لیے کہ اہل دیوان سے بکثرت میل جول رہتا ہے اور وہ اس زبان کے کثرت معانی کی وجہ زبان سریانی ہے سے کسی اور زبان میں گفتگو نہیں کرتے۔ عربی میں گفتگو صرف اس وقت ہوتی ہے جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کے ادب و توقیر کی وجہ سے، کیونکہ دنیا میں اپنی حیاتی میں آپ کی ہی زبان تھی۔

اس کے بعد میں نے حضرت سے پوچھا کیا سیدی عمر المصواری اور سیدی محمد اللہواج یہ زبان جانتے تھے یا نہیں؟

فرمایا: نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا سوال قبر سریانی زبان میں میں نے عرض کیا: کیا سوال قبر سریانی زبان میں ہو گا یا کسی اور زبان میں، اس لیے ہو گا یا کسی اور زبان میں کہ حافظ السیوطی اپنے منظومہ میں فرماتے ہیں:

وَعِنَّ عَرَبِيٍّ مَّا تَرَى الْعَيْنَانِ  
أَنَّ سُؤَالَ الْقَبْرِ بِالسَّرْيَانِيَّةِ

عجیب بات ہے کہ سوال قبر سریانی زبان میں ہوگا، اس کا شارح کہتا ہے کہ ناظم نے اپنی کتاب شرح الصدور باحوال الموتی والقبور میں شیخ الاسلام علم الدین البلقینی کے فتاویٰ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ میت سوالات کا جواب سریانی زبان میں دے گی۔ ناظم کہتا ہے مگر مجھے اس کی سند کہیں نہیں ملی۔ علامہ ابن حجر سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ظاہر حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں سوال و جواب عربی زبان میں ہوگا مگر اس کے باوجود ہو سکتا ہے کہ ہر شخص سے خطاب اس کی اپنی زبان میں ہو۔ اور یہ بات معقول بھی ہے۔

حضرت نے جواب دیا: سوال قبر سریانی زبان میں ہوگا کیونکہ یہ زبان فرشتوں اور ارواح کی زبان ہے اور سوال کرنے والے فرشتے بھی انہی میں سے ہیں اور سوالات کا جواب صرف روح دے گی جو تمام ارواح کی طرح سریانی زبان میں گفتگو کرتی ہے، کیونکہ جب روح سے جسم کا پردہ (بذریعہ موت) زائل ہو جاتا ہے تو اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آتی ہے۔ پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی ولی کو فتح کبیر (یعنی مرتبہ غوثیت) عطا کرتا ہے تو وہ کسی سے سیکھنے کے بغیر ہی اس زبان میں گفتگو کر سکتا ہے کیونکہ اس پر روح کا حکم غالب ہوتا ہے، پھر مردہ کا تو کیا پوچھنا، لہذا اس کو سریانی میں بات کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔

سوال و جواب کے الفاظ میں نے عرض کیا حضرت ہماری درخواست ہے کہ قبر کے سوال و جواب کی کیفیت بیان فرما کر ہمیں ممنون فرمائیں۔

مراز ہو حضرت نے جواب دیا: منکر و نکیر سریانی زبان میں میت کو مرزا ہو کہیں گے۔ اس کا تلفظ یوں فرمایا: ادا میم مغتوحہ اور اس پر ہلکا سا تشدید پھر ساء مفتوحہ اور پھر الف پھر ناء ساکن اور آخر میں ہ مضمومہ کے ساتھ واو حقیقہ سکون لیے ہوئے اور دل چاہے پر و خف کر لو اور اس کے بعد ذرا کھینچو کہ ہلکی سی واو پیدا ہو جائے۔ ان حروف کے معانی سریانی زبان میں ان کے حقیقی معنوں سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

۳۔ پہلا حرف جو زبر والی میم ہے تمام کائنات اور ساری مخلوقات پر دلالت کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔  
۴۔ دوسرا حرف سا ان تمام خوبیوں کے لیے وضع کیا گیا ہے جو اس کائنات میں موجود ہیں۔  
۵۔ کائنات کی برائیوں کے لیے وضع کی گئی ہے۔

۶۔ جس کے بعد کثرت ہے اس ذات مقدس پر دلالت کرنے کے لیے وضع ہوئی ہے جس نے تمامی عوالم کو پیدا کیا۔ سبحانہ لا الہ الا هو۔

پس حرف اول سے اشارہ ہوا ہے تمامی کائنات کی طرف اور حرف دوم سے اشارہ ہوا ان خوبیوں کی طرف جو کائنات میں موجود ہیں اور ان میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تمام انبیاء، فرشتے، آسمانی کتابیں، جنت، لوح، قلم اور وہ تمام الزار جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور جو کچھ عرش کے اندر اور اس کے نیچے ہیں، سب داخل ہو جائیں گے اور سب حرف نوا سے اشارہ ہوا تمام برائیوں کی طرف کہ اس میں جہنم اور ہر ذات خبیثہ مثلاً شیطان اور ہر چیز جس میں گندگی اور شر ہو سب داخل ہو جائیں گی اور حرف چہارم ہوا اللہ تبارک و تعالیٰ تک پہنچانے والی ہے۔  
۱۔ شیخ الاسلام علم الدین بلقینی، علم الدین صالح بن السراج البلقینی شافعی متوفی ۳۸۵ھ - ۳۵۹ھ ان کی ایک تفسیر ہسان کے بھائی جلال عبدالرحمن بلقینی متوفی ۳۲۳ھ - ۳۲۱ھ نے بھی ایک تفسیر لکھی ہے۔ فتاویٰ جس کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے۔

حضرت نے فرمایا: سریانی زبان کا طریقہ ہے کہ بعض معانی کے لیے صرف ارادہ پر اکتفا کی جاتی ہے اور ان کے لیے کوئی الفاظ وضع نہیں کیے جاتے۔ مثلاً قسم، استفہام و تمثی وغیرہ۔ چنانچہ یہاں استفہام مراد ہے حالانکہ اس پر دلالت کرنا لاکوئی حرف نہیں کیونکہ سوال کا قرینہ موجود ہے گویا یوں پوچھا گیا ہے کہ تمام کائنات، انبیاء، ملائکہ، کتب سماویہ، جنت، تمام خوبیوں اور شیاطین اور تمام برائیوں کا خالق اللہ سبحانہ ہیں یا کوئی اور؟

مراد از پرہو حضرت نے فرمایا اب رہا جواب، سو اگر میت مومن ہوگی تو وہ جواب میں ملداز پرہو کہے گی اور اسے یوں ضبط کیا: میم مفتوح بتشدید ضعیف پھر راء مفتوح پھر الف ساکن، پھر وال ساکن، وال کے بعد ہمزہ مفتوح پھر زاء مکسور پھر یاء ساکن اور یا کے بعد ناء ساکن اور پھر ہ مضموم جس کے ساتھ ہلکے سے سکون والی واؤ ہے۔ ان حروف کے معانی یہ ہیں کہ پہلے حرف کا اشارہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا تمام کائنات اور مخلوقات کی طرف ہے۔ دوسرے حرف کا اشارہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان تمام الوار کی طرف ہے جو آپ سے نکلے مثلاً الوار ملائکہ، انوار انبیاء مرسلین، انوار لوح و قلم اور نور برزخ اور ہر وہ چیز جس میں نور پایا جائے۔ ہم نے جواب میں اس حرف کی یہ تفسیر اس لیے بیان کی ہے حالانکہ سوال میں مذکورہ بالا تشریح دی تھی کہ جواب دینے والا امت محمدیہ میں سے ہے لہذا وہ چاہتا ہے کہ وہ سلک محمدی میں داخل ہو اور آپ کے جھنڈے کے سایہ میں آجائے۔ اسی لیے جواب میں ان حروف سے وہی معنی مراد لیے ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا۔ تاہم سوال میں اس کی تفسیر تمام خیر امت کی گئی ہے، یہ اس کے بھی مخالف نہیں ہے اس لیے کہ ہر خیر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے متفرع ہوئی ہے۔ اور حرف سوم یعنی وال سے اشارہ ہے ان تمام چیزوں کے برحق ہونے کی جانب جو پہلے حرف میں داخل تھیں، گویا کہ میت جواب میں یہ کہہ رہی ہے کہ ہاں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں۔ تمام انبیاء برحق ہیں، تمام فرشتے برحق ہیں ان میں سے کسی میں بھی شک نہیں اور تمام وہ چیزیں بھی برحق ہیں جو حرف سابق میں داخل ہیں۔ پھر حرف چہارم یعنی ہمزہ مفتوحہ اپنے مابعد کے مدلول کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ سریانی زبان میں مفتوحہ حروف اشارہ میں سے ہے جیسے ہذا اور ہذہ عربی زبان میں اور پانچواں حرف ناء جیسا کہ ذکر ہو چکا شر اور برائی پر دلالت کرتا ہے چنانچہ ظلمت حقیقی اور ہر وہ ظلمت جو اس سے متفرع ہوئی ہو اس کی تحت میں آجاتی ہے لہذا اس سے دوسرے حرف کی ضد مراد ہوئی اس لیے اس میں جہنم اور ہر وہ فشی جس میں ظلمت و شر ہو داخل ہو جاتی ہے۔ اور راء ساکن سے اشارہ ہے ہر اس چیز کے حق ہونے کا جو حرف سابق یعنی نما میں داخل ہے جس کوئی کے ساتھ اشباع دیا گیا ہے اور جس میں ضمہ کے کھینچنے سے واؤ پیدا ہو گئی ہے اشارہ ہے ذات علیہ کی طرف بائیں لحاظ کہ وہ خالق ہے۔ مالک ہے متصرف ہے، قاہر ہے مختار ہے پس حاصل جواب یہ ہوا کہ تمام کائنات کا اور ہمارے نبی برحق کا اور تمام انبیاء کا جو کہ برحق ہیں اور تمام فرشتوں کا جو کہ برحق ہیں اور عذاب جہنم کا جو کہ برحق ہے اور ہر قسم کی شر کا جو کہ برحق ہے، سب کا پیدا کرنے والا، سب کا مالک سب کا تصرف کرنے والا اور مختار کل وہی اللہ سبحانہ ہے۔ جو ایک ہے جس کا نہ کوئی مخالف اور نہ شریک ہے، اور نہ کوئی اس کے حکم کو ٹانے والا ہے۔

پھر فرمایا: جب مردہ یہ صحیح جواب دیتا ہے تو فرشتے اسے کہتے ہیں نکھر بنون مفتوح جس کے بعد الف ہے اور الف کے بعد ص کسورہ ہے اور ص کے بعد اء ساکن ہے۔ اس کے معنی بھی سر بانی تمدن کی وضع سے معلوم ہو جائیں گے چنانچہ پہلا حرف نا بنون مفتوح اور اس کے بعد الف، اس نور پر دلالت کرتا ہے جو ذات میں ساکن اور اس میں چمک رہا ہے۔ دوسرا حرف ص کسورہ ہے مٹی پر دلالت کرتا ہے اور ساء ساکنہ دلالت کر رہی ہے ماقبل کے حق ہونے کی طرف اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہاں تیرا نور ایمان جو تیری ذات ترا بی میں جس کی اصل مٹی ہے، ساکن ہے اور وہ حق اور صحیح ہے، واقعہ کے مطابق ہے، جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ لہذا یہ مفہوم حدیث نبوی کے ان الفاظ کے قریب ہے **لَمْ صَلِّحْنَا قَدْ عَلِمْنَا أَنْ كُنْتُمْ لَمُوقِنًا أَجْحَابِ آرَامٍ** سے سو جا، ہمیں معلوم تھا کہ تم صاحب یقین و ایمان ہو۔

کلامت قرانیہ کے امیں نے حضرت سے ان کلمات قرانیہ کے متعلق پوچھا جن کے متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ وہ متعلق سوال اسرذنی زبان سکتے ہیں یا کسی اور زبان کے۔

۱۔ **اَسْفَارًا** ان میں ایک لفظ **اَسْفَارًا** ہے۔ واسطی نے الارشاد میں لکھا ہے کہ یہ لفظ سر بانی سے جس کے معنی کتب (کتابوں) کے ہیں اور ابن ابی حاتم نے ضماک سے نقل کیا ہے کہ یہ قطعی لفظ ہے بمعنی کتب۔ یہ **الاتقان فی علوم القرآن** کا بیان ہے۔

حضرت نے فرمایا یہ سر بانی لفظ ہے بمعنی کتب اور واسطی کا قول درست ہے اور تمام کلمہ کے معنی ہیں۔ یہ وہ تو بیاں میں جو طاقت بشری سے باہر ہیں کیونکہ ہمزہ کا اشارہ مابعد کی طرف اور سین ساکن وضع ہوا ہے محاسن اشیا کے لیے اور فاء مفتوحہ اس چیز کا نام ہے جو طاقت بشری سے خارج ہو اور مفتوح کا دوسرا اشارہ ہے محاسن کی طرف۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ کتابیں جن میں ایسی خوبیاں ہیں جو بشری طاقت سے باہر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۔ دوسری حدیث میں ہے **لَمْ كُنْتُمْ مَسْرُوسٍ**

۳۔ واسطی: **الواحد محمد بن مسیر بن یزید الغسانی الواسطی متوفی ۲۵۱ھ = ۸۶۵ھ** ان کی کتاب کا پورا نام ارشاد البندی و تذکرۃ المنقی ہے۔ اس میں دس قراءتوں پر بحث کی گئی ہے۔

۴۔ ابن ابی حاتم: شیخ الاسلام ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم **۲۲۰ھ = ۸۳۵ھ** میں پیدا ہوئے۔ یہ بہت بڑے زاہد تھے اور ان کا شمار ابدال میں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی دوست نے انہیں قسط کے زمانہ میں اصغمان سے کوئی جانور بھیجا جسے انہوں نے میں ہڑ لکیر دیا۔ اس دوست نے کہا: بھیجا کہ اس سے ایک مکان خریدیں مگر انہوں نے تمام روپہ فقراء میں تقسیم کر دیا اور دوست کو لکھ بھیجا کہ میں نے تمہارے لیے جنت میں محل خرید لیا ہے اور دوست نے کہا کہ اگر آپ صامن ہیں تو میں راضی ہوں۔ انہوں نے ضمانت دے دی۔ اس کے بعد انہیں خواب میں کہا گیا: ہم نے تمہاری ضمانت قبول کر لی ہے مگر آئندہ سے ایسا نہ کرنا۔ ان کی وفات **۲۲۴ھ = ۸۳۹ھ** میں ہوئی۔

۵۔ ضماک: ضماک بن مخلد بن ضماک شیبانی بصری۔ ثقہ ہیں۔ انہوں نے کثرت سے روایت حدیث کی۔ ان کی وفات **۲۱۴ھ** میں ہوئی۔



الرَّيَانِيُّونَ | دوسرا لفظ رَيَانِيُّونَ ہے جو البقی کہتے ہیں: ابو عبیدہ کا قول ہے کہ اہل عرب کو رَيَانِيُّونَ کے لفظ کا علم نہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ لفظ یا لوعبرانی ہے یا سریانی لیکن ابوالقاسم نے یعنی طور پر اسے سریانی قرار دیا ہے۔ اس کا ذکر سیوطی نے القان میں کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا: یہ لفظ سریانی ہے جس کے معنی وہ لوگ ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے بغیر تعلم کے فتح عطا کی ہو اور یہ مرکب ہے تین کلموں سے رَتْبًا - رَتْبًا - رَتْبًا - پھر آپ نے اس کی یوں تشریح کی کہ سماء مفتوحہ اشارہ ہے خیر کثیر کی طرف جس پر باء مشدودہ دلالت کر رہی ہے گویا یوں کہا جا رہا ہے کہ یہ خیر کثیر ہے اور دوسرے کلمہ کی تشریح یہ ہے کہ لوزن مکسودہ اشارہ ہے قرب کی طرف اور تیسرے کلمہ کی شرح یہ ہے کہ یہ مضمومہ اشارہ ہے اس چیز کی طرف جو ایک حالت پر بقرار نہ ہے جیسے بجلی اور نور اور لوزن مفتوحہ اشارہ ہے اس خیر کی طرف جو ذات میں جاگزیں اور اس میں مشتعل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ خیر و خوبی جو میرے قریب ہے اور اہل فتح کی ذات میں پائی جاتی ہے الوار الہیہ میں سے ایک نور ہے اور امر الہیہ میں سے ایک برتر ہے اور وہ ان کی ذات میں جاگزیں اور مشتعل ہے۔

۳۔ هَيْتَ لَكَ | اسی طرح لفظ هَيْتَ لَكَ (سورہ یوسف آیت ۲۳) ابن حاتم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ هَيْتَ لَكَ کے معنی قبطنی زبان میں آؤ اور حسن نے اسے سریانی کہا ہے۔ ابن جریر کی بھی یہی روایت ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ حورانی لفظ ہے۔ یہی روایت ابو الشیخ کی ہے۔ ابو زید الانصاری کہتے ہیں کہ یہ عبرانی لفظ ہے اور اصل میں هَيْتَ لَكَ ہے یعنی آؤ۔ یہ بیان القان کا ہے۔

حضرت نے فرمایا: یہ سریانی لفظ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۔ شَهِسْ | اسی طرح شَهِسْ کا لفظ ہے جو البقی کہتے ہیں کہ ایک اہل لعنت نے ذکر کیا ہے کہ یہ لفظ سریانی ہے۔ حضرت نے فرمایا: یہ سریانی نہیں۔ سریانی زبان میں شہر کے معنی پانی کے ہیں۔

علم الجویقی: ابو منصور مہربوب بن ابی البراء احمد بن محمد بن الخضر الجویقی البغدادی الادیب اللغوی۔ بغداد کی قابل فخر ہستیوں میں سے تھے۔ انہوں نے ادب الوزکریا ترمیزی سے پڑھا اور بہت سی تصانیف لکیں ۳۶۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۷۹ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے حریری کے درة الغواض کا تمہ لکھا جس کا نام التکلمہ فیما یلحق فیہ العاصم رکھا۔ (کشف: ۱: ۳۷۱)

علم ابو عبیدہ: معمر بن مثنیٰ ابو عبیدہ نخوی ولعنت دان تھا۔ اس کی وفات تقریباً ۲۱۰ھ ۲۲۵ھ میں ہوئی۔

علم ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبدالقادر کی بیٹا پور میں درس دیا اور ابوالاسمعی مروزی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور عامہ شیوخ بغداد نے ان سے علم حاصل کیا۔ انہوں نے ۳۷۵ھ ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔

علم حسن سے حسن بصری مرلو ہے۔

علم عکرمہ: ابن عباس کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

علم ابوالشیخ: حافظ السہبانی ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں ۲۴۳ھ ۲۵۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۶۹ھ ۲۹۹ھ میں وفات پائی۔

علم ابو زید الانصاری: صحابی ہیں۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہی قرآن حفظ کر لیا تھا۔ ان کے نام میں اختلاف ہے بعض سعید بن عمیر کہتے ہیں اور بعض قیس بن اسکون۔

مؤلف کہتا ہے جو اس کلمہ کے حروف کی تفسیر جانتا ہے اسے اس میں شک نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔  
 ۵۔ عَدْنُ ایک اور لفظ عَدْن ہے۔ ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ ابن عباس نے کعب سے جَنَاتُ عَدْنِ کے  
 معنی پوچھے تو کعب نے کہا کہ سریانی میں اس کے معنی انگوروں کے باغات کے ہیں۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اسے  
 رومی بتایا ہے۔ یہ بیان القان کا ہے۔

حضرت نے فرمایا یہ سریانی لفظ ہے اور اس لفظ کی ایک بند تشریح بیان کی۔

۶۔ سَهُوًّا ایک اور لفظ رَهُوًّا ہے۔ واسطی کہتے ہیں وَاتْرُكِ الْبَعْرَ رَهُوًّا کے معنی سریانی زبان میں "ساکن" کے ہیں  
 ابو القاسم نے قبضی زبان بتایا ہے اور اس کے معنی سہل بتائے ہیں۔

حضرت نے فرمایا: یہ سریانی لفظ ہے اور اس کے معنی ایسی قوت کے ہیں جس کی کوئی شخص طاقت نہ رکھ سکتا ہو چنانچہ  
 اگر ہم کہیں کہ فلاں شخص رہو ہے یعنی اتنا قوی ہے کہ کوئی اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا یا یوں کہیں کہ شخص رہو قوم میں  
 سے ہے یعنی ایسی قوم میں سے ہے کہ کوئی قوم ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتی۔

مؤلف کہتا ہے کہ اب آیت کے معنی ظاہر ہیں اور جو شخص اس کلمہ کے حروف کی تفسیر کو پہچان لے اسے شیخ کے  
 بیان میں شک و شبہ نہ رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

غرض اس قسم کے بہت سے الفاظ ہیں جنہوں نے حضرت سے دریافت کیے جن کا آپ نے جواب دیا، لیکن میں نے قارئین کے  
 لال کے خوف سے ان کا ذکر نہیں کیا۔

ان سریانی کلمات کی تشریح سننے کے بعد میں سمجھ گیا کہ حضرت نے مذکورہ الفاظ مثلاً "مشفح و مشیخا و الانجیل  
 و المخبنا و احمیٰ حینثا و غیرہ الفاظ کا ہی جواب دے رہے ہیں۔ اس پر میں نے حضرت سے درخواست کی  
 کہ ہر کلمہ کی تشریح ان کے حروف کی اصل وضع کے اعتبار سے بیان کریں تو حضرت نے یہ سب کچھ ایک ایک حرف کر کے  
 بیان کر دیا۔ لیکن بجز طوالت میں نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت سے میں نے سنا کہ غوث کے سوا سریانی زبان کو کوئی شخص نہیں جانتا یا وہ اقطاب سبعہ جانتے ہیں جو  
 اس کے ماتحت ہوتے ہیں۔ سیدی احمد بن عبداللہ نے یہ زبان مجھے تقریباً ایک ماہ میں سکھائی تھی۔ یہ ۱۲۵ھ کی  
 بات ہے۔

مؤلف کہتا ہے میں نے یہ کلام حضرت سے ۴ ذی الحجہ ۱۲۹ھ کو سنا۔ سیدی احمد بن عبداللہ سے حضرت کی مراد  
 وہ احمد ہیں جو آپ سے پہلے جیسا کہ ذکر ہو چکا غوث تھے اور وہ جیسا کہ ہم بیان کریں گے ان دس اولیاء میں سے  
 تھے جن کی دراشت حضرت شیخ کو ملی اور ۱۲۹ھ میں ذی القعدہ کے آخر میں جیسا کہ میں نے ان سے سنا ایک اور بڑے  
 ولی کی دراشت بھی ان کو جن کا نام سیدی ابراہیم بنتا ہے۔ دو مفتوحہ لاموں کے درمیان میم ساکن ہے جن کے آخر

علہ کعب: ابو اسحق کعب بن نافع الجیری جو کعب الاسبار کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی وفات حمص میں ایک سو چار برس کی عمر میں ۳۳ھ  
 ۳۳ھ میں عماد عثمان میں ہوئی۔

تھا ہے حضرت نے اس کا تلفظ اسی طرح بتایا تھا۔ جس زمانہ میں سید احمد بن عبد اللہ حضرت کو سریانی زبان کی تعلیم دے رہے تھے۔ یہ حضرت کی فتح کا ابتدائی زمانہ تھا۔ انہوں نے حضرت کو سریانی زبان اس لیے سکھائی کہ ان کو علم تھا کہ حضرت قطب بننے والے ہیں چنانچہ تھوڑی مدت بعد ہی آپ قطب بن گئے۔

اس بات کی دلیل کہ اس زبان کو ان خاص اولیاء کے سوا جن کی طرف حضرت نے اشارہ کیا کوئی نہیں جانتا۔ بڑے بڑے اولیاء سے منقول وہ نصوص ہیں جو فواتح السور کی تشریح میں انہوں نے بیان کیے۔

پھر حضرت نے سریانی زبان میں حروف تہجی کی اصل وضع و معانی ۸ رذی الحجہ ۱۱۲۹ھ میں مجھے سکھائے۔ بحمد اللہ میں ایک دن میں سب سمجھ گیا تو فرمایا میں نے تو ایک ماہ میں سیکھی تھی اور تم ایک ہی دن میں سیکھ گئے۔ میں نے آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور عرض کی کہ یہ حضرت ہی کی برکت اور پڑھانے و سمجھانے کا سلیقہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱۲۹ھ میں رمضان شریف کے آخر میں ایک دن میں حضرت سے اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (سورہ تکویر پارہ ۲۰ آیت ۱) ذکر کر رہا تھا کہ میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ قرآن مجید کے ہر کلمہ کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی۔ کیا یہ درست ہے؟

حضرت نے فرمایا یہ سچ ہے چنانچہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ کے بھی ظاہری اور باطنی معنی ہیں چنانچہ اس کا ظاہر آخر کی تصدیق کرتا ہے اور اس کا باطن اول کی۔

میں نے عرض کیا کہ آخر سے آپ کی مراد کیا ہے؟

فرمایا: آخر سے مراد وہ امور ہیں جو قیامت کے دن محشر میں واقع ہوں گے اور اول سے مراد وہ امور ہیں جو عالم ارواح میں واقع ہوئے۔

اس کے بعد آپ نے عالم ارواح کی بعض اشیاء کا ذکر کیا کہ نہایت تعجب انگیز تھا اور آپ نے محیر العقول باتیں بیان کیں۔ یہ امور اسرارِ خداوندی میں سے ہیں جن کا ذکر کرنا منع ہے۔

پھر میں نے آپ سے اس آیت کے متعلق پوچھا جس کا ظاہر عالم ارواح میں ہے مَثَلًا وَاِذَا آخَذْنَا نَفْسًا مِنْ بَنِي اٰدَمِ مِنْ ظُهُورِهِمْ فَذُرِّيَّتَهُمْ (سورہ اعراف آیت ۱۷۲) اور عرض کیا اس کا باطن کہاں ہے؟

حضرت نے فرمایا اس کا باطن وہ امور ہیں جو علم ازلی اور پہلی تقدیر میں گذر چکے۔

نیز آیت اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرَكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (سورہ نساء آیت ۱۴) کے متعلق پوچھا کہ اس کے باطنی معنی کیا ہیں؟

فرمایا وہ ظلمت جو عالم ارواح میں تھی۔ اسی ظلمت سے جہنم پیدا ہوئی۔ خدا ہمیں اس سے پناہ دے۔ چنانچہ اس ظلمت کے اندر ارواح منافقین کا اسی طرح کا مقام ہے جس طرح کا مقام ان کے اجسام کے لیے جہنم میں ہے۔ خدا ہمیں اس سے سلامت رکھے۔

میں نے عرض کیا کہ اس باطن کے جاننے کا کوئی سبب بھی ہے؟

فرمایا: یہ کشف کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا مگر جو سریانی زبان سمجھ جائے اور حروف کے اسرار کا اُسے علم ہو جائے تو اس سے باطن قرآن کے جاننے میں بہت سی برکتیں آئیں گی اور اسے عالم ارواح، دنیا، دارِ آخرت، آسمانوں اور زمینوں اور عرش کی باتوں کا علم ہو جائے گا اور اسے علم ہو جائے گا کہ قرآن عزیز میں جن معانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ان کی کوئی انتہاء نہیں اور اسے اس آیت کے معنی معلوم ہو جائیں گے مَا فَسَّرْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ - (سورہ العام آیت ۳۸) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا قرآن مجید لوح محفوظ | پھر میں نے دریافت کیا کہ کیا قرآن مجید لوح محفوظ میں عربی زبان میں لکھا گیا ہے؟  
میں عربی میں لکھا ہوا ہے | حضرت نے فرمایا: ہاں اور کچھ حصہ سریانی میں بھی لکھا ہوا ہے۔  
میں نے عرض کیا کہ سریانی میں لکھا ہوا کونسا حصہ ہے؟

فرمایا: سورتوں کے ابتدا میں جو حروف مقطعات ہیں۔  
میں نے کہا برسوں سے جس چیز کی مجھے تلاش تھی، وہ آج ہاتھ آئی۔ میری حضرت سے ملاقات رجب ۱۲۵ھ میں ہوئی اور میں آپ سے گفتگو کرتا رہا اور ولایت سے متعلق امور کے متعلق پوچھتا رہا۔ میں نے حضرت سے وہ باتیں سنیں کہ میں جان رہ گیا۔ جب حضرت نے دیکھا کہ مجھے آپ کے جواب پسند آتے ہیں، تو فرمایا: تمہارا جو دل چاہے پوچھو۔ اس پر میں نے سورتوں کی ابتدا میں حروف مقطعات کے متعلق دریافت کیا کہ ص۔ وَالْقُرْآنِ ذِی الذِّکْرِ (سورہ ص، پارہ ۲۳ آیت ۱) کے کیا معنی ہیں؟

حضرت نے فرمایا: اگر لوگوں کو ص کے معنی اور اس کی حقیقت کا علم ہو جائے تو کسی کو بھی اللہ کے حکم کی مخالفت پر کبھی جرأت نہ ہو۔ مگر آپ نے اس کی تشریح نہیں کی۔  
کھلیعص | پھر میں نے کھلیعص کے معنی دریافت کیے۔

فرمایا: اس میں عجیب راز ہے اور جو کچھ بھی اس سورہ مریم میں مذکور ہے مثلاً حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت مریم، حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت اسمعیل، حضرت اسمعیل، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت اوریں، حضرت آدم و نوح علیہم وعلیٰ نبیہم السلام کے قصے اور ہر وہ قصہ جس کا ذکر اس کے بعد سورہ میں آیا ہے، وہ سب کھلیعص کے معنی میں داخل ہے اور اس سے زیادہ حصہ اس کے معنی کا بھی باقی رہ گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ رموز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں اور ہر رمز کے ساتھ اس کی شرح بھی لکھی جاتی ہے لہذا ان رموز کو بڑی شکلوں میں لکھا جاتا ہے اور ان کی تشریح کبھی اوپر کبھی نیچے اور کبھی درمیان میں لکھی جاتی ہے۔ اس کی تشبیہ تو یہ ہو سکتی ہے جس طرح کہ منصف مزاج آدمیوں کو جب کوئی لفظ دستاویز میں سے چھوٹ گیا ہو اور پھر یاد آ جائے تو وہ اس حرف کو حرفوں کے اوپر ہمارے شکل میں درج کر لیتے ہیں چنانچہ سورہ کے ابتدائی حروف اسی شکل کی طرح ہیں اور جو کچھ باقی سورہ میں دیا ہے وہ اس کی تفسیر ہے۔ لوح محفوظ کا یہ دستور ہے کہ پہلے رمز ہوگی پھر اس کی تفسیر۔ اس سے فائدہ ہو کہ دوسرے رموز و تشریحات آئیں گی۔ یہ سلسلہ اسی طرح آخر تک چلتا ہے اور تفسیر حرف کے بعد میں لکھی جاتی ہے جب



حرف ص کی شکل کا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ص کی شکل لوح محفوظ میں اتنی بڑی نظر آتی ہے کہ کوئی چیلے تو کم و بیش ایک دن میں اس کی مسافت کو طے کرے۔

پھر فرمایا کہ سورتوں کے ابتدائی حروف کا علم صرف دو شخصوں کو ہوتا ہے۔ ایک وہ جس کی نظر میں لوح محفوظ ہو یا وہ شخص جو اہل تصرف دیوان الاولیاء سے میل جول رکھتا ہو۔ ان دونوں شخصوں کے سوا کسی کو فواریج السور کے جاننے کی ہرگز خواہش نہیں کرنی چاہیے۔

اللہ پھر میں نے دریافت کیا کہ اللہ جو سورہ بقرہ کے شروع میں ہے اور اللہ جو سورہ آل عمران کے شروع میں ہے کیا ان دونوں کا اشارہ ایک ہی شئی کی طرف ہے یا دونوں کے معنی مختلف ہیں؟

حضرت نے فرمایا: دونوں کے الگ الگ معنی ہیں۔ اور ہر ایک کی تشریح ان مضامین سے کر دی گئی ہے جو اس سورت میں ہیں۔ میں نے یہ تقریر حضرت سے ابتدائی ملاقات کے زمانہ میں سنی تھی اور میں سمجھ گیا تھا کہ وہ اکابر اولیاء میں سے ہیں۔ کیونکہ میں نے اکابر صوفیہ کو دیکھا ہے کہ جب فواریج سور کا ذکر کرتے ہیں۔

اور جن باتوں کا ذکر حضرت نے کیا ہے ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح الفاظ میں کہہ دیتے ہیں کہ فواریج سور کے معانی صرف وہ اولیاء جانتے ہیں جو اوتاد الارض ہیں لہذا میرے لیے اس بات کی بڑی شہادت تھی کہ

حضرت جلیل القدر ولی ہیں۔ خدا ہمیں ان کی محبت عطا کرے اور ہمیں ان علوم تک پہنچائے جو آپ کے نظام

۱۲۳ ہوتے تھے۔ حالانکہ آپ نے یہ علوم نہ بڑے ہو کر نہ بچپن میں پڑھے تھے۔ بلکہ قرآن مجید تک نہ پڑھا تھا اور

آپ کو صرف چند ایک سورتیں یاد تھیں اور وہ بھی وہ سورتیں جن کی ابتدا بسم سے ہوتی ہے۔ مگر جب آپ

انہیں قرآن مجید کی تفسیر کرتے سن لیں تو آپ نہایت ہی عجیب باتیں سنیں گے۔ اکابر صوفیہ کی یہ واضح عبارتیں

ہیں جو آپ کی ولایت کی شاہد ہیں اور ان تمام باتوں کی شاہد ہیں جن کی طرف حضرت نے اشارہ کیا۔

چنانچہ حکیم ترمذی نوادر الاصول میں فرماتے ہیں کہ سورتوں کے ابتدائی حروف مقطعات میں ان مضامین

کی طرف اشارہ ہے جو ان سورتوں میں بیان کئے گئے ہیں اور اس کا علم صرف ان لوگوں کو ہے جو اللہ کی

زمین پر اللہ کے حکیم ہیں اور اوتاد الارض ہیں۔ انہیں یہ علم اللہ کی عنایت سے ملا اور یہ تشریف مند فرما

ہوتے ہیں اور یہ ایسی قوم ہے جن کے دل خدا کی وحدانیت تک پہنچ گئے اور ان علم کو انہوں نے خدائے

واحد سے حاصل کیا۔ یہ علم حروف معجم کا علم کہلاتا ہے۔ انہی حروف سے تمام علوم کی تعبیر کی جاتی ہے اور انہی حروف سے اسماء

خداوندی کا ظہور ہوا جس کو لوگوں نے اپنی زبانوں میں ادا کیا۔ ۵۱۔ اس عبارت کو ولی عارف باللہ سیدی ابوزید عبد الرحمن

۱۲۴ سے نوادر الاصول فی معرفتہ اخبار الرسول، ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن شیر الموزن الحکیم ترمذی کی تالیف ہے۔ انہوں نے ۵۵۵ھ میں وفات پائی۔

۱۲۵ ابو زید عبد الرحمن قاسمی، ابوزید عبد الرحمن بن محمد قاسمی۔ انہوں نے شاذلی کی حزب کبیر کی شرح لکھی ہے۔

ڈاسی نے قطب کبیر ابو الحسن شاذلی کی حزب کبیر کے حاشیہ میں نقل کیا ہے۔ ابو زید فارسی اسی حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ کسی ایک سو فی نے کہا ہے کہ حروف و اسماء کی معرفت خصوصیات علوم انبیا میں سے بلحاظ اولیاء ہونے کے ہے۔ یہی وجہ ہے اولیاء اور انبیاء دونوں اس علم میں شریک ہوتے ہیں کیونکہ یہ کشفی علوم میں سے ہے اس لئے عقل کے سرمایہ کے ساتھ ان علوم میں تصرف کرنا بے سود ہے بلکہ جو اس علم سے ناواقف ہے، وہ اسے جان ہی نہیں سکتا اور جو اس علم کو جان گیا وہ ناواقف نہیں رہ سکتا اور ہر ولی کو اتنا علم عطا ہوتا ہے جتنی کہ اسے فتح نصیب ہو۔ اسی لیے اولیاء میں تفاوت پایا جاتا ہے اور ان کے اشارات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ تَسْتَقِي بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنَفْعُهَا عَلَى الْبَعْضِ فِي الْكُلِّ (انہیں ایک ہی پانی [یہاں مراد نور خداوندی] سے سیراب کیا جاتا ہے مگر ہم پھل میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دے دیتے ہیں) ۵۱ (سورہ رعد آیت ۱۷) نیز اسی حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ درتجی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ حروف مقطعات قرآنی سورتوں کے معانی کی رموز ہیں اور ان امور کے معانی کو زبانوں کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

مؤلف حاشیہ سیدی عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ایک ہی رمز متعدد سورتوں میں مختلف معنوں میں آئی ہے جیسے الم، حم، وغیرہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رمز اس حرف کی طرح بے جوکئی ایک معنوں میں مستعمل ہو ۵۱۔

مؤلف کہتا ہے کہ ان اکابر کی اس عظیم شہادت پر غور کریں۔ عبدالرحمن فارسی نے اسی حاشیہ میں اور حوالے بھی درج کئے ہیں مثلاً سیدی عبدالنور کا، سیدی محمد بن سلطان کا، سیدی داؤد باخلی کا سیدی شیخ ابو الحسن شاذلی کی حزب البحر کی شرح میں تو آپ کو اس امام کبیر کے مرتبہ کا پتہ چل جائے گا۔ خدا ہمیں ان کی

۱ ابو الحسن شاذلی: نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول، ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن شیر المودن الحکیم الترمذی کی تالیف ہے۔ انھوں نے ۱۲۵۸ھ میں وفات پائی۔

۲ ابو زید عبدالرحمن فارسی، ابو زید عبدالرحمن بن محمد فارسی انھوں نے شاذلی کی حزب کبیر کی شرح لکھی ہے۔

۳ ابو الحسن علی بن عبداللہ بن عبد الجبار شاذلی۔ یہ نابینا تھے اور صوفیہ کے شاذلیہ فرقہ کے بانی تھے۔ ان کی وفات ۶۵۶ھ = ۱۲۵۸ھ میں عینداب میں ہوئی جبکہ یہ حج کے لیے جا رہے تھے اور وہیں دفن ہوئے۔ شیخ ابو عبد اللہ بن النعمان نے ان کے قطب ہونے کی شہادت دی ہے۔ شیخ تقی الدین بن دقین العید نے بھی ان کی بزرگی کا اعتراف کیا ہے۔ انھوں نے حزب البحر لکھی ہے جو صوفیاء کے ہاں بہت مقبول ہے۔

۴ ایک حزب البحر صغیر اور دوسری کبیر۔ حزب البحر سے اس لیے کہا گیا کہ یہ سمندر کے سفر میں اس کے مصائب سے نجات کی غرض سے لکھی گئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ شاذلی رحمہ اللہ نے بحر قلزم کا سفر اختیار کیا سمندر کے درمیان جہاز رک گیا اور کئی دن تک ہوا بند

نجات کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار مبارک ہوا اور انھوں نے یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی چنانچہ

انھوں نے یہ دعا پڑھی اور ہوا چل پڑی۔ اسے حزب صغیر بھی کہتے ہیں۔ اس کی ابتدا یا اللہ یا علی یا عظیم یا حلیم الخ سے ہو

حزب کبیر کی ابتدا و اذا جاء له الذین لایؤمنون سے ہوتی ہے۔ (کشف الظنون: ۱: ۳۳۳)

سچی محبت عطا کرے۔

مؤلف کہتا ہے کہ اوائل السور کے متعلق جو کچھ میں نے حضرت سے سنا، ان کے خاص معانی کی وجہ سے میں ان سے مستفید نہ ہو سکا یہاں تک کہ ۸ ذی الحجہ ۱۲۹ھ کا دن آگیا تو میں نے مذکورہ بالا بات حضرت سے سنی اور وہ یہ ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ لوح محفوظ میں سریانی زبان میں لکھا گیا ہے اور یہ حصہ فواتح السور کا ہے (یعنی حروف مقطعات) اس پر میں نے حضرت سے درخواست کی کہ ہر حرف کی الگ الگ تشریح کریں اور ان تمام رموز کی شرح بیان کریں۔ آپ نے بھولادھیری درخواست منظور کر لی۔ میں اس کا کچھ حصہ بیان کرتا ہوں کیوں کہ تمام کی تمام تشریح نقل کرنے کے لیے ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہے۔

۱۔ ص | ص کی تفسیر میں حضرت نے فرمایا کہ اس سورت میں ص سے مراد وہ خلا ہے جہاں روزِ محشر لوگ اور تمام مخلوقات جمع ہوگی اور آیت میں اسے بطور وعدہ وعید کے لایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ص ہے یعنی جس خوفناک منظر سے تم کو ڈرایا جاتا ہے اور وہ خوشنما منظر جس کو تم کو بشارت دی جاتی ہے وہ ص یعنی محشر کا وسیع میدان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خلا ہر انسان کے افعال کے تقاضا کے مطابق مختلف صورتیں اختیار کرتی ہے چنانچہ کافر کے لیے عذاب کی صورت اختیار کرے گی۔ اور اس کے پیو میں ایک۔

مؤمن ہوگا اس کے لیے رحمت بن جائے گی اور ایک اور کافر کے لیے جو اس مؤمن کے پیو میں کھڑا ہوگا عذاب ہوگا مگر اس قسم کا نہیں جو پہلے کافر کو ہو رہا تھا، بلکہ کسی اور قسم کا ہوگا اسی طرح ایک اور مؤمن کے لیے جو اس مؤمن کے پاس کھڑا ہوگا رحمت ہوگی مگر اس قسم کی نہیں جو پہلے مؤمن کے لیے تھی، بلکہ کسی اور قسم کی اس کے افعال کے تقاضا کے مطابق۔ اسی طرح جتنے لوگ بھی محشر میں جمع ہوں گے ان میں سے ہر ایک پر جدا قسم کی رحمت ہوگی اور جدا قسم کا عذاب اور باوجود اس کے کہ دیکھنے میں تو فضا ایک ہی ہے اور جس طرح کہ دنیا کی طبیعت کا تقاضا ہے، ایک جگہ دوسری جگہ کے مشابہ نہ ہوگی اور صاحبِ فتح اس تمام کو آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے کہ زید اپنی تقدیر کی لکھت کے موافق اپنے مقام میں نظر آ رہا ہے اور عمر اپنی جگہ پر۔

گویا کہ وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ اسی لیے تو میں نے کہا تھا کہ اگر لوگوں کو علم ہو جائے کہ ص سے کیا مراد اور اس کا کس طرف اشارہ ہے تو کوئی شخص بھی اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے کی جرأت نہ کرے کیونکہ اگر لوگوں کے لیے پردہ اٹھا کر ان کے مقام دکھا دیے جائیں تو اطاعت گزار رشک کسے کہ کاش اور عمل کرتا تو بہتر درجہ پاتا اور مخالف افسوس سے مرجائے اور ظاہر ہے کہ اس مقام میں کفار بھی ہوں گے، مؤمن بھی، انبیاء بھی، ملائکہ بھی، جن اور شیاطین بھی۔ لہذا سورت کی ابتداء میں کافروں کی چند جماعتوں کا ذکر کر کے کفار کی طرف اشارہ کر دیا۔ اسی طرح انبیاء کے ذکر کے دوران میں مؤمنین کا ذکر کر کے ان کی طرف اشارہ کر دیا اور سورت کے آخر میں جن اور شیاطین کا ذکر کر دیا اور ان کے دنیاوی حالات

کو تکرار کیا۔ اگرچہ یہ حالات محشر ہی نہ ہوں گے اس لیے کہ یہی احوال اس خلا میں جس میں ان کا حشر ہو گا۔ ان کے حالات کے اختلاف کا سبب نہیں گے۔ اس سورت کے متعلق اور بہت سے امراض ہیں جن کا ظاہر کرنا روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۔ کسوف یعنی کھنڈیوں کا منہ اس کے ہر حرف کی الگ الگ تشریح کے بعد سمجھ میں آئے گا چنانچہ کاف مفتوحہ کے معنی ہیں بندہ اور دہ ساکن مفتوحہ سے معنی کو خفق کرنے کے لیے بتانا ان اس میں فاء مفتوحہ کے معنی اور حقیقت و تغیر دونوں منہ پاسکے جاتے ہیں اور فاء مفتوحہ کے معنی ہیں ایسی چیزیں کہ لائق ہوں۔ لہذا، ساکن کے معنی ہونے کے لیے کہ ان کے ساتھ ہی ہے جس میں شک کی وجہ سے نہیں۔

ہاں مفتوحہ کے معنی ہیں مدد و پاک رحمت جس میں کوئی کمزورت نہیں اور یہ تفسیر پذیر ہے۔

یا رقیب یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

ن ساکن فون متز ص کے معنی کی تفسیر کے لیے ہے اور فون مفتوحہ کے معنی ہیں وہ نیر و خوبی جو ذات میں قائم رہتا ہے۔

س ساکن سے مراد نکالتے

اور دل سے جس کے معنی ہوتی ہیں۔ کیوں کہ یہ سروف اشارہ میں سے ہے اور حروف اشارہ اپنے باقی کے معانی کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ خلاف دوسرے سروف کے کیوں کہ جب وہ ن اور ت اپنے توت کے معنی کو مشتق کرتے ہیں۔

۳۔ رقیب کے سابق حروف کی تفسیر کر دی گئی۔ اب معنی یوں ہونے کے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو اپنے ساتھ سیر و رسم کے درجہ اور بڑے مرتبہ کی عجز و سہ سے رہا کرتا اور اس کی اطلاع دے رہا ہے کہ ان کے لئے ان کے لئے ان کے لئے۔ اس کی تفسیر سابق سے اس طرح ہوگی کہ کاف سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ لہذا ساکن نے دلالت کی کہ آپ کی سہ کوئی طاقت نہیں دے سکتا اور آپ کے لئے ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اور آپ کے لایطاف ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپ نے تمام مخلوقات کو عاجز کر دیا ہے کہ نہ کوئی پہلا آپ کے مرتبہ کو پاسکا، نہ پچھلا پاسکے گا۔ اسی سبب تو آپ سید وجود کہلاتے ہیں۔

۴۔ رقیب مفتوحہ سے دلالت کی کہ آپ اور ان کے لیے پاک و صاف رحمت ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **رَقِيبٌ مِّنْ عِندِ رَبِّكَ** (سورہ انبیاء آیت : ۱۰۶) خود آنحضرت



نے بھی فرمایا ہے: اِنَّمَا اَنزَلْنَاهُ مُتَمَدِّدًا لِّلْمَخْلُوقِ رَمِي مَخْلُوقَاتِ كَيْ لِيَبْرَحَ رَحْمَتُكَ اِهْدِي سُبُلَكَ لِيَعْبُدَكَ اِنْ شَاءَ رَبِّي اِنَّكَ اَنْتَ اَعْلَمُ بِالسُّلُوكِ  
 ی اور ہی نذا ہے بندہ مذکور کو۔ اور جس غرض کے لیے آپ کو پکارا گیا ہے وہ رحمت و انتقال  
 مکانی ہے جس پر ع دلالت اور یاد سناکنہ نے جو حرف اشارہ ہے اس کی تاکید کر دی ہے۔ اس لیے جیسا کہ  
 ذکر کیا گیا حرف اشارہ تاکید کے لیے آتے ہیں۔ سزیدیاں اس معنی کا بھی فائدہ دیتی ہے کہ کورچ اور  
 اختلاط کرنا ضروری ہے اور جس چیز کو کوچ کرنا چاہئے گا وہ نور وجود ہے جس کی بدولت تمام موجودات قائم  
 ہے اور یہ معنی لوان سناکنہ سے حاصل ہوتے ہیں اور جس کی طرف کوچ کرنا ہے اس پر دلالت کرتا ہے جس  
 لہذا مطلب یہ ہوا کہ لسان میرے ذی عزت و احترام بندے، آپ کو ان تمام نونوں کی طرف  
 جو اس خلاء محشر میں جمع ہیں، ضروریات پر سے کہ ان الوان کے ساتھ جن سے ان کے وجود قائم ہیں، تاکہ  
 وہ آپ سے مستفیض ہوں کیونکہ ان سب کا اصل ارادہ آپ ہی سے ہے۔

اس تشریح سے ان حروف کے معانی عمدہ طور پر مرتب ہو گئے اور کلام بھی بہترین طریق پر منتظم ہو گیا کیونکہ  
 سریانی زبان میں حروف کے معانی سے ذی فائدہ حاصل ہے جس طرح دوسری زبانوں میں کلمات کے معانی سے چنانچہ  
 کسی زبان میں جب کوئی کلام کلمات سے مرکب ہو تو جب تک اس کے کلمات کے معانی بالترتیب نہ  
 ہوں، کلام درست نہیں ہو سکتا۔ یہی حال ہے ان زبانوں میں کلام کا ہے کہ جب وہ حروف کے ترتیب پر  
 تو اسی صورت میں وہ کلام درست ہو کہ جب اس کے حروف کے معانی مرتب ہوں اور ان کی ترکیب  
 مضبوط ہو اور جس طرح علاوہ سریانی زبان کے دوسری زبان میں کلام کلمات سے مرکب ہو تو ان کے معانی کو ترتیب  
 دینے کے لیے کبھی تقدیم و تاخیر کی ضرورت ہوتی ہے یا ہم مستقل معنوں میں ایک اجنبی کا فصل لاسا کی ضرورت  
 ہوتی ہے اور اسی طرح کہ و چیز کا ضمیر کی صورت میں نا ضروری ہوتا ہے تاکہ معنی درست نہ ہو۔ یہی حال  
 سریانی زبان کا ہے کہ جب یہ حروف سے مرکب ہو جائے تو کبھی ترتیب معانی کی غرض سے اس بات کی ضرورت  
 ہوتی ہے کہ حروف کو مقدم یا مؤخر لایا جائے یا کہیں حذف کیا جائے یا ضمیر لائی جائے وغیرہ۔

حضرت نے فرمایا: میں نے جو تشریح ان حروف کے معانی کی کی ہے وہ کشف و مشاہدہ کے ذریعہ ہے اور ان  
 کشف کو معلوم ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام خداوندی عطایات و کرامات کے ساتھ جو ان  
 کی طاعت سے باہر نہیں مشاہدہ کرتے ہیں اور وہ دیگر مخلوقات کو جن میں انبیاء، فرشتے وغیرہ شامل ہیں اور جو کچھ اللہ  
 نے انہیں دیا ہے مشاہدہ کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سیدالوجود سے نازل کردہ نور کے ذریعہ ان میں تمام مخلوق  
 کی طرف جاری ہے اور انبیاء و فرشتوں تک پہنچا ہوا ہے۔ اس طرح یہ اہل کشف اس امت ماہ کی عیب و غریب  
 کیفیت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا ایک صالح شخص نے کہا: میں نے اپنے روتی کا ٹکڑا لیا اور اس میں وہ نسبت نظر آئی  
 جو نبی آدم کو عطا کی گئی ہے تو اس روتی میں نور کا دورہ نظر آیا۔ اس نے اس نور کو دیکھا اور اس

اور کے ڈورے سے ملا ہوا تھا جو نور محمدی سے جاملتا پھر دیکھا کہ یہ نور کا ڈورا ایک ہے۔ پھر تھوڑی دور تک جا کر ڈوروں کی متعدد شاخیں نکلتی شروع ہو گئیں۔ ہر شاخ اس نعمت سے ملی ہوئی تھی جو ان ذات کو عطا کی گئی تھیں۔

مؤلف لکھتا ہے: یہ قصہ خود حضرت کا اپنا ہے۔ خدا ان سے راضی ہو اور ہمیں آپ کی جماعت اور گروہ سے بنائے اور ہمارا تعلق کبھی ان سے منقطع نہ ہو۔

ایک واقعہ حضرت نے فرمایا ایک بدنصیب کا واقعہ ہے کہ کہنے لگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مجھے صرت ایمان کی راہ دکھائی ہے۔ باقی رہا نور ایمان سو وہ اللہ کی طرف سے ہے، بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں۔ صالحین نے اس سے کہا: اچھا اگر ہم اس تعلق کو جو تمہارے نور ایمان اور نور محمدی کے درمیان ہے منقطع کر دیں اور محض ہدایت جس کا تم ذکر کر رہے ہو، رہنے دیں تو کیا اس پر راضی ہو؟ کہنے لگا، ہاں، راضی ہوں۔ ابھی اس نے بات ختم نہ کی تھی کہ اس نے صیب کو سجدہ اور اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور کفر پر مراء۔ خدا اپنے فضل و کرم سے ہمیں بچائے۔

مختصر یہ کہ اولیاء اللہ جنہیں اللہ عزوجل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کا علم ہے ان تمام مذکورہ بالا چیزوں کا اپنی آنکھوں سے بعینہ اسی طرح مشاہدہ کرتے ہیں جس طرح تمام محسوسات کا، بلکہ اس سے زیادہ، کیونکہ نظر بصیرت نظر بصارت سے زیادہ قوی ہے، جیسا کہ آگے ذکر ہوگا۔ چنانچہ وہ دیکھتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے احوال و مقامات جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے ہیں۔ وہ سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم سے ممتد ہو کر حضرت زکریا تک پہنچے ہیں۔ اسی طرح تمام احوال و مقامات حضرت یحییٰ کے اس سورہ میں ذکر ہوئے ہیں۔ نیز مریم اور ان کے احوال و مقامات، عیسیٰ اور ان کے احوال و مقامات، ابراہیم، اسمعیل، موسیٰ، ہارون، ادریس، آدم اور نوح اور ہر نبی جس پر اللہ کا انعام ہوا سب نور محمدی سے استفادہ کرتے ہیں) یہ تھوڑا سا بیان معانی رموز کا ہے، ورنہ جو معانی ابھی باقی ہیں، وہ بے شمار ہیں۔ اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ اس سورت میں رموز کا نہایت ہی تھوڑا حصہ ہے کیونکہ تمام موجودات خواہ ناطقہ ہوں یا صامتہ، عاقلہ ہوں یا غیر عاقلہ، ذی روح ہوں یا غیر ذی روح، سب ہی ان رموز میں داخل ہیں۔

ایک اعتراض حضرت سے یہ عمدہ تفسیر سن لینے کے بعد میں نے سوال کیا کہ حاشیہ سابقہ میں البزید نے سیدی محمد بن سلطان سے یوں نقل کیا ہے۔ سیدی عبدالنور نے سیدی ابو عبداللہ بن سلطان سے جو اہم شاذلی کے خواص میں سے ہیں نقل کیا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک فقیہ کے ساتھ کھینچا اور خمیسق کی تفسیر کے بارے میں بحث کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر یہ جاری کر دیا۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان راز کی باتوں میں سے ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں :

ک : اے محمد تم کہف الوجود ہو جس کے پاس آکر تمام موجودات پناہ لیتی ہے۔ آپ کل وجود ہیں۔  
 ۱۳۴ ہ : ہم نے آپ کو ملک عطا کیا اور ملکوت مہیا کیا۔ ع : اے عین العیون۔

ص : تم میری صفات میں سے ہو کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

ح : ہم تمہارے حامی ہیں۔ م : ہم نے آپ کو ملک بنا دیا۔

ع : ہم نے آپ کو علم سکھایا۔ س : ہم نے آپ پر اسرار کھول دیا۔

ق : ہم نے آپ کو اپنا قرب بخشا۔

اس پر انہوں نے مجھ سے جھگڑنا شروع کر دیا اور اس تفسیر کو قبول نہ کیا اس پر میں نے کہا چلو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل کر فیصلہ کراتے ہیں۔ ہم گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ نے فرمایا جو محمد بن سلطان نے کہا ہے ٹھیک ہے۔ ا ہ

**جواب** حضرت نے فرمایا: سیدی محمد بن سلطان نے جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے متعلق بیان کیا ہے، درست ہے مگر ان حروف کی اپنی وضع اور اصل کے اعتبار سے وہی تشریح ہے جو ہم نے بیان کی۔

مؤلف کہتا ہے کہ حضرت کی بیان کردہ تفسیر کا بلند مقام مخفی نہیں کیونکہ ملک کا ہبہ اور ملکوت کا مہیا کرنا ہر ایک اس بات کا متفقہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ چیزیں دو الگ الگ چیزیں ہیں اور یہ کہ ان کی شاخیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں نکلیں۔ کہاں یہ تفسیر اور کہاں وہ تفسیر کہ ملک اور ملکوت اور تمام مخلوقات ص میں شامل ہے پھر حرف نون اور عین کے تقاضا کے مطابق سب پر یہ حکم لگانا کہ ان کا مادہ سید الوجود سے حاصل ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہف الوجود کا بھی یہی معنی ہے کہ یہاں پر موجودات پناہ لیتی ہے۔ لہذا جو کچھ سیدی محمد بن سلطان نے بیان فرمایا وہ سب ن ع ص کے تحت آجاتا ہے۔

اس کے بعد میں نے حضرت سے تمام حروف مقطعات کی تفسیر ایک ایک رمز کر کے سنی جس کے طویل ہونے کے باعث تحریر کرنے کی گنجائش نہیں۔ لہذا صرف دو حوالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک حضرت نے ایک فقیہ کے سوال کے جواب میں فرمایا جسے فقراء کی محبت کا دعویٰ تھا۔

**سوال** ان سوالات میں سے ایک سوال یہ ہے کہ حرف مقطوع ق میں کونسا راز خداوندی ہے کہ بعض عارفین کہتے ہیں اس میں حضرت قدیم اور حضرت حدیث کے دائرہ کار جمع ہو گیا ہے۔ ان سوالات سے اس کا مقصد حضرت کا امتحان کرنا تھا اور یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ آپ کو علوم لدنیہ حاصل ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ چنانچہ اس فقیہ نے علامہ حاتمی وغیرہ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے چند ایک سوالات اٹھے کر لیے کہ اس کے

۱۳۴ حاتمی: حاتمی سے مراد محی الدین ابن العربی صوفی ہیں جو حاتم طائی کی اولاد میں سے تھے۔

نیال میں کوئی شخص بھی ان کا جواب نہ دے سکے گا۔ چنانچہ اس نے یہ سوالات حضرت کی خدمت میں روانہ کیے حضرت نے باوجود اُمّی عامی ہونے کے ان سب کا جواب دیا۔

جواب حضرت قیامیہ سے مراد وہ انوارِ حادثہ ہیں جو ارواح و اشباح اور زمینوں اور آسمانوں کے پیدا ہونے سے پہلے پیدا کئے جا چکے تھے۔ یہاں قدم سے مراد تم حقیقی نہیں کہ حَكَانَ اللّٰهُ وَلَكِنْ شَيْءٌ رَّاللّٰهُ تَعَالٰی اور چیز نہ تھی اور حضرت حادثہ سے مراد وہ ارواح و اشباح ہیں جو اس کے بعد آئیں اور اس میں شک نہیں کہ ارواح جب اجسام سے مل جاتیں تو بعض سے تو اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اور بعض سے دوزخ کا۔ پھر میں سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے وہ بعض انوارِ حادثہ کی ایک فرع ہے جس طرح کہ جن سے دوزخ کا وعدہ کیا ہے وہ بھی بعض انوارِ حادثہ کی ایک فرع ہے لہذا حضرت انوار کی دوسری قسم پہلی قسم کی فرع ہوتی اور ان کی دو قسمیں ہو گئیں۔ پسندیدہ اور ناپسندیدہ۔

جب تم یہ سمجھ چکے تو اب جان لو کہ اس حرفِ مقطع میں تثنیٰ کے اعتبار سے تین حروف ہیں۔ ق، ف، ز۔ چنانچہ ق کو جب الف سے ملا دیا جائے تو سریانی زبان میں اس کے معنی حضرت قدیمہ اور حضرت حادثہ دونوں میں خیر و شر اور فضل و عدل کے ساتھ تصرف کرنے کے ہیں اور سریانی زبان میں ف ساکن کے معنی اپنے ما قبل سے قیاح کو زائل کرنے کے ہیں۔ اور ان دونوں میں قیاح وہ ہے جسے شر کی تعبیر فرمائی گئی ہے اور جب موعود بالشر کو زائل کر دیا گیا تو موعود بالخیر باقی رہ گیا اور موعود بالخیر خالصانِ خدا ہیں۔ لہذا اس حرفِ مقطع ق کا اشارہ خاصانِ خدا اور خیرات کی طرف ہے، جن کا اللہ تعالیٰ نے ان پر کیا۔ حضرتین کا یہی راز ہے لہذا یہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے۔ جس کی اصناف اللہ تعالیٰ کی صفاتِ تمیز مخلوق کی طرف کی گئی ہے، بعینہ اس طرح جس طرح عربی زبان میں لفظ سلطان۔ چنانچہ یہ لفظ ہے اشارہ بادشاہ اور اس کی رعایا کی طرف خواہ وہ سعادت مند ہوں جیسے مسلمان یا بد بخت ہوں جیسے زنی (کافر) پس جب بادشاہ کی تعریف کرنا ہو تو کہیں گے سلطان الامم۔ اسلام کا لفظ لانے سے اہل ذمہ ادب، تعظیم اور وقار کے لحاظ سے خارج ہو جائیں گے۔ مگر درحقیقت وہ خارج نہیں ہوں گے لہذا اس کے معنی ہوں ہوئے کہ کوئی کے اسے محمد! انبیاء، ملائکہ اور اہل سعادت کے رب یہاں تک کہ ان کی کل تعداد اور ان کے اللہ کے ہاں مقامات و احوال کو گنتے جاؤ۔ نیز اہل جنت، ان کے منازل اور درجات کا ذکر کر دو پس جب ان تمام کا ذکر کر چکو کہ ذرہ بھر نہ چھوٹے تو یہ ق کے معنی ہوں گے۔ لہذا اس میں اسرارِ رسالت، اسرارِ نبوت، اسرارِ ملائکہ اسرارِ ولایت، اسرارِ سعادت، اسرارِ جنت، تمامی انوار کے اسرار اور وہ تمام خیرات ہوں گے جو تمام موجودات میں پائے جاتے ہیں۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ اترے رب کے لشکروں کا علم خود اسی کو ہے۔ سریانی زبان کا قاعدہ ہے کہ ف جو الگ کرنے کے معنی میں آتی ہے، اسے کتابت میں نہیں لایا جائے تاکہ کتابت و معنی ایک دوسرے کے موافق بن جائیں۔ اسی لیے اسے ق کی کتابت میں



نہیں لایا گیا۔

حضرت نے فرمایا: اگرچہ ہوا اور حضرت قدیم سے مراد وہ امور ہوں جو علم ازلی میں آچکے ہیں اور قدیم اپنے حقیقی معنوں میں ہوا اور حضرت حادثہ سے مراد وہ معلومات ہوں جن کو اللہ تعالیٰ وجود میں لایا اور انہیں اس دنیا میں ظاہر کیا تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اور معنی اپنی حالت پر ہی رہیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مؤلف کتاب خدا آپ کو توفیق دے ذرا غور کریں یہ کس قدر عمدہ جواب ہے۔ میری مسائل سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا: کہو حضرت کا جواب کیسا ہے؟ تو کہنے لگا: شیخ زروق نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ حضرت قدیم سے مراد ذات کا دائرہ ہے اور حضرت حادثہ سے مراد دائرہ کے نیچے کا شوشہ ہے اور اس میں جو راز ہے وہ اشارہ ہے حادثہ کے قدیم سے مستفیض ہونے کی طرف، اس لیے کہ تعریف (شوشہ) اس حلقہ سے ملا ہوا ہے جسے ہم نے دائرہ کہا ہے۔ لہذا اس کے اتصال سے اشارہ ہو گیا حادثہ کے قدیم سے مستفیض ہونے کی طرف۔ لہذا سورۃ ق سے قدیم و حادثہ دونوں حضرت کی طرف اشارہ پایا گیا، اس طرح کہ حلقہ کا اشارہ حضرت قدیم کی طرف ہے اور تعریف کا حادثہ کی طرف اور حلقہ کے ساتھ تعریف کے اتصال کا اشارہ قدیم سے حادثہ کے استفادہ کی طرف۔

میں نے کہا کجا یہ تشریح اور کجا وہ تشریح جو حضرت نے بیان فرمائی کیونکہ سوال تو یہ ہے کہ ایک لفظ ہے، کے معنی کے متعلق تھا۔ اور جو چھ آپ نے ذکر کیا اس کا تعلق کتابت سے ہے نہ کہ لفظ سے کیونکہ ق میں نہ کوئی حلقہ ہے نہ کوئی تعریف۔ مزید برآں آپ کی تشریح میں نہ حضرت قدیم کا ذکر ہے نہ حادثہ کا، پھر حضرت قدیم اور حلقہ میں کون سی مناسبت پائی جاتی ہے اور تعریف اور حضرت حادثہ میں کونسی مناسبت ہے؟ اگر یہ مناسبت محض اتصال کی وجہ سے ہے تو یہ میم کے حلقہ اور اے کے تعریف اور ص ص، ع، غ وغیرہ حروف میں جن میں حلقہ اور تعریف پایا جاتا ہے موجود ہے۔ مثال اس اعتراض کا جواب نہ دے سکا۔ اس سے میرا مقصد حضرت زروق پر اعتراض کرنا نہیں۔ معاذ اللہ کہ میں ان پر یا کسی اور ولی پر اعتراض کروں۔ خدا ہمیں ان کے علوم سے قائدہ پہنچائے۔ میرا مقصد صرف مسائل سے بحث و جھگڑا کرنا تھا۔ مزید برآں میں شیخ زروق کی تشریح سے واقف نہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ مسائل نے اس کا صرف مفہوم ادا کیا ہو اور اس کی حقیقت سے بے خبر رہا ہو اور اسی لیے اس پر اعتراض وارد ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**دوسرا سوال** حضرت کا دوسرا جواب اس اعتراض کے متعلق تھا جس کی طرف حاشیہ مذکورہ بالا کے مخالف عبدالرحمن قاسمی نے کیلئے اس اعتراض کا حصہ یہ ہے کہ جب فوائغ الشوریٰ یعنی حروف مقطعات ان حروف

۱۔ شیخ احمد زروق، ان کا ذکر آگے آچکا۔ (لاحظہ ہو صفحہ

کے مضامین کے رموز ٹھہرے تو پھر کیا وجہ ہے کہ رمز تو ایک ہی ہے مگر سورتیں مختلف ہیں کیونکہ اختلاف سور کا تقاضا تھا کہ رموز بھی الگ الگ ہوں۔

**جواب** حضرت نے جواب دیا کہ رمز کے ایک ہونے کے باوجود سورتوں کے مختلف ہونے کا سبب یہ ہے کہ قرآنی آیات کے الوارتیں قسم کے ہیں: (۱) ابيض (سفید) اور یہ رنگ ان کلمات کا ہے جن کے قائل بندے ہوتے ہیں اور جن کا سوال اپنے رب سے کرتے ہیں یعنی کلمات دعائیہ (۲) اخضر (سبز) جن کا قائل خود حق تعالیٰ ہو اور (۳) اصفر (زرد) یہ وہ کلمات ہیں جن کا تعلق ان لوگوں کے ساتھ ہے جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ مثال کے طور پر سورہ فاتحہ میں سبز رنگ صرف الحمد للہ کا ہے کہ یہ قول ہے حق سبحانہ کا اور سفید رنگ ہے: الْعَالَمِينَ سے لے کر غَيْرِ الْمَغْضُوبِ تَنگ اور زرد رنگ ہے مَغْضُوبٍ عَلَيْهِمْ سے آخر سورہ تک اور یہ تینوں الوار ہر سورہ میں پائے جاتے ہیں، البتہ کسی میں کوئی نوک اور کوئی نور زیادہ ہوگا۔ جیسا کہ تم نے سورہ فاتحہ میں دیکھ لیا۔ ان تینوں الوار کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ لوح محفوظ میں مختلف رُخوں میں ہوتا ہے کیونکہ اس کا ایک رُخ دنیا کی طرف ہے یعنی دنیا اور اہل دنیا کے حالات کے متعلق ہے اور اس میں ہر وہ چیز درج ہے جس کا تعلق دنیا اور دنیا والوں سے ہے اس کا دوسرا رُخ جنت کی طرف ہے اور اس میں جنت اور اہل جنت کے احوال و صفات درج ہیں اور تیسرا رُخ جہنم کی طرف ہے اور اس میں جہنم اور جہنمیوں کے احوال و صفات درج ہیں۔ خدا ہمیں جہنم اور عذاب جہنم سے پناہ دے چنانچہ دنیا کی طرف جو رُخ ہے اس کا نور سفید ہے۔ جو جنت کی طرف ہے اس کا نور سبز ہے اور جو جہنم کی طرف ہے اس کا نور زرد ہے۔ درحقیقت یہ نور سیاہ ہے مگر مومن کی نگاہ میں یہ زرد نظر آتا ہے کیونکہ جب اس کا نور بصیرت سیاہ رنگت پر پڑتا ہے تو اسے اس کی نگاہ میں زرد بنا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ مومن جب محشر میں کھڑا ہوگا اور اس کو اس کی لکھی ہوئی تقدیر کے مطابق نور ملے گا اور اس سے دور ایک کافر ہوگا جسے بہت بڑی سیاہی اور تاریکیوں نے گھیرا ہوگا تو وہ کافر مومن کو زرد رنگ کا دکھائی دے گا۔ اس سے مومن سمجھ جائے گا کہ یہ کسی کافر کا وجود ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ کافر کوئی چیز نہ دیکھ سکے گا کیونکہ وہ تاریکی جو اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوگی۔ اس کے لیے حجاب (پردہ) کا کام دے گی۔ لہذا اسے سیاہی پر سیاہی کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا۔

میں نے عرض کیا تب تو اس کے دل میں صرف انہی لوگوں کا خیال آئے گا جن کا حال محشر میں اس جیسا ہوگا۔ لہذا وہ مومن کو اپنے سے بہتر حال میں نہ دیکھ سکے گا اور اس کے دل میں یہ تمنا بھی پیدا نہ ہوگی کہ کاش دنیا میں میں مسلمان ہوتا!

۱۳۸ مثلاً رَبِّ زُرْنِي مَعْلَمًا (خدا یا مجھے اور علم دے) (۲) جیسے أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ نماز پڑھو)

حضرت نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جنت اور اہل جنت کے حالات کا اس قدر علم جتنا کہ ضروری ہے اس کے دل میں پیدا کر دے گا۔

جب تم یہ سمجھ گئے تو پھر آیت کی طرف آؤ۔ اگر اسے اس رخ سے لیا جائے جو جنت کی طرف ہے تو اس کا نور سبز ہوگا۔ اگر دوزخ والے رخ سے لیا جائے تو اس کا نور زرد ہوگا اور اگر دنیا والے رخ سے دیکھا جائے تو اس کا نور سفید ہوگا۔ پھر ہر رخ میں کئی قسم کی تفصیل اور تقسیم پائی جاتی ہے جس کا احاطہ سوائے اللہ کے کوئی نہیں کر سکتا۔

اور یہ حروف مقطعات جو سورتوں کے شروع میں ہیں، لوح محفوظ میں بعینہ اسی طرح لکھے ہوئے ہیں جس طرح قرآن مجید میں، البتہ ہر حرف کے ساتھ سر پائی زبان میں اس کی شرح بھی لکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ اگر ہر حرف مقطع کی شرح میں جو لکھا ہوا ہے اسے دیکھو تو تجھے ان کے الگ الگ ہونے کا علم ہو جائے۔ اس کی شرح یہ ہے کہ آلاء رموز میں جن کا اشارہ، اس نور محمدی کی طرف ہے جس سے تمام مخلوقات استفادہ کرتی ہے۔ اگر اس نور کو جس کی طرف اس رمز سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ مخلوقات میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو آپ پر ایمان لائے اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے کفر کیا اور یہ کہ مومنین کے کیا حالات ہیں اور کفار کے کیا۔ نیز وہ امور جن کا تعلق اس سے ہے اور کلام کاربط بھی ان سے ہے تو یہ آلاء وہ ہے جو سورہ بقرہ میں آیا ہے اور یہ ان ہی سورتوں میں نازل ہوئی ہے۔

اور اگر نور محمدی پر ان بھلائیوں کے اعتبار سے نظر ڈالی جائے جو انہیں اس نور سے حاصل ہیں اور یہ کہ وہ کس طرح حاصل ہوتی ہیں اور ان لوگوں میں سے چند لوگوں کا ذکر کیا جائے جنہیں یہ نعمتیں اور بھلائیاں حاصل ہوئیں تو یہ آلاء وہ ہے جس کا ذکر سورہ آل عمران میں آیا ہے اور یہ اسی غرض کے لیے نازل بھی ہوئی۔

اور اگر اس نور محمدی کو ان سزاؤں اور عذاب کے اعتبار سے دیکھا جائے جو نااہل لوگوں پر نازل ہوا نیز ان مصائب کے اعتبار سے جو اس دنیا میں انہیں پہنچیں۔ وغیرہ وغیرہ، تو یہ آلاء وہ ہے جس کا ذکر سورہ عنکبوت میں آیا ہے اسی طرح ہر اس سورہ کے متعلق کیا جائے گا جس کے شروع میں یہ رمز آئے گا۔ اس بیان کو ہر وہ شخص جانتا ہے جو لوح محفوظ کو دیکھ رہا ہو۔

اس کے بعد میں نے ایک اور سوال کیا جس کا جواب حضرت نے ایسا دیا کہ عقلوں کے احاطہ سے باہر ہے۔ اسی لیے میں نے اسے نہیں لکھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مذمت کتا ہے کہ یہ حضرت کے بیان کی صرف سطحی تشریح ہے، ورنہ ان معانی کی تحقیق جن کی طرف حضرت نے اشارہ کیا اور ان کی گتہ تک پہنچنا سوائے نفع کے نہیں ہو سکتا۔ یا اس طرح ہو سکتا ہے کہ شیخ کے سامنے

بھیج کر ان سے سمجھا جائے۔ چنانچہ جب کوئی شخص اس کی تعلیم حضرت سے لے اور سائل جس قسم کا سوال دل میں آئے کرے۔ تو خواہ وہ صاحبِ فتح نہ بھی ہو پھر بھی تمام معنی سمجھ جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سیر یانی زبان میں حروف اب میری رائے یہ ہے کہ حروف تہجی کے متعلق یہ بیان کر دوں کہ سریانی تہجی کے معانی میں وہ کس معنی کے لیے وضع کئے گئے ہیں۔ کیوں کہ ان کی کبھی ضرورت پڑ جاتی ہے اور ہم اس سے پہلے اس کی طرف اشارہ بھی کر چکے ہیں۔ لہذا فائدہ کی تکمیل کی غرض سے میں یہاں ویسے بتا ہوں۔

بھرتا۔ (۱)۔ (بھرتہ) اگر مفتوح ہو تو اس سے تمام اشیاء کی طرف کم ہوں یا زیادہ، اشارہ ہوتا ہے۔ یعنی اوقات مشکلم اپنی ذات اور نفس کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے اس اشارہ میں قبض نہیں ہوتا اور اگر بھرتہ مضموم (بھرت) تو یہ اس شئی کی طرف جو قریب اور کم ہو اشارہ ہوتا ہے اور اگر بھرتہ مکسور (بھرت) ہو تو اشارہ ہوتا ہے اس چیز کی طرف جو مناسب طور پر کم ہو۔

بھرتا۔ (۲)۔ اگر مفتوح ہو تو اس سے مراد وہ چیز ہوگی جو غایت درجہ باعزت یا غایت درجہ ذلیل ہو۔ اگر مکسور ہو تو وہ شئی جو ذات میں داخل یا داخل ہونے والی ہو۔ اگر مضموم (بھرت) ہو تو یہ ایسا اشارہ ہے جس کے ساتھ قبض یا بھرتا ہے۔

بھرتا۔ (۳)۔ اگر مفتوح ہو تو اس سے غائب خیر کثیر و عظیم ہے۔ اور اگر مکسور (بھرت) ہو تو وہ مصنوع جو ظاہر ہو اور اگر مکسور (بھرت) ہو تو خیر کثیر و عظیم چیز مراد ہے اور کبھی اجتماع غائب ہے۔

بھرتا۔ (۴)۔ اگر مفتوح ہو تو اشارہ ہے کہ طرف اشارہ ہے۔ اگر مضموم (بھرت) ہو تو مراد ہے کسی چیز کا کسی چیز سے نائل ہونا اور اگر مکسور (بھرت) ہو تو ایک چیز کا دوسری چیز کے اوپر تقرر کرنا مراد ہے۔

بھرتا۔ (۵)۔ اگر مفتوح ہو تو مراد ہے بشرطیکہ اس سے پہلے یا اس کے بعد حرف ہو جو اس پر دلالت کرے۔ اور اس کے معنی اس چیز کے ہوں گے جو کبھی زائل نہ ہو۔ اگر مضموم ہو تو وہ اچھی چیز جو کھانے میں آئے یا لگا اس سے فائدہ اٹھائیں اور اگر مکسور ہو تو وہ کم بھلائی جو ذات انسانی میں نورا ایمان کی پائی جاتی ہے حضرت سے ایک بار پوچھا بھی ذرا لگا کر اگر مکسور ہو تو کم اور کمزور بھلائی یا نور۔

بھرتا۔ (۶)۔ اگر مفتوح ہو تو مراد اشیاء یا احوال اور سبب پر مشمولیت ہے۔ اگر مضموم ہو تو بنی آدم کے علاوہ کسی اور چیز کا سبب کثیر یا نادر اور اگر مکسور ہو تو وہ عدد جو ذات میں داخل ہو یا ذات، ان کی مالک ہو، مثلاً غلام اور درجہ و بنا وغیرہ۔

بھرتا۔ (۷)۔ اگر مفتوح ہو تو مراد ہے اول جس کے ساتھ رقت ہی ہو اگر مضموم ہو تو رخت، تو وہ کمال جو حیوانوں میں ہے اور اگر مکسور ہو تو وہ کمال جو نباتات میں ہے۔

بھرتا۔ (۸)۔ اگر مفتوح ہو تو مراد ہے ذات سے تاراج ہو۔ اگر مکسور ہو تو وہ شے جو ذات میں داخل ہو یا ذات پر داخل



ہونے والی ہویا ذات کے قریب ہو اور اگر مضموم ہو تو وہ قلیل یا قلیح شئی جس کے ساتھ غصہ بھی ہو۔  
 ذٰا اگر مفتوح ہو تو وہ شئی جو ذات کے اندر ہے اور ساتھ اس شئی کی عظمت بھی مراد ہو۔ اگر مضموم  
 ہو تو وہ شئی جو فی نفسہ کرخت یا عظیم یا قلیح ہو اور اگر مکسور ہو تو وہ قلیح شئی جس کے بعد غصہ نہ آئے۔  
 س | اگر مفتوح ہو تو جمع خیرات (بجلائیاں) ظاہرہ اور باطنہ۔ اگر مضموم ہو (س) تو وہ شئی جو اکیلی اور ظاہر  
 ہو اور اگر مکسور ہو تو بنی آدم کے علاوہ کوئی اور ذی روح یا خود روح۔

س | اگر مفتوح ہو تو وہ چیز جو کسی اور چیز پر داخل ہو تو اسے ضرر پہنچائے اور کبھی یوں فرمایا وہ شئی جس  
 سے احتراز کیا جائے اور اگر مضموم ہو (س) تو وہ قلیح جس میں ضرر پایا جائے مثلاً کبائر۔ اگر مکسور ہو (س) تو  
 وہ قلیح جس میں ضرر نہ ہو مثلاً صغائر، شبہات اور نجاہت۔

س | اگر مفتوح ہو تو وہ قلیح شئی جو طبعاً رقیق ہو۔ اگر مضموم ہو (س) تو قلیح اور کفری شئی یا ظاہر  
 اور باطن سے سیاہ چیز۔ اور اگر مکسور ہو (س) تو مہر لگانے والی شئی جس کی لذت سے اشارہ بھی ہو۔ یہ تشریح  
 حضرت کی اپنی تخریر میں تھی مگر جو کچھ میں نے سنا وہ یہ ہے کہ س مرقق مفتوح سے مراد چیزوں کی خوبیاں مضموم  
 ہو تو ظاہری اور باطنی سیاہی اور اگر مکسور ہو تو ذات کا منظر اور اس کا راز مثلاً عقل کامل، عفو اور حلم۔ اور یہ  
 دونوں تشریحیں تقریباً ایک ہی ہیں۔

س | اگر مفتوح ہو تو ایسی رحمت جس کے بعد عذاب نہ ہو۔ یا وہ شخص جس سے عذاب دور ہو چکا ہو  
 اور رحمت اس پر داخل ہو چکی ہو اور پاک ہو گیا ہو۔ اگر مضموم ہو تو وہ شخص جو بذات خود باند مرتبہ اور اس  
 کی تعظیم کی جاتی ہو اور اگر مکسور ہو تو وہ شئی جس کی طبیعت میں پوشیدہ رکنا ہو اور کبھی وہ چیز مراد ہوتی ہے  
 جو قلب وغیرہ میں چھپی ہو۔ یہ بیان ان کی تخریر کا ہے لیکن حضرت سے میں نے اس طرح سنا س مفتوح رحمت  
 جس کے بعد عذاب نہ ہو۔ مضموم جس میں ذہن متخیر رہ جائے یا آنکھوں کو دکھ دے مثلاً تنکا (کنک) وغیرہ  
 اور اگر مکسور ہو تو جسے کسی عضو یا پاؤں سے روندنا جائے مگر وہ ظاہر نہ ہو یا جو قلب میں چھپی ہو اور  
 ظاہر نہ ہو۔

س | اگر مفتوح ہو تو زمین کا وہ سارا غبار جو قیامت میں اللہ کے سامنے پیش ہوگا۔ اگر مکسور ہو تو ساتوں  
 زمینیں اور اگر مضموم ہو تو زمین کی تمام پیداوار۔ یہ معانی ص مرققہ کے ہیں اور اگر مضموم ہو تو مفتوح ہونے  
 کی صورت میں وہ زمین جس پر اللہ کا غضب ہوا ہے یا جس پر نجات نہ ہو اور مکسور ہو تو وہ ذات جس میں نجات  
 نہ ہو یا جس ذات میں کوئی خوبی نہ ہو۔ اگر مضموم ہو تو وہ ضرر جو ہر دو نہ کر چیزوں سے ہمیں پہنچے۔ ایک اور

اس اسل کتاب میں س کے بعد ط کا ذکر ہے، پھر د م م کے حروف ہی اس ترتیب میں نہیں دیے جو ترتیب ہمارے  
 اس مروج ہے۔ میں نے انہیں عربی حروف تہجی کی طرز میں مرتب کر دیا ہے۔ مترجم

بار فرمایا کہ جس مفتوح سے مراد تمام زمین اور ایک فرسخ تک جو کچھ اس پر ہے۔ مضموم ہو تو تمام زمینیں اور وہ چیز جو مٹی سے بنی ہے اور مکسور ہو تو زمین کی سطح کی نباتات اور اگر مغز ہو تو اشیاء جو ان پر ہیں مگر ساتھ ہی اللہ کا غصہ بھی ہو۔ یہ دوسری تشریح میں نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی پائی ہے۔ پہلی تشریح خود میں نے ان سے سُنی تھی اور دوسری تشریح کی عبارت بھی حضرت کی ہے۔

ض | جن جب مفتوح ہو تو مراد صحت اور تکلیف کا نہ ہوتا ہے۔ اگر مضموم ہو تو وہ شئی جس میں قطعاً نوری طاقت نہ ہو۔ اگر مکسور ہو تو خشوع و خضوع۔

ص ۱۳۹ ط | ط اگر مفتوح ہو تو وہ شئی جس کی جنس اور ذات دونوں نہایت پاک و صاف ہوں۔ اگر مضموم ہو تو پہلے کے برعکس انتہا درجے کی خبیث شئی اور اگر مکسور ہو تو وہ شئی جس کی طبیعت میں ساکن رہنا ہو یا جسے ساکن رہنے کا حکم دیا گیا ہو۔

ظ | ظ مفتوح ہو تو فی نفسہ عظیم شئی مگر اس کے ساتھ اس کی ضد نہ ہو۔ مثلاً شرفا میں جو دو سنا اور بیود میں کھوٹ اور دھوکا دہی۔ مضموم ہو تو وہ نفسانی تحریک جس کے پیچھے چلے حالانکہ وہ نفس اسے تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اگر مکسور ہو تو وہ شئی جو طبعی طور پر رساں ہو اور بندہ اس سے ضرر محسوس بھی کرے۔

ع ۱۴۰ ع | ع مفتوح ہو تو کسی کا آنا یا کوچ کرنا۔ اگر مضموم ہو تو وہ ساکن جو اس ذات میں ہے جس پر اس کا وجود کا دار و مدار اور اگر مکسور ہو تو ذاتی خبیث۔ یہ تشریح میں نے حضرت سے سُنی تھی مگر آپ کی تحریر میں یوں پایا گیا۔ ع مفتوح سے مراد قبول کرنے والی چیز۔ مضموم ہو تو وہ چیز جو اپنے ارادہ کے مطابق نفع اور ضرر پہنچائے اور مکسور ہو تو عبودیت کی خباثت اور یہ معنی پہلے معنی کے قریب ترین ہیں۔ کیونکہ جو چیز کسی چیز کو قبول کرتی ہے اس میں کسی چیز کا آنا ہوتا اور وہ ساکن جو اس ذات میں ہو جس سے اس کا قیام ہے اس کی مثال ہے رُوح۔ اور محافظ فرشتے با مر خداوندی نفع بھی پہنچاتے ہیں اور ضرر بھی اور خبیث عبودیت وہی ذات کی خباثت اور اس کی تاریکی ہے۔

غ | غ مفتوح ہو تو وہ نگاہ جو شئی کی حقیقت کو پہنچ جائے۔ مضموم ہو تو اسما و حسنیٰ میں سے ایک اسم جس میں مہربانی پائی جاتی ہے۔ مکسور ہو تو نا معلوم کا سوال تاکہ دوسرا اپنے علم کے مطابق جواب دے۔ یہ میں نے حضرت سے سنا تھا مگر آپ کی تحریر میں یوں ہے غ مفتوح وہ شے جو فطراناً ہر اس شئی کو دور کرے جو اس کے قریب آئے۔ مضموم سے مراد مہربانی اور تعظیم اور کمالِ عزت، مکسور سے مراد وہ چیز جو بغیر جاننے کے کوئی کلمہ بولے اور یہ غیر معلوم چیز کی طرف اشارہ ہے۔ یہ دونوں تشریحیں تقریباً ایک جیسی ہیں۔

ف | مفتوح ہو تو جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کی جنس میں گندگی پائی جاتی ہے اس سے گندگی دور کرنا یعنی اس کا ظاہر ہے اور اس کی جنس خبیث ہے۔ اس کی مثال معاصی وغیرہ ہیں۔ اگر مکسور ہو تو مراد ذات اور جس پر مشتمل ہو اور کبھی اس کے ساتھ قلت کا اظہار بھی ہوتا ہے اگر مضموم ہو تو خبیث زائل کرنے کے لیے۔

ق | ق مفتوح ہو تو تمام خوبیوں کو اپنے اندر جمع کرنا یا جمیع اوزار مراد ہیں۔ اگر مضموم ہو تو اصل آفرینش یا علم قدیم۔ اگر مکسور ہو تو مراد ذلت ہے۔

ک | ک مفتوح ہو تو حقیقتِ عبودیت کاملہ۔ مضموم ہو تو سیاہ نام غلام یا تصبیح غلام، مکسور ہو تو بندگی کا تہا کی طرف منسوب ہونا مراد ہے۔

ل | ل مفتوح ہو تو مشکل کا بہت بڑی چیز کا حاصل کرنا اور عظیم شئی کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ مضموم ہو تو وہ شئی جس کی انتہا نہیں۔ مکسور ہو تو ملو مشکل کا اپنی ذات کے وجود یا ذات کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ یہ معنی اس وقت ہوں گے جب لام مرقع ہو لیکن اگر مرقع ہو تو یہ اشارہ سے مع اضطراب کے ادا ایک اور بار فرمایا مع قبح کے۔  
م | م مفتوح ہو تو مراد تمام کائنات سے ہے مکسور ہو تو ذات کا ظاہری نور جیسے آنکھ کا نور، باطنی نور جیسے دل کا نور اور اگر مضموم ہو تو چھوٹی مگر پیاری چیز جیسے آنکھ کا پانی اور اسی سے سے مؤ مؤ۔

ن | ن مفتوح ہو تو وہ خیر جو ذات کے اندر ساکن اور روشن ہو۔ مضموم ہو تو خیرِ کامل یا پھیلا ہوا نور مکسور ہو تو وہ چیز جسے حکم حاصل کرے یا وہ چیز اسی کی ہو۔

ہ | ہ اگر مفتوح ہو تو بے انتہا پاک رحمت ہوگی۔ اگر مضموم ہو تو اسماؤِ حسنیٰ میں سے ایک اسم اور اگر مکسور ہو تو وہ خیر جو مخلوق سے نکلتی ہے۔ یہ تشریح آپ کی تحریر میں پائی گئی تھی لیکن میں نے حضرت سے یوں سنا تھا فتح سے بے انتہا رحمتِ طاہرہ، پیش سے اللہ کا نام جس میں تمام کائنات کا مشاہدہ بھی پایا جاتا ہے پر خلوتِ نون مضموم کے گویا کوئی کہہ رہا رَبِّی (اے میرے رب) اور پیش والی ہ کے معنی اس طرح ہیں جس طرح کوئی کہہ رہا ہو رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (اے عالمین کے رب) اور زبر سے تمام وہ نور جو مومنین کے اجسام سے نکلے۔

س | س او مفتوح ہو تو وہ اشیاء جو انسان کے اندر جہاں کی طرح پھیلی ہوئی ہیں مثلاً رگیں، انگلیاں وغیرہ اگر مضموم ہو تو وہ اشیاء جو انسانوں سے مختلف ہیں مثلاً افلاک اور پہاڑ وغیرہ اور اگر مکسور ہو تو وہ پھیلی ہوئی چیزیں جنہیں پلیدی یا ناپسند سمجھا جاتا ہے مثلاً آنتین وغیرہ۔

ع | ع اگر مفتوح ہو تو ندا کے لیے ہے مگر کبھی اسے تاکید کے لیے بھی لایا جاتا ہے۔ یہ میں نے حضرت سے سنا تھا مگر ان کی تحریر میں یوں تھا، مفتوح ہو تو ندا کے لیے لیکن کبھی ایسی خبر کے لیے بھی آتا ہے جس میں ضمنا ندا ہو مثلاً لَسْتُ بِلَدِیْنِ کیونکہ جہدِ خبریہ ہے جس میں ندا کے معنی پائے جاتے ہیں (یعنی اے وہ ذات کو کسی نے نہیں جانا۔ اگر مضموم ہو تو وہ چیز جسے قرار نہ ہو مثلاً بجلی وغیرہ۔ مکسور ہو تو وہ شئی جس سے یا کسی جائے یا جس سے حیا آئے مثلاً شرمگاہ۔

حضرت نے فرمایا یہ ہیں حروف کما سر اور پھر ہر حرف کے سات اسرار ہیں جو معانی و سابقہ کی مناسبت سے پیدا ہوتے ہیں۔ نیز سات اسرار اور بھی ہیں جن سے عربی زبان کو مناسبت ہے لیکن جب کلام غیر عربی

ہو تو اس کے مناسب اور سات اسرار ہیں۔ خدا ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل توفیق اور علم دے۔  
اس کا کاتب عبدالعزیز بن مسعود ہے جو دباغ کے نام سے مشہور ہے۔  
غور کرو خدا تم پر رحم کرے کیا اس قسم کی باتیں کہیں نہیں یا کسی کتاب میں لکھی ہوئی دیکھیں؟  
واللہ تعالیٰ اعلم۔

جس مہینہ میں میری حضرت سے ملاقات ہوئی اور ان کی خدمت میں حاضر ہوا یا اس سے محفوظ اور  
بعد آپ نے مجھے تین سریانی الفاظ کے اور فرمایا ان کو سمجھ لو اور بھولنا نہیں سِنُو سِنُو مَا زُر  
سین کے نیچے زیر، لون پر زبر پھر اء ساکن پھر س مکسور جس کے بعد ذال ساکن ہے پھر ع مضموم، پھر  
میم مفتوح پھر الف پھر زام مفتوح پھر عا ساکن۔ میں نے عرض کیا یہ کونسی زبان ہے؟ فرمایا "سریانی"  
دنیا میں اس زبان میں ہونے والا کوئی نہیں سوائے چند لوگوں کے۔ میں نے عرض کیا ان کلمات کے کیا معنی  
ہیں؟ لیکن آپ نے ان کے معانی کی تشریح نہ کی اور جب سریانی حروف کے معانی معلوم ہوئے تو میں سمجھ  
گیا کہ آپ مجھ سے یہ فرما رہے ہیں: دیکھو اس نور کو جو میری ذات میں قائم اور چمک رہا ہے۔ میرے ظاہر  
میں بھی اور میرے باطن میں بھی۔ دیکھو اس بڑی خیر و خوبی کو جس پر میری ذات نے قبضہ پایا اور اسی  
سے اس کا قوام ہے، کیونکہ تمامی احوال کا شروع سے محفوظ رہنا اسی کی بدولت ہے اور ہر وہ چیز جو  
جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے یا تمام جہانوں میں ہے خواہ ظاہری خیر ہو خواہ باطنی، تمام کے تمام اس نور  
سے مستفیض ہیں جو میری ذات میں ہے۔ حضرت مجھے فرما رہے تھے کہ تمام جہانوں میں انہیں کا تصرف ہے اور  
یہ مرتبہ غوثیت کا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲۔ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ (سورہ آل عمران آیت ۱۲۰)۔

اور وَ لِيُبْلِغِكُمُ الْكَلِمَةَ حَتَّىٰ تُعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ وَ الصَّابِرِينَ (سورہ محمد آیت ۳۱)

میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ لِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ اور  
اور وَ لِيُبْلِغِكُمُ الْكَلِمَةَ حَتَّىٰ تُعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ وَ الصَّابِرِينَ اور اسی قسم کی اور آیتوں  
کے متعلق سوال کیا جن سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تہجد و نماز کی آٹھ حالانکہ اللہ  
تعالیٰ کا علم قدیم ہے اور قدیم میں تازگی نہیں آتی۔

فرمایا: جس طرح اپنے کلام میں لوگوں کی عبادت ہے، اسی کے موافق قرآن مجید کا نزول ہوا کہ فرض کرو  
کہ بادشاہ کا کوئی مقرب ہو جس سے زیادہ کوئی مقرب نہ ہو اور بادشاہ نے اپنی رعایا کے سارے معاملات

عہ تاکہ اللہ کہ ایمان والوں کا علم ہو جائے اور کم میں بعض کو درجہ شہادت بخشے اور فرمایا ہے تاکہ تم کو آزمائش  
تاکہ مجاہدین اور صابریں کا پتہ چل جائے۔



اس کے سپرد رکھے ہوں اور خود بادشاہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے اور رعایا کو اس مقرب کی اطاعت کرنے کا حکم ہو اور اس مقرب کے سوا کسی کو بادشاہ کے پاس بار یا بی نہ ہو۔ اب یہ مقرب بادشاہ سے وہ امور لے کر آئے گا جن سے بادشاہ کی فرماں برداری اور خدمت رعایا پر لازم آئے۔ لہذا جب وہ بادشاہ کے احکام جاری کرے گا تو یوں کہے گا بادشاہ تمہیں یوں حکم دیتا ہے، تم سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم یہ کام کرو یہاں تک کہ یہ اس مقرب کی عادت بن جائے کہ وہ اپنے تمام خطابات میں یہاں تک کہ ان امور میں بھی جو اس کے ذات سے ہوں اور بادشاہ کی طرف سے نہ ہوں ان میں بھی اسی طرح خطاب کرے گا اور کہے گا بادشاہ کے ساتھ چلو اور فلاں مقام پر بادشاہ کے ساتھ یہ بڑناؤ کرو اور اس سے مراد اپنا نفس ہوگا کہ میرے ساتھ چلو اور میرے ساتھ یہ بڑناؤ کرو اور اس کا سبب وہ یگانگت ہے جو بادشاہ اور اس مقرب کے درمیان ہے۔ لوگوں میں اس قسم کے کلام کرنے کا دستور مشہور ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح یہاں پر بھی جو علم اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ کوئی نیا علم نہیں ہے یہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی طرف اس علم کی نسبت کرتا مقصود ہے یعنی تاکہ رسول جان لے تم میں کون مجاہد اور صابر ہے اور تاکہ رسول کو معلوم ہو جائے پختہ ایمان والا۔

اس کے بعد آپ نے ایک عالی مضمون بیان فرمایا جس میں حق تعالیٰ کے ارشاد اِنَّ الَّذِيْنَ يَبَايِعُوْنَكَ اَنْمَآئِبًا يَبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (سورہ فتح آیت ۱۰) کے مطلب کی طرف اشارہ تھا۔

مؤلف کہتا ہے یہ جواب مفسرین کے اس جواب سے مختلف ہے جو انہوں نے اس آیت کے متعلق دیا ہے اور یہ کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی وَيَلْعَلُهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ (تاکہ رسول اللہ کو معلوم ہو جائے) واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ۱۵۔ مسئلہ غزانبیق

میں نے حضرت سے مسئلہ غزانبیق کے متعلق استفسار کیا اور عرض کیا کیا حضرت عیاض اور وہ لوگ جنہوں نے ان کا اتباع کیا اس ائمہ سے مطلق انکار کرتے ہیں یا حافظ ابن حجر حق پر ہیں جو اس واقعہ کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

ابن حجر کا بیان | چنانچہ ابن حجر لکھتے ہیں:

ابن ابی حاتم، طبری، اور ابن المنذر نے متعدد طرق سے بروایت شعبہ از ابوبشر از

شعبہ: شعبہ الحجاج: انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا تھا۔ ستانوے سال کی عمر میں ۱۳ھ ۶۳۶ء میں وفات پائی۔  
ابوبشر: ابوبشر صریح المرئی: اکثر روایتیں رسیختہ۔ مرویوں کی باتیں سننے اور ان سے باتیں کیا کرتے تھے۔

سعد بن جبیر روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی **أَفْرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ** وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ (لَاة، عزی اور تبیسیرے مناة کو دیکھا؟) (سورہ نجم آیت ۲۷) تو شیطان نے (نعوذ باللہ) یہ الفاظ آپ کی زبان پر جاری کر دیے تِلْكَ الْغَرَابِيقُ الْعُلْيَا وَإِنَّ شَفَاعَتَهُمْ لَلرُّجَىٰ (یہ خوبصورت اور بلند مرتبہ نوجوان ہیں ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے)۔ یہ سن کر مشرکین نے کہا کہ آج تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے خداؤں کا نام اچھی طرح نہ لیا تھا پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ اس کے بعد اس قصہ کی جو روایت بزار نے کی ہے اور جو بحث انہوں نے کی ہے اُسے نقل کر کے ابن حجر کہتے ہیں:

ابو بکر بن العربی نے اپنی عادت کے مطابق بڑی دیدہ دلیری سے کہا ہے کہ طبری نے اس سلسلہ میں بہت سی روایات نقل کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں حالانکہ مطلق طور پر اس کا یہ کہنا کہ اس کی کوئی اصل نہیں قطعاً غلط ہے۔ اسی طرح عیاض کا یہ کہنا کہ اس حدیث کو کسی صاحبِ صحت نے نقل نہیں کیا اور نہ ہی کسی ثقہ نے اس کی روایت سالم اور متصل سند سے کی ہے۔ بااں ہمہ اس کے نقل کرنے والے ضعیف اس کی روایات مضطرب اور اس کی اسناد منقطع ہے۔ اسی طرح عیاض کا یہ کہنا وہ تابعین اور مفسرین جنہوں نے اس قصہ کو نقل کیا ہے کسی نے نہ اس کی سند بیان کی ہے اور نہ صحابی تک اسے مرفوع کیا ہے اور اکثر اسناد اس سلسلہ میں کمزور ہیں حالانکہ بزار نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا سوائے سعد بن جبیر سے ابوبشر کی روایت کے کسی طرح جائز نہیں حالانکہ ذال بھو اس کے متصل ہونے میں شک ہے۔ رہے کلبی سوان کے سخت ضعیف ہونے کی وجہ سے ان سے روایت ہی جائز نہیں۔ اس کے بعد عیاض نے اسے عقلی طور پر رد کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی ایسا واقعہ ہوا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو گئے ہوتے حالانکہ اس کا کہیں ذکر نہیں (کہ کوئی مسلمان مرتد ہوا ہو) اھ

ابن حجر فرماتے ہیں کہ "یہ دلائل اصول کی بنا پر چل نہیں سکتے اس لیے کہ جب ایک حدیث متعدد

۱۔ سعد بن جبیر: بڑے پایہ کے تابعی تھے۔ روتے روتے ان کی آنکھیں چند ہی ہو گئی تھیں۔ ۳۸ء میں پیدا ہوئے اور ۹۰ء میں حجاج کے حکم سے انہیں ظلماً قتل کر دیا گیا۔ قتل سے پہلے دعا کی: **اللَّهُمَّ لَا تَسْلِطْ أَحْجَاجَ عَلَيَّ أَحَدٍ بَعْدِي**۔ خدا یا میرے بعد حجاج کو کسی پر مسلط نہ ہونے دینا۔ چنانچہ ان کے قتل کے بعد حجاج صرف پندرہ راتیں زندہ رہا۔ دوسری روایت میں ہے کہ چھ ماہ زندہ رہا اور اس کے پیٹ میں ناسور ہو گیا جو اس کی موت کا سبب بنا۔ اس عرصہ میں جب حجاج سوتا تو خواب میں سعد بن جبیر آجاتے اور اس کا باؤں پکڑ کر جگا دیتے۔

۲۔ کلبی: ہشام ابن الکلبی حافظ۔ ان کی حدیث متروک خیال کی جاتی ہے اور یہ ثقہ نہیں ہیں۔ ان کا پورا نام ابوالہشام بن محمد بن السائب کوفی اور رافضی ہیں۔ ان کی وفات ۱۳۸ء = ۷۵۵ء میں ہوئی۔

طریقوں اور مختلف لوگوں سے مروی ہوں تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قصہ کی اصل ضرور ہے حالانکہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ ان میں سے تین اسناد صحیح کی شرط کے مطابق ہیں اور یہ مرسل احادیث ہیں جن کو حجت ماننے والے بطور دلیل پیش کرتے ہیں اسی طرح جو لوگ مرسل کو حجت نہیں مانتے وہ بھی اسے تسلیم کریں گے اس لیے کہ یہ تمام طرق مل کر ایک دوسرے کو قوت پہنچاتے ہیں۔ اب جب یہ بات طے پا چکی کہ غرائق کا واقعہ ضرور ہوا ہے، تو جو بات اس قصہ میں بری ہے اس کی تاویل کنی پڑے گی۔

اس سلسلہ میں ابن حجر نے چھ تاویلیں بیان کی ہیں جنہیں اس کی کتاب میں دیکھ لیں اور جب قصہ ثابت ہو گیا تو ابن حجر نے اسی قصہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلَفَى الشَّيْطَانَ فِي أُمْنِيَّةٍ (سورہ حج آیت ۵۲) کی تفسیر کی ہے اور نقل کی ہے کہ ابن عباس تَمَنَّى یعنی قرأ (پڑھا) اور أُمْنِيَّةٌ یعنی قراءت بتایا کرتے تھے اور ان کا اشارہ مذکورہ بالا مسئلہ غرائق کی طرف ہے اور پھر سخاس<sup>۱</sup> کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کے بارے میں یہ تاویل نہایت عمدہ و اعلیٰ ہے۔

میں نے حضرت سے عرض کیا اس مسئلہ کے بارے میں آپ کے نزدیک کونسی بات صحیح ہے اور اس مشکل مسئلہ میں ہم کس طرز کو اختیار کریں۔

حضرت ذباغ حضرت نے فرمایا اس قصہ کے متعلق ابن العربی، عیاض اور وہ لوگ جو ان سے متفق ہیں، حق کا جواب! پر ہیں۔ ابن حجر کی رائے صائب نہیں۔ غرائق کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً پیش ہی نہیں آیا۔ مجھے بعض اوقات بعض علماء کے کلام پر تعجب آتا ہے جیسے یہی قول جو ابن حجر اور اس کے موافقین سے صادر ہوا کیوں کہ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا تو نہ شریعت پر اعتماد رہتا نہ عصمتِ انبیاء کا حکم باقی رہتا اور چونکہ رسول اور اس کے کلام پر شیطان کا تسلط ہونا یہاں تک کہ شیطان نبی کے ارادہ، پسند اور مرضی کے بغیر جو چاہتا اس کے کلام میں بڑھا دیتا تو پھر رسول دیگر افراد انسانی کی طرح کا ایک فرد ہو گیا۔ اس طرح اس قدر بھاری واقعہ کے ہوتے ہوئے رسالت پر کیا اعتماد رہتا۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈاے ہوئے الفاظ کو کر دیتا ہے اور اپنی آیات کو قائم رکھتا ہے، کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ بھی شیطان کے ہوں کیوں کہ جب یہ جائز ہو گیا کہ مسئلہ غرائق میں الفاظ کو زیادہ کرنے میں وہ آپ پر تسلط ہو گیا تو یہ بھی جائز ہو سکتا ہے کہ وحی پر اس کا اتنا تسلط ہو کہ ساری آیت کا اضافہ کر دیا ہو۔ اس طرح قرآن مجید کی تمام آیات میں شک پیدا ہو سکتا ہے۔ مومن پر اس قسم کی احادیث سے جن سے دین میں شک پیدا ہو، اعراض کرنا واجب ہے اور ان

۱۔ سخاس: ابو جعفر احمد بن محمد التماس مشہور نحوی اور لغوی گذرا ہے۔ اس کی وفات ۳۳۵ھ = ۹۴۹ء میں ہوئی۔ انہوں نے تفسیر قرآن لکھی ہے۔

۲۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ثنا عیاض مع شرح خفاجی ج ۲ ص ۹۳ تا ۱۱ طبع استنبول ۱۳۱۵ھ بغیض الباری: ج ۲: ۲۸۷-۲۸۸۔

احادیث کو دیوار پر پھینک ماریں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت اور آپ کے مرتبہ کا اس قدر بلند ہونا جس کے اوپر کوئی اور بندی نہیں کا وہ عقیدہ رکھیں جو آپ کو شایان ہے۔

مزید برآں جو کچھ ان لوگوں نے دَما اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے وہ اس بات کا متفق ہی ہے کہ ہر رسول اور ہر نبی کی وحی پر شیطان کا تسلط اس سے بھی زیادہ ہوا ہو جس قدر کہ قرآن پر ہوا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مِنْ رُسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ اِذَا تَمَتَّى اَللّٰهُ الشَّيْطَانُ نِي اٰمَنِيْتَه (سورہ حج آیت ۵۲) فرمایا ہے۔ لہذا ان کی تفسیر کے مطابق آیت کا اقتضا یہ ہوا کہ خدا کے انبیاء اور برگزیدہ بندوں کے ساتھ شیطان کی یہ عادت جاری رہی ہے اور اس کے باطل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

مولف کہتا ہے خدا حضرت سے راضی ہو، باوجود اسی ہونے کے آپ کی نظر کس قدر باریک ہے چنانچہ ناصر الدین البیضاوی فرماتے ہیں :-

بعض لوگوں کا قول ہے تَسْمِيٍّ کے معنی قِرَاءَ (پڑھا) کے ہیں اور اٰمَنِيْتَه سے مراد قراءت ہے اور شیطان نے قراءت میں الفاظ ڈال دیے یعنی غرائق کے الفاظ آسمانی بن آواز سے پڑھے کہ سننے والوں کو یہ شبہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ پڑھے ہیں۔ اس قول کو مردود قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس سے وحی پر اعتقاد میں خلل واقع ہوتا ہے اَللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يَكْفُرُ اَللّٰهُ اَيَاتِه سے یہ خلل دور نہیں ہوتا کیونکہ ہو سکتا ہے یہ بھی شیطان الفاعل میں سے ہو۔

حضرت نے اپنے جواب میں اسی کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ اس پر ایک اور اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ تَسْمِيٍّ کی ضمیر ان تمام رسولوں اور نبیوں کی طرف لوتی ہے جو آپ سے پہلے ہوئے مگر یہ ممکن نہیں کہ شیطان نے ان میں سے ہر ایک کی قراءت میں یہی مسئلہ غرائق کا القاء کیا ہو۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ عصمت انبیاء کا عقیدہ ایسا عقیدہ ہے جس میں پختہ یقین چاہیے لہذا جو حدیث اس عقیدہ کو ٹوڑے یا زکریٰ اسے کسی صورت میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ علماء اصول حدیث نے اس حدیث کا جو اس قسم کی ہو، ان احادیث میں شمار کیا ہے جنہیں قطعی طور پر غلط سمجھنا چاہیے رہا حافظ ابن حجر کا یہ قول کہ جو مرسل حدیث کو حجت مانتے ہیں ان کے نزدیک بھی اور جو حجت نہیں مانتے ان کے نزدیک بھی یہ حدیث حجت ہے اس لئے کہ یہ حدیث تین صحیح طریقوں سے وارد ہونے کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم وہاں کیا جا سکتا ہے جہاں ظن کفایت کرنا ہو جیسے وہ امور علمیہ جن کا تعلق حلال و حرام سے ہے۔ مگر امور علمیہ اعتقاد پر کے ثابت کرنے میں خبر واحد کوئی فائدہ نہیں دیتی چہ جائیکہ ان کے نفی اور

علہ ناصر الدین بیضاوی: تفسیر ناصر الدین ابی سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی مشہور مفسر اور عالم گذرے ہیں ان کی وفات ۶۸۵ھ  
۱۲۸۶ھ میں ہوئی ان کی تفسیر کا نام اوار التنزیل و اسرار التاویل ہے۔



منہدم کرنے میں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ قاضی عیاض کا قول اصول حدیث کے مخالف نہیں ہے بلکہ جو کچھ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے وہی اصول کے خلاف ہے کیوں کہ اس نے عقائد کو منہدم کرنے میں خبر واحد پر عمل کرنا چاہا ہے اور یہ اصول حدیث کے خلاف ہے۔

اسی طرح ابن حجر کا تسمیٰ کی تفسیر قرآن سے اور امتیہ بمعنی قراۃ کے کہنا اور یہ کہنا کہ یہ ابن عباس سے مروی ہے اور یہ قول اس آیت کی تفسیر میں بہترین، بلند اور اعلیٰ تفسیر ہے سوا اس کا جواب یہ ہے کہ ابن عباس سے یہ روایت علی بن ابی صالح کاتب لیث از معاویہ بن صالح از علی بن ابی طلحہ از ابن عباس آئی ہے۔ اور لوگوں کو معلوم ہے کہ ابن ابی صالح کاتب لیث پر کیا کچھ اعتراض کیا گیا ہے اور محققین بالاتفاق اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

آیت وَمَا ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی کی تفسیر | اس سے جس نور کی طرف اشارہ ہے وہ کیا ہے ؟

حضرت نے فرمایا: جس نور کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسول یا نبی کسی بھی امت کی طرف بھیجا تو وہ رسول اپنی امت کے لیے ایمان کی تمنا کرتا، اسے ان کے لیے پسند کرتا، انہیں اس کی رغبت دلاتا۔ اسی کی اشد درجہ کی خواہش کرتا اور اسی پر ان کو عہد درجہ کا زور دیتا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَلَعلَّکَ باخِعٌ نَفْسَکَ عَلٰی اَنۡ اَرۡهٰیۡنَکَ اِنۡ کُنۡتَ لَوۡ کٰوۡمِیۡنًا بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسْفَاہًا (سورہ کہف آیت ۶) اگر یہ لوگ قرآن پر ایمان نہ لائے تو کیا آپ افسوس کے مارے ان کے پیچھے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے (یعنی ایمان نہیں لاتے تو نہ لائیں، آپ اس تمنا میں کیوں گھلے جاتے ہیں) اور فرمایا وَمَا اَکۡثَرُ النَّاسِ ذُوۡ خِرَاصٰتٍ بِمَؤۡمِنِیۡنَہٗ (سورہ یوسف آیت: ۱۰۳) آپ خواہ کتنی خواہش کیوں نہ کریں، بہت سے لوگ ایمان لانے کے نہیں۔ اور فرمایا اَفَاَنۡتَ تُنۡکِرُہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَہٗ (سورہ یونس، آیت: ۹۹) کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں گے وغیرہ آیات جن میں اسی تمنا کا مضمون پایا جاتا ہے۔ پھر امت کا حال بھی مختلف ہوتا ہے بعضے مومن اور بعضے کافر۔ شیطان کافر کے دل میں اس قسم کے دوسو سے ڈال دیتا ہے جو نبی کی رسالت میں نقص نکالتے اور اس کے کفر کا سبب بنتے۔ اسی طرح مومن بھی دوسووں سے نہ بچتا کیونکہ ایمان بالغیب کے لیے دوسووں کا آنا ضروری امر ہے اگرچہ یہ دوسو سے اپنے اپنے متعلقات کے اعتبار سے کسی میں کم کسی میں زیادہ ہوتے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب تسمیٰ کے معنی یہ ہوئے کہ نبی امت کے لیے ایمان کی تمنا کرتا ہے اور ان کے لیے بھلائی، ہدایت

سے علی بن ابی طلحہ: انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے حالانکہ ان کے درمیان مجاہد آتے ہیں۔ ان کے تفسیر ہونے میں اختلاف ہے ۲۳۳ = ۲۵۵ = ۲۵۵ میں ان کی ذوات ہوئی۔



بنا کر پیش کیا۔ اور اَلشَّيْطَانُ فِي اٰمِنِيَّتِهِ کے معنی میں شیطان ان کی خواہش میں ایسی چیزوں کا القاء کرتا ہے جن سے آپ دنیا کی طرف مشغول ہو جاتے ہیں جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے اِنَّهُ لَيُعَانُ عَلٰی قَلْبِي فَاَسْتَعِظُ بِاللّٰهِ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً میرے دل پر بادل چھا جاتے ہیں تو میں دن میں ستر بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ جو کچھ بھی اس نے لکھا ہے نہ آیت کے سیاق سے مناسبت رکھتا ہے اور نہ ہی مرتبہ رسالت کی تنزیہ سے۔

مختصر یہ کہ اس آیت کی صحیح تفسیر وہی ہو سکتی ہے جس میں تین باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہو (۱) آیت کی ابتدا کا عموم (۲) آیت کے آخر کی تعلیل (۳) اور رسالت کا حق ادا کرے۔ اور یہ تینوں باتیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا، شیخ کی تفسیر کے سوا کہیں نہیں پائی جاتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

### ۱۶۔ قصہ ہاروت و ماروت

میں نے حضرت سے قاضی عیاض اور ابن حجر کے درمیان ہاروت و ماروت کے قصہ کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کے متعلق دریافت کیا کیوں کہ قاضی عیاض نے اس سلسلہ میں جو احادیث آئی ہیں ان سے انکار کیا ہے اور انہیں باطل قرار دیا ہے اور ابن حجر نے اس قصہ کو سچ سمجھا ہے اور کہا ہے کہ یہ قصہ متقدم طریقوں سے آیا ہے جن سے قصہ کی صحت کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کا وقوع قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ حافظ سیوطی نے بھی ابن حجر کی تابعداری کی ہے اور اپنی کتاب الحجاذیب فی اخبار الملائک میں اس کے کئی ایک طریقے دیے ہیں اور کہا ہے کہ اس نے اپنی تفسیر کبیر میں اس قصہ کے تمام طریقے بیان کر دیے ہیں۔

حضرت نے فرمایا۔ یہاں بھی قاضی عیاض حق پر ہیں۔ اور پھر وہ اسرار بیان کئے جنہیں نہ لکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی افشاء کیا جا سکتا ہے۔ والسلام۔

### ۱۷۔ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ (سورہ نور آیت ۲۴)

میں نے حضرت سے آیت وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ کے متعلق دریافت کیا کہ کیا آسمان میں پہاڑ ہیں جیسا کہ بعض مفسرین کا بیان ہے۔

حضرت نے فرمایا آسمان میں پہاڑ نہیں ہیں۔ اس آیت میں سماء سے مراد ہر وہ چیز ہے جو ہمارے سر کے اوپر ہے یعنی "تمہارے اوپر سے آتا ہے" اور برف کے پہاڑ اوپر کی طرف سے ہی آتے ہیں۔ کیونکہ ہوا

۱۷۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب الاستغفار ص ۲۰۳ مگر وہاں بجائے سبعین صوۃ کے مائتہ صوۃ ہے ۱۲

انہیں زمین سے اٹھا کر اوپر لے جاتی ہے۔

اس آیت کے متعلق حضرت سے سوال کرنے کا سبب یہ تھا کہ کسی نے مجھ سے پوچھا کہ برف کس طرح بنتی ہے اور سوال کے ضمن میں کسی ایک اور باتیں آجاتی تھیں اور مجھے سمجھ نہ آتی تھی کہ کیا جواب دوں۔ یہ سوالات میں نے حضرت کے سامنے پیش کیے۔ آپ نے تمام باتوں کا جواب دیا، میں نے یہ تمام باتیں جواب میں ذکر کر دیں۔ اب میں یہ سوال اور جواب دیتا ہوں تاکہ اس سے پورا فائدہ اٹھایا جاسکے۔

سوال | اے علماء کرام خدا مخلوقات کو آپ سے ہمیشہ مستفیض رکھے۔ برف کی اصل کیا ہے؟ کیا اپنی جگہ سے یہ اسی طرح جمی ہوئی اترتی ہے یا یہ اصل میں پانی ہوتا ہے جسے ہوائیں جمادیتی ہیں۔ اور یہ کس جگہ سے اترتی ہے۔

کیا یہ آسمان سے اترتی ہے یا بارش برس نے والے بادلوں سے یا یہ سمندر سے آسمان میں آکر رکنی ہوتی ہے جیسا کہ بارش کے متعلق کہا جاتا ہے اور کیا سبب ہے کہ یہ صرف سخت سرد ملکوں میں ہی پڑتی ہے گرم ملکوں میں نہیں پڑتی اور کیا وجہ ہے کہ صرف پہاڑوں پر پڑتی ہے۔ میدانوں میں نہیں پڑتی اور اگر میدانوں میں پڑے تو تھوڑی دیر کے بعد لپھل جاتی ہے حالانکہ پہاڑوں میں قائم رہتی ہے بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بارش کے ساتھ یک لخت اولوں کی صورت میں گرنے لگتی ہے اور کبھی ایسی برف یعنی اولے برستے ہیں۔ مزید برآں ہم دیکھتے ہیں کہ گرم اور سرد ملکوں کا درمیانی فاصلہ بہت تھوڑا ہوتا ہے مثلاً سولہ میل یا اس سے بھی کم اس کے باوجود ہر ایک ملک کی خصوصیت الگ ہوتی ہے (کہ ادھر سردی ہے اور ادھر گرمی) کیا اس سبب کی کوئی علت ہے یا نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ سردی صرف پہاڑوں اور بلند مقامات پر ہوتی ہے، میدانوں میں نہیں ہوتی؟ پھر یہ کہ بجلی صرف ٹھنڈے ملکوں، پہاڑوں اور ان مقامات پر پڑتی ہے جہاں درخت ہوں اور میدانی گرم اور ہموار زمین جیسے صحرا میں نہیں پڑتی چنانچہ میدانوں کے لوگ کہتے ہیں کہ انہیں بجلی کا پتہ ہی نہیں اور نہ وہاں گرتی ہے کیا وجہ ہے کہ ایک جگہ پڑتی ہے اور دوسری جگہ نہیں پڑتی اور اس میں کیا راز ہے؟ شافی جواب دیں۔

جواب | الحمد للہ وحدهٗ وصلى اللہ علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ۔ الجواب واللہ الموفق للصواب بسمہ۔

برف پانی ہے جسے ہوائیں منجمد کرتی ہیں اور اس کی اصل عموماً بحر محیط کے پانی سے ہے اور بحر محیط کے پانی میں تین خاصیتیں پائی جاتی ہیں:-

(۱) ہواؤں کے قرب اور سورج کی گرمی سے دوری کی وجہ سے جس قدر سخت ٹھنڈا یہ پانی ہوتا ہے کوئی اور پانی نہیں ہوتا۔ اسی لئے معمولی سے سبب سے یہ منجمد ہو جاتا ہے۔



(۲) یہ پانی انتہا درجہ کا صاف ہوتا ہے اس لیے کہ یہ اپنی اصل پر قائم ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کے جواہرِ راضی ملے نہیں ہوتے کیوں کہ یہ ایک ایسا سمندر ہے جسے ازلی قدرت اٹھائے ہوئے ہے یہ نہ زمین پر ہے نہ کسی اور چیز پر۔

(۳) انتہائی بُعد۔ اس لیے کہ ہمارے اور اس کے درمیان نہایت دور کی مسافت ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو یاد رکھو کہ جب اللہ تعالیٰ ہواؤں کو حکم دیتا ہے کہ اس پانی میں سے کچھ حصہ اٹھا لے جائیں تو اپنی ٹھنڈک کے باعث اٹھانے کے بعد ہی منجمد ہو جاتا ہے۔ ہواؤں اسے بھٹوڑا بھٹوڑا کر کے اٹھائے اور بہائے چلی جاتی ہیں حتیٰ کہ اس طویل مسافت کے طے کرنے میں جو ہمارے اور بحرِ محیط کے درمیان واقع ہے اس کی بندش بے حد کھل جاتی ہے یہاں تک کہ یہ غبار کی طرح ہو جاتا ہے اور اپنی تیزی کے باعث اس کے اجزاء مجتمع ہو جاتے ہیں اسی لئے کبھی یہ باریک صوف کی صورت میں گرتا ہے اور کبھی اس سے بھی زیادہ باریک۔ برف کی اصل یہی ہے، برخلاف اولے (زالہ) کے اس لئے اس کے منجمد ہونے اور گرنے کے درمیانی مسافت لمبی نہیں ہوتی کیونکہ اولے ان سمندروں کے پانیوں سے بنتے ہیں جو زمین کے درمیان میں ہیں اور ان نالابوں سے جو بالعموم بارشوں کے گرنے سے زمین پر جمع ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اولے کے بیچ میں زمین کے اجزاء مثلاً گوبر وغیرہ پائے جاتے ہیں اور ثقہ لوگوں نے اس کا شاہد بھی کیا ہے۔ نیز چونکہ چاروں طرف سے اس پر ہواؤں کے ٹھپیڑے پڑتے رہتے ہیں اس لیے وہ گول اور ایسا بناؤ لیے ہوتا ہے جیسے گوندے ہوئے سخت آٹے کا پیڑا کہ اس کو عورت برتن میں لت کر ہاتھوں سے گول بناتی ہے اور اولہ کے اجزاء کو ہوا کے جھونکے منٹھ کر پڑا بنا دیتے ہیں چنانچہ اگر اولہ فوراً گرے تو ہم یہ بات اس میں دیکھ سکتے ہیں اور اگر اس کے گرنے میں دیر لگے اور ہواؤں کے ٹھپیڑے جاری رہیں تو اس کے اجزاء ٹوٹ کر برف بن جاتے ہیں۔ برف کی اصل اور حقیقت یہی ہے اور ہمیں سے گرتی ہے۔

رہی یہ بات کہ برف اور اولہ کے لیے سرد مقامات اور پہاڑ کی چوٹیاں کیوں محسوس ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک کوئی مانع پیش نہ آئے برف برابر جمی رہتی ہے اور جب مانع پیش آئے تو یہ بارش بن جاتی ہے اور یہ مانع وہی زمین سے اٹھنے والے اجزاء بخار یہ ہیں اور ان میں کسی قدر حرارت پائی جاتی ہے لہذا جب یہ برف سے ملتے ہیں تو اس کی خشکی کو کم کر کے اس کے انجماد کو زائل کر دیتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اجزاء بخار یہ گرم ملکوں اور میدانوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں اسی لیے وہاں برف نہیں پڑتی اور اگر پڑے بھی تو زیادہ دیر تک نہیں رہتی برخلاف سرد ملکوں اور بلند پہاڑوں کے کہ وہاں برف منجمد ہونے سے روکنے کا کوئی سبب موجود نہیں ہوتا۔

اب رہی یہ بات کہ کبھی یہ بارش کے ساتھ گرتی ہے، کبھی تنہا۔ سو بارش کے ساتھ اس کے گرنے کے دو سبب ہیں یا تو اس لیے کہ ان بخاری اجزاء کی وجہ سے جو پہلے ہی موجود ہوتے ہیں، اس کے کچھ اجزاء پگھل

جاتے ہیں اس طرح گھٹے ہوئے اجزاء بارش کی صورت میں گرتے ہیں اور جو اجزاء نہیں گھٹتے وہ برف کی صورت میں۔ یہی وجہ ہے کہ جو بارش اولوں کے ساتھ گرتی ہے وہ بالعموم ہلکی کمزور اور باریک بوندوں والی ہوتی ہے۔ یا یہ کہ یہ پورے طور پر منجمد ہونے سے پہلے گر پڑتی ہے کیونکہ ہوا میں پانی اٹھاتی ہے تو وہ منجمد ہو جاتا ہے اور وہ اسے پیسے لگتی ہے پھر اور پانی اٹھاتی ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اسے گرنے کا حکم دیتے ہیں تو پہلا حصہ برف کی صورت میں گرتا ہے اور دوسرا بارش کی صورت میں کیونکہ وہ تو ابھی منجمد نہ ہوا تھا۔)

رہا آپ کا یہ سوال کہ سولہ سترہ میل کے تیل فاصلہ میں کون سی دیوار کھڑی ہو گئی کہ ادھر برف پڑتی ہے اور ادھر نہیں تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس فرق کا دار و مدار تمام تر مانع و عدم مانع پر ہے۔ سرد ملکوں میں انجماد سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی اور گرم ملکوں میں مانع موجود ہوتا ہے اسی لیے ہر ایک میں اپنی اپنی خصوصیت پائی گئی۔

یہ کہنا کہ پہاڑ اور بلند مقامات میں ٹھنڈک کیوں ہوتی ہے اور میدانوں میں کیوں نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہاڑ اور بلند مقامات میں ٹھنڈک اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اس جو (خلا) کے قریب ہوتے ہیں جو انتہا درجہ کا سرد ہوتا ہے اور میدان اس سے دور ہوتے ہیں فرق کی یہی وجہ ہے۔

اب رہا صاعقہ کے متعلق آپ کا سوال کہ گرم ملکوں میں کیوں نہیں گرتی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعویٰ ہی غلط ہے کیونکہ ہم نے اپنے شہر سلجاسہ میں صاعقہ گرتی دیکھی ہے حالانکہ یہ میدانی ہموار اور صحرائی علاقہ ہے۔ ہم نے بارہا اسے گرتے دیکھا ہے۔

سید نے شرح مواقف میں بھی ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک جنگل میں ایک بچے کے پاؤں پر بجلی گری تو اس کی دواؤں پڑ لیاں گر گئیں مگر خون نہیں نکلا۔ مفسرین نے بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت ذی سئل الصواعق فیضیب بہا من لیشاء اللہ تعالیٰ صاعقہ بھیجتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں لگ جاتی ہے، صحرا میں اس کے گرنے کا ذکر کیا ہے۔

یاد رکھیں کہ جو کچھ جواب میں لکھا گیا وہ سب اس شخص کی اطلاع ہے جو اباب بصیرت میں سے ہے اور اس نے حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے۔ ہماری مراد حضرت سے ہے لہذا یہ جواب حضرات صوفیہ کا جواب ہے۔

مگر ہمیں اہل سنت والجماعت کا اس بارے میں کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے تفسیر، حدیث اور کلام میں تمام مقامات کی طرف رجوع کیا جہاں اس مسئلہ کے پائے جانے کا گمان ہو سکتا تھا مگر مجھے کہیں کچھ نہ ملا یہاں تک کہ حافظ جلال الدین سیوطی نے جن کا حدیث و آثار میں اس قدر مرتبہ ہے، اس کا ذکر ہبۃ السنینۃ فی الہبۃ السنینۃ میں بھی نہیں کیا حالانکہ علم مہیت کے اسی قسم کے مسائل کے لیے یہ کتاب لکھی

گئی تھی اور نہ بیضاوی کے حاشیہ میں حالانکہ سیوطی کا طریقہ یہ ہے کہ حکماء کے اس کلام کا جس کی اتباع بیضاوی کرتا ہے، سلف صالحین کے کلام سے رد کرتا ہے اور نہ اپنی تفسیر الدر المنثور فی تفسیر القرآن بالاثور وغیرہ کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے حالانکہ ان تینوں کتابوں میں رعد، صواعق، بارش، بادل اور بجلی پر بہت بحث کی ہے اس لیے ضروری تھا کہ برف اور اولوں اور ان کے سبب کی بحث کرنا کیونکہ بیضاوی نے ان کے سبب کی فلسفیانہ بحث نقل کی ہے جس کی بناء فاعل بالاختیار یعنی خدا کی نفی پر ہے۔ موافق کے مصنف نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور حکماء کا یہی طرز ہے، موافق اور اس کی شرح میں مصنف کہتا ہے۔

”یاد رکھیں کہ سورج وغیرہ کی گرمی سے یا ہوا اور پانی کے اجزا مل کر فضا میں اٹھتے ہیں، اسی کا نام بخار ہے اور ان کا بلند ہونا بوجہل ہوتا ہے یا اجزاء نار یہ ارضیہ اٹھتے ہیں۔ یہی دھواں ہے جس کا بلند ہونا ہلکا ہوتا ہے، دھواں صرف وہی نہیں جو بالعموم سیاہ رنگ کا اور ان چیزوں سے اٹھتا ہے جو آگ سے جلتی ہیں۔ ایسا بہت شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ خالص بخار اور خالص دھواں اٹھے بلکہ بالعموم یہ دونوں ملے جلے ہوتے ہیں اور انہی سے تمام آثار علویہ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر دھواں کم ہو اور ہوا میں سخت گرمی ہو تو اس میں پانی کے اجزاء عمل ہو جاتے ہیں اور وہ اجزاء ہوا میں بدل جاتے ہیں۔ اسے خالص ہوا کہتے ہیں ورنہ اگر دھواں زیادہ ہو اور ہوا میں اس قدر حرارت نہ ہو جو اسے حل کر دے تو جب یہ بخار بلند ہو کر ٹھنڈی ہوا تک پہنچے گا تو اس کی ٹھنڈک سے منجمد ہو جائے گا اور گاڑھا ہو کر بادل بن جائے گا۔ اور پانی کے اجزاء اگر منجمد نہ ہوں اور سردی زیادہ نہ ہو تو قطروں کی صورت میں گریں گے یا اگر سردی زیادہ ہوگی تو منجمد ہو کر گریں گے اور اگر اجتماع، تقاطع اور بڑے بڑے اجسام بننے سے پہلے انجامد ہو تو یہ برف ہوگی اور اگر بعد میں تو اگلے، اولے گیند کی طرح گول اس لیے ہوتے ہیں کہ اس میں بہت تیز حرکت ہوتی ہے جو ہوا کو لگ کر باہر پھاڑتی ہے اس لیے گرنے والے قطروں کے کونے مٹ جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے سایہ، کمر، دھند، کڑک، بجلی، صاعقہ، ہوا اور دیگر امور علویہ پر بحث کی ہے، پھر ایک طویل عبارت کے بعد جس کا ملخص ہم نے جامع عبارت میں فصل ثانی یا مرصد ادل میں ذکر کر دیا ہے کہا ہے کہ یہ تمام فلسفہ پو کی آراء ہیں کیوں کہ انہوں نے قادر مطلق کی نفی کی ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا۔

ناصرالدین بیضاوی کو فلاسفہ کے طریقہ پر دینیزل من السماء من جناب فیہا من بروج کی تفسیر میں مہارت حاصل ہے۔ تعجب ہے کہ حافظ سیوطی نے اس کتاب کے حاشیہ میں خاموشی اختیار کی

۱۔ موافق: علامہ عضد الدین عبد الرحمن بن احمد لکھی کی تصنیف ہے۔ جو انہوں نے غیاث الدین وزیر خاندانہ کے لیے لکھی۔

ہے۔ اسی طرح شیخ الاسلام زکریا انصاری نے بھی اس کے حاشیہ میں سکوت اختیار کیا ہے۔  
یاد رکھیں کہ پہلا جواب جسے ہم نے حضرت سے سنا تھا اگر ہم اسے پھیلا کر اس کی تمام وجوہ اور  
تفصیل بیان کرنے لگیں تو ایک کتاب میں بھی سمانہ سکیں۔ جس قدر ہم بیان کر چکے ہیں۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔  
واللہ تعالیٰ اعلم اس کا قائل اور کاتب احمد بن مبارک بن محمد بن علی بن مبارک سلیمانسی لمطی ہے، خدا اس پر  
اپنا کرم کرے۔ آمین۔

زلزلہ اور اس کا سبب میں نے حضرت سے زلزلہ اور اس کے سبب کی نسبت سوال کیا۔ واقعہ  
یوں ہوا کہ میں رصیف کے بازار میں حضرت کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک معمولی سا جھٹکا آیا جسے کچھ لوگوں  
نے محسوس کیا کچھ نے نہیں۔ میں نے بھی اسے محسوس نہ کیا تھا۔ جب ہم مخفیہ کے تکیہ پر پہنچے تو لوگوں  
نے پوچھا کیا تم نے زلزلہ کو محسوس کیا تھا۔ میں نے کہا میں نے تو محسوس نہیں کیا اور نہ ہی زلزلہ آیا۔ حضرت  
نے فرمایا: زلزلہ آیا تھا اور اس وقت آیا تھا جب ہم رصیف کے بازار میں فلاں شخص کے پاس اس کی دکان  
پر کھڑے تھے۔ پھر زلزلہ کا علم سب کو ہو گیا۔ چنانچہ میں نے حضرت سے اس کا سبب پوچھا۔ جو کچھ سلف  
صالحین نے زلزلہ کے بارے میں کہا تھا، اس کا بھی مجھے علم تھا اور جو کچھ فلسفیوں نے کہا ہے، اس کا  
بھی۔ اس لیے میں نے حضرت سے جواب سنا چاہا۔

حضرت نے فرمایا زلزلہ کا سبب زمین پر حق تعالیٰ کی تجلی کا پڑنا ہے اس کی تفصیل میں راز ہے جو میں  
نے حضرت سے سن لیا تھا۔ پھر فرمایا ابتداء آفرینش اور پہاڑوں کی پیدائش سے پہلے یہ تجلی بکثرت ہوا  
کہتی تھی اور زمین بے قرار ہو کر جھج جاتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حجاب ڈال دیا اور پہاڑ پیدا کیے تو زمین  
ساکن ہو گئی۔ آخر زمانہ میں پھر یہ تجلی زیادہ ہو جائے گی جس کی وجہ سے زمین میں زلزلے بکثرت ہوں گے  
یہاں تک کہ تمام مخلوق ہلاک ہو جائے گی۔

مؤلف کتاب ہے کہ حافظ سیوطی نے اپنی کتاب کشف الصلصلة عن وصف الزلزلة میں بروایت  
ابن عباس قریب وہی بیان کیا ہے جو حضرت نے فرمایا۔

بلانی نے کتاب السنۃ میں یہ باب باندھا ہے زلزلہ کے وقت زمین پر اللہ تعالیٰ کی تجلی کے متعلق جو کچھ  
احادیث میں آیا ہے اس کا بیان حفص بن عمر الرقی از عمرو بن عثمان الکلبی از موسیٰ بن اعمین از اوزاعی  
از یحییٰ بن ابی کثیر از عکرمہ از ابن عباس فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانا چاہتا ہے تو زمین کو اپنا کچھ  
جلوہ دکھاتا ہے جس سے وہ لرزنے لگتی ہے اور جب کسی قوم کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو پورا جلوہ دکھاتا ہے۔

۱۴۰۰  
۱۵ شیخ الاسلام زکریا انصاری: الخرزجی امام شعرانی کے استاد تھے بشریبت اور طریقت دونوں میں اپنے زمانہ میں  
جواب نہ رکھتے تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں ۹۲۶ھ = ۱۵۱۹ء میں وفات پائی۔



مسند فردوس میں ویلی نے لکھا ہے: خبر دی عبدوس نے از زنجبیر از القطعی از محمد بن اسحق البلیغی القاضی از ابو نعیم از عبد الرحمن بن براء ہراتی از ابو عبد اللہ المروزی از محمد بن ازہر از یوب بن موسیٰ از اوزاعی از یحییٰ بن ابی کثیر از عکرمہ از ابن عباس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ڈرانا چاہتا ہے تو اپنی کچھ تھلی زمین پر ڈالتا ہے جس سے وہ لرزنے لگ جاتی ہے اور جب اللہ اپنی مخلوق کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو پورا جلوہ دکھاتا ہے۔

خدا حضرت سے راضی ہو، آپ کو امور کا کس قدر علم ہے۔

اس کے بعد امام سیوطی نے لکھا ہے، ان احادیث سے ظاہر ہو گیا کہ حکماء کا یہ کہنا فاسد ہے کہ زلزلے ان بخارات کی کثرت سے آتے ہیں جو سورج کی تاثیر سے پیدا ہو کر زمین کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں جہاں ہوا کی برودت ان کو ٹور نہیں سکتی کہ پانی بن جائے اور نہ ہی اپنی کثرت کے باعث تھوڑی سی حرارت سے تحلیل ہوتے ہیں اور سطح زمین بھی وہاں اس قدر سخت ہوتی ہے کہ وہاں سے بخارات نکل نہیں سکتے۔ لہذا جب بخارات اوپر اٹھتے ہیں اور انہیں نکلنے کی راہ نہیں ملتی تو زمین حرکت کرتی ہے اور اس طرح بیقرار ہوتی ہے جس طرح بخار میں مبتلا انسان مضطرب ہوتا ہے کیونکہ گرم بخارات اس کے پیٹ میں جوش مار رہے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات زمین کی سطح پھٹ جاتی ہے تو یہ رُکے ہوئے مادے باہر نکل آتے ہیں۔

اس راتے کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے۔ یہ حافظ سیوطی کا بیان ہے۔

خسف کا سبب میں نے حضرت نے دریافت کیا کہ زمین میں کبھی خسف ظاہر ہوتا ہے یعنی زمین پھٹ جاتی ہے اور اس میں انسان و دیگر اشیاء دھنس جاتی ہیں اور یہ سورت آخر زمانہ میں بکثرت ہوگی اس کا کیا سبب ہے؟

فرمایا: زمین پانی پر ہے اور پانی ہوا پر اور ہوا اس بڑے میدان سے نکلتی ہے جو آسمان اور بحر محیط کے درمیان واقع ہے۔ اس کی تشریح یوں ہے کہ فرض کرو کہ ایک شخص متواز چلتا رہے تو چلتے چلتے وہ وہاں پہنچ جائے گا جہاں زمین ختم ہو جائے پھر اسے بحر محیط نظر آئیگا پس اگر ہم فرض کریں کہ وہ بحر محیط پر بھی چلتا گیا ہے تو بالآخر وہ ختم ہو جائے گا اور اب اس کے اور آسمان کے درمیان صرف ایک خلا ہوگا جس سے ہوا نکلتی ہے اسے ایسی ہوائیں دکھائی دیں گی جن کی نہ کیفیت بیان ہو سکتی نہ انہیں کوئی برداشت کر سکتا ہے۔ یہی ہوائیں اللہ کے حکم سے پانی اور زمین کو اٹھائے ہوئے ہیں اور آسمان کو ٹھائے ہوئے ہیں۔ پھر یہ ہر وقت خدمت میں لگی ہوتی ہیں اور ایک لمحہ کے لیے بھی آرام نہیں لیتیں اور آسمان کی طرف اٹھتی رہتی ہیں اور جب اللہ کسی قوم پر بارش برسانا چاہتا ہے تو ان ہواؤں میں تھوڑے سے حصہ کو حکم دیتا ہے تو یہ زمین کی طرف اپنا رخ پھیر لیتی ہیں اور بحر محیط وغیرہ کی سطح کو عبور کر کے جس قدر اللہ کی مرضی

ہو، اس زمین کی طرف پانی اٹھائے جاتی ہیں۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے اس پانی کو دیکھا جو اس جو (خلا) سے ملا ہوا ہے جس میں ہوا میں ہوتی ہیں تو مجھے ہرت کے اس قدر عظیم پہاڑ دکھائی دیے جن کی عظمت کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں جب میں غار سے واپس آتا تو دیکھتا کہ یہ پہاڑ منتقل ہو کر اس پانی کے کنارے چلے گئے ہیں جو کہ قاف سے ملا ہوا ہے۔ دیکھا تو انہیں وہ ہوائیں اٹھا کر لائی ہیں جنہوں نے اپنا رخ پلٹا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو زمین میں دھنسا نا چاہتا ہے تو یہ ہوائیں زمین میں ان سوراخوں اور ان گڑھوں میں گھس جاتی ہیں جو ان ہواؤں اور پانی کے درمیان ہیں، لہذا جب ان میں ہوا گھسنی ہے تو زمین کھل جاتی ہے جس سے لوگ زمین میں دھنس جاتے ہیں۔ آخر زمانہ میں نیچے میں سوراخ زیادہ ہو جائیں گے اور زمین کی طرف ہواؤں کا رخ بھی بکثرت پلٹا کرے گا جس کی وجہ سے خسوف بکثرت ہو کر یں گے یہاں تک کہ دنیا کا تمام محفل ہو جائے گا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فعل اور ارادہ سے ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر ہوائیں زمین کا برابر قصد کرتی رہیں گی اور اس کی تباہی کا ارادہ کریں گی۔ یہاں تک کہ زمین ہواؤں کے ہاتھوں میں اس چھلنی کی مانند ہوگی جس کے ذریعہ سے گندم کو مٹی اور پتھروں سے جدا کیا جاتا ہے اور زمین کا غلہ وہ ریڑھ کی ہڈی ہے جس سے ذات النسانی ترکیب پاتی ہے اور یہ ہڈی انسانوں کے لیے بمنزلہ بیج کے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ان ہڈیوں کو زمین اور سمندروں کی گہرائیوں، غاروں اور پہاڑوں کے نیچے سے اور جہاں کہیں بھی یہ ہوں گی جمع کرے گا۔ اس دن پہاڑ چلیں گے اور ہواؤں کے زور سے انہیں منتشر کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد آسمان پھٹ جائے گا اور ریڑھ کی ہڈیوں پر بانی برسے گا جس سے وہ آہستہ آہستہ پرورش پائیں گی جیسے کدو اور تر بوڑ وغیرہ پرورش پاتا ہے اور یہ سطح زمین پر ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت نے فرمایا اسی وقت کے متعلق حضرت عبدالوہاب برناوی فرمایا کرتے تھے اس دن کو یاد رکھو جب زمین اٹھ سے دس کی اور ریڑھ کی ہڈی کو نشوونما دینے کی طرف جائے گی۔ پس جب یہ منوکمل ہو جائے گا تو بنو آدم اس طرح اس میں سے نکلیں گے جس طرح پرندہ اٹھ کے پھٹنے سے نکلتا ہے۔ فرمایا اس دن ناف پیٹھ کی طرف ہوگی پیٹ کی طرف نہ ہوگی اس کے بعد اللہ تعالیٰ روحوں کو اپنے اپنے جسموں میں داخل ہونے کا حکم دیں گے۔ جب روہیں داخل ہو جائیں گی تو یہ اٹھ کھڑے ہوں گے اور نال کٹ جائے گی۔ جب روہیں اجسام میں داخل ہو چکیں گی تو اللہ تعالیٰ اس نذر اور ہر کو جس نے جہنم کو دنیا کی طرف جانے سے روکا ہوا تھا، حکم دیں گے یعنی لڑ محمد سلی اللہ علیہ وسلم کہ وہ جنت کی طرف جائے۔ اس وقت جہنم نکل کر اہل دنیا کی طرف آئے گا اور

۱۴۹

ان غاروں سے ہزار ہزار ہے جہاں اہل دیوانہ اجتماع ہوتا ہے۔ شیخ عبدالعزیز دبارغ چونکہ غوث وقت تھے اس لئے ان کا وہاں جانا رہتا۔ ۱۴ منبریم۔

ہر طرف سے ان کو گھیرے گا۔ اس دن جس قدر نوت لوگوں کے دلوں پر طاری ہوگا اس کا علم اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

حضرت نے فرمایا: اس دن جب روحیں جسموں میں داخل ہونے لگیں گی تو ان روتوں کی سنسناہٹ، تڑپ اور شور سنائی دے گا جس سے دلوں پر رعب چھا جائے گا اور جگر و مہشت کے مارے چاک ہوئے جائیں گے اس کے بعد حضرت نے جو کچھ اس دن پیش آئے گا بیان کیا جس کا کچھ حصہ آگے پل کر بیان ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۷۔ یُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ (سورہ الرحمن)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت یُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ (اے گروہ جن وانس تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پس تم اس پر غلبہ نہ پاسکو گے) میں جن اور اور النساءوں کو خطاب ہے تو کیا یہ واقعہ محشر میں ہوگا یا ہنم میں ڈال دیے جانے کے بعد حضرت نے فرمایا یہ واقعہ میدان محشر میں ہوگا اور یہ وہی آگ ہوگی جو اہل محشر پر نکل کر آئے گی اور انہیں ہر طرف سے گھیرے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸۔ یَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (سورہ انبیاء آیت ۱۰۴)

میں نے حضرت سے پوچھا کہ آیت یَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (جس روز ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جس طرح سجل کتابوں کو لپیٹ لیتا ہے) میں سِجِلٌّ سے کیا مراد ہے کیونکہ بعض مفسرین نے اس کے معنی صحیفہ بتائے ہیں یعنی جس طرح صحیفہ کتاب کو لپیٹ لیتا ہے یعنی اس لکھائی کی خاطر جو اس صحیفہ میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس صحیفہ کو اس لکھائی کی وجہ سے جو اس میں ہے لپیٹ لیا جائے گا۔

حضرت نے فرمایا: سِجِلٌّ سے مراد وہ آلہ ہے جس پر لکھنے والا اس کتاب کو لکھتا ہے جس سے وہ نقل کر رہا ہو اور جسے عوام ہمارا کُتُبِ (رحل) کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ یہ لفظ سریانی ہے۔ معنی یہ ہونے کہ جس دن ہم آسمانوں کو رحل کی طرح لپیٹ دیں گے کیونکہ لکھنے والا جب لکھنے سے فارغ ہو جاتا ہے تو اسے لپیٹ دیتا ہے اور لکھنے والا سِجِلٌّ کا حال واقع ہوا ہے یعنی درآں حالیکہ سِجِلٌّ کتاب کے لیے ہو یعنی وہ سِجِلٌّ نہ ہو جو اور چیزوں کے لیے ہوتا ہے۔ مجھے حضرت سے یہ بات پوچھنے کا خیال نہ رہا کہ اس میں وجہ شہرہ کیا ہے اور آسمان کے لپیٹے جانے کی کیا کیفیت ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے آسمان کے لپیٹے جانے سے پہلے تشبیہ دی ہے اور کیا ان دنوں میں کوئی خاص مناسبت ہے جو کسی اور چیز میں نہیں پائی جاتی۔

کتاب کے سوا کسی اور چیز کا بھی سجل ہونا ہے تاکہ اس سے استخراج کیا جائے۔ اگر ہے تو کیا ہے۔ اگر میں یہ سب کچھ پوچھ لیتا تو حضرت سے ان کے جواب میں غیبی علوم ظاہر ہوتے کیونکہ حضرت جو کچھ بیان کرتے مشاہدہ سے بیان کرتے نہ آپ چونکہ اس مسئلہ کی تکمیل میں ان کا کلام موجود نہیں لہذا میں اسے علم کے کلام سے مکمل کرتا ہوں۔

امام عبداللہ بخاری اپنی صحیح میں کہتے ہیں سجل کے معنی ہیں کتاب کا ورق۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں فریابی نے اس قول کو اپنے طریقہ سے یعنی مجاہد کے طریقہ سے متصل کر دیا ہے اور فرما ہے اس پر تائید کر دی۔ طبری نے علی بن ابی طالب از ابن عباس سجل کے معنی لکھے ہیں جس طرح ورق اپنی تحریر پر لپیٹ جاتا ہے۔ بعضوں نے علی کو من کے معنوں میں لیا ہے یعنی تحریر کی خاطر کیونکہ ورق اس تحریر کی خاطر جو اس میں سے لپیٹ لیا جاتا ہے۔ ابن عباس سے یہ بھی مراد ہے کہ سجل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کتاب کا نام ہے۔ اس حدیث کی روایت ابوداؤد، نسائی اور طبری نے عمر بن مالک از ابی الجوزاء از ابن عباس کے طریقہ سے کی ہے۔ ابن مردودہ کے نزدیک ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ حبشہ کی زبان میں سجل کے معنی آدمی کے ہیں۔ عبد بن حمید نے عطیہ کی سند سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ نیز ایک ضعیف اسناد کے ساتھ علی کی روایت سے یہی معنی دے ہیں۔

۱۰۵۰۔ فریبی: شیخ الوقت ابوبکر جعفر بن محمد بن من بن مستفاض تزکی۔ دیور کے قاضی تھے اور صاحب تصانیف ہیں۔ یہ ثقہ تھے اور ادبیہ علم میں سے شمار ہوتے تھے ان کے پاس ہزاروں کی تعداد میں طابع علم حدیث پڑھنے آتے تھے ۸۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۱۳ھ میں وفات پائی۔

عکہ نجفی اس علی کی سمجھ نہیں آئی کہ یہ کہاں سے آگیا ہے۔ آیت میں علی کا لفظ نہیں ہے۔

عکہ عمر بن مالک شرفی المعاذی المصری۔ البجلی انیس ثقہ شمار کیا ہے۔ ابن یونس اور ضمام دونوں اسے ثقہ پکارتے ہیں مسلم نے اس سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔

۱۰۵۱۔ ابوالجوزاء: ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ ربیع البصری تابعی ہیں۔ انہوں نے ابوہریرہ، عائشہ اور ابن عباس وغیرہم سے روایت کی ہے۔ بہت عابد و فاضل تھے۔

۱۰۵۲۔ ابن مردویہ: ابوبکر احمد بن سلی بن مردویہ اصفہانی۔ صاحب تفسیر ہیں اور تاریخ وغیرہ بھی لکھی ہے حافظ حدیث اور ثقہ ۳۲۳ھ = ۹۳۴ء میں پیدا ہوئے اور ۴۱۶ھ = ۱۰۲۵ء میں وفات پائی۔

عکہ عبد بن حمید: حافظ ابو محمد بن حمید بن نصر مصنف مسند کبیر اور تفسیر ان کا اصل نام عبد الحمید ہے مگر مخفف کر لیا گیا۔ جوانی کے زمانہ میں سفر کیا۔ امام بخاری نے انہیں عبد الحمید ہی لکھا ہے۔ امام حدیث اور ثقہ تھے ۲۲۹ھ = ۸۴۳ء میں وفات پائی۔

عکہ عطیہ: عطیہ بن سعد بن جنادہ قسبی۔ انہوں نے ابوسیدہ، ابوہریرہ وغیرہم سے روایت کی ۱۲۱ھ = ۷۳۸ء میں وفات پائی۔





مَكَانَهُ فَسَوَّفَ تَرَاجِي (موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار مجھے اپنی زیارت کرا دیں۔ فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تو بھی مجھے دیکھ سکتے گا) کے بارے میں دریافت کیا اور عرض کی کہ موسیٰ علیہ السلام تو بہت بڑے عارف باللہ ہیں اور عارف جب تک مشاہدہ کے سمندر میں غوطہ زن نہ ہو، عارف نہیں کہلا سکتا۔ لہذا باوجودیکہ آپ کو دائمی مشاہدہ حاصل تھا، دیدار کا سوال کیوں کیا؟ اور کیا دیدار سے مشاہدہ میں کچھ اضافہ ہو جاتا ہے۔

فرمایا کہ اہل مشاہدہ کو ذات باری کا مشاہدہ افعال باری سے خالی اور صاف ہو کر صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ باری تعالیٰ اپنے افعال کو اس سے منقطع فرمالیں اور اگر ایک لحظہ کے لیے بھی کسی ذات سے افعال باری منقطع ہو جائیں تو وہ ذات باقی نہیں رہ سکتی اور دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا لہذا ہر چیز جو دنیا میں پائی جاتی ہے اس میں اللہ کا فعل پایا جاتا ہے۔ یہی اس کا مادہ اور زندگی کا سبب ہے اور یہی حجاب بنا ہوا ہے اس ذات فانی اور ذات باری کے درمیان۔ اور اگر حق تعالیٰ اپنے افعال کو ذات فانی میں حجاب نہ بنائے تو عالم کا ہر حادثہ فانی جل جائے۔ لہذا جب اہل مشاہدہ کا مشاہدہ افعال باری سے صاف اور خالی نہ ہو اور وہ اس طرح بن گئے جیسے آنکھ میں کٹک۔ اسی کیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ اپنے فعل کو جو مانعِ رؤیت ہے قطع کر کے درمیان سے پردہ اٹھاوے۔ کہ ذات باری کا صاف نظارہ ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اگر میں اپنے فعل کو ذات حادث سے منقطع کر لوں تو اس کی ذات ہی فنا ہو جائے۔ چنانچہ دیکھو یہ پہاڑ جو تم سے اپنی ذات کے اعتبار سے زیادہ قوی اور جسم کے لحاظ سے زیادہ سخت ہے اس سے اپنا فعل منقطع کر لیتا ہوں۔ دیکھو اگر یہ اپنی حالت پر قائم و برقرار رہا تو تو بھی مجھے دیکھ سکتے گا۔ پس جب اللہ نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی اور اپنے فعل کا تعلق جو اس کے لیے سطوتِ ذات حق سے حجاب بنا ہوا تھا اس سے قطع فرمایا تو وہ فوراً پارہ پارہ ہو گیا اور اس کے اجزاء اڑ گئے حتیٰ کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بھی بہوش ہو کر گر پڑے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ۲۰۔ يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُنۢبِئُ (سورہ رعد آیت : ۳۹)

میں نے اللہ کے فرمان يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُنۢبِئُ (اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے) کے متعلق حضرت سے دریافت کیا اس لیے کہ علماء تفسیر کا اس میں بہت سا اختلاف ہے۔ میں نے علماء کے بعض اقوال بھی نقل کیے۔

حضرت نے فرمایا میں اس آیت کی وہی تفسیر بیان کر دوں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کل سنی تھی پھر فرمایا کہ دنیا میں ہونے والے امور کے متعلق جو خیالات لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ علماء استاذ علی ولدہ فرمانے ہیں کہ تعجب اس بات پر ہے کہ باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اپنا دائمی دیدار عطا کیا

پھر بھی کن ترانی کہہ دیا (لواقعہ الانوار فی طبقات الاخبار جلد ۲ صفحہ ۳۱)

(۱) وہ امور جو کبھی واقع نہیں ہوتے اور یَسْحُو اللّٰهُ مَا لَيْشَاءُ (اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے) کا اشارہ اسی طرف ہے۔ (۲) جو امور واقع ہونے والے ہوتے ہیں جس کی طرف یَثْبُتُ کے لفظ سے اشارہ کیا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ خیالات جن کا تعلق آئندہ آنے والے امور سے ہوتا ہے مثلاً بارش کا اترنا، آنے والے کا آنا۔ یا کسی حادثہ کا پیش آنا۔ ان میں سے بعض امور پیش نہیں آتے یہی محوشہ امور ہیں اور بعض صحیح ثابت ہوتے ہیں اور یہی مثبت ہیں اور اصل کتاب یعنی لوح محفوظ اللہ کے پاس ہے۔ یہی وہ ازلی علم ہے جو کبھی غلط نہیں ہوتا۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے، اسی پر اعتماد کرو۔ اور باقی سب تفسیروں کو چھوڑ دو۔ باقی سب تفسیروں کو چھوڑ دو کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں نے اس سے پہلے اس آیت کی ایک اور تفسیر سنی تھی جس میں آپ نے معرفت کے حقائق بیان فرمائے تھے۔ (اس لئے فرمایا اسے بھی چھوڑ دو۔) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۱۔ وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ۔ يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي

لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ۔ (سورہ آل عمران آیت ۴۲)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ یہ آیت وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ۔ يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ۔ (سورہ آل عمران آیت ۴۲) اس وقت کو یاد کرو جب فرشتوں نے مریم سے کہا تھا اے مریم، تمہیں اللہ نے منتخب کر لیا ہے۔ تمہیں پاک بنایا ہے اور دنیا کی عورتوں پر فضیلت بخشی ہے۔ اے مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کرتی رہو اور سجدہ کرتی رہو اور جھکنے والوں کے ساتھ جھکتی رہو، حضرت مریم کی نبوت پر دلالت کرتی ہے اور کیا یہ کتنا درست ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ، فرعون کی بیوی آسیہ، سارہ، ہاجر، اور حواء نبی تھیں کیونکہ بعض علماء نے انہیں نبی کہا ہے اور بعض نے اس سے انکار کیا ہے اور بعض نے مریم علیہا السلام کی نبوت کے متعلق اجماع نقل کیا ہے اگر ایسا ہے تو دوسری عورتیں جن کے نام لیے گئے، نبوت کی زیادہ حقدار ہیں اور بعض نے مثلاً اہل سنت والجماعت کے رئیس شیخ (ابوالحسن) اشعری نے توقف کیا ہے یعنی نہ اقرار کیا ہے نہ اقرار پہلے قرین کا استدلال یہ ہے کہ فرشتہ کا نزول صرف نبی پر ہوتا ہے اور اس آیت میں تصریحاً بیان کیا گیا ہے کہ فرشتہ کا نزول مریم پر ہوا (لہذا نبوت ثابت ہوگئی) اس قرین نے نبی اور ولی کے درمیان ہی فرق بتایا ہے

۱۰۰  
۱۰۱  
۱۰۲  
۱۰۳  
۱۰۴  
۱۰۵  
۱۰۶  
۱۰۷  
۱۰۸  
۱۰۹  
۱۱۰  
۱۱۱  
۱۱۲  
۱۱۳  
۱۱۴  
۱۱۵  
۱۱۶  
۱۱۷  
۱۱۸  
۱۱۹  
۱۲۰  
۱۲۱  
۱۲۲  
۱۲۳  
۱۲۴  
۱۲۵  
۱۲۶  
۱۲۷  
۱۲۸  
۱۲۹  
۱۳۰  
۱۳۱  
۱۳۲  
۱۳۳  
۱۳۴  
۱۳۵  
۱۳۶  
۱۳۷  
۱۳۸  
۱۳۹  
۱۴۰  
۱۴۱  
۱۴۲  
۱۴۳  
۱۴۴  
۱۴۵  
۱۴۶  
۱۴۷  
۱۴۸  
۱۴۹  
۱۵۰  
۱۵۱  
۱۵۲  
۱۵۳  
۱۵۴  
۱۵۵  
۱۵۶  
۱۵۷  
۱۵۸  
۱۵۹  
۱۶۰  
۱۶۱  
۱۶۲  
۱۶۳  
۱۶۴  
۱۶۵  
۱۶۶  
۱۶۷  
۱۶۸  
۱۶۹  
۱۷۰  
۱۷۱  
۱۷۲  
۱۷۳  
۱۷۴  
۱۷۵  
۱۷۶  
۱۷۷  
۱۷۸  
۱۷۹  
۱۸۰  
۱۸۱  
۱۸۲  
۱۸۳  
۱۸۴  
۱۸۵  
۱۸۶  
۱۸۷  
۱۸۸  
۱۸۹  
۱۹۰  
۱۹۱  
۱۹۲  
۱۹۳  
۱۹۴  
۱۹۵  
۱۹۶  
۱۹۷  
۱۹۸  
۱۹۹  
۲۰۰  
۲۰۱  
۲۰۲  
۲۰۳  
۲۰۴  
۲۰۵  
۲۰۶  
۲۰۷  
۲۰۸  
۲۰۹  
۲۱۰  
۲۱۱  
۲۱۲  
۲۱۳  
۲۱۴  
۲۱۵  
۲۱۶  
۲۱۷  
۲۱۸  
۲۱۹  
۲۲۰  
۲۲۱  
۲۲۲  
۲۲۳  
۲۲۴  
۲۲۵  
۲۲۶  
۲۲۷  
۲۲۸  
۲۲۹  
۲۳۰  
۲۳۱  
۲۳۲  
۲۳۳  
۲۳۴  
۲۳۵  
۲۳۶  
۲۳۷  
۲۳۸  
۲۳۹  
۲۴۰  
۲۴۱  
۲۴۲  
۲۴۳  
۲۴۴  
۲۴۵  
۲۴۶  
۲۴۷  
۲۴۸  
۲۴۹  
۲۵۰  
۲۵۱  
۲۵۲  
۲۵۳  
۲۵۴  
۲۵۵  
۲۵۶  
۲۵۷  
۲۵۸  
۲۵۹  
۲۶۰  
۲۶۱  
۲۶۲  
۲۶۳  
۲۶۴  
۲۶۵  
۲۶۶  
۲۶۷  
۲۶۸  
۲۶۹  
۲۷۰  
۲۷۱  
۲۷۲  
۲۷۳  
۲۷۴  
۲۷۵  
۲۷۶  
۲۷۷  
۲۷۸  
۲۷۹  
۲۸۰  
۲۸۱  
۲۸۲  
۲۸۳  
۲۸۴  
۲۸۵  
۲۸۶  
۲۸۷  
۲۸۸  
۲۸۹  
۲۹۰  
۲۹۱  
۲۹۲  
۲۹۳  
۲۹۴  
۲۹۵  
۲۹۶  
۲۹۷  
۲۹۸  
۲۹۹  
۳۰۰  
۳۰۱  
۳۰۲  
۳۰۳  
۳۰۴  
۳۰۵  
۳۰۶  
۳۰۷  
۳۰۸  
۳۰۹  
۳۱۰  
۳۱۱  
۳۱۲  
۳۱۳  
۳۱۴  
۳۱۵  
۳۱۶  
۳۱۷  
۳۱۸  
۳۱۹  
۳۲۰  
۳۲۱  
۳۲۲  
۳۲۳  
۳۲۴  
۳۲۵  
۳۲۶  
۳۲۷  
۳۲۸  
۳۲۹  
۳۳۰  
۳۳۱  
۳۳۲  
۳۳۳  
۳۳۴  
۳۳۵  
۳۳۶  
۳۳۷  
۳۳۸  
۳۳۹  
۳۴۰  
۳۴۱  
۳۴۲  
۳۴۳  
۳۴۴  
۳۴۵  
۳۴۶  
۳۴۷  
۳۴۸  
۳۴۹  
۳۵۰  
۳۵۱  
۳۵۲  
۳۵۳  
۳۵۴  
۳۵۵  
۳۵۶  
۳۵۷  
۳۵۸  
۳۵۹  
۳۶۰  
۳۶۱  
۳۶۲  
۳۶۳  
۳۶۴  
۳۶۵  
۳۶۶  
۳۶۷  
۳۶۸  
۳۶۹  
۳۷۰  
۳۷۱  
۳۷۲  
۳۷۳  
۳۷۴  
۳۷۵  
۳۷۶  
۳۷۷  
۳۷۸  
۳۷۹  
۳۸۰  
۳۸۱  
۳۸۲  
۳۸۳  
۳۸۴  
۳۸۵  
۳۸۶  
۳۸۷  
۳۸۸  
۳۸۹  
۳۹۰  
۳۹۱  
۳۹۲  
۳۹۳  
۳۹۴  
۳۹۵  
۳۹۶  
۳۹۷  
۳۹۸  
۳۹۹  
۴۰۰  
۴۰۱  
۴۰۲  
۴۰۳  
۴۰۴  
۴۰۵  
۴۰۶  
۴۰۷  
۴۰۸  
۴۰۹  
۴۱۰  
۴۱۱  
۴۱۲  
۴۱۳  
۴۱۴  
۴۱۵  
۴۱۶  
۴۱۷  
۴۱۸  
۴۱۹  
۴۲۰  
۴۲۱  
۴۲۲  
۴۲۳  
۴۲۴  
۴۲۵  
۴۲۶  
۴۲۷  
۴۲۸  
۴۲۹  
۴۳۰  
۴۳۱  
۴۳۲  
۴۳۳  
۴۳۴  
۴۳۵  
۴۳۶  
۴۳۷  
۴۳۸  
۴۳۹  
۴۴۰  
۴۴۱  
۴۴۲  
۴۴۳  
۴۴۴  
۴۴۵  
۴۴۶  
۴۴۷  
۴۴۸  
۴۴۹  
۴۵۰  
۴۵۱  
۴۵۲  
۴۵۳  
۴۵۴  
۴۵۵  
۴۵۶  
۴۵۷  
۴۵۸  
۴۵۹  
۴۶۰  
۴۶۱  
۴۶۲  
۴۶۳  
۴۶۴  
۴۶۵  
۴۶۶  
۴۶۷  
۴۶۸  
۴۶۹  
۴۷۰  
۴۷۱  
۴۷۲  
۴۷۳  
۴۷۴  
۴۷۵  
۴۷۶  
۴۷۷  
۴۷۸  
۴۷۹  
۴۸۰  
۴۸۱  
۴۸۲  
۴۸۳  
۴۸۴  
۴۸۵  
۴۸۶  
۴۸۷  
۴۸۸  
۴۸۹  
۴۹۰  
۴۹۱  
۴۹۲  
۴۹۳  
۴۹۴  
۴۹۵  
۴۹۶  
۴۹۷  
۴۹۸  
۴۹۹  
۵۰۰  
۵۰۱  
۵۰۲  
۵۰۳  
۵۰۴  
۵۰۵  
۵۰۶  
۵۰۷  
۵۰۸  
۵۰۹  
۵۱۰  
۵۱۱  
۵۱۲  
۵۱۳  
۵۱۴  
۵۱۵  
۵۱۶  
۵۱۷  
۵۱۸  
۵۱۹  
۵۲۰  
۵۲۱  
۵۲۲  
۵۲۳  
۵۲۴  
۵۲۵  
۵۲۶  
۵۲۷  
۵۲۸  
۵۲۹  
۵۳۰  
۵۳۱  
۵۳۲  
۵۳۳  
۵۳۴  
۵۳۵  
۵۳۶  
۵۳۷  
۵۳۸  
۵۳۹  
۵۴۰  
۵۴۱  
۵۴۲  
۵۴۳  
۵۴۴  
۵۴۵  
۵۴۶  
۵۴۷  
۵۴۸  
۵۴۹  
۵۵۰  
۵۵۱  
۵۵۲  
۵۵۳  
۵۵۴  
۵۵۵  
۵۵۶  
۵۵۷  
۵۵۸  
۵۵۹  
۵۶۰  
۵۶۱  
۵۶۲  
۵۶۳  
۵۶۴  
۵۶۵  
۵۶۶  
۵۶۷  
۵۶۸  
۵۶۹  
۵۷۰  
۵۷۱  
۵۷۲  
۵۷۳  
۵۷۴  
۵۷۵  
۵۷۶  
۵۷۷  
۵۷۸  
۵۷۹  
۵۸۰  
۵۸۱  
۵۸۲  
۵۸۳  
۵۸۴  
۵۸۵  
۵۸۶  
۵۸۷  
۵۸۸  
۵۸۹  
۵۹۰  
۵۹۱  
۵۹۲  
۵۹۳  
۵۹۴  
۵۹۵  
۵۹۶  
۵۹۷  
۵۹۸  
۵۹۹  
۶۰۰  
۶۰۱  
۶۰۲  
۶۰۳  
۶۰۴  
۶۰۵  
۶۰۶  
۶۰۷  
۶۰۸  
۶۰۹  
۶۱۰  
۶۱۱  
۶۱۲  
۶۱۳  
۶۱۴  
۶۱۵  
۶۱۶  
۶۱۷  
۶۱۸  
۶۱۹  
۶۲۰  
۶۲۱  
۶۲۲  
۶۲۳  
۶۲۴  
۶۲۵  
۶۲۶  
۶۲۷  
۶۲۸  
۶۲۹  
۶۳۰  
۶۳۱  
۶۳۲  
۶۳۳  
۶۳۴  
۶۳۵  
۶۳۶  
۶۳۷  
۶۳۸  
۶۳۹  
۶۴۰  
۶۴۱  
۶۴۲  
۶۴۳  
۶۴۴  
۶۴۵  
۶۴۶  
۶۴۷  
۶۴۸  
۶۴۹  
۶۵۰  
۶۵۱  
۶۵۲  
۶۵۳  
۶۵۴  
۶۵۵  
۶۵۶  
۶۵۷  
۶۵۸  
۶۵۹  
۶۶۰  
۶۶۱  
۶۶۲  
۶۶۳  
۶۶۴  
۶۶۵  
۶۶۶  
۶۶۷  
۶۶۸  
۶۶۹  
۶۷۰  
۶۷۱  
۶۷۲  
۶۷۳  
۶۷۴  
۶۷۵  
۶۷۶  
۶۷۷  
۶۷۸  
۶۷۹  
۶۸۰  
۶۸۱  
۶۸۲  
۶۸۳  
۶۸۴  
۶۸۵  
۶۸۶  
۶۸۷  
۶۸۸  
۶۸۹  
۶۹۰  
۶۹۱  
۶۹۲  
۶۹۳  
۶۹۴  
۶۹۵  
۶۹۶  
۶۹۷  
۶۹۸  
۶۹۹  
۷۰۰  
۷۰۱  
۷۰۲  
۷۰۳  
۷۰۴  
۷۰۵  
۷۰۶  
۷۰۷  
۷۰۸  
۷۰۹  
۷۱۰  
۷۱۱  
۷۱۲  
۷۱۳  
۷۱۴  
۷۱۵  
۷۱۶  
۷۱۷  
۷۱۸  
۷۱۹  
۷۲۰  
۷۲۱  
۷۲۲  
۷۲۳  
۷۲۴  
۷۲۵  
۷۲۶  
۷۲۷  
۷۲۸  
۷۲۹  
۷۳۰  
۷۳۱  
۷۳۲  
۷۳۳  
۷۳۴  
۷۳۵  
۷۳۶  
۷۳۷  
۷۳۸  
۷۳۹  
۷۴۰  
۷۴۱  
۷۴۲  
۷۴۳  
۷۴۴  
۷۴۵  
۷۴۶  
۷۴۷  
۷۴۸  
۷۴۹  
۷۵۰  
۷۵۱  
۷۵۲  
۷۵۳  
۷۵۴  
۷۵۵  
۷۵۶  
۷۵۷  
۷۵۸  
۷۵۹  
۷۶۰  
۷۶۱  
۷۶۲  
۷۶۳  
۷۶۴  
۷۶۵  
۷۶۶  
۷۶۷  
۷۶۸  
۷۶۹  
۷۷۰  
۷۷۱  
۷۷۲  
۷۷۳  
۷۷۴  
۷۷۵  
۷۷۶  
۷۷۷  
۷۷۸  
۷۷۹  
۷۸۰  
۷۸۱  
۷۸۲  
۷۸۳  
۷۸۴  
۷۸۵  
۷۸۶  
۷۸۷  
۷۸۸  
۷۸۹  
۷۹۰  
۷۹۱  
۷۹۲  
۷۹۳  
۷۹۴  
۷۹۵  
۷۹۶  
۷۹۷  
۷۹۸  
۷۹۹  
۸۰۰  
۸۰۱  
۸۰۲  
۸۰۳  
۸۰۴  
۸۰۵  
۸۰۶  
۸۰۷  
۸۰۸  
۸۰۹  
۸۱۰  
۸۱۱  
۸۱۲  
۸۱۳  
۸۱۴  
۸۱۵  
۸۱۶  
۸۱۷  
۸۱۸  
۸۱۹  
۸۲۰  
۸۲۱  
۸۲۲  
۸۲۳  
۸۲۴  
۸۲۵  
۸۲۶  
۸۲۷  
۸۲۸  
۸۲۹  
۸۳۰  
۸۳۱  
۸۳۲  
۸۳۳  
۸۳۴  
۸۳۵  
۸۳۶  
۸۳۷  
۸۳۸  
۸۳۹  
۸۴۰  
۸۴۱  
۸۴۲  
۸۴۳  
۸۴۴  
۸۴۵  
۸۴۶  
۸۴۷  
۸۴۸  
۸۴۹  
۸۵۰  
۸۵۱  
۸۵۲  
۸۵۳  
۸۵۴  
۸۵۵  
۸۵۶  
۸۵۷  
۸۵۸  
۸۵۹  
۸۶۰  
۸۶۱  
۸۶۲  
۸۶۳  
۸۶۴  
۸۶۵  
۸۶۶  
۸۶۷  
۸۶۸  
۸۶۹  
۸۷۰  
۸۷۱  
۸۷۲  
۸۷۳  
۸۷۴  
۸۷۵  
۸۷۶  
۸۷۷  
۸۷۸  
۸۷۹  
۸۸۰  
۸۸۱  
۸۸۲  
۸۸۳  
۸۸۴  
۸۸۵  
۸۸۶  
۸۸۷  
۸۸۸  
۸۸۹  
۸۹۰  
۸۹۱  
۸۹۲  
۸۹۳  
۸۹۴  
۸۹۵  
۸۹۶  
۸۹۷  
۸۹۸  
۸۹۹  
۹۰۰  
۹۰۱  
۹۰۲  
۹۰۳  
۹۰۴  
۹۰۵  
۹۰۶  
۹۰۷  
۹۰۸  
۹۰۹  
۹۱۰  
۹۱۱  
۹۱۲  
۹۱۳  
۹۱۴  
۹۱۵  
۹۱۶  
۹۱۷  
۹۱۸  
۹۱۹  
۹۲۰  
۹۲۱  
۹۲۲  
۹۲۳  
۹۲۴  
۹۲۵  
۹۲۶  
۹۲۷  
۹۲۸  
۹۲۹  
۹۳۰  
۹۳۱  
۹۳۲  
۹۳۳  
۹۳۴  
۹۳۵  
۹۳۶  
۹۳۷  
۹۳۸  
۹۳۹  
۹۴۰  
۹۴۱  
۹۴۲  
۹۴۳  
۹۴۴  
۹۴۵  
۹۴۶  
۹۴۷  
۹۴۸  
۹۴۹  
۹۵۰  
۹۵۱  
۹۵۲  
۹۵۳  
۹۵۴  
۹۵۵  
۹۵۶  
۹۵۷  
۹۵۸  
۹۵۹  
۹۶۰  
۹۶۱  
۹۶۲  
۹۶۳  
۹۶۴  
۹۶۵  
۹۶۶  
۹۶۷  
۹۶۸  
۹۶۹  
۹۷۰  
۹۷۱  
۹۷۲  
۹۷۳  
۹۷۴  
۹۷۵  
۹۷۶  
۹۷۷  
۹۷۸  
۹۷۹  
۹۸۰  
۹۸۱  
۹۸۲  
۹۸۳  
۹۸۴  
۹۸۵  
۹۸۶  
۹۸۷  
۹۸۸  
۹۸۹  
۹۹۰  
۹۹۱  
۹۹۲  
۹۹۳  
۹۹۴  
۹۹۵  
۹۹۶  
۹۹۷  
۹۹۸  
۹۹۹  
۱۰۰۰

کہ نبی پر فرشتہ اترتا ہے اور ولی پر الہام ہوتا ہے فرشتہ نہیں اترتا۔

حضرت نے فرمایا: دوسرے فریق کا قول صحیح ہے کہ عورتوں میں سے کوئی عورت نبی نہیں ہوئی اور نہ ہی اللہ نے عورتوں میں سے کسی کو نبی بنایا۔ مریم نبی نہ تھیں صدیقیہ اور ولیہ کاملہ تھیں۔ اگرچہ نبوت اور ولایت میں یہ بات مشترک ہے کہ ہر ایک الوار الہی میں سے نور ہے اور سر ہے اسرار الہیہ میں سے مگردونوں کے نور ہیں بہت فرق ہے اور اس فرق کی حقیقت کا علم کشف ہی سے ہو سکتا ہے مگر نور نبوت اصلی ہے ذاتی ہے حقیقی ہے اور ذات نبی کے ساتھ اصل خلقت میں پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے نبی ہر حالت میں معصوم ہوتا ہے اور نور ولایت الیہا نہیں ہوتا کیونکہ صاحب فتح النساء جب کسی ایسے انسان کو دیکھتا ہے جو آئندہ ولی ہونے والا ہو تو وہ اسے باقی لوگوں کی طرح نور سے خالی دیکھتا ہے لیکن اگر وہ کسی ایسے شخص کو دیکھ لے جو آئندہ نبی ہونے والا ہے تو وہ اس کی ذات میں پہلے ہی سے نور نبوت دیکھتا ہے اور ذات نبی کی طبیعت میں وہ سالوں اجزاء نبوت فطری طور پر موجود پاتا ہے جن کا تذکرہ حدیث اُنزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سُبْحَتِهَا حَرِيفٍ میں کیا جا چکا ہے لہذا نور نبوت کا مالک طبعی طور پر حق گو ہوتا ہے خواہ حق کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو، نیز صابر ہوتا ہے اور اسے صبر کرنے میں کوئی دکھ اور تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ رحیم کامل ہوتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی اس قدر معرفت ہوتی ہے جتنی کہ ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے اسے خوف تام ہوتا ہے کہ خوف باطنی کے ساتھ خوف ظاہری ملا ہوتا کہ ہر حالت میں یہ خوف قائم رہے۔ باطل سے ہمیشہ بغض رکھتا ہے اور کامل عضو بھی اس کی فطرت میں ہوتا ہے تاکہ جو اس سے قطع تعلق کرے یہ اس سے جوڑے اور جو نقصان پہنچاے یہ اسے نفع پہنچائے۔ یہ نبوت کی خصوصیات اور وہ سات اجزا ہیں جو نبی کی فطرت میں شامل ہوتے ہیں فتح سے پہلے بھی اور بعد بھی۔

مگردولی کی ذات فتح سے پہلے دیگر انسانوں کی طرح ہوتی ہے اور اس میں کوئی زائد بات نہیں ہوتی۔ البتہ جب اسے فتح نصیب ہوتی ہے تو یہ الوار اس میں آجاتے ہیں لہذا اس کے الوار عارضی ہوئے۔ اسی لیے فتح سے پہلے اور بعد بھی ولی معصوم نہیں ہوتا۔

یہ فرق جو بیان کیا جاتا ہے کہ ولی پر فرشتہ کا نزول نہیں ہوتا اور نبی پر ہوتا ہے، درست نہیں ہے کیونکہ جس کو حق تعالیٰ فتح نصیب کرتا ہے، خواہ وہ نبی ہو خواہ ولی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ فرشتوں کو اپنی اصلی صورت میں دیکھے اور ان سے گفتگو کیسے جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ولی فرشتوں کو نہ دیکھتا ہے نہ ان سے بات کرتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان لوگوں کو حق تعالیٰ نے فتح نصیب نہیں کی۔

مولف کتاب ہے کہ ساتھی نے بھی فتوحات مکیہ باب ۳۶ میں ہی لکھا ہے کہ ہماری جماعت کے بعض لوگوں نے جن میں ابو سعید اہم غزالی بھی ہیں، یہ فرق بیان کرنے میں غلطی کھائی ہے کہ نبی پر فرشتہ اترتا ہے اور ولی کو الہام ہوتا مگر فرشتہ نہیں اترتا۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ فرشتہ تو دونوں پر اترتا ہے (مگر فرق اس حکم میں ہوتا ہے جو فرشتہ



لے کر اترے چنانچہ ولی پر فرشتہ اترتا ہے تو اسے (نبی کی) تالجداری کا حکم دیتا ہے اور بعض اوقات فرشتہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی اطلاع دیتا ہے جسے علماء نے ضعیف قرار دیا ہو۔ کبھی فرشتہ اللہ کی طرف سے بشارت لے کر آتا ہے کہ وہ اہل سعادت اور اہل امان میں سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَسُمُّ الْبَشَرِي فِي الْاٰخِرَةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (ان کو خوشخبری سنائی جاتی ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی) ان لوگوں کی غلطی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے حق تعالیٰ کے طریق سلوک کا قیاس اپنے سلوک پر کر لیا۔ اور چونکہ ان پر فرشتہ نازل نہیں ہوا اس لیے انہوں نے خیال کر لیا کہ کسی اور ولی پر بھی فرشتہ نہیں اترا اور نہ ہی اترا کرتا ہے، اگر یہ لوگ کسی معتبر آدمی سے سن لیتے کہ فرشتہ ولی پر اترا ہے تو اپنے قول سے رجوع کر لیتے اس لیے کہ یہ لوگ اولیاء کی کرامات کو حق سمجھتے ہیں چنانچہ ایک جماعت نے اس قول کی طرف رجوع کیا ہے جس کے خلاف وہ پہلے ڈٹے ہوئے تھے۔ جب آپ کو شیخ کی بات سمجھ آگئی کہ ولی اور نبی میں کیا فرق ہے تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ جس فرق کو حاتمی درست سمجھے ہوئیں وہ درست نہیں ہے کیونکہ اس کا ما حاصل یہ ہے کہ ولی پر امر و نہی کے احکام لے کر فرشتہ نہیں آتا اور نبی پر آتا ہے اور یہ درست نہیں۔ اس لئے کہ ولی پر بھی فرشتہ امر و نہی کے احکام لے کر آتا ہے اس سے یہ لازم نہیں کہ وہ صاحب شریعت ہی ہو جیسا کہ مریم کے قصہ میں کیونکہ فرشتہ امر لے کر آیا حالانکہ وہ نبیہ نہیں ہے جیسا کہ ذکر ہو چکا۔ جو کچھ ہم نے حضرت سے اس بارے میں سنا اگر ہم اس کا افشا کریں تو یہ طالبین کے لیے نشانی اور رغبت کرنے والوں کے لیے سہارا ہوگا مگر یہ ایک راز ہے جس کا افشاء کرنا روا نہیں۔

اہل فتح کو کن باتوں کا | مگر میں بیان شیخ کے علوم میں سے دو باتیں ذکر کر دینا چاہتا ہوں۔  
 مشاہدہ ہوتا ہے۔ (۱) وہ چند چیزیں ہیں جن کا مشاہدہ اہل فتح کیا کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ مقام اول میں جن امور کا مشاہدہ ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) بندوں کے افعال جن کو وہ خلوت میں کرتے ہیں (۲) ساتوں زمین اور ساتوں آسمان کا مشاہدہ (۳) آگ کا مشاہدہ جو پانچویں زمین میں ہے اور اس کے علاوہ ان تمام اشیاء کا مشاہدہ جو زمین اور آسمان میں ہیں۔ (۴) فرمایا یہ آگ برزخ کی آگ ہے اس لیے کہ برزخ ساتویں آسمان سے لے کر ساتویں زمین تک پھیلا ہوا ہے اور روحیں اپنے اجسام سے نکلنے کے بعد اپنے اپنے درجہ کے مطابق اسی برزخ میں رہتی ہیں اور اہل شقاوت کی روحیں اس آگ میں رہتی ہیں اس کی شکل تنگ مکانات مثلاً گنبدوں غاروں اور گھونٹوں کی سی ہے یہاں کے رہنے والے ہمیشہ کبھی نیچے کبھی اوپر ہوتے رہتے ہیں کہ اوپر آکر تم سے ایک بات کہے گا اور ابھی پوری کرنے نہ پائیگا کہ اپنے گڑھے میں گر جائے گا اور فرمایا یہ آگ جہنم کی آگ نہیں اس لیے کہ جہنم کی آگ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کے گاہ سے باہر ہے اور اسی طرح جنت بھی۔

(۴) ساتوں زمینوں کے باہمی اشتباک اور ان میں جو مخلوقات آباد ہیں، ان کا مشاہدہ کہ ایک زمین سے دوسری تک کیسے نکلیں گے اور ہر زمین کا ماہ الاقیاز کیا ہے جو دوسری میں نہیں پایا جاتا۔

۵ - ساتوں آسمانوں کے باہمی اشتیاق کا مشاہدہ کہ ایک دوسرے سے کس طرح ملا ہے۔ اور آپس میں ان کی کیا نسبت ہے اور ان میں ستارے کس طرح رکھے گئے ہیں۔

۶ - شیاطین کا مشاہدہ کہ ان کے توالد و تناسل کی کیا صورت ہے۔

۷ - جنات کا مشاہدہ اور یہ کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔

۸ - شمس و قمر اور ستاروں کی رفتار اور ان خوفناک آوازوں کا مشاہدہ جو فوراً ہلاک کر دیں مثلاً صاعقہ کیونکہ یہ ہمیشہ ان کے کانوں میں پڑتی رہتی ہیں اور صاحبِ فتح کو چاہیے کہ وہ ان مشاہدات کو بڑی چیز نہ سمجھے بلکہ معمولی سمجھے ورنہ یہیں ٹھہر جائے گا بلکہ وہ رحمتِ تہقیری کرنے لگے گا اس لیے کہ فتح کے زمانہ میں طبیعت شفاف ہوتی ہے اور وہ جس چیز کو اچھا سمجھتی ہے اس کے پار تک اسے دیکھ لیتی ہے اور یہ تمام چیزیں جن کا مشاہدہ ہوتا ہے چونکہ ظلمت اور تاریکیاں ہیں اس لیے ان میں اگر کہیں بھی ٹھہر گیا تو تاریکیوں میں ٹھہرا اور اللہ سے تعلق منقطع ہو جائے گا۔ اسی لیے تو وہ ولی جنہیں فتح حاصل نہیں ہوتی بڑے محفوظ مقام میں ہوتے ہیں اور مفتوح علیہ انتہائی خطرے میں ہوتا ہے ہاں مگر جنہیں اللہ محفوظ رکھے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں طبیعتِ انسانی فتح سے پہلے اللہ سے غافل ہو کر درہم و دینار اور عورتوں کا ذکر ہی کیا۔ بادام، منقہ اور چنے کے دانہ پر فریفتہ اور مشغول ہو جاتی ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ فتح کے بعد جب اسے عالم بالا وزیر کا مشاہدہ ہونے لگے اور پھر شیاطین ہر اس بات میں اس کی مدد کو تیار ہوں جس کی وہ خواہش کرے اور وہ فریفتہ نہ ہو۔ اللہ کی مدد کے بغیر کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔

نیز فرمایا جو ولی ان مذکورہ بالا چیزوں سے کسی ایک چیز پر بھی ٹھہر گیا تو شیاطین ہر وقت اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال رہے ہوتے ہیں اور وہ یا جاو و گر بن جاتے ہیں یا کاہن۔ خدا میں اس سے بچائے۔ مگر جس پر اللہ کی رحمت ہو اسے اللہ اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کے دل میں ایسا ولی شوق پیدا کرتا ہے جس سے وہ ان تمام پردوں کو پھاڑ دیتا ہے۔ دوسرے مقام | دوسرے مقام میں جو مشاہدات اسے حاصل ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

کے مشاہدات | جیسے مقام اول میں اسے امور ظہانی اور فانی مشاہدہ کرائے گئے تھے۔ اسی طرح دوسرے مقام میں اسے انوارِ باقیہ کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے چنانچہ اسے عام فرشتے، محافظ فرشتے، دیوان اولیاء اور ان اولیاء کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے جو آپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور آپ کے طرز پر چلتے ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کا مقام پھر حضرت ادریس اور ان کے ساتھیوں کا مقام پھر حضرت یوسف اور ان کے ساتھیوں کا مقام پھر تین قدیم رسولوں کا مقام جن میں سے کچھ حضرت ادریس سے پہلے اور کچھ بعد ہوئے اور جن کے نام لوگوں میں مشہور نہیں مشاہدہ کرائے جاتے ہیں۔ اگر مذکورہ بالا انبیاء کے مقامات کی تشریح کر دیں اور یہ بھی بیان کر دیں کہ فرشتوں کو اپنی اصل صورت میں کیسے دیکھا جاتا ہے تو سننے والا ایسی باتیں سنے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں۔ ان امور کے مشاہدہ کرنے والے کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ کہیں نہ ٹھہرے اور وجہ

وہی ہے کہ اس کی طبیعت شفاف ہوتی ہے اور جب کسی مقام پر کھڑی جاتی ہے تو اس کی طبیعت وہاں کے اسرار پی جاتی ہے چنانچہ مثلاً اگر مقام عیسیٰ پر کھڑی گیا اور اسے پسند کر لیا تو انہی کے اسرار سے سیر ہوگا اور فوراً انہی کا مذہب اختیار کر لے گا اور ملت اسلامیہ میں سے نکل جائے گا۔ خدا بچائے۔ صاحب فتح ہر وقت بڑے خطرے اور ہلاکت کے قریب ہوتا ہے جب تک مقام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ نہ کر لے۔ اس مقام کے مشاہدہ کر لینے کے بعد اسے ہر طرح کی راحت و سرور حاصل ہو جاتا ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ایک نوت ہے جو تمام مخلوقات میں سے آپ کے ساتھ خاص ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچ لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اعز المخلوقات اور افضل العالمین ہیں۔ جب صاحب فتح مقام محمدی پر پہنچتا ہے تو اللہ کی طرف اس کی کشش بڑھ جاتی ہے اور وہ اللہ سے بے تعلق ہونے سے بچ جاتا ہے۔ اس میں اور راز بھی ہیں جن کا علم ارباب فتح کو ہوتا ہے۔ خدا ہمیں ان میں سے بنائے اور ان کی برکت سے ہمیں محروم نہ کرے۔

تیسرا مقام: اس مقام پر صاحب فتح مذکورہ بالا اوار میں تقدیر کے اسرار مشاہدہ کرتا ہے۔  
چوتھا مقام: چوتھے مقام میں اس نور کا مشاہدہ ہوتا ہے جس پر فعل الہی منبسط اور گھل مل گیا ہے جیسا کہ پانی میں زہر۔ چنانچہ فعل بمنزلہ زہر کے ہے اور نور بمنزلہ پانی کے ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر بہت سے لوگوں کو دھوکا لگ جاتا ہے چنانچہ وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ نور نور الہی سے حالانکہ وہ اس سے بدرجہا بلند و برتر ہے۔ پانچواں مقام: پانچویں مقام میں فعل الہی کی اس نور سے علیحدگی کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ نور نور نظر آتا ہے اور فعل فعل، اس وقت اپنی غلطی کو محسوس کرتا اور سمجھتا ہے کہ اس کا پہلا گمان غلط تھا۔ ہم نے مقامات کے نام اور ان کے معانی کی تشریح اور تمام اقسام کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ہماری غرض صاحب فتح کو چوکنا کرنا ہے۔ جو بجز اللہ حاصل ہو چکا۔ مزید برآں ان کی تشریح میں وہ اسرار پائے جاتے ہیں جن کا ذکر صاحب فتح سے بالمشانہ کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ دوسری بات جس کا ذکر کرنا مناسب ہے ہے کہ نبی اور ولی کے درمیان جو فرق ہے وہ تو معلوم ہو چکا اب رہا نبی اور فرشتہ میں فرق سو یہ ہے کہ فرشتہ کی ذات نورانی ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عقل و حواس رکھ دیے ہیں۔

میں نے حضرت کو فرماتے سنا کہ ہر فرشتہ کی ذات میں پانچ سر ہوتے ہیں۔ ہر سر کا دایاں، بائیاں اور اوپر ہے چنانچہ اوپر نو منہ ہیں اور ہر سر میں کل تریسٹھ منہ ہوتے اور تریسٹھ کو پانچ میں ضرب دینے سے ۲۱۵ منہ بنے اور ہر منہ میں کسی فرشتہ کی تین زبانیں ہوتی ہیں کسی کی پانچ اور کسی کی سات۔ تین زبانوں کے اعتبار سے ضرب دینے سے کل زبانیں ۹۴۵ اور پانچ کے اعتبار سے ۱۵۷۵ اور سات کے اعتبار سے ضرب دینے سے ۲۲۰۵ زبانیں

سے یہاں کچھ عبارت رہ گئی ہے جس سے معنی میں خلل پیدا ہو گیا ہے۔

ہوئیں چنانچہ جب کوئی فرشتہ کوئی کلمہ بھی سنہ سے نکالتا ہے تو اس کی آواز ان تمام زبانوں سے نکلتی ہے۔  
پاک ہے وہ خدا جو خلاق عظیم ہے۔

لہذا اگر اللہ تعالیٰ مزید طاقت سے صاحبِ فتح کی تائید نہ فرمائیں تو فرشتہ کی آواز سن کر اس کا دل پھٹ جائے  
اور اگر وہ فرشتہ کو اپنی اصل خلقت میں دیکھ لے تو خیال کر لو کہ کیا ہو جائے گا۔

جب یہ سن چکے تو اب سمجھ لو کہ فرشتہ کی ذات ایک صاف نور ہے جس میں عقل اور جو اس مرتب ہیں تو اس کی  
مثال روح کی سی ہوتی کیونکہ وہ بھی نور سے پیدا ہوتی ہے اور اس میں عقل ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی پہچان ہوتی  
ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ طاقتیں بھی ہوتی ہیں بن کا ذکر روح کے ساتھ اجزاء میں گزر چکا ہے اور یہ بھی بیان کیا جا  
چکا ہے کہ سالوں علوم اس کے فطری ہیں جو اس کی اصل پیدائش میں شامل ہیں پس یہی حال فرشتہ کا ہے کہ اسے شروع  
سے ہی فتح نصیب ہوتی ہے۔

مگر نبی کی ذات مٹی سے پیدا ہوتی ہے اور اس مٹی کے جسم میں روح کو مبعہ اس کے اسرار کے پوشیدہ  
کیا گیا ہوتا ہے اور مٹی کی فطرت حجاب کی مقتضی ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء پیدائش میں ہی نبی کی ذات کو نور  
نبوت سے تقویت دی ہوتی ہے اس لیے اس سے ظلمت زائل ہو جاتی ہے اور حجاب پتلا پڑ جاتا ہے اس نبی کی مثال  
اس شخص کی ہے جو ہمیشہ حق کا ہے اور حجاب ہو۔ اللہ کے قریب، حق کے قریب اس کی ہر حرکت و سکون بھی حق  
میں ہوتی ہے۔ اس کی خاموشی حق پر ہوگی اور گفتگو حق کے ساتھ اس کے تمام امور حق ہونے ہیں یہاں تک کہ اگر  
فرض کر لیا جائے کہ وہ ایسی قوم میں پیدا ہوا ہو جس کی تربیت گمراہی پر ہوتی ہو تب بھی محض اس حق کی وجہ سے  
جو اس کی ذات کے اندر ہے ان سے لڑے گا اور ان کی تمام حرکات و سکنات میں ان کی مخالفت کرے گا  
خواہ اس نے نہ شریعت کا نام سنا ہو اور نہ امر و نہی کا۔ فتح سے پہلے اور اپنی اصل پیدائش اور ابتدا میں ہر نبی  
کا یہی حال ہوتا ہے لیکن جب اسے فتح حاصل ہو جائے اور روح اور ذات کے درمیان حجاب کلینتہ زائل  
ہو جائے اور ہر وقت خدا کی حضور ہی میں رہنے لگے تب تو اس کے موجزن سمندر اور بحر بکراں کا حال نہ  
پوچھ۔ اس وقت نہ کوئی فرشتہ اور نہ کوئی اور مخلوق اس کی طاقت رکھ سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲۔ وَذَٰلِ النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ (سورہ انبیاء آیت ۸۷)

میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَذَٰلِ النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ  
اور ذوالنون کو یاد کر جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے اور خیال کیا کہ ہم ان پر عذاب کرنے کی قدرت  
نہ رکھ سکیں گے (کیسے ہو سکتا ہے کہ ذوالنون ربوہ علیہ السلام) یہ خیال کریں کہ اللہ تعالیٰ ان پر قدرت  
نہ رکھ سکیں گے اور یہ کہ وہ پروردگار کے اعطاء قدرت سے نکل جائیں گے کیونکہ اس خیال کا آنا کمزور ترین  
موعد سے بھی بعید معلوم ہوتا ہے جب جائیکہ نبی یا مرسل سے۔



حضرت نے فرمایا مُعَاذِبًا کے معنی "ان پر ناراض ہو کر" کے ہیں کیونکہ انہوں نے ان پر ایمان لانے اور ان کی اس اطاعت کو ترک کر دیا تھا جس میں ان کی ہدایت اور بہتری تھی حتیٰ کہ ان پر اللہ کا حکم اور عذاب اس قدر قریب آ گیا کہ دیکھنے والا بھی اسے دیکھ سکے اس لیے کہ عذاب ان کے گھروں کے اوپر آچکا تھا چنانچہ جب حضرت یونس نے یہ دیکھا تو وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں چلے گئے۔

رَبُّ اللّٰهِ تَعَالٰی كَافِرًا مِّنْ فَطْنٍ اِنَّ لَّنْ لِّقَدْرِ عَذَابِهِ تُوَا س کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم اسے اسی عذاب سے ہلاک نہ کریں گے جس سے ان لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہوں نے عذاب کے علامات دیکھے تو اس خیال سے بھاگ نکلے کہ بچ جائیں گے اور وہ عذاب جو ان کی قوم پر آیا ہے ان پر نہ آئیگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص کو آگ نظر آوے کہ سامنے سے آرہی ہے اور سب لوگ اس کی زد میں آرہے ہیں یا پانی کا سیلاب دیکھے کہ اس کے سامنے جو آیا بچ نہ سکا تو وہ اس خیال سے بھاگے کہ بھاگ جانے سے وہ اس آگ اور سیلاب سے بچ نکلے گا۔ حضرت یونس کی یہی حالت تھی کیونکہ جب انہوں نے اپنی قوم پر عذاب اترتا ہوا دیکھا اور خیال کیا کہ اگر وہ ان کے ساتھ رہ جائیں گے تو ان پر بھی وہی عذاب نازل ہوگا جو ان پر نازل ہوا ہے اس لیے یہ خیال کرتے ہوئے کہ بھاگ جانے سے جو عذاب ان پر اترتا ہے ان پر نہ اترے گا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اور قسم کی قدرت دکھائی جو ان کے گمان میں بھی نہ تھی۔ جب انہوں نے یہ قدرت دیکھی تو تاریکیوں میں سی پکار اٹھے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ میں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول کی اور ان کو نجات دی۔ ان کے بعد یہ واقعہ نصیبت حاصل کرنے والوں کے لیے کرشمہ قدرت بنا۔ توبہ کرنے والوں کے لیے نمونہ بنا۔ اور مصیبت زدہ لوگوں کے لیے تسلی کا سبب بنا اور سائلین کے لیے کشائش کا دروازہ کھلا کہ ارشاد ہوتا ہے رَجَّيْنَاہُمْ مِّنَ الْعَذَابِ وَكَذٰلِكَ فَنَجِّي الْمُؤْمِنِيْنَ (ہم نے اسے غم سے نجات دی اور ہم مومنین کو اسی طرح نجات دیتے ہیں) لہذا حضرت یونس کا فرار اس خیال سے تھا کہ وہ اس عذاب سے بچ جائیں جو ان کی قوم پر نازل ہونے والا تھا۔ اس خیال سے نہ تھا کہ وہ خدا کی قدرت کو عاجز کر دیں گے اور اپنے آقا کے احاطہ سے باہر چلے جائیں گے۔

مؤلف کتاب ہے کہ یہ تفسیر بہترین تفسیر ہے جو اس آیت کے بارے میں بیان کی گئی کیونکہ مفسرین نے کئی وجوہ بیان کیے ہیں جن پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت کی بیان کردہ تفسیر ان سب سے بہتر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳۔ وَالْيُوسُفَ اِذْ نَادٰی رَبَّهُ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ (سورہ انبیاء آیت ۸۳)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت وَالْيُوسُفَ اِذْ نَادٰی رَبَّهُ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ

أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ اور ایوب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکار کر عرض کی خدایا میں تکلیف میں ہوں اور  
 تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے) میں ضرر سے کیا مراد ہے اور اس کی تفسیر میں مفسرین نے حضرت  
 ایوب کے بیمار ہونے کا جو ذکر کیا ہے درست ہے؛ اسی طرح ان کی بیماری کی طویل مدت جو بیان کی جاتی  
 ہے کیا وہ درست ہے؛ اور حافظ ابن حجر نے جو کچھ اپنی کتاب فتح میں انبیاء کی احادیث دی  
 ہیں ان کا بھی میں نے ذکر کیا۔ جو اس بیان کو پڑھنا چاہے حضرت ایوب علیہ السلام کے بیان میں پڑھے۔  
 حضرت نے فرمایا تو تکلیف حضرت ایوب علیہ السلام کو پہنچی وہ غیر اللہ کی طرف توجہ تھی اور انبیاء و  
 مرسلین کے نزدیک سب سے بڑی تکلیف یہی ہے۔ اسی تکلیف کو دور کرنے کی درخواست حضرت ایوب  
 علیہ السلام نے اپنے رب سے کی تھی۔ بدنی مرض کو دور کرنے کی دعائے کی تھی۔ کیونکہ یہ تو انہیں اللہ سے اور قریب  
 کر رہی تھی۔ اور جو چیز آپ کو اپنے رب سے دور کر رہی تھی وہ غیر اللہ کی طرف توجہ اور اللہ سے قطع تعلق خواہ  
 وہ ایک لمحہ کے لیے کیوں نہ ہو، کی تکلیف تھی۔ جس مرض کا ذکر مفسرین اور مورخین نے کیا ہے وہ قطعاً ہوا ہی  
 نہیں۔ اور مدت مرض بھی صرف دو ماہ اور چند روز ہے۔ حضرت نے ان دنوں کی بھی تعیین کر دی لیکن  
 مجھے بھول گئے کہ کتنے فرمائے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲۔ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى

(سورہ طہ آیت ۱۲۲)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ  
 يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى جس نے میری یاد سے منہ موڑا، اس کی زندگی تنگ ہوگی اور قیامت کے دن اسے اندھا  
 اٹھایا جائے گا) میں مہمیشہ ضنکاً سے کیا مراد ہے؛ کیونکہ اگر تنگدستی مراد لی جائے تو معاملہ مشکوک  
 ہو جاتا ہے کیونکہ بہت سے کافر مالدار دیکھے گئے ہیں۔ ان کی مہمانی فرات ہوتی نہ کہ تنگ اور آیت کا تقاضا  
 یہ ہے کہ بروہ شخص بواللہ کے ذکر سے اعراض کرے گا اس کی زندگی تنگ ہوگی۔

حضرت نے فرمایا: ذات النسانی پر جو حالات آخرت میں پیش آئیں گے۔ ان کا اثر دنیا ہی میں عقلوں  
 پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ فیصلہ کیا ہے کہ کافر جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ لہذا کوئی ظہری  
 بھی کافر پر ایسی نہیں گذرتی ہے کہ اس کے دل پر غم نہ طاری ہو کیوں کہ اس کے دل پر دوسو سے طاری  
 رہتے ہیں اور دوسووں سے غم کی تخریک ہوتی ہے جو اس کی زندگی کو کمزور کر دیتے ہیں۔ ادنیٰ ترین دوسوہ یہ  
 ہے کہ اسے یہ خیال آئے کہ آیا میں صحیح مذہب پر ہوں یا نہیں اسی خیال کو اللہ کافروں کے دلوں پر ڈالتا  
 ہے اور اسی سے ان کی زندگی تنگ ہوتی ہے۔ خواہ کس قدر مالدار اور بادشاہ ہی کیوں نہ ہوں۔ لہذا تنگی  
 سے مراد ان کی تنگی ہے نہ کہ ہاتھ کی۔ اس لیے جس کے پاس وسیع دنیا ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ

اسے آخر کار جہنم میں جانا ہے تو اس کی زندگی تنگ ہوگی۔

مؤلف کہتا ہے کہ شیخ نے نہایت خوب کہا۔ بیضاوی نے زندگی کی تنگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی زندگی اس لیے تنگ ہوگی کہ اس کا سارا عزم اور اس کی نگاہ ہر وقت دنیا کے سامان پر لگی ہوگی اور اس کے زیادہ چاہنے کا سخت حرص ہوگا اور اس میں کمی واقع ہونے سے ڈرتا ہوگا پر خلافت مومن کے جو آخرت کا طالب ہوتا ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ ایک فقیہ نے مجھے بتایا کہ کفار نے اسے سات سال قید میں رکھا اور وہ اس تمام عرصہ میں ان سے مناظرہ کرتا رہا۔ میں ان کو مدت تک آزمانا رہا اور ان سے بہت گفتگو کی یہاں تک کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ ان میں اکثر لوگ اپنے مذہب کے متعلق شک و شبہ میں ہیں۔ ان کے دل کی بیماری کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خارش کا مریض ہو جو کھجانے والے کی تلاش میں ہو لہذا جب انہیں کسی مسلمان طالب علم کا ہتہ چلتا تو دوڑ کر اس کے پاس جاتے۔ اس سے سوال اور بحث کرتے پھر اس کی معمولی سی گفتگو سے یہ کافر اس مسلمان کے جال میں پھنس جاتے۔ یہ تو ان کے متوسط درجہ کے لوگوں کا حال ہے۔ اب رہے ان کے بزرگ اور پادری اور ان کے اہل رائے سو کافی عرصہ تک ان کو آزمانے اور ان سے مناظرہ کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ان کو اپنی گمراہی کا پورا یقین ہے۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اٰمِرٍ ؕ۔ فقیہ کہتا ہے کہ میں ان سے مناظرہ کرتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے ذکر کیا کہ فلاں جگہ ان کا ایک عالم ہے کہ کتب سابقہ کا علم چلتا چلتا اب اس تک پہنچا ہے۔ میں اس کے پاس گیا تو اسے بھر بکراں پایا۔ اسے توراہ، انجیل، زبور اور قرآن مجید کی آیات یاد تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث بھی یاد تھیں اور امرؤ القیسؓ کی کنڈی کے کچھ اشعار بھی یاد تھے۔ میں نے اس سے کہا میں تجھ سے ایک بات پوچھنے آیا ہوں جس نے مجھے سخت غمزدہ اور پریشان کر رکھا کہ نذرات کو نیند ہے نہ دن کو قرار۔ کہا وہ کونسی بات ہے؟ میں نے کہا جب تک تو میں اسلامی ملک میں رہا میں یہی سنتا رہا کہ دین اسلام سچا دین ہے اور عیسائی مذہب باطل ہے لیکن جب سے تمہارے ملک میں آیا ہوں معاملہ برعکس ہو گیا ہے اور میں ہر جگہ یہی سنتا ہوں کہ عیسائی مذہب سچا مذہب ہے اور دین اسلام باطل ہے اور میں نے یوں ظاہر کیا کہ مجھے مذہب کے بارے میں شک پیدا ہو گیا ہے میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ عیسائیوں کا سب سے بڑا عالم کون ہے۔ سب نے بالاتفاق آپ کا نام لیا اور آپ کے سب سے زیادہ عالم ہونے اور سردار ہونے میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جاہل پر فرض کیا ہے کہ وہ عالم سے پوچھے لہذا میں چاہتا ہوں کہ آپ بتائیں کہ آپ کے نزدیک حق بات کیا ہے تاکہ میں قیامت کے دن اللہ اور اپنے درمیان آپ کے جواب کو حجت بنا سکوں۔ میں جاہل ہوں اور امرؤ القیسؓ کنڈی: زمانہ جاہلیت میں عربی زبان کا بلند پایہ شاعر۔ تقریباً ۳۵۰ھ میں اس کی وفات انگورہ کے مقام پر ہوئی۔

آپ عالم۔ اللہ تعالیٰ نے جاہل پر پوچھنا فرض کیا ہے اور عالم پر حق گوئی، اور اللہ کے واسطے مخلوق کی خیر خواہی میرے سوال کا اس پر بہت اثر ہوا اور وہ اپنا ماتھا ہتھیلی پر رکھ کر دیر تک خاموش رہا اور عیسائیوں کا ایک جھوم اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ پھر اس نے اپنا سر اٹھایا اور میرے کان میں چپکے سے کہا اسلام کے سوا کوئی مذہب نہیں۔ یہی وہ حق مذہب ہے جس کے سوا کسی اور مذہب کو اللہ تعالیٰ قبول نہ کرے گا اور پشتر اس کے کہ میرے جواب کا علم عیسائیوں کو ہو جائے، تو یہاں سے اٹھ کر چلا جا۔ اس کے بعد اس فقیہ نے ان مناظرات کا ذکر کیا جو اس نے یہود و نصاریٰ کے عالموں سے کئے جن کا یہاں ذکر کرنا ہماری غرض سے باہر ہے۔ اور میرا مقصد صرف شیخ کے فرمان کی تائید کرنا تھا اور جو شخص یہود و نصاریٰ سے مناظرہ کرے گا اسے شیخ کے فرمودہ کا علم ہو جائے گا۔ میں نے بھی یہودی علماء سے بحث کی آخر کار مجھے علم ہو گیا کہ اسے اپنے باطل پر ہونے کا یقین ہے اور ہٹ دھرمی اور اپنی قوم میں رسوائی کے خوف کے سوا کوئی اور چیز اسے اسلام لانے سے مانع نہیں۔ یہ ایک طویل مناظرہ تھا جس میں ہمارے فقہاء اور قراء کی ایک جماعت نے شرکت کی اور یہودیوں کے ساتھ بھی کچھ یہودی آئے۔ اسی طرح میں نے ایک عیسائی سے گفتگو کی لیکن میں نے اس کے پاس کچھ بھی نہ پایا۔ اس بارے میں بہت سی حکایات پائی جاتی ہیں۔ جو ان کا مطالعہ کرنا چاہے وہ عبد اللہ میورتی کی تحفۃ الارباب فی الرد علی اهل الصلیب کا مطالعہ کرے۔ عبد اللہ میورتی عیسائیوں کا عالم تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔ اسی طرح عبد الحق اسلامی کی تالیفات دیکھیں۔ یہ ایک یہودی عالم تھے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ اسی طرح نصاریٰ کے رد میں ابوالعباس قرطبی کی تالیف ہے جس میں عجیب و غریب باتیں دی ہیں اور اس کی ضخامت بیس جزو کے قریب ہے۔ جو شخص ان باتوں کا مطالعہ کرے اور پھر اسے عیسائیوں اور یہودیوں سے ملنے کا اتفاق ہو تو اسے یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ ان کے دلوں میں شک کا مرض ہے اور اس بات کا یقین ہے کہ وہ گمراہی پر ہیں۔

۲۵ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاى بُرْهَانَ رَبِّهِ (سورہ یوسف آیت ۲۴)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاى بُرْهَانَ رَبِّهِ میں جو هَمَّ بِهَا فرمایا، اس سے کیا مراد ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کس بات کا ارادہ کیا تھا؟ فرمایا کہ انہوں نے زینحاکو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔ پھر میں نے جو کچھ مفسرین نے اس بارے میں بیان کیا ہے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے سختی سے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ پھر عصمت کہاں رہے ایک دلی کو جب فتح نصیب ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر تاریکیوں کی جڑیں نکال پھینکتا ہے جن میں بعض

۱۔ عبد اللہ میورتی: عبد اللہ الترحمان ان کی کتاب تحفۃ الارباب فی الرد علی اهل الصلیب نو بابوں میں لکھی گئی ہے۔

میورتی نے ۱۱۳۳ھ = ۱۷۲۰ء میں مکمل کیا۔ اس وقت تونس کا حاکم ابوالعباس احمد تھا۔

۲۔ عبد الحق اسلامی: ان کا حال معلوم نہ ہو سکا ۳۔ ابوالعباس قرطبی: ابوالعباس احمد بن مسعود القرطبی الخزرجی متوفی ۳۰۰ھ



سے جھوٹ، بعض سے تکبر، بعض سے ریاء بعض سے حب دنیا بعض سے شہوت و محبت زنا وغیرہ وغیرہ بری باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ حال ولی کا ہے نبی جس کی فطرت ہی عصمت پر بنی ہوتی ہے اور اسی پر اس کی تربیت ہوئی ہوتی ہے اس کا تو کیا ہی کتنا۔

پھر فرمایا کبھی ولی اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کی نگاہ میں محل شہوت (یعنی فرج) اور دوسری جگہ ایک جیسی ہوتی ہے یہاں تک کہ عورت کی فرج اور یہ پتھر۔ آپ کا اشارہ اس پتھر کی طرف تھا جو آپ کے سامنے پڑا تھا، ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ صاحبِ فتح سے اور تو اور عورت کے رحم کی چیزیں تک مخفی نہیں رہتیں۔ وہ اللہ کے اس نور سے دیکھتا ہے جس کے پاس شیطان پٹک نہیں سکتا۔ اور جس کے ہوتے ہوئے کسی قسم کی تاریکی نہیں آتی۔ جب ولی کا یہ حال ہے تو نبی معصوم کی کیا کیفیت ہوگی۔ خدا ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جو نبوت کے حق کو سمجھتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶۔ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا (سورہ نساء آیت: ۶۴)

میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا، کیا یہ حضرت موسیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور بڑے بڑے صوفی مکالمہ کا جو ذکر کرتے ہیں حق ہے؟ مثلاً حضرت عارف باللہ ابوالحسن شاذلی حزب کبیر میں فرماتے ہیں ہمیں ایسا مشاہدہ عطا کیا گیا ہے جس کے ساتھ مکالمہ بھی ہے۔

فرمایا: شیخ ابوالحسن اور دیگر صوفیہ نے مکالمہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے حق ہے، اس میں کوئی شک نہیں اور یہ آیت تشریف کے خلاف بھی نہیں ہے اس لیے کہ آیت میں حصر نہیں پایا جاتا۔ پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کی مفتوح علیہ پر رحمت ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس طریقے سے سنتا ہے جو خارقِ عادت ہوتا ہے چنانچہ وہ اسے بغیر حرف اور بغیر آواز کے سنتا ہے کہ نہ کسی کیفیت کا ادراک ہوتا ہے اور نہ کسی خاص جہت سے سماع ہوتا ہے بلکہ تمام جہات اور تمام اجزاء سے سنتا ہے اور جس طرح سماع کے لیے کوئی مخصوص جہت نہیں ہوتی اسی طرح کسی عضو کی بھی تخصیص نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اپنے تمام جواہر اور تمام اجزاء سے سنتا ہے لہذا ہر جزو، ہر جوہر، ہر دانت، ہر داڑھ سے سماع ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا سارا جسم ہنزلہ کان کے بن جاتا ہے۔

اس کے بعد اپنے بتایا کہ اہلِ فتح کے ہاں یہ سماع بھی اپنے اپنے مراتب کے مطابق مختلف ہوتا ہے جس کا ذکر کرنا مناسب نہیں۔ خدا ہمیں اس سے مستفیض کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷۔ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ (سورہ نساء آیت ۱۰۱)

میں نے حضرت سے اس کے متعلق دریافت کیا کہ: إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ اِنْ خِفْتُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا۔ اِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا (جب تم سفر کو جاؤ تو اگر تمہیں اس بات کا خطرہ ہو کہ کافر تمہیں تکلیف پہنچائیں گے تو کوئی حرج نہیں اگر تم نماز کو کم کر دو۔ بیشک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں) اور عرض کیا خوف کی حالت کی قید لگانے کی کیا وجہ ہے حالانکہ امن کی حالت میں بھی قصر جائز ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ قید مفہوم مخالف کے خارج کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ اس بات کی تصریح کر دی جائے کہ خوف کی حالت میں قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں نیز اس بات کی تنبیہ کرنا ہے کہ خوف کی حالت کو بھی اس حکم میں شامل کر لو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام جب جہاد کے لیے جاتے تو اس خیال سے کہ کہیں یہ زندگی کا آخری وقت نہ ہو وہ اور بھی زیادہ عبادت کیا کرتے اور وہ ہر وقت عبادت میں لگے رہتے۔ حتیٰ کہ بعض صحابہ کا یہ حال تھا کہ دن کو جہاد کرتے اور رات بھر کھڑے رکوع و سجود میں لگے رہتے، لہذا جب وہ دشمن کے خلاف جہاد کی غرض سے نکلتے تو عبادت کم کر دینے کو کوتاہی اور سخت گناہ سمجھتے اس لیے کہ یہ آخرت کی تیاری کے منافی ہے اور ان کا خیال تھا کہ ایسی حالت میں زیادہ عبادت کرنا ہی ٹھیک ہے اور یہ خیال ان کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا لہذا جب اللہ تعالیٰ نے اس خیال کو ان کے دلوں سے زائل کرنا چاہا تو حکم کو اسی حالت سے مفید کر کے اتارا جسے وہ عبادت کے منافی سمجھتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فی الغنم السائمة زکوٰۃ | جب گفتگو چلتے چلتے مفہوم تک آئی تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان فی الغنم السائمة زکوٰۃ (کھلی چرنے والی بکریوں میں زکوٰۃ ہے) کا مفہوم دریافت کیا۔

حضرت نے فرمایا: مریض بکریاں جو چرنہ سکتی ہوں جب ان کی یہ حالت ہو جائے تو ان سے زکوٰۃ ساغظ ہو جاتی ہے اس لئے کہ نعمت کی نعمت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور جب بکریوں کی یہ حالت ہو جائے کہ ان کا کھانا اور چرنا بھی جاتا رہتا ہے تو نعمت کی نعمت جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے نہیں رہتی کیونکہ ایسی حالت میں بالعموم ان کی موت اور ہلاکت واقع ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہی ہے۔

میں نے عرض کیا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سائمہ سے یہاں مراد وہ بکریاں ہیں جنہیں چارہ ڈالا جائے۔

حضرت نے فرمایا کہ جب کو چارہ ڈالا جائے وہ تو حدیث کے الفاظ میں ہی آجاتی ہیں اس لیے کہ وہ اپنی طبیعت کے اعتبار سے تو سائمہ ہیں۔ نہیں صرف چرنے سے روکا گیا ہے اگر انہیں اپنی طبیعت پر چھوڑ

دیا جائے تو چرنے کے لیے نکل جائیں مگر مالک نے ان کو چارہ ڈالنے کا ذمہ لیا ہے اس طرح ملکیت کی نعمت تو ثابت ہو گئی۔

اس کے بعد میں نے مجتہدین میں اس کے مفہوم میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کے متعلق دریافت کیا کہ بعض نے مفہوم کا مطلق طور پر لحاظ رکھا ہے اور بعض نے اسے بالکل ہی مہمل قرار دیا ہے اور بعض نے اس میں فرق کیا ہے۔ جیسا کہ علم اصول میں مشہور ہے۔

حضرت نے فرمایا مفہوم کا حقیقی علم صرف اسی شخص کو ہو سکتا ہے جسے ان اسباب و اغراض کا علم ہو جن کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بات کی قید لگا دی ہے اور اس کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کا علم حاصل کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے احکام میں کچھ باتوں کی قید لگا دے اور اس کے بعد کہیں چلا جائے تو اس کی قیود کی مراد کے متعلق یقینی علم اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کا عندیہ معلوم ہو جائے۔ اور یہ اسی صورت میں معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر وہ زندہ ہو تو اسی سے خود پوچھا جائے اور وہ اپنی مراد کی تشریح کر دے۔ لیکن جب کسی نے اس کی زندگی میں اس سے پوچھا ہی نہ ہو تو اس کی مراد معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر جنہوں نے مطلق طور پر مفہوم کو معتبر سمجھا ہے انہوں نے ان قیود کے ساتھ ایک طریقہ اختیار کر رکھا ہے اور یہ درست نہیں اس لیے قید لگانے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں بعض حکم کی مخالفت کے مقتضی ہوتے ہیں اور بعض موافقت کے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اصولیوں کے طرز پر فرق کیا ہے۔ چنانچہ جنہوں نے تعداد کو بالکل مہمل قرار دیا ہے اور مطلق طور پر شرط کا اعتبار کیا ہے اس نے تعداد کی قید یا شرط کی قید لگانے میں ایک ہی مسلک اختیار کیا ہے اور یہ ان اغراض کے منافی ہے جن کی وجہ سے یہ قید یا شرط لگائی گئی۔

حاصل یہ کہ شرعی تعقیدات کا حقیقی علم صرف بڑے بڑے صاحبان کشف و فہم کو ہی حاصل ہوتا ہے جیسے ہمارے حضرت۔ کیونکہ میں نے فارغ التحصیل ہونے اور ان بحثوں پر جو بڑے بڑے اصولیوں نے مفہوم کے متعلق کی ہیں مثلاً امام الحرمین نے برہان میں اور امام ابو حامد نے المستصفیٰ میں اور امام ابو الولید باجی نے نصول میں اور ابیاری اور امام علی بن اسماعیل نے شرح برہان میں اور امام ابو عبد اللہ

امام الحرمین: ابو العالی الجوبینی نیشاپوری کا مشہور فقہ اور عالم۔ انہیں امام الحرمین اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مکہ اور مدینہ میں کئی سال درس دیا۔ علاؤ الدین جوینی مولف تاریخ جہانگشا اور شمس الدین جوینی انہی کی اولاد میں سے تھے۔ ۱۰۸۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کا کتاب کا پورا نام البرہان فی اصول الفقہ ہے۔

امام ابو الولید باجی: اندلس کا مشہور شاعر اور قصبہ ان کی وفات ۱۰۸۵ھ (۱۰۸۵ء) میں ہوئی۔ یہ ابن حزم کے معاصر تھے اور ان کے ساتھ ان کے بحث سے مناظرے ہوئے۔ ان کے متعلق ابن حزم کا قول تھا کہ قاضی عبد الوہاب کے بعد اصحاب مذہب مالکی میں ابو الولید الباجی کا

بن الحاج العیدری نے شرح مستصفیٰ میں مع اس بحث کے جس کا تذکرہ تاج الدین سبکی نے جمع الجوامع اور اس کی شرح اور حواشی وغیرہ میں کیا ہے پر اعاطہ کر لینے کے بعد حضرت سے کئی بار گفتگو کی تو میں نے حضرت سے وہ باتیں سنیں جو اجتہاد سے بھی بڑھ کر ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ ہر وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ خدا ہمیں آپ کی رضا و محبت عطا کرے اور سہارا حشر آپ کی جماعت میں کرے آمین!

۲۸۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّي (سورہ النعام آیت ۷۷)

میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان فَلََمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّي (جب رات چھا گئی تو ایک ستارہ دکھیا اور کہا یہ میرا رب ہے) کے متعلق دریافت کیا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا اپنے لیے استدلال کی خاطر تھا اور اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات پر نظر ڈال کر حق تک پہنچ جائیں یا قوم کو خاموش اور لاجواب کرنے کی غرض سے استدلال تھا۔ کہ آپ نے پہلے ان کا دعویٰ برسمیل تسلیم پیش کیا اور اس کے بعد اسے باطل کرنے کی طرف رجوع کیا کیونکہ مفسرین کا اس میں بڑا اختلاف ہے۔ فرمایا: اپنے نفس کے لیے استدلال تھا مگر عام لوگوں کی طرح کا استدلال نہ تھا اس لیے کہ انبیا علیہم السلام کا استدلال عام لوگوں کی طرح نہیں ہوتا۔ کیونکہ انہیں انتہا درجہ کی اللہ کی معرفت، کمال عبودیت، انتہائی خوف اور حد درجہ کا خشوع و خضوع نصیب ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی فطرت میں حق کی معرفت اور حق کی طرف میلان پایا جاتا ہے۔ اس آیت میں حضرت ابراہیم کے استدلال کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ اپنے سر کی آنکھوں سے وہی کچھ دیکھ لیں جو کچھ کہ انہیں اپنے باطن اور بصیرت میں دکھائی دیتا تھا۔ انہیں اپنی بصیرت کے ذریعہ سے اللہ کی معرفت تامہ حاصل تھی۔ اب آپ یہ چاہتے تھے کہ آپ کی بصیرت تمام پردے بھاڑ کر بصارت تک پہنچ جائے۔ لہذا انہوں نے اپنی بصارت کے ساتھ اس موجودات میں اس چیز کی تلاش شروع کر دی جو بصیرت میں پہچانی ہوئی چیز کے مناسب ہو۔ اس لیے آپ نے ان روشن اجسام کی طرف نظر کی جن کا ذکر آیت میں آیا ہے۔

بغیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۵

مشکوٰۃ زکات۔ ان کی بہت سی تعانیات ہیں مثلاً الاستبغاثی شرح الموطا۔ کتاب السراج فی علل الحجاج وغیرہ

۳۔ اباری۔ امام شمس الدین ابوالحسن علی بن اسمعیل الابباری المالکی۔

حاشیہ صفحہ ۱۹۵  
۱۔ ابو عبد اللہ بن الحاج العیدری۔ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحاج العیدری الفاسی المالکی متوفی ۶۲۵ھ ہن کی ایک تالیف کتاب البدع ہے  
دکشف الظنون: ۱۲، ۱۳، ایک اور تالیف مدخل الشرع الشریف علی المذاهب الاربعہ ہے یہ کتاب انہوں نے ۶۳۶ھ میں لکھی (کشف

الظنون: ۲: ۲۴۹)

۷۔ تاج الدین سبکی تاج الدین عبدالوہاب بن علی السبکی الشافعی مشہور فقیہ گزے میں ہن کی وفات ۷۷۰ھ (۱۳۶۰ء) میں ہوئی ہن کی کتاب جمع الجوامع ہواں مقرر



تو انہیں دیکھا کہ وہ منزہ اور مقدس ذات کے مناسب نہیں ہیں۔ لہذا ان سب سے بیزار ہو کر اس ذات کی طرف گئے جسے وہ اپنی بصیرت میں پہچانتے تھے۔ اور وہ ذات وہ ہے جس نے تمام زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا۔ اس کی مثال محض سمجھانے کی غرض سے یوں سمجھو کہ ایک صاحب کشف ولی نے ۲۹ تاریخ کو ہی اپنی بصیرت سے چاند دیکھ لیا پھر اپنی نگاہ سے دیکھنے لگا تو نظر نہ آیا، پھر اسے وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر چاند دیکھنے لگا۔ اب جو شخص اس کے باطن سے واقف نہیں اگر اسے دیکھے گا تو خیال کرے گا کہ اور لوگوں کی طرح جو چاند کو تلاش کر رہے ہیں۔ اسے بھی چاند ہونے میں شک ہے۔ مگر جو شخص ان کے باطن کو جانتا ہوگا اسے یقین ہوگا کہ انہیں چاند ہونے کا پختہ یقین ہے اور وہ چاند کی تلاش ہمارے ساتھ صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ آنکھوں سے بھی اس کا مشاہدہ کر لیں۔ برخلاف اور لوگوں کے کہ انہیں ظاہر اور باطن دونوں طرح سے چاند ہونے میں شک ہے۔ انبیا اور مجاہدین کے استدلال میں یہی فرق ہے۔ لہذا ہم پر واجب ہے کہ ان کے استدلال کو اللہ کی معرفت سے ناواقفی اور شک سے پاک سمجھیں۔ نیز ہر اس چیز سے پاک سمجھیں جو اللہ کے متعلق علم ضروری کے منافی ہے جس کی وجہ وہ معصومیت ہے جو انبیا کا خاصہ ہے۔ اور معصومیت شک اور اللہ تعالیٰ کے متعلق ناواقفیت کے منافی ہے اس لیے کہ دونوں باتیں کفر کی قسمیں ہیں اور انبیا علیہم السلام صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہیں چہ جائیکہ کبیرہ گناہ اور پھر ہمیں انبیا کفر مولف کتاب ہے یہ نہایت ہی معرفت کی بات ہے۔ مجھے حضرت سے متندر بارالیا و اللہ پیش آیا کہ ۲۹ تاریخ کی رات آپ ہمیں چاند ہونے کی اطلاع دے دینے حالانکہ آپ اپنے گھر کی چھت کے نیچے یا مسجد میں یا کسی اور جگہ ہوتے ہم اسی طرف اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے کہ کوئی شخص آتا اور چاند ہونے کی خبر دیتا۔ بلکہ بارہا ایسا ہوا کہ ابھی سورج کی زردی باقی ہوتی کہ آپ ہمیں چاند ہونے کی خبر دیا کرتے پھر ہم درخواست کرتے کہ چاند دیکھنے چلیں۔ لیکن جب ہم چاند دیکھنے کے لیے نکلتے تو چاند کی باریکی اور ہماری بینائی کی کمزوری کی وجہ سے ہمیں سے کوئی بھی اسے نہ دیکھ سکتا۔ ہم کافی دیر تک دیکھتے رہتے مگر چاند نظر نہ آتا یہاں تک کہ کوئی ہم سے زیادہ تیز نظر شخص آتا اور وہ چاند کو دیکھتا اس کے بعد چاند ہونے کی خبر ہر طرف پھیل جاتی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ مجھے فرماتے کہ آج کا دن ماہ رمضان میں ہے حالانکہ لوگوں نے اس دن کا روزہ نہ رکھا ہوتا تھا، اس خیال سے کہ وہ شعبان کا آخری دن ہے۔ یا یہ کہ آج عید کا دن ہے اور لوگوں نے اس خیال سے روزہ رکھا ہوتا کہ رمضان کا آخری دن ہے یا یہ کہ آج عرفہ کا دن ہے اور اس دن لوگوں کے خیال کے مطابق آٹھویں تاریخ ہوتی۔ اس کے بعد ان مقامات سے جو ہم سے چار یا پانچ دن کی مسافت پر ہوتے بعینہ اسی طرح کی خبر آتی جس طرح کہ حضرت نے فرمایا ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹- هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

(سورہ فتح آیت ۲۸)

میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ہوا الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ دَلُّوْكُمْ عَلَى الْمَشْرِكُونَ - خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے۔ خواہ مشرکین برابری کیوں نہ منائیں، کے متعلق دریافت کیا کہ تمام ادیان پر غالب کرنے سے کیا مراد ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ تمام ادیان کو منسوخ کرنے والا ہے یا مراد اس کی حجت و دلیل کے واضح ہونے سے ہے۔

حضرت نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پاک دین کو تمام ادیان پر ہر لحاظ سے غلبہ دیا ہے۔ خواہ اس لحاظ سے ہو کہ یہ ان کو منسوخ کرنے والا ہے، خواہ اس لحاظ سے کہ اس کے دلائل واضح ہیں یا اس لحاظ سے کہ دنیا میں اس کی کثرت ہے یہاں تک کہ اس کے مقابلہ میں دوسرے دین کا عدم ہے۔ چنانچہ جس شخص کی بصیرت اللہ تعالیٰ نے کھول دی ہو اور صحیح زمین کے آباد و غیر آباد مقامات کو دیکھ ہو تو وہ دیکھے گا کہ ہر مقام میں لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور وہ دین محمدی پر ہیں۔ زمین ان حضرات سے آبار ہے۔ چنانچہ وہ اس ملک میں بھی ہیں اور اس ملک میں بھی یعنی دار کفر میں بھی، غاروں میں بھی پہاڑوں اور میدانوں میں بھی، آباد اور غیر آباد زمینوں میں بھی۔ اس دین کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک نور ہے جو اس کی پیروامت کو ارتداد اور رجوع الی الکفر سے روکتا ہے اور یہ صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے محبوب ہیں لہذا آپ کے دین میں بہت سی ایسی خصلتیں جمع کر دی ہیں جو سب کی سب ارتداد سے مانع ہیں۔

حضرت نے فرمایا، جو لوح محفوظ کو دیکھ لے اور اس میں رسولوں اور ان کی شریعتوں کو دیکھے جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں تو اسے شریعت محمدیہ کے دوام و بقا اور عدم ارتداد کا علم ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور اور تاریکی کو پیدا کیا پھر بندوں اور امتوں کو پیدا کیا۔ پھر نور کے لیے دروازے رکھے جن میں سے نور ان کی ذات پر داخل ہوا اور تاریکیوں کے لیے دروازے بھی رکھے جن میں سے تاریکیاں ان کی ذات میں داخل ہوں۔ اس کے بعد شریعتیں بنائیں اور رسول بھیجے تاکہ ان شریعتوں سے نور کے دروازے کھولے اور تاریکی کے دروازے بند ہوں اور یہ ایسا امر و نواہی ہیں۔ چنانچہ ان دروازوں کے دروازے کھولتے ہیں اور نواہی تاریکی کے دروازے بند کرتے ہیں۔ اور ذکر کو کھولنے والے اور تاریکی کو بند کرنے والے نواہی سوائے شریعت محمدیہ کے کسی شریعت میں پورے پورے ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شریعت تمام شریعتوں کے اوپر ہے اور آپ کی امت تمام امتوں کے اوپر ہے۔ اسی مطلب کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمودہ میں اشارہ فرمایا ہے لَا تَجْمَعُوْا اُمَّتِيْ عَلٰی ضَلٰلٍۭاۙ - میری امت کبھی بھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔

حضرت نے فرمایا کہ جب صاحب فتح گذشتہ امتوں اور ان کی ان بستیوں کو بہاں وہ اپنے زمانوں میں بستے تھے، دیکھتا ہے تو اسے ان کی بستیوں کے اوپر سیاہ کہ کی شکل کی تاریکی دھوئیں کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ پھر یہ تاریکی ان کے قریب ہوتی رہتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ اپنے دین کو چھوڑتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان پر آگرتی ہے اور ان کے اجسام اس سے سیر ہو جاتے ہیں اور امت اپنے دین سے کل جاتی ہے۔ اور پھر کبھی بھی مذہب کی طرف راہ نہس پاتی۔ مذہب اسلام کی باقی تمام مذاہب پر غالب آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

مولف لکھتا ہے کہ انشاء اللہ ہم عنقریب ابوابِ ظلمت کا کچھ حال بیان کریں گے اور وہ چیزیں بیان کریں گے جن میں عبرت حاصل کرنیوالوں کے لیے عبرت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ

(سورہ توبہ آیت : ۷۵)

میں نے حضرت سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے دیکھا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور نیک بنیں گے، کیونکہ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ثعلبہ بن عاطب کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے درخواست کی کہ آپ کثرت مال کے لیے دعا فرمائیں۔ اس پر آنحضرت نے فرمایا اے ثعلبہ! حقوڑا مال جس کا شکر یہ ادا کر سکے اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا تو شکر یہ ادا نہ کر سکے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار یہی درخواست کرتا رہا یہاں تک کہ کہا یا رسول اللہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں کثیر مال پر بھی شکر یہ ادا کر دوں گا۔ اور عہد کیا کہ اگر اللہ اسے بہت سا مال دے تو وہ ضرور صدقہ و خیرات کرے گا۔ اس پر آنحضرت نے اس کے لیے دعا کی اور اس کے جانور اس طرح بڑھے جس طرح کبوتر بڑھتے ہیں ثعلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز باجماعت اور جمعہ ادا کیا کرتا تھا۔ لیکن جب اس کے جانوروں کی تعداد بڑھ گئی تو ان کو لے کر مدینہ سے باہر چلا گیا اور نماز باجماعت اس سے چھوٹ گئی لیکن جمعہ کے لیے حاضر ہوتا رہا اس کے بعد اس کے جانور اور بڑھ گئے یہاں تک کہ ان میں لگے رہنے کی وجہ سے وہ نماز جمعہ کے لیے بھی حاضر نہ ہو سکتا تھا۔

۱۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے کچھ عبارت رہ گئی ہے جس سے عبارت میں خلل پڑ گیا ہے۔

۲۔ ثعلبہ: ثعلبہ بن عاطب بن عمرو بن عبید۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر انھیں مدینہ بن عود کا بھائی بنایا تھا۔ ہر احد کی جنگوں میں شریک ہوا۔ فقادہ اور سید بن جبیر کے قتل کے مطابق یہی ہیں جنہوں نے صدقہ ادا نہ کیا تھا اور جن کے بارے میں یہاں یہ مجاہد اللہ کی آیت نازل ہوئی۔ ان کی وفات، حضرت عمر یا عثمان کی خلافت میں ہوئی۔ ابن جریر نے تفسیر تہذیب میں ان کا ذکر نہیں کیا۔

پناہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ثعلبہ کہاں ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کے جانہ بہت زیادہ ہو گئے ہیں جن میں لگے رہنے کی وجہ سے وہ جماعت اور جمعہ کیلئے حاضر نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا واے افسوس ثعلبہ پر اس کے بعد آنحضرت نے زکوٰۃ لینے پر دو شخص مامور کئے اور لوگ خود زکوٰۃ لے کر ان کے پاس آتے اور وہ ثعلبہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اس سے بھی زکوٰۃ کا مطالبہ کیا اور وہ رقم بھی پڑھا دیا جس میں زکوٰۃ اور فرائض کا ذکر تھا۔ ثعلبہ کہنے لگا یہ تو جزیہ ہوا یا جزیہ کی بہن۔ اس وقت تم چلے جاؤ میں سوچ لوں۔ اس پر یہ آیت اتری تو ثعلبہ زکوٰۃ لیکر حاضر ہوا۔

آنحضرت نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ ثعلبہ آہ وزاری کرنے لگا۔ مگر آنحضرت نے فرمایا یہ تمہارا اپنا فعل ہے۔ میں نے تو تمہیں حکم دیا تھا مگر تو نے میری بات نہیں مانی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ زکوٰۃ لیکر ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر انہوں نے بھی قبول نہ کی۔ پھر حضرت عمرؓ کے عہد میں ان کے پاس گیا انہوں نے بھی قبول نہ کی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ثعلبہ مر گیا۔ حافظ سیوطی بیضاوی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں، اس کی روایت ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، طبرانی اور سیوطی نے شعب الایمان میں ابو امامہ کی حدیث سے کی ہے۔ میں نے حضرت سے دریافت کیا، کیا یہ شخص صحابہ میں سے تھا اور کیا یہ فقہ درست ہے؟

حضرت نے فرمایا میں نے غور کیا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جس نے ایسا گناہ سرزد ہوا ہو اور نہ ہی مجھے اس حکایت کا کہیں وجود نظر آیا۔

۱۱۔ ابن مردویہ: ابو بکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ اصفہانی صاحب تفسیر ذخائر - انہوں نے متخرج علی صحیح البخاری لکھی ۳۲۲ھ (۹۳۲ھ) میں پیدا ہوئے اور ۳۵۲ھ (۹۶۲ھ) میں وفات پائی۔ یہ بڑے عالی مرتبہ عالم اور عمدہ تصانیف والے ہیں۔

۱۲۔ ابو امامہ: ابو امامہ صحابیوں کی کنیت ہے ایک اسد بن زرارہ خزرجی انصاری کی ہے عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں موجود تھے۔ ہجرت کے نو ماہ بعد انہوں نے وفات پائی اور دوسرے صحابی ابو امامہ ریاس بن ثعلبہ ہیں یہ بدر کی جنگ میں اس لیے شریک نہیں ہو سکے تھے کہ ان کی والدہ بیمار تھی۔

۱۳۔ ابو امامہ باہی بن کانام صدی بن عجلان ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی روایتیں روایت کی ہیں۔ یہ پہلے مصر میں رہے پھر حمص چلے گئے اور وہیں ۳۵۵ھ میں وفات پائی۔ یہ شام میں صحابہ میں آخری وفات پانے والے تھے۔

یہاں ہی مراد میں راجعاً صاحب: ۶۳۸

۱۴۔ سیوطی: حافظ ابو بکر احمد بن حنین شافعی متونی ۳۵۵ھ۔ ان کی شعب الایمان کا نام جامع المصنف ہے جس میں انہوں نے ایمان کو منتر سے زائد حصوں میں منقسم کیا ہے اور انی ایمان لاله الا اللہ محمد رسول اللہ کا ذکر دیا ہے۔

۱۵۔ بخاری اور غازی (ج ۳ صفحہ ۱۲۰) نے آیت زوال الدین اتخذوا سیواً آرضاً کے تحت منافقین کا ذکر ہوئے بارہ منافقوں کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے مسجد منار تعمیر کی تھی ان منافقین میں ثعلبہ بن حاطب کا نام بھی دیا گیا ہے جس سے اسکا رنج ہو جاتا ہے کیونکہ جب ثعلبہ منافق ٹھہرا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں آگے وفات کے بعد ظلمانے جو اس کی زکوٰۃ قبول نہیں کی تو اس کی وجہ ظاہر ہے بالخصوص جبکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے منافقین زکوٰۃ سے جنگ بھی کی اور ثعلبہ سے زکوٰۃ قبول نہیں کی۔ اس کی وجہ بھی اس کا نشان تھا۔ لہذا ثعلبہ صحابی نہ ہوا اس سے حضرت عبد العزیز دباغ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔



مؤلف کہتا ہے حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب الاصابہ فی الصحابہ میں اس حکایت کے انکار کی طرف اشارہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حکایت کسی ایسی سند سے مروی نہیں جس پر اعتبار کیا جائے۔ کتاب مذکور میں ثعلبہ کے حال میں دیکھ لیں۔ کیونکہ میں نے مفہوم ادا کیا ہے اور کتاب کا مطالعہ کیے مجھے کافی عرصہ گزر چکا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۱ - وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِرْثَهُمْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمُ الْآيَةَ (سورہ اعراف آیت ۱۷۲)

میں نے حضرت سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا واذ اخذ ربك من بني آدم من ظهورهم ذريتهم الاية (اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولادوں کو نکالا اور انہیں خود ان کی اپنی ذات پر گواہ بنا کر پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ کہا یوں نہیں! اور ہم گواہ ہیں اور یہ اقرار اس لیے لیا کہ) کیسے قیامت کے دن تم یہ نہ کہو کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہیں تھی۔ یا یہ کہو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم ان کی اولاد تھے جو ان کے بعد آئے تو کیا آپ اس فعل میں ہمیں ہلاک کئے دیتے ہیں جو اہل باطل نے کیا؟) میں نے عرض کیا کیا یہ واقعہ عالم ارواح میں پیش آیا یا اس وقت جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور آپ کی اولاد کو آپ کی پشت میں سے نکالا اور اس میں عقل اور طاقت گویائی رکھ دی کہ انہوں نے یہ جواب دیا۔ یا اس آیت میں جو کچھ فرمایا ہے استعارة فرمایا ہے۔ کہ انسان کو دلائل کے ذریعہ اپنی وحدانیت کا علم اور عقل عطا فرمانا گویا اقرار لینا ہے اور انسان کا عقل و فہم سے بہرہ یاب ہونا گویا ربوبیت کا گواہ بننا ہے؟

فرمایا: یہ قصہ عالم ارواح کا قصہ ہے اور جب اللہ نے انہیں اپنے نفسوں پر گواہ بنانا چاہا تو اس راہیل کو حکم دیا اس نے صورت بھونکا جس سے ارواح میں سخت ہل چل مچ گئی جیسے حشر کے دن قبروں سے اٹھتے وقت ہوگی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پردہ دور کر دیا اور انہیں اپنا کلام قدیم سنایا۔ اس وقت روحیں اپنے انوار کی قوت و ضعف کے مطابق الگ الگ ہو گئیں۔ چنانچہ بعض روحوں نے محبت سے جواب دیا اور یہ مومنین کی ارواح تھیں اور بعض نے مجبوری کے عالم میں جواب دیا اور یہ کافروں کی ارواح تھیں۔ پھر محبت سے جواب دینے والوں کے مراتب میں فرق تھا بعض کلام قدیم شکر قوی و طاقت ور ہو گئے اور بعض ضعیف اور بعض کلام قدیم سننے کی لذت پا کر خوشی سے جھومتے رہے اور بعض کے لیے اللہ نے اس کلام کو رحمت بنا دیا اور وہ اوروں کو مدد دینے لگا تاکہ اسے قوت آجائے۔ اس سے شیوخ و مریدین کے مراتب ظاہر ہوئے۔ اسی دن روحوں میں باہم تعارف ہوا اس کے بعد تمام ارواح پر کلام قدیم کی مہبت چھا گئی اور وہ اپنی اپنی جگہ برزخ میں اڑنے لگیں اور آرام لینے کی غرض سے

۱۷ - جیسا کہ حدیث میں ہے کانت الارواح جنوداً مجندة فما تعارف منها تعارف وما تنكروا تنكروا۔

زمین کی طرف اتر لے لگیں۔ لہذا ان کے اترنے کے اعتبار سے زمین کی بھی تین قسمیں ہو گئیں:-

۱- وہ جہاں گروہ درگروہ ہو کر صرف مومنین کی ارواح اُتریں۔

۲- وہ جہاں صرف کفار کی روہیں اُتریں۔

۳- وہ جہاں دونوں گروہوں کی روہیں اُتریں۔

پہلی قسم جہاں صرف مومنین کی روہیں اُتری تھیں وہ ایسے مقامات ہیں جہاں اہل ایمان و اہل عرفان رہیں گے اور وہاں کوئی کافر کبھی بھی آباد نہ ہوگا۔ برعکس دوسری قسم کے کہ وہاں صرف کافر ہی رہیں گے اور تیسری قسم میں دونوں گروہ رہیں گے۔ اور سب سے آخر اترنے والا وہی فریق ہوگا جس پر عالم ارواح میں نزول کا خاتمہ ہوا تھا۔ اگر آخر میں آنے والی سعادت مندوں کی روہیں ہونگی تو اہل ایمان سے ختم کیا جائے گا اور اگر معاملہ برعکس ہوگا تو اس کے اُسٹ یعنی کفار کے نزول پر خاتمہ ہوگا۔ اور بعض اوقات کسی مقام پر سعادت مندوں کی روہوں کے گروہ کا نزول ہوتا ہے۔ پھر بد بخت لوگوں کی روہوں کے گروہ کا پھر سعادت مندوں کی روہوں کا پھر بد بختوں کی روہوں کا۔ اور سلسلہ اسی طرح چلا جاتا ہے کہ اترنا ختم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ صاحبِ فتح جب کسی ایسے مقام کی طرف دیکھتا ہے جہاں آج کل مشرک بستے ہوں تو اسے علم ہو جاتا ہے کہ ان کے بعد اس مقام کو مومنین آباد کریں گے یا نہیں۔ اس طرح کہ وہ روزِ اُتشت میں ارواح کے زمین کی طرف اترنے کو دیکھتا ہے ان کے بعد ان روہوں کی لڑت و کھیتا ہے جو موجودہ گروہ کے بعد اتریں گی۔ اگر بعد میں اترنے والی روہیں مومنین کا ہوں گی تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہاں مسلمان کبھی آباد نہ ہونگے اور اگر اس گروہ کے بعد کچھ سعادت مند روہیں اتریں تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ مقام عنقریب دارِ اسلام بن جائے گا۔

حضرت نے فرمایا کہ اس کا علم ڈاڈا نظر لقیوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ مشرک کی زمین کی طرف دیکھتا ہے اگر اسے یہ معلوم ہو کہ وہاں اہل نجات اور اہل ولایت کی تعداد بڑھ رہی ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ عنقریب دارِ اسلام بن جائیگا اور اگر دیکھنے کے بعد اسے معلوم ہو کہ اہل نجات یا اہل ولایت کا وہاں قطعاً وجود ہی نہیں پایا جاتا تو سمجھ جاتا ہے کہ اس بستی پر اللہ کا غضب ہے۔

میں نے عرض کیا کہ اگر مشرکوں کی زمین پر کسی کو فتح نصیب ہو جائے تو وہ کیا کرے؟

فرمایا رجالِ غیب اس کی مدد کریں گے اور وہ خود وہاں جا کر اسے علمِ ظاہر سکھائیں گے۔ بس یہ کہ اگر علمِ باطن کے ساتھ علمِ ظاہر نہ ہو تو شاذ و نادر ہی اس شخص کو فتح نصیب ہوتی ہے۔

ایک اور بار حضرت نے مجھے فرمایا کہ علمِ ظاہر کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ننانوے سطریں آبِ زر سے لکھیں اور علمِ ظاہر ایسے جیسے کسی نے آخری سو سطر سیاہی سے لکھی۔ اس کے باوجود اگر یہ سیاہ سطر ان مذکورہ بالا سونے سے لکھی ہوئی سطروں کے ساتھ نہ ہوتی تو اسے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ ایسے علمِ والا آدمی شاذ و نادر ہی بچ سکتا ہے۔

ایک اور بار فرمایا کہ علم ظاہر کی مثال اس لائٹین کی ہے جو رات کو روشن ہو کیونکہ وہ رات کی تاریکی میں بہت کام آتی ہے اور علم باطن طلوع اور دوپہر کے وقت سورج کی روشنی کے پھیلنے کی طرح ہے۔ بعض اوقات اس قسم کے علم والا انسان کہہ اٹھتا ہے کہ اس لائٹین سے جو میرے پاس ہے کیا فائدہ مجھے اللہ تعالیٰ نے دن کو روشنی کے ساتھ اس سے مستغنی کر دیا ہے اس لیے وہ اس لائٹین کو بچھا دیتا ہے اور دن کی روشنی بھی اس سے جاتی رہتی ہے اور وہ رات کی تاریکیوں میں پھنس جاتا ہے لہذا اس کے دن کی روشنی کے قائم رہنے کی شرط یہی ہے کہ وہ لائٹین جو اس کے ہاتھ میں ہے نہ بجے۔

حضرت نے فرمایا: بہت سے لوگ اسی دھوکہ میں پھسل گئے اور ان کے دن کی روشنی اس وقت تک کہ اپنی نہیں آسکتی جب تک کہ وہ اس لائٹین کو نہ کرے کہ دوبارہ روشنی نہ کرے مگر اللہ تعالیٰ کسی کو ذوق نہیں بخشتا ہے کسی کو نہیں۔ دعا ہے کہ خدا ہمیں اس سے بچائے۔

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ مشرکین کی بستی کو دیکھے اگر راستہ دہاں مسجدیں آباد اور نیچے طور پر وہاں جماعت ہوتی دکھائی دیتی ہو تو سمجھ جانا ہے کہ وہ بستی عنقریب مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائیگی اور اگر یہ دکھائی نہ دے تو سمجھ جاتا ہے کہ زمین کی قسمت میں تاریکی لکھی ہے۔

حضرت نے اس بارے میں کچھ حکایات بھی بیان کیں جنہیں ہم عنقریب بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ :  
واللہ تعالیٰ اعلم۔

**کیا انبیاء نبوت سے پہلے بھی معصوم ہوتے ہیں** | میں نے حضرت سے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے واقعہ کے متعلق دریافت کیا۔ اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ مجھ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا انبیاء نبوت سے پہلے بھی اسی طرح معصوم ہوتے ہیں جس طرح نبوت کے بعد اور کیا اس پر سب کا اتفاق ہے یا اختلاف پایا جاتا ہے اور کیا صغیرہ گناہ بھی نبیوں تک عصمت انبیاء کا تعلق ہے کبیرہ گناہ کی طرح ہوتے ہیں یا نہیں۔

اگر آپ ہماری بات سمجھ گئے ہیں تو فرمائیے کہ میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے متعلق کیا عقیدہ رکھتا ہوں؟ کیا وہ نبی ہیں یا نہیں۔ اگر نبی ہیں تو جو فعل ان سے سرزد ہوئے ان کا کیا جواب ہے۔ میں نے اس سوال کو اپنی نوٹ بک میں درج کر لیا۔ اور اس کا جواب دینے کا ارادہ کر لیا۔ عصمت انبیاء کا جواب تو میں اس طرح دیتا جس طرح علم کلام کے عالموں نے دیا ہے مثلاً مصنف المواقف نے اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے فعل کا جواب حافظ سیوطی کی کتاب دفع القسوف عن اخوة یوسف کی مدد سے دیتا اور میرا ارادہ تھا

مواقف فی علم الکلام یہ علامہ عضد الدین بن احمد الایچی القاضی کی تصنیف ہے جو انہوں نے سلطان محمد غیاث الدین کے ذریعہ غیاث الدین کے لیے لکھی۔ اس کتاب پر متعدد دلوگوں نے شرح لکھی ہیں سب سے زیادہ مشہور سید شریف علی بن محمد برغانی متوفی ۱۱۸۰ھ کی شرح ہے۔

کہ جواب میں اسی کا خلاصہ دے دوں۔ اس کے بعد حضرت نے میری نوٹ بک میں یہ سوال دیکھ لیا اور اپنے ہاتھ سے یہ جواب لکھا۔

الجواب واللہ الموافق للصواب: انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور بعد بھی معصوم ہوتے ہیں اور جو فعل یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے صادر ہوا اس میں وہ دراصل باطنی طور پر مامور تھے اور حکم اللہ کی طرف سے تھا اور اس پر ان کو جو عتاب ہوا وہ ظاہر کے اعتبار سے ہوا۔ اس لیے کہ غیب ایک راز ہے جو اللہ کے پاس ہوتا ہے۔ والسلام۔ اس کا کاتب احمد بن مبارک السجستانی اللطیف ہے۔ آپ نے یہ جواب میری طرف اس لیے منسوب کیا کہ سوال مجھ سے کیا گیا تھا۔

حضرت نے فرمایا: اکثر عتاب جو انبیاء کو ہوئے اسی قسم کے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ باطن میں ایک کام کرنے کا حکم دیتا ہے، حالانکہ ظاہر میں ان کو اس کے خلاف کرنے کا حکم دیا گیا ہوتا ہے۔ تو بظاہر ہی ان کے گناہ ہوتے ہیں۔

میں نے عرض کیا جب یہ فعل اللہ کے باطنی حکم سے صادر ہوا پھر گناہ کیسا؟ اور عتاب کے کیا معنی؟ حالانکہ کرنے والے نے اللہ کے حکم سے یہ کام کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا۔ یہ بات ٹھیک ہے لیکن جب ظاہر کو دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے مخالف پاتا ہے تو اس کی نگاہ اسے وہ کام گناہ دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک محض ظاہر کی مخالفت کا نام گناہ ہے۔ میں نے عرض کیا یہ تو ظاہر ہی ہے کہ وہ اسے گناہ خیال کرتا ہے۔ لیکن عتاب میں یہ بات ظاہر نہیں اس لیے کہ جس خدا نے اسے ظاہر کا حکم دیا ہے اسی نے باطن کا بھی حکم دیا ہے اور باطنی حکم کی حیثیت ظاہری حکم کو منسوخ کرنے یا اسے مخصوص کرنے والے حکم کی سی ہے۔ لہذا عتاب نہیں ہونا چاہیے۔

فرمایا: وحی کا نزول انبیاء کے خواطر کا تابع ہوتا ہے لہذا جو خیال نبی کے دل پر وارد ہوگا اسی کے مطابق وحی نازل ہوگی۔ نبی کو جب اپنا فعل گناہ نظر آتا ہے تو وہ اپنے نفس کو اس پر عتاب کرتا ہے لہذا وحی بھی ویسی ہی نازل ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خواطر کو معلوم کرنا چاہیے تو اسے ان کتابوں کو دیکھنا چاہیے جو ان پر نازل ہوئیں کیونکہ یہ ان کے خواطر کے مطابق نازل ہوئیں۔ چنانچہ جہاں کتاب میں نصیحت کی گئی ہے تو اس کا نزول اس وقت ہوا ہے جب نبی کے دل میں مخلوق کو نصیحت کرنے کا خیال آیا اور جب کتاب میں کوئی خوشخبری دی گئی ہے اس کا نزول اس وقت ہوا ہے جبکہ نبی کے دل پر انبساط اور منافع امت کی محبت تھی۔ اور جہاں کتاب میں ڈرا یا گیا ہے یا سخت وعید آیا ہے۔ اس کا نزول اس وقت ہوا ہے جس وقت نبی کے دل پر غصہ اور انقباض تھا۔ اسی سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عصمت انبیاء کا ثمرہ کیا ہے اور یہ کہ ان کے تمام خواطر اور خیالات جو ان کے دل پر گزرتے ہیں حق اور خدا کی طرف سے ہوتے ہیں۔



۳۲۔ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهَ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ (الآیت) (سورہ احزاب آیت، ۳)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهَ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ (راے محمد تم لوگوں (کی باتوں) سے ڈرتے ہو حالانکہ تمہیں اللہ کی ناراضگی سے زیادہ ڈرنا چاہیے) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عتاب کیا ہے حالانکہ وہ سید العارفين اور اہم الانبیا والمرسلین ہیں۔

حضرت نے اس کا بھی وہی جواب دیا اور فرمایا کہ جب زینبؓ نے آپ سے زینبؓ کو طلاق دینے کا مشورہ کیا تو آپ نے زید کو حکم دیا کہ زینب کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو حالانکہ آپ کو علم تھا کہ حضرت زینب ان کے نکاح میں آجائیں گی مگر آپ نے اسے چھپائے رکھا اور بعد میں آپ نے اپنے نفس کو عتاب کیا اور دل میں کہا "لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو" چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کے مطابق وحی کا نزول ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اسی عتاب کے طرز میں آپ کا وارڈ قلبی ظاہر فرمادیا۔

پھر فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے فتح عطا کی ہو وہ جب کسی آسمانی کتاب پر غور کرتا ہے تو اسے اس میں کلام قدیم کا نور اور وہ نور نظر آتا ہے جو نزول وحی کے وقت نبی کی طبعی حالت کا تھا اور نبی کبھی قبض کی حالت میں ہوتا ہے تو جو آیت اترتی ہے اس میں کلام قدیم کا نور اور اس قبض کا نور ہوتا ہے جو نزول وحی کے وقت نبی پر طاری تھا اور کبھی بسط کی حالت میں ہوتا ہے تو اس وقت جو آیت اترتی ہے اس میں کلام قدیم کا نور اور بسط کا نور بھی ہوتا ہے مگر پہلا نور قدیم اور دوسرا نور حادث ہے اور کبھی نبی تواضع کی حالت میں ہوتا ہے تو اس وقت جو وہی نازل ہوگی اس میں کلام قدیم کا نور اور تواضع کا نور ہوگا۔ اسی طرح ہر آیت میں طبیعت نبوی کا کوئی نہ کوئی جزو ضرور ہوگا۔ یہی حال آیت وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهَ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ کا ہے کہ اس میں کلام قدیم کا نور اور اس کے نزول کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کا نور ہے اور یہی عتاب کا نور ہے لہذا کلام قدیم اللہ کی طرف سے امت کی طرف آیا اور عتاب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے، خدا کی طرف سے نہیں۔

حضرت نے فرمایا: جب اہل فتح آپس میں کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو ان کا زیادہ تر اہتمام اسبابِ نزول

سے زید: زید بن حارثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنی اور آزاد کردہ غلام تھے جن سے حضرت زینب کی پہلی شادی ہوئی تھی۔

سے زینب: زینب بنت جحش یہ امہات المؤمنین میں سے تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ۳۳ یا ۳۴ برس پہلے شادی کی۔ یہ پہلے زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں۔ ان کے طلاق دینے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آگئیں۔ ان کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امہات المؤمنین میں سب سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔

کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسباب نزول سے مراد وہ اسباب نہیں جو ظاہری علم میں پائے جاتے ہیں، بلکہ وہ احوال والو امراد ہوتے ہیں جو آیت کے نزول کے وقت ذاتِ نبی پر وارد ہوئے ہوتے ہیں لہذا ان اصحابِ فتح سے وہ باتیں سننے میں آتی ہیں جن کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اس لیے کہ وہ ان سمذروں میں غوطہ زن ہوتے ہیں جو آنحضرت کے باطن میں ہوتے ہیں یعنی آدمیت، قبض، بسط، نبوت، روح، رسالت اور علم کامل جن کا ذکر حدیثِ اَنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَى سَبْعَةِ آخِرِينَ کی تشریح میں ہو چکا۔

۳۳۔ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَّبِعِنَا لِكِ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ

الْكَاذِبِينَ (سورہ توبہ آیت: ۲۳)

میں نے حضرت سے آیت عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَّبِعِنَا لِكِ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ (خدا آپ کو معاف کرے آپ نے انہیں کیوں اجازت دے دی آپ کو اجازت نہ دینا چاہیے تھا، تاکہ سچے اور جھوٹے کا آپ کو پتہ چل جاتا)

حضرت نے اس کا جواب بھی قریب قریب وہی دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ معاف کریں، اچھی طرح سے درگزر کریں اور لوگوں سے معاشرت اور مدافعت باحسن طریق کریں۔ یہاں تک کہ یہ بھی فرمایا کہ لَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا لَفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (سورہ آل عمران آیت: ۱۵۹) (اے محمد اگر آپ بد اخلاق اور سنگ دل ہوتے تو یہ لوگ

آپ کے پاس سے بھاگ گئے ہوتے لہذا آپ انہیں معاف کرتے رہیں۔ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیں اور ان سے معاملات میں مشورہ لیا کریں) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لوگوں سے یہی عادت رہی۔ لہذا جب منافقین آپ کے پاس سفر میں نہ نکلنے کی اجازت چاہنے کے لیے آئے اور انہوں نے اپنا عذر پیش کیا تو باوجودیکہ آپ کو ان کی منافقت کا علم تھا اس رحمت کی وجہ سے جو آپ کی ذات میں پائی جاتی تھی اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان

سے احسن طریق پر معاشرت کرنے کا حکم کئی آیات میں دیا تھا۔ آپ نے ان کو مدینہ رہنے کی اجازت دے دی۔ اور ان کے ساتھ ظاہری مسلک اختیار کیا لیکن اس کے بعد آپ کے دل میں خیال آیا کہ ایسی آیت نازل ہو جو ان کا کھوٹ ظاہر کر دے آپ نے خود ان کا کھوٹ اس لیے ظاہر نہیں کیا کہ آپ میں رحمت کا مادہ پایا جاتا تھا۔ اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (فَاعْفُ عَنْهُمْ) سے درگزر کرو) مد نظر تھا۔ اس لیے اس جیا کی

وجہ سے جو آپ میں پایا جاتا تھا جیسے آیت اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤَدِّي الْبِنْبِيَّ فَيَسْتَجِيْ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَجِيْ مِنْ اِنْحَقٍ (اس بات سے رسول کو تکلیف ہوتی ہے لیکن وہ تمہیں شرم کے مارے نہیں کہتے لیکن اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا) (سورہ احزاب آیت ۵۳) میں تو آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان کی رسوائی ہو تو اللہ کی طرف سے ہو اس لیے آپ نے چاہا کہ جو آیت نازل ہو وہ اس طرز پر نازل ہو کہ خود آپ کو عقاب



لکھتے ہیں زحشری نے اس عبارت میں بڑی فحش غلطی کھائی ہے۔ میں حیران ہوں کہ لطائف معانی کے نکالنے میں شہرہ آفاق ہوتے ہوئے ان سے کیسے بھول ہو گئی کہ اس قسم کے اشاروں میں یعنی عفو کا لفظ پہلے لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مخاطب واجب تعظیم ہستی ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے۔ اس لیے کہ اس قسم کے خطاب سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلے گناہ میرزا ہو چکا ہے بلکہ اس لفظ عفو کا شروع میں لانا تعظیم پر دلالت کرتا ہے جیسے تو کسی ایسے آدمی سے کہے جس کی تو تعظیم کرتا ہے خدا آپ کو معاف کرے آپ نے میرے معاملہ میں کیا کیا اور "خدا آپ سے راضی ہو میری بات کا کیا جواب ہے" اسی لیے تو تفتازانی لکھتے ہیں زحشری کے لیے مناسب نہ تھا کہ ایسی بڑی عبارت سے مضمون ادا کرتے جبکہ دیکھ رہے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول کے احترام کا کتنا لحاظ رکھا کہ عفو کو پہلے ذکر کیا اور پھر اذرا کا ذکر کیا جو آپ کے بلند مرتبہ اور قوت نظر کی خبر دے رہا ہے اور کلام استغفام کی صورت میں لایا گیا اگرچہ مقصد یہی ہے کہ اجازت نہ دینی چاہیے عفو کی مزید ان بعض اوقات سے اللہ عنایت کا محاورہ اولیٰ اور افضل کے چھوڑنے پر بھی کہہ دیتے ہیں بلکہ کبھی تعظیم و تکریم کی غرض سے بھی کہہ دیتے ہیں۔ مثلاً کہیں اللہ آپ کو معاف کرے میرے والد میں آپ نے کیا کیا۔ نیز علامہ سیوطی نے بیضاوی کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ بیضاوی نے اس بڑی عبارت کے لکھنے میں حالانکہ صاحب تصانیف کتنا ہے کہ در باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے، یا تو یہ معنی جو بیضاوی نے بیان کیے مراد نہیں ہیں۔ تو یہ اس کی غلطی ہے۔ یا یہی معنی مراد ہوں سے لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور آپ کی قدر کو بلند رکھتے ہوئے کراہیہ کا استعمال کیا مگر بیضاوی نے کھلے الفاظ میں اس کا اظہار کر دیا۔ بیضاوی نے بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آداب خداوندی کا لحاظ کیوں نہ رکھیں گے کہ تصانیف کے الفاظ نے طیبی اور تفتازانی کی عبادت نقل کی ہے اور پھر لکھا ہے کہ قاضی عباس شفاعت میں لکھے ہیں: **عَاذُكَ** کا محاورہ کلام شروع کرنے کے لیے آتا ہے۔ جس طرح کہتے ہیں **أَصْلَحَكَ اللَّهُ وَعَمَلَاتُكَ**

معد حسن بن محمد بن صالح نے اس موضوع پر زحشری کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام **بَحْثُ تَأْوِيلِ عَاذُكَ فِي الْإِسْتِغْفَارِ ذِي الْقِسْمِ الطَّاهِرِ** ہے۔ اسی نکتہ اور اس قسم کے دیگر نکات کی وجہ سے زین دار اور بیضاوی لوگوں نے کشف کے مطالعہ اور تدریس سے منع کیا ہے

علاء تفتازانی: **عَاذُكَ** علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی۔ انہوں نے کشف پر حاشیہ لکھا ہے مگر یہ اسے کس نہیں کر سکے۔

علاء تصانیف: یہ نام ناصر الدین احمد بن محمد بن المنیر اسکندری کی تصنیف ہے۔ اس میں انہوں نے تفسیر کشف میں جس قدر محتزلی حیاتیات میں الزکا ذکر اور رد کیا ہے۔ ان کی وفات ۶۸۳ھ = ۱۲۸۲ء میں ہوئی۔



تقی الدین سبکی نے اسی غرض سے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام سَبَبُ الْإِنكِفَاتِ عَنْ إِقْرَاءِ الْكُتُبِ الرَّكَّافِ رکھا ہے۔ اس کا مطالعہ اسی حاشیہ میں کر لیں کیونکہ مصنف حاشیہ نے اس رسالہ کو پورے کا پورا نقل کر دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

### ۳۲ - وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۵)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا (جب تک رسول نہ بھیج لیں، ہم عذاب نہیں کرتے) میں جس عذاب کی نفی کی گئی ہے اس سے کیا مراد ہے۔ کیا دنیا کا عذاب یا آخرت کا؟ اور کیا بلوغ و دعوت شرط ہے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے یا شرط نہیں ہے جیسا کہ ان احادیث سے پتہ چلتا ہے جن میں پاگل وغیرہ کا ذکر ہے جو بات نہیں سمجھ سکتے اس لیے کہ قیامت کے دن اسے امتحان کی غرض سے دوزخ کی آگ میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ اگر اس نے مان لیا تو جنت میں جائے گا اور اگر نہ مانا تو دوزخ میں جائے گا۔

حضرت نے فرمایا: اس عذاب کے لیے جو دنیا میں واقع ہو مثلاً خسف ورجم وغیرہ جو ان پہلی امتوں کو دیا گیا بلوغ و دعوت شرط ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا فرمان وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا یعنی ہم کسی امت کو خسف وغیرہ سے عذاب نہیں کرنے کے جب تک ان کے پاس رسول نہ آجائے اور اللہ کی حجت ان پر قائم نہ ہو جائے لیکن آخرت کے عذاب کے لیے بعثت رسول شرط نہیں اگر ایسا ہوتا تو یاجوج اور ماجوج میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جاتا حالانکہ دوزخ میں جانے والوں میں بڑی تعداد انہی کی ہوگی۔

میں نے کہا ایک حدیث میں آیا ہے کہ شب معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پر گذر ہوا اور آپ نے ان کو خدا کی عبادت کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کیا اسی لیے وہ دیگر عاصی لوگوں کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔

حضرت نے فرمایا: ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔

مؤلف کتا ہے کہ حفاظ حدیث کی بھی یہی رائے ہے کہ حدیث مذکور کی سند میں نوح بن ابی مریم ابو عصمہ سے تقی الدین سبکی: شیخ تقی الدین علی بن عبد الکانی سبکی۔ ان سے ذہبی نے حدیث سنی۔ ذہبی نے انہیں فقہ الحافظ لکھا ہے ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ ان کی پیدائش ۶۸۳ھ = ۱۲۸۴ء میں ہوئی اور وفات ۷۵۶ھ = ۱۳۵۵ء میں۔

نوح بن ابی مریم ابو عصمہ الضبی: نوح بن ابی مریم، ابو مریم کا نام ماقبہ ہے۔ نوح مرو کے قاضی تھے اور نوح جامع کے نام سے مشہور ہیں۔ عباس بن مصعب کہتے ہیں کہ ان کا باب مجوسی تھا۔ انہیں جامع اس لیے کہا گیا کہ انہوں نے فقہ ابو حنیفہ اور ابن ابی یس سے پڑھی اور حدیث حجاج بن ارطاة اور دارقطنی سے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہیں۔ بخاری نے انہیں ذہب الحدیث کہا ہے۔ نسائی کہتے ہیں کہ یہ ثقہ نہیں۔ حاکم کہتے ہیں کہ اس نے فضائل قرآن کی حدیث وضع کی۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۸۶ تا ۴۸۸

نبی آیا ہے جو جھوٹی حدیثوں کے بنانے میں مشہور ہے۔ چنانچہ اس کے بارہ میں ابن حبان فرماتے ہیں اس میں سچائی کے سوا ہر چیز پائی جاتی ہے۔  
 مؤلف کتنا ہے کہ پاگل وغیرہ کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں ان کا ذکر کر کے میں کلام کو لمبا نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی جو کچھ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں اور نہ علم اصول کے ماہرین کے اقوال نقل کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ میرا مقصد تو حضرت کا کلام جمع کرنے سے ہے۔ اگر لوگوں میں جہالت عام نہ ہوتی تو میں صرف انہی کے اقوال پر اکتفا کرتا اور ان احادیث وغیرہ کا ذکر نہ کرتا جو ہماری غرض پر دلالت کرتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

### ۳۵۔ وَمَا صَاحِبِكُمْ بِمَجْنُونٍ (سورۃ تکویر پارہ ۳۰ آیت ۲۲)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اللہ تعالیٰ نے یوں ظاہر فرمائی وَمَا صَاحِبِكُمْ بِمَجْنُونٍ (تمہارا رفیق دیوانہ نہیں) اور حضرت جبریل کے متعلق یوں کہا کہ رسولِ کَرِیْمٍ مَطَّاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ۔ (یہ اللہ کے سفیر ہیں، عالی مقام ہیں، وہاں سردار ہیں اور امین ہیں) حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نور حق سے نازل ہوا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعبیر کرنے لگتے ہیں تو اس کی عبارت اس حالت کو اخذ کرتی ہے جو اس وقت آپ پر غالب ہوتی ہے اور یہ حالت کبھی تو واضح کی حالت ہوتی ہے کبھی اند کوئی حالت اور اس وقت آپ پر تو واضح کی شان کا غلبہ تھا کہ جبریل کو برا سمجھا اور اپنے آپ کو چھوٹا۔

ایک اور بار حضرت نے ارشاد فرمایا کہ وَمَا صَاحِبِكُمْ بِمَجْنُونٍ، قبل کو ثابت کرنے اور ان اوصاف کی صحت بیان کرنے کے لیے آیا جو جبریل کی طرف منسوب کئے گئے ہیں کہ یوں کہا گیا کہ جبریل کے متعلق جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کی خبر تم کو وہ رسول دے رہا ہے جس کی سچائی امانت اور یہ کہ وہ جو کچھ وہ کہتا ہے سمجھ کر کہتا ہے سب تم کو معلوم ہے اور جب خبر دینے والا ایسا ہو اور وہ بات کرتے وقت دیوانہ بھی نہ ہو تو اس کی خبر یقیناً قابل وثوق ہوگی لہذا وَمَا صَاحِبِكُمْ بِمَجْنُونٍ کئے سے ناقابل کو مخاطبین کی عقل میں بٹھانا مقصود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بیان کرنا مقصود نہیں لہذا یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں تو صفت سلبیہ پر اکتفا کیا اور جبریل کی تعریف میں بڑے بڑے وصف بیان کئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سلہ ابن حبان: ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ انہوں نے حسین بن ادریس ہرزدی، ابو حنیفہ تمیمی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے حاکم، منصور بن عبد اللہ خالدی وغیرہ نے۔ مدت تک سمرقند کے ناظمی رہے۔ نقیبہ، حافظ حدیث، طب اور نجوم اور دیگر علوم کے عالم تھے۔ ان کی تصانیف میں مسند صحیح تاریخ، کتاب الفتن وغیرہ ہیں۔ انہوں نے ۳۵۴ھ = ۹۶۵ء میں وفات پائی۔

۳۶۔ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُوذَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا (سورہ اعراف آیت ۸۹)

میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُوذَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا (سورہ اعراف آیت ۸۹) کے متعلق دریافت کیا حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ کیسا استثناء کیا ہے کیونکہ اس جگہ استثناء سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں اپنی ایمان والی حالت پر شک تھا اور وہ اس پر ثابت قدم نہ تھے۔

حضرت نے فرمایا: کہ یہ استثناء صرف اللہ کی طرف رجوع کرنے کے لیے ہے اور یہی خالص ایمان ہے اس لیے کہ اہل فتح بالخصوص انبیاء ورسول دیکھتے ہیں کہ ان میں اللہ ہی کا فعل کام کر رہا ہے اور یہ کہ ان میں ذاتی طور پر نہ کسی کام کرنے کی طاقت ہے نہ باز رہنے کی اور جو فعل بھی ان سے سرزد ہوتا ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے پس ایسی حالت والا شخص اگر کسی فعل کو اللہ کی مشیت پر چھوڑے تو سمجھ لو کہ وہ بحر عرفان میں غرق ہو چکا ہے اور اس نے ایمان کا بلند ترین درجہ پیش کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۷۔ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (سورہ نجم)

میں نے حضرت سے سوال کیا کہ آیت وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (سورہ نجم) کی کیا تفسیر ہے؟ (سناہ) نے آحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ستارہ کی قسم کیوں کھائی اور اس میں اور نور رسالت میں کیا مناسبت ہے جس کی بنا پر یہ قسم کھائی گئی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے استثناء کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انہوں نے کمال اطاعت کا ثبوت دیتے ہوئے یوں کہہ دیا کہ ہاں اگر اللہ چاہے اور مجھے اس کا حکم دے تو کرنے کو تیار ہوں جس طرح ملائکہ کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو مگر ابلیس نے اطاعت نہ کی حضرت شیخ عبدالعزیز کا جواب اہل فتح کا جواب ہے لیکن اہل ظاہر کے لیے میرے نزدیک بہترین جواب یہ ہے کہ یہاں استثناء بلیغ بالجمال کے طرز پر آیا ہے جیسے شاعر کے اس قول میں :-

وحتى يؤوب القارظان كلاهما  
وينشرني القشلي كليب لواصل

اسی طرح حضرت شعیب نے فرمایا کہ ہم تو تمہاری ملت میں واپس آنے کے نہیں جب تک اللہ نہ چاہے مگر اللہ تعالیٰ تو یہ چاہ نہیں سکتے کہ ہم تمہارے سامنے سر جھکاؤں لہذا ہم بھی تمہاری ملت میں نہیں آ سکتے۔ عربی زبان میں تعلق بالجمال کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں چنانچہ ایک اور شاعر کہتا ہے: فَرَجِي الْخَيْرِ وَالنَّظْرِي إِيَابِي

اذا ما القارظ العنزى ابا  
ابا بی سے کہتا ہے، کہ میرے آنے کا اس وقت تک انتظار کر جس وقت تک قبیلہ عنزہ کا قرظ کے پتے جھاڑنے والا واپس آئے (مگر وہ تو مرجھا ہے اس لیے میری واپسی کی بھی امید نہ رکھنا) اسی طرح ایک اور ضرب المثل — حتی يرجع مصقلة من طبرستان یہاں تک کہ مصقلہ طبرستان سے واپس آئے مگر مصقلہ طبرستان میں ایک جنگ میں مارا گیا تھا اس لیے وہ تو واپس آ نہیں سکتا لہذا میں بھی واپس نہ آؤں گا۔ میرے نزدیک اہل ظاہر کے لیے یہی تشریح بہتر ہے۔ ۱۲۔

فرمایا ستارہ کی قسم محض اس کے جہاد ہونے کی وجہ سے نہیں کھائی گئی بلکہ اس نور حق کی وجہ سے کھائی گئی ہے جو اس میں پایا جاتا ہے اور جو نور حق اس میں ہے وہ ایسا نور ہے جس سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں رہنمائی ہوتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک مثال بیان کر کے اس کی وضاحت کی اور فرمایا فرض کر دو کہ دو آدمی سفر کے لیے نکلے ہوں اور راستہ بھول گئے ہوں۔ نہ ساتھی ساتھ رہا ہو اور نہ زادراہ حتیٰ کہ دونوں کو ہلاکت کا یقین ہو گیا ہو اور نجات اور خلاصی سے مایوس ہو گئے ہوں لیکن ان میں سے ایک کو اس ستارہ (ثریا) کا علم ہو جس کے ذریعہ سے مسافر اپنے سفر کی راہ دریافت کر لیتا ہے چنانچہ وہ اس کی تلاش میں رہا ہو اور جب رات ہوئی وہ اس کے پیچھے مولا ہو یہاں تک کہ وہ منزل مقصود تک پہنچ گیا ہو اور اللہ نے اسے بچا لیا ہو۔

لیکن دوسرے کو ستارہ کا علم نہیں ہے، نہ ہی اس بات کا علم ہے کہ ستارہ کے ذریعہ سے راہ کیسے پاتے ہیں اور نہ ہی اس نے اپنے ساتھی کی پیروی کی لہذا وہ گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا پھرے گا اور آخر مر جائیگا۔ اور مرنے کے بعد اس گرمی و سردی کے باعث جو اس پر گزرے گی وہ چنے کے دانے کی طرح ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگوں کا بھی یہی حال ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں شخصوں کے درمیان ہیں۔ ایک گروہ آپ پر ایمان لے آیا اور اس نے آپ کی تصدیق اور تابعداری کی اور جنت نعیم اور اللہ تعالیٰ کی ان عنایات میں پہنچ گئے جن کا بیان نہیں ہو سکتا جس طرح پہلا شخص اس جگہ پہنچ گیا جہاں خوراک اور ساتھی موجود ہیں اور نعمتیں اور وسیع سایہ پا کر اپنی مراد اور حاجت پالی اور ایک فریق نے آپ کی تکذیب کی لہذا وہ اللہ کی ناراضگی میں رہے یہاں تک کہ مر گئے اور جہنم لے انہیں اپنی گرمی اور زہریلے سے جلا دیا جس طرح دوسرے شخص کے جسم کو گرمی اور سردی سے جلا یا کھٹا۔ لہذا ستارہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں مشابہت پائی گئی اور درحقیقت تو اللہ تعالیٰ نے نور حق کے ایک ایسے فرد کی قسم کھا کر جسے وہ جانتے ہیں اس فرد کو محقق کرنا چاہا ہے جسے وہ نہیں جانتے۔

پھر میں نے عرض کیا کہ اِذَا هَوَىٰ سے کیا مراد ہے؟

فرمایا کہ اِذَا هَوَىٰ کے معنی ہیں کہ آسمان کے وسط سے ہٹ جائے اس لیے کہ جب ثریا آسمان کے وسط میں ہوتا ہے تو اس سے راستہ معلوم نہیں ہو سکتا کیونکہ اس وقت وہ کھڑا ہوتا ہے اور کسی جہت میں جھکا نہیں ہوتا اس لئے اس سے راستہ کا پتہ بھی نہیں چل سکتا۔ واللہ اعلم۔

مؤلف کتنا ہے کہ اس آیت کے متعلق مفسرین نے بہت کچھ کہا ہے جن کا ذکر نجم الدین غیبی نے الاسرار والمعراج کے متعلق اپنی تالیف میں بالاستیعاب کیا ہے۔ یہ بڑی قابل قدر کتاب ہے اگر آپ اسے پڑھ لیں تو آپ کو فرمودہ حضرت کی قدر معلوم ہو جائے گی۔ اگر طوالت اور موضوع سے خارج ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو ہم ان سب کا ذکر کرتے۔ واللہ اعلم۔

الصمد میں نے حضرت کو فرماتے سنا کہ الصمد ایسا نام ہے جس سے تمام مخلوقات سیراب ہے خواہ



درخت ہو یا پتھر یا ڈھیلا اور ذی ابدوں ہو یا غیر ذی روح۔

اہل اعراف | اس نے اعراف والوں کے متعلق حضرت کو کتے سنا کہ وہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا فلاں ہیں۔ اور آپ کا اشارہ اہل عرفان میں سے بڑے بڑے صاحبانِ فتح کی طرف تھا۔

حضرت نے فرمایا: جنت میں بلند مقامات ہیں جن پر چڑھ کر وہ جنت والوں سے اونچے ہو جائیں گے، جس طرح کہ فاس میں ایک بلند منارہ ہے کیونکہ فاس کے لوگ وہاں چڑھ کر نیچے کی ساری آبادی کو دیکھتے ہیں ان لوگوں کے بلند مقامات کا نام اعراف ہے۔ حضرت نے یہ مثال تفسیری طور پر دی تھی۔

مؤلف کہتا ہے کہ اعراف میں کئی احوال ہیں جن کا ذکر حافظ سیوطی نے کتاب در السیرۃ میں کیا ہے۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے حضرت حمزہ اور دیگر شہداء ہیں اور یہ قول حضرت کے قریب قریب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۹۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِيُعْضِرَ لَكَ اللَّهُ مَا لَقَدَّمْ مِمَّنْ ذُنُوبِكُمْ وَمَا تَأَخَّرَ (سورہ فتح)

میں نے حضرت سے آیت اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِيُعْضِرَ لَكَ اللَّهُ مَا لَقَدَّمْ مِمَّنْ ذُنُوبِكُمْ وَمَا تَأَخَّرَ (اے محمد تم نے آپ کو واضح فتح عطا کی تاکہ اللہ آپ کے اگے اور پیچھے گناہ بخش دے) کے متعلق دریافت کیا۔

حضرت نے فرمایا کہ فتح سے مراد مشاہدہ ہے یعنی مشاہدہ حق۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں یہ بات پہلے سے موجود تھی کہ ساری مخلوق کو معرفت حق حاصل نہ ہوگی کیونکہ اگر تمام اس کی معرفت سے بہرہ ور ہوتے تو صرف ایک ہی گھر (یعنی جنت) ہی ہوتا حالانکہ اللہ نے دو گھر بنوئے فرمائے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کے سوا جن پر خدا کی رحمت ہوتی ہے سب کو معرفت سے حجاب میں ڈال دیا۔ اس لیے انہیں اپنے فعل اور ذات کے مشاہدہ سے بھی روک دیا کیونکہ اگر پرہ اٹھا دیا جاتا تو وہ خدا کا مشاہدہ کر لیتے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ (سورہ حدید آیت: ۲۰) وَيَخْتَفُونَ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنْ حَيْبِ الْوَارِثِ (سورہ ق آیت: ۱۶) وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي فَأِنِّي أَتَى الْقُرْآنِ (سورہ بقرہ آیت: ۱۸۶) وَلَا أَدْرِي مِنْ ذَلِكَ دَلَالًا أَكْثَرُ الْآلِهَةِ مَعَهُمْ أَيْنَمَا كَانُوا (سورہ مجادلہ آیت: ۲۰) (جہاں کہیں بھی تم ہو خدا تمہارے ساتھ ہوتا ہے، ہم اس کے شاہرگ سے بھی زیادہ قریب ہیں جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں (تو کہیں) میں قریب ہوں۔ اور خواہ کم ہوں یا زیادہ، جہاں کہیں بھی وہ ہوں خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے) اور یہ بھی دیکھ لیتے کہ ان کے تمام اخلاق اللہ ہی کے مخلوق ہیں اور فاعل حقیقی اللہ ہے وہ نہیں ہیں۔ اور وہ خود بمنزلہ ظرف و خالی اجسام کے ہیں جسے اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے حرکت دیتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے: وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ

اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو بھی پیدا کیا ہے۔ یہ مشاہدات کرنے کے بعد کوئی بھی نافرمانی نہ کرتا اس لیے کہ معصیت تو اسی شخص سے سرزد ہوتی ہے جو معصیت کے وقت اللہ سے حجاب میں ہو اور غافل ہو۔

حضرت نے فرمایا: مومن کا اگرچہ یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کے انحال کا خالق اور متصرف ہے اور اسی کا ارادہ غالب ہے لیکن یہ اعتقاد کبھی سامنے آتا ہے اور کبھی اوجھل ہو جاتا ہے جس کا سبب حجاب ہے اس لیے ان کا ایمان محض ایمانِ باغیب ہوتا ہے، مشاہدہ رعیان کا نہیں۔ جس پر اللہ کی رحمت ہو جاتی ہے، اس سے حجاب کو دور کر دیتا ہے اور خدا اپنے مشاہدہ سے اس کو نوازتا لہذا اسے حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کہ یہ حق کی طرف سے ہے اور اسی کی طرف اس کا انجام ہے فتحِ مبین سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

جس نے سوال کیا کہ یہ ”فتحِ مبین“ آنحضرت کو کب نصیب ہوئی؟

حضرت نے فرمایا: بچپن سے ہی کیونکہ آپ پر کبھی بھی حجاب نہیں آیا۔ فرمایا: قوت و ضعف کے لحاظ سے فتح میں کچھ فرق ہوتا ہے لہذا ہر ایک کو اس کی طاقت کے مطابق دی جاتی ہے اور عقل، روح، نفس، ذات، سر اور حفظہ کے اعتبار سے جو قوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بنتی اور میں نہ بھتی یہاں تک کہ اگر تمام انبیاء وغیرہ اصحابِ فتح کو جمع کر دیا جائے اور وہ قوتِ فتح جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے، ان پر ڈالی جائے تو سب کچھل جائیں اور ان کے اجسام ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان **مَا لَقَدَّمُوا مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَهَذَا خَيْرٌ مِنْ ذُنُوبِكُمْ** سے مراد اس کا سبب یعنی وہ غفلت اور حجاب کی ظلمت ہے جو آپ کی ترابی خلقت میں پائی جاتی ہے اور فرمایا کہ اس غفلت اور حجاب کا گناہ سے وہی تعلق ہے جو بدبودار اور میلے کپڑے کا اس پر مکھی کے گرنے کا ہے۔ لہذا جب کوئی بھی اس کپڑے کو پہنے گا تو مکھی اس پر گرے گی لیکن جب وہ اس کپڑے کو اتار دے گا، کھینچاں دور ہو جائیں گی لہذا کپڑے کی مثال حجاب کی ہوتی اور مکھی کی مثال گناہ کی۔ لہذا اگر کپڑے کو ہی مکھی کہہ دیا جائے تو یہ جائز ہوگا۔ اسی طرح یہاں ذنوب (گناہ) سے مراد حجاب ہے اور ما لَقَدَّمُوا وہاں تاخیر کنایہ اس کے بالکل نالغ ہو جانے سے، مطلب یوں ہوا کہ ہم نے آپ کو واضح فتح عطا کی تاکہ آپ سے حجاب کلیتہً زائل ہو جائے اور آپ پر ہماری نعمت مکمل ہو جائے۔ اور تاکہ آپ کو راہِ دکھانی جائے اور آپ کی مدد کی جائے اس لیے کہ زوالِ حجاب سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی راہنمائی معارف کی طرف راہنمائی سے بڑھ کر ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی نصرت اس شخص کی اس نصرت سے بڑھ کر ہو سکتی ہے جس کی یہ رسالت ہو۔

میں نے عرض کیا، کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے؟

فرمایا: ہاں۔

میں نے عرض کیا: کیوں؟

فرمایا: آپ ہر چیز کی آنکھ ہیں۔

میں نے کہا اسی لیے مشر میں انبیاء علیہم السلام کہیں گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں کیونکہ اللہ نے ان کے تمام گناہ مٹا دیے ہیں۔

مؤلف کہتا ہے کہ جو کچھ حضرت نے فرمایا نہایت ہی نفیس معرفت کی بات ہے اور نہایت لطیف لطیف ہے اور بارگاہ نبوت کے زیادہ مناسب اور نبی کی تنزیہ اور تعظیم کے لیے نہایت واضح اور اس عصمت کے زیادہ موافق ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حق زیادہ ادا ہوتا ہے اور ترتیب و سیاق آیت کے زیادہ مناسب ہے۔ خدا انہیں ہماری طرف سے بہترین جزا دے۔

اس آیت پر کئی ایک لوگوں نے بحث کی ہے اور وہ معنی جن کی طرف حضرت نے اشارہ کیا ہے ان کے ذہنوں میں بھتے مگر اس کا اظہار نہ کر سکے۔ السبلی کبیر اس کے گرد ہی چکر لگاتا رہا، ابو یحییٰ الشریف جو ابن عبد اللہ الشریف التلمسانی کے نام سے مشہور ہے، کی عقل اس کی تلاش میں سرگرداں رہی یہاں تک کہ اس نے گناہ کے تین مراتب بنائے اور اسی طرح مغفرت کے بھی تین مراتب بنائے۔ اس طرح کہ گناہ کا ایک محل صدور ہے اور وہ نفس امارہ ہے اور ایک اس کی حقیقت یعنی مخالفت کرنا اور ایک اس کا اثر یعنی ظلمت قلب جس کا ذکر آیہ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ میں ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ ان کے دلوں کو ان کے اعمال نے زنگ آلود کر دیا ہے اور حدیث میں ہے إِذَا أَذْنَبَ الْعَبْدُ ذَنْبًا حَصَلَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْلَةٌ سَوْدَاءٌ (جب کوئی بندہ کسی قسم کا گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے)۔ تلمسانی کہتے ہیں کہ محل صدور اور اثر کو مجازاً گناہ کہا گیا ہے کہ محل صدور میں تو سبب کے اعتبار سے یہ نام دے دیا گیا ہے اور اثر میں سبب کے اعتبار سے۔

مغفرت کا لفظ غفر سے ماخوذ ہے جس کے معنی پردہ ڈالنے کے ہیں اور ستر کے کئی مراتب ہیں پہلا درجہ جو سب سے زیادہ قوی ہے یہ ہے کہ شئی کا وجود ہی نہ رہے۔ چنانچہ گناہ عدم کی تالیقی میں چھب جاتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ وجود تو ہو مگر اس کا ادراک کرنے والا حاسہ ہم میں نہ ہو اور تیسرے یہ کہ وجود بھی ہو اور حاسہ مدر کہ بھی مگر درمیان میں کوئی چیز حائل ہو جائے چنانچہ سورج اگر مطلقاً آسمان پر نہ ہو تو یہ عدم میں چھپا ہوا ہوگا اور اگر سورج موجود ہو لیکن دیکھنے والے کے بنیادی ہی نہیں ہے تو یہ حاسہ مدر کہ کے نہ ہونے کی وجہ سے چھپا ہوا ہوگا اور یہ ستر کا کمزور ترین درجہ ہے۔ اس لیے کہ بادل مٹنے پر سورج نظر آجائے گا۔

تلمسانی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مغفرت کا لفظ جو استعمال ہوا ہے اس





۴۰۔ سَأَلُوا الْعَلِيَّ فَلَا يُظَاهِرُ عَلِيَّ غَيْرِ ابْنِهِ أَحَدًا (سورہ جن آیت : ۲۶) و قولہ

تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ حِمَّةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا (سورہ لقمان آیت : ۳۴)

میں نے عرض کیا کہ ان آیات سَأَلُوا الْعَلِيَّ فَلَا يُظَاهِرُ عَلِيَّ غَيْرِ ابْنِهِ أَحَدًا (وہ عالم غیب اپنے غیب پر سوائے پیدہ رسولوں کے کسی کو ظاہر نہیں کرتا) اور إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ حِمَّةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا (قیامت کا علم خدا کو ہی ہے) اور آنحضرت علیؑ سے کہ کفر مان فی خمس لا یجاءہہ (وہ اللہ پر ان پانچ امور میں سے ہے جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں) اسے تو یہ علوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کی باتیں، نیز پیغمبر کے کسی کو نہیں بتاتا حالانکہ عارفین کو بھی کثرت ہوتی ہے اور وہ غیب کی بات مثلاً ماں کے پیٹ میں بڑا کسے یا لڑکی بتا رہا کرتے ہیں۔ اور ان قسم کی کرامات ازیادہ ہیں عام پائی جاتی ہیں۔

حضرت سید فرید: کہ جو کلام اللہ اور حدیث میں پایا جاتا ہے اس سے مراد کلام حق ہے۔ عرفوں اور ان لوگوں کو خارج کرنا ہے جن کے تبارخ مزوسوتے ہیں اور جن کے متعلق باہلی غریبوں کا یہ خیال تھا کہ یہ اللہ غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے محاسبات کے فیصلہ کے لیے ان کے پاس جاتے اور ان کی بات پر عمل کرتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس باطل اعتقاد کو ان کے دلوں سے نکالنا چاہا لہذا یہ اور اسی قسم کی دوسری آیات نازل فرمائی اور اسی طرح اس بات کو خفیہ اور رخص الام میں بھی زائل کرنا چاہا چنانچہ ان جنات و آسمان پر جانے سے روکنے کی عرض ہے (آسمان پر سے بھٹا دیے اور شہاب ثاقب منقر کر دیے۔ ان تمام باتوں سے مقصد صرف اتنا تھا کہ مخلوقات کو باطل سے پھیر کر حق پر جمع کر دیا جائے اور دنیا و حق میں سے ہیں باطل میں سے نہیں ہیں، اس لیے اس آیت میں اور دوسری آیتوں میں جو تصریح ہے اس سے وہ خارج نہیں ہوتے۔ فرمایا کہ اس اور اس قسم کی دیگر آیات میں بات عام ہوتی ہے لیکن نور کے جو تیار ہیں جو سوتے ہیں وہ اس آیت کو بعض افراد کے ساتھ مخصوص کر دیتے ہیں لہذا جب عارف ایک نام لفظ کہ سننا ہے تو ان نور کے تیروں کو دیکھتا ہے۔ اگر وہ محض ظن و ظن و زہد و عمر و خالد و کبر پر نزلتے دکھائی دیتے ہیں تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ صرف یہی لگ مراد ہیں کوئی اور مراد نہیں اور اگر لفظ عام ہو اور وہ اس نور کو دیکھے کہ یہ تمام افراد پر اتر رہے ہیں اور کوئی فرد بھی ان سے الگ نہیں رہا تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ سب لوگ مراد ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشتر اس کے کہ آیت آپ کی زبان مبارک سے نکلے اس کا علم ہوتا تھا۔ اس لیے کہ نور کے نیر بیسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر وار ہو جاتے تاکہ آپ کو علم ہو جائے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے۔

مؤلف کتاب ہے کہ حضرت کا اشارہ اس کا کی طرف ہے جس سے خاص مراد لینی مراد وہ عالم جو اپنے علوم

پر باقی ہو لیکن آپ چونکہ حضرت امی میں اس لیے آپ اصطلاح کا پتہ نہیں مگر پھر آپ اصطلاح سے معافی کی روح کی طرف سبقت سے ہے ہیں یہاں تک اگر علماء ظاہر کا سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑا مناظر، پالاک اور بہ خیر آدمی اگر آپ سے مقابلہ کرنا چاہے تو وہ آپ کا مقابلہ نہ کر سکتے گا اس لیے کہ حضرت اس سے پہلے ہی معافی معلوم کر رہے تھے اور اس کے تمام راستے بنا کر دیے گئے تھے کہ آپ سے مقابلہ کرنے سے ہمتیار ڈالنے اور طبع ہونے کے سوا کچھ نہیں نہ آسکا۔ اور اس کا اثر کیا کرتا تھا یا حضرت جس قدر آپ کے بارے میں علماء ظاہر بھول ہوئی ہے کسی اور سے نہیں ہوتی کیونکہ اگر وہ آپ کے پاس آتے اور اب علم میں آپ سے گفتگو کرتے تو ان کی عقلیں روشن ہوجاتیں اور ان کے شکوک رفع ہوجاتے۔ پھر سے پانچ بولمظہ اسفراہی کی کتاب التبصیر تھی جو انھوں نے بہتر فریضوں کے متعلق لکھی ہے اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اہل ایوان کے شبہات کا مجھ سے ذکر کرو اور جو اشکال اس میں ہو مجھ سے پوچھنا چہ جب کبھی میرے پاس آئے ان سے ان کو کوئی شک بیان کیا آپ نے فوراً حل کر دیا اور پھر اپنے اور علوم و معارف کا ذکر کیا۔ میں نے آپ سے آپ کی "نور اللغات" میں "برهان القطع و التطبیق" کے متعلق گفتگو کی تو مجھے آپ سے بہت سے اسرار سننے میں آئے اور مجھے وہ علوم مانوس ہوئے جن کو کلام نے کہیں نہیں کیا۔ اس کے بعد حضرت نے مجھے ان سلفیہ کی توحید کی تعلیم دیا جو سارن باللہ اول اور فرمایا کہ وہ توحید ہے جس پر انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ میں نے آپ کا اشارہ سمجھنے کے بعد عرض کی میرے آقا اگر لوگوں کو توحید کے بارے میں اس حق بات کو علم ہو جانا تو امت تہمت فریضوں میں منقسم نہ ہوتی۔ فرمایا: ہاں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت یہی کھنا چاہا تھا تاکہ آپ کے بعد آپ کی امت کبھی گمراہ نہ ہو۔

اب ہم پھر اپنے مقصد کی طرف رہن کرتے ہیں۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اس آیت میں رسول کو علم غیب کے ساتھ مشغول کیا گیا ہے لہذا اس سے متاثر نہ ہو۔ لیکن ذرا لو بھی علم غیب ہوتا ہے لہذا اعتراض باقی رہا۔

حضرت نے فرمایا: اس آیت سے غیر رسول خدایت ہوتے ہیں اور وہی تو آیت میں رسول کے ساتھ داخل ہے پھر آپ نے ایک مثال دی اور یہ کہتے ہوئے کہنے کے دن کہنے کہ فریض کر و ایک بڑا آدمی مثلاً فلاں شخص بیچا کہ کمیت میں جا کر اپنی زمین اور مزارعوں کو دیکھے تو اس کو کوئی نہ توئی خادم یا عزیز دست ضرور اس کے ساتھ جائیگا چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے گا اور اپنی زمین اور مزارعوں کے متعلق معلومات حاصل کرے گا تو ان چیزوں کا علم اس کے خادموں اور دوستوں کو بھی ہو جائے گا۔ اسی طرح رسول کے لیے خادموں اور احباب کا ہونا ضروری

۱) البوالظفر اسفراہی: البوالظفر طاہر بن عبد اللہ اسفراہی بوشہرہ میں طبرستان فیج کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی وفات ۱۰۰۰ھ = ۱۵۹۱ء میں ہوئی۔ ان کی کتاب کا پورا نام تبصیر فی الدین و تہیۃ الفریقۃ الناجیۃ عن العرق الہا لکین ہے۔ ملاحظہ ہو کشف الثنون ج: ۱ ص: ۱۵۹

ہے لہذا جب رسول کو غیب کا علم ہو گا تو اس میں سے کچھ حصہ اصفیاء کو بھی حاصل ہو جائے گا۔  
 اس کے بعد میں نے حضرت سے کہا کہ علماء و ظاہر خواہ محدثین ہوں یا کونج اور ان میں اختلاف ہے کہ  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچ امور کا علم تھا جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے کہ **إِنَّ اللَّهَ عِنْدَ عَلِيمٍ**  
**السَّاعَةِ وَيُنزِلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ**  
**بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ**۔ **إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ**۔ (قیامت کا علم خدا کے پاس ہے ہر ارضی ہر شے بتاتا ہے، نہی جانتا  
 ہے کہ رحم مادر میں کیلے اور نہ کسی انسان کو پتہ ہے کہ کل کیا کرے گا اور نہ ہی کسی کو معلوم ہے کہ کہاں ہے مگر  
 بیشک اللہ علیم و خبیر ہے) یا علم نہیں تھا۔

فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان پانچ چیزوں کا علم کیسے کیوں سکتا تھا حالانکہ آپ کی امت  
 صفحہ ۱۶۸ میں ایک صاحب نے صرف ان پانچ چیزوں کے علم کے بغیر تقریر کر رہی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق ان سے پہلے انزل القرآن علی سبقتنا حرف کے  
 تحت مختصر بحث گذر چکی ہے اور اس حق کا بھی عقیدہ ہے جو کچھ شیخ عبدالعزیز دہلوی نے بیان کیا۔ بعض  
 اجاب نے اس کے خلاف رسالے لکھے۔ بڑی بڑی روشنیوں میں اور سے غاصر توحید سمجھا۔ ان اجاب کی خدمت  
 میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ نائن توحید کے ساتھ مزید رسالت اور پھر اللہ ص آئینت عن اللہ علیہ وسلم  
 کے مرتبہ کا لحاظ بھی نہایت اہم اور ضروری ہے اخذ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے ہاتھوں معجزات دکھاتا ہے،  
 تو کس لیے؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب رانی کو بھی معجزہ خیال کر کے مان لیا جائے تو اس میں  
 کوئی قباحت لازم آتی ہے اور کونسا رکن اسلام منہدم ہو جاتا ہے۔ یہ کتاب ڈرام کے لیے نہیں لکھی گئی اور نہ  
 عوام کے سامنے اس قسم کے مسائل کو زیر بحث لانا چاہیے کہ ان میں فقہ کا خوف ہوتا ہے یہ خواص کے مسائل ہیں۔  
 حضرت عبدالعزیز دہلوی نے آگے چل کر پھر اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور وہاں بھی یہی بات  
 کہی ہے۔

مذکورہ بالا نوٹ لکھنے کے بعد مجھے ایک سزا مل گئی کہ قادیان کے ہاں اس مسئلہ پر اختلاف پایا جاتا ہے  
 کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم تھا یا نہ تھا چنانچہ عذر سید علی نے شرح السورہ شرح حال الموقتا  
 والقبور طبع لاہور صفحہ ۲۱-۲۱۵ پر لکھا ہے کہ روح کے متعلق بعض علماء نے بحث کرنے سے احتراز کیا ہے  
 اور بعض نے اس کی بحث کی ہے۔ پھر یہ طریقے کے علماء میں بھی اختلاف ہے کہ آیا روح کے متعلق آنحضرت صلی  
 اللہ علیہ وسلم کو علم تھا یا نہ تھا۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے عبد اللہ بن یزید سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو تاجین و نجات روح کا علم تھا اور اگر وہ لٹا ہے بلکہ آنحضرت کو اس کا علم تھا اور انہ لٹا ہے آپ کو اس کی اطلاع  
 دی تھی مگر کسی کو بتانے کی اجازت نہ تھی اور اس مسئلہ میں اختلاف نہیں انی طرف ہے جس طرح کہ قیامت کے متعلق  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے متعلق اختلاف ہے۔

پھر میں نے سوان کیا، علیاً کا قول ہے کہ آیت الفہ کا سلمہ آنحضرت کے ذہن سے نکل لیا گیا تھا اس لیے تو آپ نے فرمایا کہ اسے انتیہ کی شب یا سائیکوئی یا کچھ بیویوں شب میں تلاش کرو ورنہ اگر آپ کو اس کا علم ہوتا تو آپ مجھ پر فرما دیتے۔

اس پر آپ کو غصہ آگیا اور فرمایا سبحان اللہ اور پھر فرمایا اگر بخدا خداوند را جانے اور زرارہ جٹا ہوں اور میری احسن گدے کی طرح بھول چکی ہوں اور میری ٹانگیں اڑ گئی ہوں اور کچھ بھی اس حالت میں مجھے اس کا علم ہو جائے گا پھر کہے ہو سکتا ہوں کہ ان کو سید الوہاب علی اللہ علیہ وسلم سے صحیح فرمایا ہو۔ اس کے بعد آپ نے مذکورہ بالا پانچ باتوں کے متعلق اور ایتر غصہ کے متعلق وہ اسرار بیان کیے جو ان صحیح باتوں کی تائید سے ہی نکل سکتے ہیں۔ خدا پرین ان کا اس کتاب میں ذکر کرنے کی توہین ہے۔ حضرت نے حضرت مالک سے یہ سببتا افتادہ کہ تیسری زبان پناچہ بعض اوقات اس کی تعبیریں رجب میں کی اور ایک سال شعبان میں اور ایک اور سال رمضان میں اور ایک بار اس عید الفطر کی رات۔ آپ نے اس رات کے آٹھ سببتا پہلے ہی اس کی تعبیر فرمادیا کرتے تھے اور فرمایا کہ ان کو غلط مت کہو اور یہ بھی فرماتے کہ یہ رات منتقل ہوتی رہتی ہے اور اس طرح جمعہ کی رات رات اور تیرہ رات و ناکہ رات رات کی بھی تعبیر فرمادیا کرتے اس کے بعد اسرار کا ذکر انشاء اللہ ہم آئندہ کریں گے۔

یہاں ہم ان آیات کو مختصر کر رہے ہیں جن کی تفسیر حضرت نے کی مگر ابھی کچھ اور آیتیں باقی ہیں جو اس کتاب میں اپنے مناسب مقامات پر آئیں گی اور بعض ایسی آیات ہیں جن میں ہم حضرت کی مراد کو اچھے طریقے سے سمجھ نہیں سکتے۔ ایسی کچھ آیتیں ہیں جن میں کیا گیا اور بعض آیات کی تفسیر میں آپ نے معرفت کے اسرار سے بہتر تفسیر کرنا مناسب نہ تھا۔ جو کہ ہم نے کھانے سے خدا نما میں اپنی ذات کے لیے بنا دے اور اسے اپنی نام و نماندگی کا باب بنا دے۔ اس سے اس کے لکھنے والے پر عجز و استیسا اور اس کے حاصل کرنے والے کو تفریحی نے بڑا سیارہ حسب کلام حضرت و تاریخ۔



















علم لدنی کا شاہکار

# حزیرہ معارف

مشہور عربی کتاب ابراہیم بن کاسیس اردو ترجمہ

اس کتاب میں حضرت علامہ احمد بن مبارکؒ بلخاسی نے غوث زمان حضرت سید عبد العزیز دباغ مغربیؒ کے مختصر سوانح حیات، عقائد، کرامات، بعض آیات قرآنی، احادیث نبویؐ کی مفید تشریحات اور علم و عرفان کی نادر باتیں جمع کی ہیں

حصہ اول

ترجمہ از

ڈاکٹر پیر محمد حسن ایم اے پنی ایچ ڈی

پرنسپل گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول (دولینڈی)

علمی کتاب خانہ - اردو بازار - لاہور

ہدیہ حصہ اول ۸ روپے - حصہ دوم ۴/۸ روپے - جلدیکیا - ۱۲ روپے

نقوش پریس لاہور